

روزانہ درس قرآن پاک

تفسیر

سُورَةُ الْبَقَرَةِ

جلد ۲

وفادار

حضرت مولانا صفی عبدالحمید صاحب سوائی

خطیب جامع مسجد نور گوہر برائے

طبع سولہ

(جملہ حقوق بحق انجمن محفوظ ہیں)

عالم عرفان فی القرآن (سورۃ البقرہ و آیت ۱۳۱ تا ۱۳۱)	م کتاب
دعوتِ مولا ماصوفی مہدی سہ ماہی خطیب جامع مسجد نور کوثر انوار	المعارف
الطائف لعلین - المجلدات دوم الاسلامیہ	م کتاب
۳۹۶ صفحات	م کتاب
پانچ سو (۵۰۰)	تعداد صفحات
سید الخط طین دعوت شمس الحسنیٰ حسین مدظلہ	م کتاب
محمد امین اللہ قوری کوثر انوار	م کتاب
مکتبہ دار القرآن فاروقی پنج کوثر انوار	م کتاب
۱۵۵ روپے	قیمت

دسمبر ۲۰۰۷ء بمطابق ذیقعد ۱۴۲۸ھ

ملنے کے پتے

- (۱) مکتبہ دار القرآن، محلہ فاروقی پنج کوثر انوار (۵) کتب خانہ رشیدیہ، درگاہ ہزارہا، پٹنہ
- (۲) دارالعلوم، دہلی (۶) کتب خانہ جمعیہ، بیرون بازار کیتھول
- (۳) مکتبہ قادیان، الفضل، بیت الزور (۷) مکتبہ طیبیہ، نزد جامعہ، بیرون بازار کیتھول
- (۴) مکتبہ سید احمد رشیدیہ، درگاہ ہزارہا، پٹنہ (۸) دارالعلوم، کتب خانہ الکافی، بیرون بازار
- (۹) مکتبہ رشیدیہ، درگاہ ہزارہا، پٹنہ

فہرست مضامین

دروس القرآن پارہ ۱۱ جلد ۱

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۷	استقامت کی ضرورت	۱۵	پیش نظر از اللہ علی بن عبد اللہ امام شافعی (رحمہ اللہ)
"	مبادی	۱۹	سختی گھنٹی در آخر وقت داخل در سفرہ العلوم (رحمہ اللہ)
۳۳	مسار	۳۳	درس اول (آیت ۱۲۱)
۳۷	درس دوم (آیت ۱۲۵)	"	سورۃ اور آیت
"	محکمات اثبات منقطعات	"	آیت کے مختلف معانی
۳۵	۱۲۵م حدیث: اور ان کی تفسیریں	۲۵	سورتوں اور آیات کی ترتیب
"	حدیث منقطعات پر تفسیر کے باعث	۲۷	سورتوں کی آثار و عجائبات
۳۶	حضرت صدیق اکبرؓ	۲۷	تہذیب
"	حضرت علیؓ	"	مکی اور مدنی سورتیں
"	حضرت امیرؓ	۲۸	ترتیب سورۃ کی نسبت
"	حضرت ابن مسعودؓ	"	فصلت سورۃ
۳۷	حضرت امیرؓ	۲۵	مضامین سورۃ
"	منقطعات اسمائے الٰہی ہیں	۳۰	نام اور کوائف
۳۸	منقطعات اسمائے قرآنی ہیں	۳۱	سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ میں
"	منقطعات بحیثیت جلیغ	"	فہمات دین
۳۹	اہم شخص کے بارے	"	معرفت الٰہی
"	عبداللہ بن عباسؓ کا قول	۳۲	ثبوت نعت

۵۵	انسانوں سے تین کردہ	۴۰	اہم ہونے کی تحقیق
۵۶	کفر بمعنی	"	شیخ ابن عربی کا قول
"	کفر کی مختلف اقسام	۴۱	نزول مقطعات معجزہ سرور کائنات
"	کفر بظاہر	"	اہم ہونے کی کا قول
۵۷	کفر بخود	"	ابن عربی کا فلسفہ
۵۸	کفر غیور	۴۲	مولانا سید دودی کا نظریہ
"	کفر فحاش	"	نیز فراموشی کا قول
"	کفر شک	"	نہایت غصہ
۵۹	کفر بہادت	۴۳	درس سوم کا (آیت ۱۵)
"	کفر تاویل	"	لفظ ذہانت کی نکتہ
۶۰	عملی کفر	۴۵	لفظ زانیہ کا معنوم
"	کفر پرست	۴۶	مولانا شیخ السند کی تفسیر
"	ایک اشکال اور اس کا جواب	۴۷	متنیں کے لیے ہدایت
۶۳	درس پنجم کا (آیت ۱۷)	۴۸	تقریب کی تعریف
"	گزشتہ سے پیوستہ	۴۹	تقریب کے تین درجات
"	ان آیات کا مستحق کون ہیں	"	مستحق کون ہیں
۶۵	امر ٹکانے کا مطلب	۵۱	ایمان بالغیب
۶۶	دلوں کی مادی	۵۲	اقامت صلوٰۃ
۶۷	اعنایہ دیکھتے ہیں باز پرس ہوگی	"	اتفاق فی میل اللہ
۶۸	اعضائے زمین میں سے قہر کی اوجہ	۵۳	کتب مادی پر ایمان
۶۹	غدا پر عظیم کی وجہ	"	ایمان بالآخرت
۷۰	حنائے دینہ کام فرمایا ہے	۵۴	ہدایت بالآخرت
۷۱	درس ششم کا (آیت ۱۸)	۵۵	درس چارم کا (آیت ۱۷)

۹۰	منافقین کی مثال	۷۱	گزشتہ سے پورے
۹۱	انہی میں سے مختلف قسمیں	۷۲	منافقین کا گروہ
۹۳	منافقین کی جہتی	۷۳	منافقین کی قسمیں
۹۵	درس ششم : روایت ۱۲۰۲۹	۷۴	انفاق دینی باری ہے
"	گزشتہ سے پورے	۷۵	فدا فی الارض
۹۶	منافقوں کی دوسری مثال	۷۶	منافقین کی دھوکہ دہی
"	اعتقادی اور عملی منافق	۷۷	حکومتی سطح پر انفاق
"	دل کی بیماریاں	۷۸	غلاب علیکم اور غلاب ایہم میں فرق
۹۷	ایمان اور انفاق کی مثال	۷۹	درس ہفتم : روایت ۱۲۰۳۰
"	قلب کی بیماریاں	۸۰	گزشتہ سے پورے
۹۸	برش کی مثال	۸۱	حقیقی ایمان
۹۹	منافقین کی بے بسی	۸۲	معیاری حق
۱۰۰	درس دہم : روایت ۱۲۰۳۱	۸۳	انسان اور اس کا دل
"	گزشتہ سے پورے	۸۴	حقیقی انسان کون ہیں
"	خاطیہ قرآن	۸۵	بیوقوف کون ہیں
۱۰۲	پارہم ضایین	۸۶	منافقوں کی مدنی بائیس
"	ترتیب	۸۷	استمرار من اللہ کا مفہوم
۱۰۳	صفات النبی	۸۸	ہدایت کے بدلے محرابی
"	معرفت النبی	۸۹	درس ہشتم : روایت ۱۲۰۳۲
۱۰۵	عبادت النبی	۹۰	گزشتہ سے پورے
۱۰۶	وجود النبی پر دلائل	۹۱	کتاب آسمانی اور اشد
۱۰۹	درس یازدہم : روایت ۱۲۰۳۰	۹۲	تفسیر احمد القرآن
"	ترتیب عبادت کے لیے شرط ہے	۹۳	مثال کی حکمت

۱۳۰	گزشتہ سے بیورہ	۱۱۰	دلائل توحید
۱۳۱	حقیر ہیزوں کی مثالیں	۱۱۱	بُک آسمان اور اس کا جواب
۱۳۲	حیا کی مختلف قسمیں	"	عبادت کیوں ضروری ہے
۱۳۳	برایت اور گمراہی	۱۱۲	عبادت کے لائق صرف ذاتِ باری ہے
۱۳۴	ناسخ کا معنی	"	زمین کے فوائد
۱۳۵	یہود و نصاریٰ کی عبادت	۱۱۳	آسمان اور پانی کی نعمت
۱۳۶	قطع رحمی	"	لفظ نہ کا معنی
"	صلہ رحمی	۱۱۵	نہ ٹھہرانے کی مختلف صورتیں
"	فنا فی الارض	۱۱۶	شرک فی المشیت
۱۳۷	نواقین کی ناکامی	"	شرک فی العادت
۱۳۸	درس چہار و جمعہ ۱۴ (آیت ۲۸ تا ۲۹)	۱۱۷	شرک کی دوسری قسمیں
"	گزشتہ سے بیورہ	۱۱۸	شرکِ خفی
۱۳۹	اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر	۱۱۹	اطاعتِ غیر اللہ
۱۴۰	موت و حیات تعریفِ انہی میں ہے	۱۲۱	درس دواز و جمعہ ۱۴ (آیت ۲۲ تا ۲۵)
۱۴۱	محاسبہ کا عمل	"	گزشتہ سے بیورہ
۱۴۲	حیثیتِ دینی کرنے کے آداب	۱۲۲	قرآن پاک خاص معجزہ ہے
"	تمام چیزیں انسان کے لیے ہیں	۱۲۳	عبدِ باعزت لفظ ہے
۱۴۳	موت سامانِ عبرت ہے	"	قرآن بطورِ چیلنج
"	شیار میں اسلِ باہت ہے	۱۲۵	مسکون قرآن کی سزا
۱۴۴	آسمانوں کی تخلیق	۱۲۸	ایمانداروں کے لیے نثرت
۱۴۵	علیم کل صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے	"	بچپوں میں شبِ بخت
"	عبادتِ الٰہی لازم ہے	۱۲۹	بائیزہ نبویاں
۱۴۶	درس پانز و جمعہ ۱۵ (آیت ۳۰)	۱۳۰	درس سیز و جمعہ ۱۵ (آیت ۲۶ تا ۲۷)

۱۷۰	جنت سے نزع	۱۴۷	گذشتہ سے بہتر
۶۱	زمین ہی اصل ٹھکانہ ہے	۱	موضوع
۱۷۲	درس ہنر و حکم (آیت ۲۹-۲۷)	۱۴۸	ہر مہینے بادشاہ ہوگا
۱	گذشتہ سے بہتر	۱۴۹	خلق انسانی سے قبل کے ادوار
۱۷۳	حضرت آدم علیہ السلام کی قرب	۱۵۰	فرشتوں کا مادہ تخلیق
۱۷۴	حضرت آدم علیہ السلام کی حضرت آدم علیہ السلام پر فیضیت	۱۵۱	نجات اور شیاطین
۱	زمین پر اترنے کا حکم	۱۵۲	انسان کا مادہ تخلیق
۱۷۵	حضرت آدم علیہ السلام اور حوا کی مباحثات	۱۵۳	حضرت آدم علیہ السلام خلیفۃ اللہ میں
۱۷۶	جنت کے تحفے	۱۵۴	مسک مضافات
۱۷۷	حضرت آدم علیہ السلام کا مقام نزول	۱۵۵	درس شانِ نوز و حکم (آیت ۳۱-۳۰)
۱	بعض افیہدیم السلام کے پیشے	۱۵۶	گذشتہ سے بہتر
۱	قرب کی قربیت	۱۵۷	آدم علیہ السلام کو کن چیزوں کے نام سکھائے گئے
۱۷۸	قرب کی قربیت	۱۵۸	لاکھ کا استحقاق
۱۷۹	زمین یا آسمان کی تخت	۱۵۹	آدم علیہ السلام کی کامیابی
۱۸۰	توفیق و شکر کی حقیقت	۱۶۰	درس مہینہ ہجرت (آیت ۲۴-۲۳)
۱	ذہنیت کے متبعین	۱۶۱	فرشتوں کی بکھرے ریزی
۱۸۱	کفار و مکذبین	۱۶۲	خدا تعالیٰ کے لوگوں کو اب ہر کچھ حرام ہے
۱۸۲	درس نوز و حکم (آیت ۳۰-۲۹)	۱۶۳	فرشتوں کے سجدہ کی بعض ترکیبات
۱	آسمان بنی اسرائیل	۱۶۴	ابلیس کا انکار
۱۸۳	بنی اسرائیل پر انعامات	۱۶۵	حمد اولین گناہ ہے
۱۸۴	بنی اسرائیل کی بد شگونی	۱۶۶	حضرت آدم علیہ السلام اور حوا جنت میں
۱۸۵	ایمان بالقرآن	۱۶۷	شجر ممنوعہ
۱۸۶		۱۶۸	شیطان دوسرے

۲۱۲	۱۸۹	دنیا کی محبت	خشیت حاصل نہوت ہے
۲۱۳	۱۹۲	تیس ادا کا ن حق	مرد چالیس کی اہمیت
۲۱۳	۱۹۲	درس ہست و نیست (آیت ۴۳ تا ۴۶)	بنی اسرائیل کی کوسال پرستی
۲۱۳	۱۹۲	گنہگار سے جوڑت	محنت قومن کے ایک درستر پر اثرات
۲۱۵	۱۹۳	قبول حق سے انکار کی وجوہات	مشکوٰۃ طویل
۲۱۶	۱۹۴	حسب دل و جاہ کی پیدیاں	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی
۲۱۶	۱۹۴	بیادریوں کا علاج	بکھڑے کے بجا دیوں کا نقل نام
۲۱۶	۱۹۵	نماز جامع عبارات ہے	درس ہست و نیست (آیت ۵۵ تا ۵۷)
۲۱۶	۱۹۵	نماز جامع است	رابط آیات
۲۱۶	۱۹۶	قول و فعل میں تضاد	رویت اسی کی خوش
۲۱۶	۱۹۶	صبر و صلوٰۃ کی برکات	بنی اسرائیل کو سنز
۲۲۰	۲۰۰	رجوع الی اللہ	رویت الی اس جہان میں ممکن نہیں
۲۲۱	۲۰۰	درس ہست و نیست (آیت ۵۷ تا ۵۹)	بنی اسرائیل کو جاکر کر اور دوبارہ زندہ کرنا
۲۲۳	۲۰۱	رابط آیات	جہاد سے فرار
۲۲۳	۲۰۱	بنی اسرائیل کی نفسیت	بارل کا سایہ
۲۲۳	۲۰۲	اسلامی تاریخ کی حفاظت	من اور سلوی
۲۲۶	۲۰۲	امت مسلمہ کی برتری	پہنے آپ پر ظلم
۲۲۶	۲۰۳	برتری کا معیار تقویٰ ہے	درس ہست و نیست (آیت ۵۸ تا ۵۹)
۲۲۶	۲۰۳	مشکوٰۃ شاعت	رابط آیات
۲۲۶	۲۰۴	فرعون سے نجات	ہستی میں داخل
۲۳۰	۲۰۵	فرعون کی نجات	سجدہ و شکر
۲۳۱	۲۰۵	درس ہست و نیست (آیت ۵۹ تا ۶۰)	استغفار کی برکات
۲۳۱	۲۰۵	نزول قرآن	استغفار کی برکات

۲۵۰	آیات الہی کا انکار	۲۳۱	حکم خداوندی میں تبدیلی
"	نبیاء پر عیسویوں کا قتل	۲۳۲	عائی قرنین اور نیک شخص
۲۵۱	خافرائی اور حد سے تجاوز	۲۳۳	روایت میں رنگ کا حصہ
۲۵۲	درس سبب و مہفت (آیت ۶۲)	"	ظہر کا حشر
"	قانونِ نجات	۲۳۴	زمین کی آبادی اور بربادی
"	نہیبِ عالم	۲۳۵	درس سبب و مہفت (آیت ۶۰)
۲۵۳	اہل ایمان	"	رابطہ آیات
"	ہکاو کا معنوم	"	بنی اسرائیل کا طلب آب
۲۵۴	یسور کی وجہ تسمیہ	۲۳۶	استغاثہ کی حقیقت
"	یسور کی عبادت	"	استغاثہ کا طریقہ
۲۵۵	نصاری کی وجہ تسمیہ	۲۳۷	ضربِ بھیگی
۲۵۶	نصاری کے عبادت باطلہ	۲۳۸	پانی کی تقسیم
۲۵۷	صابی کون ہیں	۲۳۹	ایک اعتراض اور اس کا جواب
"	صابیوں کے ساتھ	۲۴۰	معجزہ اور کرامت
۲۵۸	اضیفی بیت بد صابی	۲۴۱	برہنیت پر اللہ تعالیٰ کا شکر
"	ایمان باندہ	۲۴۲	فاروقی الاہی
۲۵۹	ایمان بالآخرت	۲۴۳	درس سبب و مہفت (آیت ۶۱)
"	احمالِ صالحہ	"	رابطہ آیات
۲۶۰	درس سبب و مہفت (آیت ۶۲-۶۳)	۲۴۴	غلامی کے اثرات
"	بنی اسرائیل کا سجدہ	"	طعام کی تبدیلی
۲۶۱	ارتفاعِ علم	۲۴۵	کاشتکاری و شقت طلب کام ہے
۲۶۲	دین میں جبر نہیں	۲۴۶	پیشہ بجا فضیلت
۲۶۳	انسان کا انتخاب	"	نیو دیوں کی ذلت و دروہائی

۲۶۹	مصلحت النبی	قرآن کی پابندی
۲۷۰	آئی کتابیں	بنی اسرائیل کی سند شکنی
۲۷۱	بؤخر مجبور ہو گئے	درس بست و سہ (آیت ۶۵-۶۶)
۲۷۲	منزل و صراط شاہنا	یسو کا مقدس دن ہفتہ
۲۷۳	واقعتی	جمعہ کی فضیلت
۲۷۴	ایکے سوئی بعد مجبور	یسو کی قانون شکنی
۲۷۵	تقلد انسان سے رو بہ	یسو کے تین گروہ
۲۷۶	درس کی وڈو (آیت ۶۷)	انسان بددین گئے
۲۷۷	قادت قلبی	عید سازی بُری خصلت ہے
۲۷۸	پتھروں سے زیادہ سخت دل	جائز عید سازی
۲۷۹	پتھروں کے فوائد	تبدیلی اشکال کی توجہ
۲۸۰	سجدہ تقرب الی اللہ کی علامت ہے	نشانی حیرت
۲۸۱	بہن اکابر دین	درس سکی (آیات ۶۷)
۲۸۲	مسلمانوں کی ناکامی کی وجہ	رابطہ آیات
۲۸۳	درس سکی و سہ (آیت ۶۸-۶۹)	واقعی ربط
۲۸۴	رابطہ آیات	درجہ نقل
۲۸۵	یسو کی طرف سے ناامیدی	قانون قدامت
۲۸۶	احکام میں تحریر	کثرت سوال سے بچو
۲۸۷	یسو کی بیٹہ دومی	نبی سے قطع تعلقی
۲۸۸	یسو کے ساتھ ملاقات اور ان کی مخالفت	خُدا علم ہے
۲۸۹	مناہین کی چالاکیاں	قرآن مجید ہمارے
۲۹۰	یسو کی موجودہ زندگی	درس سکی و سہ (آیت ۷۰-۷۱)
۲۹۱	قرآن میں تحریر	رابطہ آیات

۳۲۲	درس سی و ہفتم (آیت ۸۲ تا ۸۹)	۳۰۹	تحریر اور سلمان
۳۲۳	گلدستہ سے بیوستہ	۳۱۱	تحریر کرنے والوں کو عیہ
۳۲۴	نمونہ فقہ و جہاد لٹری	۳۱۲	درس سی و چہارم (آیت ۸۰ تا ۹۲)
۳۲۵	بنی اسرائیل کی عہد شکنی	۳۱۳	یہودیوں کے باطل عقائد
۳۲۶	یہودیوں کی باہمی نزائیاں	۳۱۴	عہدہ نذاری
۳۲۷	سکینوں کی حالت زار	۳۱۵	باطل عقائد کی بنیاد
۳۲۸	یہودوں کی باطنی منافقت	۳۱۶	مسلمانوں کے باطل عقائد
۳۲۹	درس سی و ہشتم (آیت ۸۸ تا ۹۰)	۳۱۷	قانون نجات
۳۳۰	کتاب اور رسول	۳۱۸	کافر اور مشرک دائمی جہنمی ہیں
۳۳۱	حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مہجورات	۳۱۹	جنت کا باج
۳۳۲	روح القدس	۳۲۰	درس سی و نہم (آیت ۸۳ تا ۸۵)
۳۳۳	انبیاء علیہم السلام کے ساتھ سلوک	۳۲۱	ربط آیات
۳۳۴	یہودیوں کا زعم باطل	۳۲۲	قرصہ کے دو نیلو
۳۳۵	یہود پر اللہ تعالیٰ کی لعنت	۳۲۳	بنی اسرائیل کے مختلف عہد
۳۳۶	یہود اور نزول قرآن	۳۲۴	معرفت الہی
۳۳۷	انفیرہ قول	۳۲۵	الدین سے حسن سلوک
۳۳۸	بنی نضیر انزال علیہم السلام سے حسد	۳۲۶	قرابتداروں کے حقوق
۳۳۹	غضب پر غضب	۳۲۷	یتیم، یمکین اور یتیم
۳۴۰	درس سی و دہم (آیت ۹۱ تا ۹۶)	۳۲۸	درس سی و ہشتم (آیت ۸۳ تا ۸۵)
۳۴۱	گلدستہ سے بیوستہ	۳۲۹	گلدستہ سے بیوستہ
۳۴۲	دعوت ایمان	۳۳۰	تہذیب اخلاق
۳۴۳	نبیاء علیہم السلام کو قتل	۳۳۱	حسن سکون
۳۴۴	مبارک پرستی	۳۳۲	نماز اور رکوع

۲۵۰	موت کی آواز	۲۵۰	میاں بیوی میں میلانی
۲۵۱	طویل عمر کی خواہش	۲۵۱	نافع اور ضار علم
۲۵۲	موت و حیات کی طلب	۲۵۲	نیووریوں سے مروت
۲۵۳	درس چیل (آیت ۱۱۰ آ ۹۷)	۲۵۳	دوسرے چیل و دو (آیت ۱۰۴ آ ۱۰۷)
۲۵۴	شانِ خردل	۲۵۴	رابطہ آیات
۲۵۵	نزولِ وحی کی مختلف صورتیں	۲۵۵	بنی اسرائیل کی انسانی ہستی
۲۵۶	مقرب فرشتے	۲۵۶	نمبر علیہ السلام کی نظرِ بقا
۲۵۷	جبرائیل علیہ السلام سے دشمنی	۲۵۷	اہل ایمان کو خطاب
۲۵۸	اہل ایمان کے لیے نجات	۲۵۸	مشتبہ اصطلاحات استعمال کی ممانعت
۲۵۹	فرشتوں سے دشمنی اللہ تعالیٰ سے دشمنی ہے	۲۵۹	پیسمر کے لیے عطلیہ کا استعمال درست نہیں
۲۶۰	مقربین کا فدی یعنی ہے	۲۶۰	نورائیل سے حد
۲۶۱	واضح ثنائیں	۲۶۱	تفسیر آیات کی وجوہات
۲۶۲	کتاب اللہ سے روگردانی	۲۶۲	بادشاہی اللہ تعالیٰ کی ہے
۲۶۳	درس چیل و کیت (آیت ۱۰۲ آ ۱۰۱)	۲۶۳	درس چیل و کیت (آیت ۱۰۲ آ ۱۰۱)
۲۶۴	شیطان کا اتباع	۲۶۴	رابطہ آیات
۲۶۵	حضرت سلیمان علیہ السلام پر جادو کر جو کیا الزام	۲۶۵	نیووریوں کے سوالات
۲۶۶	جادو کے ذرائع	۲۶۶	مشرکین کے حالات
۲۶۷	باروت اور باروت کی جہنم شاد	۲۶۷	حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
۲۶۸	باروت اور باروت کے واقعہ سے نکار	۲۶۸	کثرتِ جہالت کی کمی نعت
۲۶۹	سحر کیا ہے ؟	۲۶۹	اہلِ قلوب کے باطنی ارادت
۲۷۰	کیا باروت اور باروت انسان تھے ؟	۲۷۰	حسد مزین بیماری سے
۲۷۱	کیا سادہ جادو کھڑے ہے ؟	۲۷۱	غیر مسلم ماحولیات
۲۷۲	جادو کی جہنم	۲۷۲	حد و کثرت پر اعتراضات

۴۱۱	خروج و خروج	۲۶۱	قرآن پاک کے تلاوت سازیں
۴۱۲	استقبال قبلہ	۲۶۲	غنا اور زکوٰۃ
۴۱۳	درس چیل و شش ^{۲۴} (آیت ۱۱۹ تا ۱۱۹)	۲۶۳	یعنی کاہل و بیکی
"	اللہ تعالیٰ اور اس سے پاک ہے	۲۶۴	درس چیل و چھار ^{۲۵} (آیت ۱۱۹ تا ۱۱۹)
۴۱۵	تنبیہ اور شرک	"	ابطال آیات
"	مُحَمَّدٌ رَاسُ الْوَسْطَى	"	یسو و رنصاری
"	مالک مد مملوک	۲۶۶	نجات کا دار و مدار
۴۱۶	صفیت ابراہیم	۲۶۷	اتباع خداوندی
"	اللہ تعالیٰ کی طرف غلط نسبت	۲۶۸	نیت نیتی
۴۱۷	اللہ تعالیٰ سے کلام کی خواہش	۲۶۹	اعمال صالحہ
۴۱۸	حضرت علیہ السلام کے معجزات	"	فرقہ بندی و راہِ نجات نہیں ہے
"	حضرت علیہ السلام کے لیے تسلی	۴۰۱	قانونِ نجات
۴۲۰	درس چیل و ہفت ^{۲۶} (آیت ۱۱۹ تا ۱۱۹)	"	اجرِ عظیم
۴۲۱	گزشتہ سے پیوستہ	۴۰۳	درس چیل و پانچ ^{۲۷} (آیت ۱۱۹ تا ۱۱۹)
"	رضائندی کے لیے اہل کتاب کی شرط	"	یسو و اور نہ ماری آسنے ماننے
"	ہدایت الہی ہی اصل ہدایت ہے	۴۰۴	کتب کا ویرانہ ہیں
۴۲۳	اہل کتاب میں سے اہل ایمان	"	حضرت سلیمان علیہ السلام پر الزام تراشی
"	حقِ قیامت	"	شرک کی نظر
۴۲۴	انہیں کہے بیٹے خسارہ	۴۰۵	آفری فیصلہ ملت الہی میں ہوگا
"	حق و باطل کی پہچان	"	تحویل قبلہ
۴۲۵	یعنی اسرائیل پر انعامات	۴۰۶	عبادت میں رکاوٹ
۴۲۶	قیامت کا تذکرہ	"	تمام چیزوں نے قابلِ تغیر ہیں
۴۲۷	درس چیل و ہشت ^{۲۸} (آیت ۱۱۹ تا ۱۱۹)	۴۰۹	مسیح کے آداب
"	گزشتہ درس پر ایک شعر	۴۱۰	

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

پیش لفظ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى

اما بعد

الرَّحْمَنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝

یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ قرآن پاک ہی وہ ضابطہ حیات ہے جس پر عمل پیرا ہو کر انسان اصل دنیا میں بھی اس دہیں کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ اور آخرت میں بھی جنت کی بے پایاں نعمتوں سے اہل حال بہلکتا ہے۔ یہی وہ لاکھ عمل ہیں جس نے عرب کے صحرا نشینوں کو قرذات سے نکال کر ہم عروج تک پہنچایا۔ تاریخ اٹھا کر، نیچے نہ ذلّ ذول قرآن میں پروردگار عرب کس قسم کے ماحول میں زندگی بسر کر رہا تھا۔ وہ کون سی بڑی بہت بڑی بات کے اولین مخاطبین میں نہ پائی جاتی تھی، وہ کون غیر فطری امتیاز ہے جو میرا غریب، فاسٹ ایڈروکس، آقا و غلام، عربی و عجمی کی صورت میں موجود نہ تھا۔ منڈیوں میں عزتوں اور عداوتوں کی فضا، ذلّت و بے بسی ہوتی تھی۔ یہ بیکسوں کو زندہ کر دیا جاتا تھا، وہ لوگ سیاسی نظم و نسق کے کام سے نا آشنا تھے، وہاں نہ کوئی باقاعدہ حکومت تھی، نہ کوئی ضابطہ اور قانون تھا۔ ہر قبیلہ اپنی جگہ سرکھٹا رہتا تھا۔ کسی کی جان و مال محفوظ نہ تھے، جنگل کا قانون راج تھا اور جس کی لاشیں اس کی بیعتوں والے اٹھا رہے تھے۔

خانیہ، سیدنا، نام کی کوئی چیز ان کے ہاں نہ تھی، وہ لوگ جائز ناجائز، پاک، ناپاک اور حلال و حرام سے نا آشنا تھے، ذلّت، جوارچ رسی، قتل و غارتگری کے دلدل و مٹے۔ ایک دوست سے کوئی پردہ نہ تھا، ان کے طبقات جڑے تھے، اخلاقی گھیراؤ کا یہ حال تھا کہ باپ کی موت کے بعد اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتے تھے۔ بہت پستی و ذلّت پر تھی، توحید نام کی کوئی چیز ان کے پاس نہ تھی، طرح طرح کے توہمات

کاشکار تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پروردگار کے ذریعہ ان کی تعلیمات سے کوسوں دور تھے۔

پھر وہ وقت بھی آیا جب حضور نبی کریم ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہشت پاک ہوئی، نزول قرآن کا سلسلہ شروع ہوا، اور جب اسی حوالہ کی پروردگار جابل اور خواجہ قوم نے قرآن پاک کو سینے سے لگایا تو دیکھتے ہی دیکھتے یہ بے لگام فرم دنیا کی مذہب ترین قوم بن گئی، قیصر و کسریٰ اس کے سامنے سرنگون ہو گئے، اراکین رہنما بن گئے۔ چارواک اور اکر امین بن گئے، حسب و نسب پر فخر کرنے والے کاٹے کوٹے، پیش غلام کو سیدنا کہنے لگے، بااست سے نابھ قوم۔ مذہب ترین قوموں کو سبق سکھانے لگی، حزب و حرب کے وہ معرکے دکھائے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک اسلام کا پرچم بائیس لاکھ مربع میل پر لہرانے لگا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں قرآنی تعلیمات کے ثمرات دنیا کے گوشے گوشے میں نظر آنے لگے، مگر مقام افسوس ہے کہ گذشتہ چند صدیوں سے مسلمان پوری دنیا میں اُٹیل ہوئے، ایک ارب کی آبادی اور دنیا میں چالیس سے زیادہ ملکوں پر حکمرانی کے باوجود مسلمان قوم ذلت و شکست کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ وہ قومیں جو ان کے نام سے کانپا کرتی تھیں، آج ان پر سطامیں میلان پھریا ہوا ہر گزے دست بخیر ہو کر رہ گئے ہیں، حتیٰ کہ اسرائیل صیہونیل بھیڑا جب چاہتا ہے ان کے گلے میں گھس کر انہیں شکار بنالیا ہے۔ وجہ ظہر ہے، بقول علامہ اقبال،

وہ معزز تھے زمانے میں ممالک ہو کر اور ہم خوار ہیں تارلہ قرآن ہو کر

جب سے مسلمانوں نے قرآن پاک کا دامن چھڑا ہے، ذلیل ہو کر رہ گئے ہیں، مسلسل ناکامیوں کا شکار ہیں۔ بلاشبہ تمام غیر مسلم اقوام قوت و امجدہ میں، ان کی بہتر سے یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان قوم متعلقہ اجتماعی بہت بڑی کرے، اس مقصد کے حصول کے لیے ان کے پاس ایک ہی نسخہ ہے کہ کل طرح مسلمان قرآن کریم سے دست بردار ہو جائیں اور وہ جانتے ہیں کہ قرآن قرآنی پرگرام چل کر کبھی غائب اسے نہیں آئے اور اس پر وگرم کے صحن جانے سے ہی مغلوب ہیں۔ نزول قرآن کے وقت بھی وہ یہ کہتے تھے وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْفِ بِهِ لَعَنَّكُمْ تَقَّبِعُونَ ۝ دیکھنا تم سے کانوں میں قرآن کی آواز نہ پہنچے جائے، بلکہ خرب شریچہ، تاکہ کوئی دوسرا بھی سن کر اس کا گردیدہ نہ ہو جائے۔ قمار کی کامیابی کا ایسی داڑھی ہے۔ آج جن وہ لوگ یہ نسخہ آزماتے ہیں، مگر ہم خواب غفلت میں پڑے ہیں، قرآن پاک کی تعلیمات سے بے بہرہ ہو چکے ہیں۔ یہ کلام مقدس بآبی صورت میں ترجمہ سے دور نہیں، ہم اسے ریشمی غلاظتوں میں لپیٹ

کہ اپنے طاقتوں میں سجاتے ہیں، کبھی کبھی خداوت بھی کر لیتے، جس قرأت کی ٹھنیں بھی جھٹاتے ہیں، مگر کبھی یہ توفیق نہیں ہوتی کہ قرآن پاک سے دریافت کریں کہ تیرے نزول کا مقصد کیا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہماری ذمہ داری قرآن پاک کے ادب و احترام تک ہی محدود ہے۔ اس کو سمجھ کر اس پر عمل کرنا کسی اور نوع کا کام ہے۔ یاد رکھئے، اگر آج ہم نے قرآن پاک کر سنے سے نہ لگایا تو بارگاہ رب العزت میں کتنی ذلت و رسوائی اٹھانا پڑے گی جب خود رسول شہادت کریں گے۔ **يَسْأَلُ اِنْ قَوْمِي اخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا** یعنی اے مولا کریم! میری قوم نے قرآن پاک کو نظر انداز کر دیا تھا۔

قرآن پاک کو بیگانہ مگر محترم پہنچانے کے لیے محض بن کر کام نہ لے کر اس میں اپنی ذمہ داری پہنچی کی ہے۔ اور زبانی اور تحریری صورت میں قرآن پاک کی تفسیر و تشریح کا فریضہ انجام دیا ہے۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ اور قیامت تک جاری رہیگا۔ ضرورت صرف ان لوگوں کی ہے جو قرآنی پروگرام کو سنے کر انھیں اور دنیا میں ایک دفعہ پھر اسلامی انقلاب برپا کر دیں۔

دوسرا قرآن کا یہ سلسلہ بھی اپنی بساط کے مطابق قرآن پاک کے علوم و معارف کو آسانی اور عام فہم زبان میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ آئیے ہم قرآن پاک کی آواز کو کانوں کے ذریعے دل میں لگے دیں، اس پر غور و فکر کر کے اس سے رہنمائی حاصل کریں اور پھر عمل پر ابھریں اپنا کمو یا بجا وقار دوبارہ حاصل کریں، نہ صرف دنیا کو امن کا سوا رہ بنا دیں بلکہ آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخرو ہو جائیں۔ **وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ**

الحمد للہ سلسلہ دوسرا قرآن کی دوسری جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے بیشتر جلد اول جو کہ سورۃ فاتحہ پر مشتمل ہے شائع ہو چکی ہے۔ جلد دوم پارہ اقل مکمل پر مشتمل ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس منصوبے کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ ایسے کام کے لیے پوری زندگی وقف کرنا ہوتی ہے۔ کام وسیع اور کمیشن ضرور ہے مگر ایمان نہیں۔ اس کام کے لیے آج جس طرح وسائل بنیادیں اور کارکنان کی پوری ٹیم جس طرح قرآن پاک کے ساتھ والہانہ محبت اور دلی لگاؤ کے ساتھ مصروف کار ہے، ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مہربانی سے یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچے گا۔

اس جلد پر کام شروع کرتے وقت اس کی ضخامت کے متعلق تردد تھا کہ آیا یہ جلد پوری ہو کر پھر

پرمشکل ہوگی یا جسے پارہ اول تک محدود کرنا پڑے گا۔
 — پارہ اول کے سودے کی صفحہ صحت اور اس پر صرف ہونے والے وقت کے پیش نظر آخری فیصلہ ہوا کہ سورۃ بقرہ کو دو حصوں میں شائع کیا جائے، پہلا حصہ مکمل پارہ اول پرمشکل ہوا اور دوسرے حصہ میں پارہ دوم اور سورۃ کا بقیہ حصہ از پارہ سوم آجائے۔ یہیں پورا پورا احساس ہے کہ اس جلد کی اشاعت میں ایک سال سے زیادہ عرصہ لگ گیا ہے اور قارئین کو اندازے سے کچھ زیادہ ہی انتظار کرنا پڑا اس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔

دوسرے پارے پر کام جاری ہے۔ ہمارا اندازہ یہ ہے کہ سورۃ بقرہ کے ہر دو حصوں تقریباً برابر برابر صفحہ صحت کے ہوں گے۔ اور اس کے بعد ہر جلد ایک یا ایک سے زائد مکمل سورتوں پرمشکل ہو کر رہے گی اس طریقے سے ہر جلد مکمل پارہ جات پرمشکل تو نہیں ہوگی، تاہم مکمل سورتیں اس میں آسکیں گی اسلئے صلیبن نے اسی طریقہ کو پسند فرمایا ہے۔

اگرچہ وقت کے لحاظ سے قرآن میں مگر کام کی نوعیت کے اعتبار سے ہمیں ترقی سے زیادہ کامیابی ہوئی ہے۔ کام جس قدر وسیع اور گھٹن ہے، اس کے لیے اسی قدر مسلسل محنت کی ضرورت ہے۔ ہماری کوشش ہوگی کہ کام کی رفتار کو تیز کرتے کے لیے نئے مزید وقت دیا جائے تاکہ ہر آمدہ جلد کے لیے انتظار کی گھڑیاں کم سے کم ہو سکیں، قارئین کرام سے التماس ہے کہ اس سلسلہ اشاعت کے وابستہ جملہ کارکنان خصوصاً صوفی صاحب محترم کی درازی عمر اور صحت اور اس عظیم کام پر استقامت کی دعا کریں۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ

احقر العباد

الحاج، نعل دین، ایم ایس (علوم اسلامیہ)
 شالامار ٹاؤن، لاہور

سخنائے گھنٹی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ
خَاتَمِ الْاَنْبِیَاۃِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ وَاَزْوَاجِهِ وَاتَّبَاعِهِ
اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

• خَيْرُ اُمَّةٍ: کہ خطاب پانے والی قوم آن جس قدر دیگروں حالات، ہستی اور
صہ تنزل کے جس خطرناک دور سے گزر رہی ہے۔ وہ کسی گوش شنوا اور چشم بینا سے مخفی نہیں رہا۔ اعمال و
اخلاق اسلام کی قید سے تقریباً آزاد ہو چکے ہیں، ایثار و ہمدردی، مشترک اجتماعی مقاصد اور ملی ترقی کی
کوشش کے بجائے، نفس پرستی، خود غرضی، اور ذاتی حقوق مقصد حیات بن چکا ہے، دوفتروں میں
شرکت کی عیسویت اور استحصال اس قدر عام ہے کہ پناہ بخدا ہر دولت والا شخص جس کی عزت پر چاہے ہاتھ ڈالے
اور گمراہ آدمی کے لیے جائز حقوق کا حصول بھی تقریباً ناممکن ہے اور حصول انصاف غنقا ہے۔ دوسروں کو
پچھائی کا سبق دینے والی قوم نے آج خود جھوٹ کر روزی کھانے کا ذریعہ بنالیا ہے، عربیائی و عجمی عربوں پر
ہے، فرقہ وارانہ کشمکش، فوجی استبداد، مارشل لا کی طاغراتی حکومتیں، جدید آلات و اختراعات کا غلط استعمال
تعمیری فتنہ، حد سے زیادہ آرام طلبی اور رفاہیت، بالغ کافروں، کھیل و تماشا کی کثرت، اسلام کو چپنے
غلط مقاصد کے لیے استعمال کرنا، ملوکیت کی عسرت پسندیاں، اسراف اور بہت طرازیوں، اللہ تعالیٰ
کی کتاب کی غلط تفسیریں اور باطل تاویلیں، رسومت و بدعات کی فراوانی، اور دھوکا بازی اور فریب دہی
جس دوسری تمام قوموں کو مات کر دیا ہے، اور ان کے ہمہی کا تمام ریچھوڑو کوہ دیاست، قوم کی دیانت،

شرافت اور امانت کا مال کسی سے مخفی نہیں **اِنَّكَ الْمَوْضُوْنُ اِنْ خَوَّهٗ دَتَامُ مَكَانَ اٰلِیْسِ** بھائی بھائی میں، اکی تعلیم پانے والی قوم کے ممالک اور افراد آپس میں نبرد آزما ہیں۔ آئے ولی قتل میں اضافہ، گھر کے اندر عزت اور باہر جان محفوظ نہیں، اشتراکیت، سرمایہ داری کی لعنت کے عروج، عیسائیت، یسوی ازم کی تباہ کاریوں، امیندوازم کی تنگ نظری سے متاثرہ قوم، زبان پر اسلام اسلام اور عمل اس کے برعکس اور اسلام کی پیٹھ میں ایک زبر آلود خنجر ہے۔

بائیں ہندو مسلم معاشرہ میں ایسے افراد بھی موجود ہیں جو کہ صحیح معنوں میں قرآنی تعلیمات سے آگاہ ہونا چاہتے ہیں۔ اور اسلام کی صحیح تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی تمنا رکھتے ہیں، ان حالات میں مسلمانوں کے ساتھ دلی ہمدردی اور ان کی اس حالتِ زار پر درد دل رکھنے والے حضرات کی ذمہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہیں۔ کر وہ ان کو صحیح قرآنی تعلیمات سے روشناس کرائیں۔

بحمد اللہ تعالیٰ حضرت مولانا صفوی علیہ الرحمہ صاحب دلم مجدہم کا انداز بیان سادہ اور دلپند ہے۔ یقیناً بناوٹ اور تکلف سے دور دیکھی پڑ مغز، جامع اور مسلک سلف کے مطابق نشانہ قرآن کا صحیح منظر ہے۔ اور داعی الی القل بر صغیر پاک و ہند میں سب سے پہلے قرآن کریم کا ترجمہ فارسی زبان میں امام شاہ دلی اللہ دلوٹی نے کیا اس کے بعد شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر نے اردو میں بے حد مضید ترجمے کیے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے چمکانہ تفسیر رکھی۔ اور دیگر بزرگانِ دین نے بھی اپنی اپنی طاقت کے مطابق اس میں حصہ لیا۔ متاخرین میں حضرت تھانویؒ، کابیان القرآن، حضرت شیخ الحدادؒ کا ترجمہ اور تفسیر عثمانی اور حضرت لاہوریؒ کا ترجمہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تفسیر معارف القرآن اور اس قسم کے دیگر تراجم اور تفسیر مستند اور ہر اعتبار سے سے خلقِ خدا کے لیے نافع ہیں۔ اور دل میں کلام الہی پر عمل کا سچا جذبہ پیدا کرنے میں طے ہیں۔

معالم العرفان فی دروس القرآن بھی اسی پاکیزہ سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اور چند وجوہ کے اعتبار سے ممتاز بھی ہے۔ عام فہم طرز، انداز بیان میں مخاطبہ کے ذہنوں کا لحاظ، واقعات کا سلسلہ انتہائی مربوط اور دورِ حاضر کی دینی ضرورتوں کو پر لہر کرنے کی رعایت، مسلمانوں کی بنیادی خامیوں کی واضح نشاندہی، تفسیری سلسلہ کے شبہات اور جدید دور میں پیدا ہونے والے بڑے بڑے شبہات کا بڑے لطیف انداز میں حل تحقیق کے نام پر تحریر کرنے والوں اور جدت پسند حضرات کی کھوکھول کی نشاندہی، سیاسی، اقتصادی، معاشی، فقہی سائل اور جدید دور کے مسائل کی الجھی ہوئی گتھنوں کا قرآن و سنت اور سلف صالحین کے

مسلک کے مطابق سمجھا، تاہم کئی واقعات اور کہیں کہیں مغضربین صحت اور ان کی کتب کا تعارف بطور کلی اور تصوف کا افادی پہلو دینے بھی حضرت صفوی صاحب دہم مجہم کا نام نامی ہی کسی کتاب کے مستند ہونے کے لیے کافی ہے۔

آج کل مسلمانوں کے باہمی اتفاق کے لیے بڑی پر زور کوششیں ہو رہی ہیں۔ تقاریر، جلسے، اخباری مضامین، لٹریچر، مباحثے، پیچھے اور تعصبات کے ذریعے باہمی اتفاق پر زور دیا جاتا ہے۔ لیکن اصل میں جو چیز نا اتفاق کی جڑ ہے، اُس کو کوئی قرحہ نہیں کرتا، یعنی مخالفت پر تعقید میں نہ اعتدال سے تہاؤز، آپس کے اختلافات کی شدت اور ایک دوسرے سے بعد کا ایک ہست بڑا سبب زبان کی دشمنی اور تیزی ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ دروس القرآن میں باطل مذاہب کی پروری پر مذہبیہ اور کمرہ فرقوں کے غلط عقائد و مسائل اور نظریات پر نئے ششہ انزال میں تعقید ہے۔ لیکن اعتدال کو کسی حالت میں اٹھتے نہیں جانے دیا۔ اور عام آدمی پر بھی حقیقت حال واضح ہو جاتی ہے۔ امد قرآن و سنت کا صحیح مشا سائے آجاتا ہے۔ اور حق کا تسلطی حق کو پالتا ہے۔

علماء دروس القرآن کی دوسری جہاد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے پیشتر سورۃ فاتحہ پر مشتمل جلد اول شائع ہو چکی ہے۔ یہ جلد سورۃ بقرہ کے سولہ رکعات یعنی پورا آئینہ پر مشتمل ہے۔ سورۃ بقرہ میں سیکڑوں مضامین بیان ہوئے ہیں۔ لیکن اس کا مرکزی مضمون یہود کے غلط عقائد کو بیان اور ان کی تردید، ان کی نبیست اہل تنزیل کے اسباب، ان کی سیاسی غلطیاں اور روحانی بیماریاں اور ان کی لعین ہے۔ بہت مسئلہ ہی آج انہیں حالات سے دوچار ہے۔ جس میں بنی اسرائیل تھے۔ مجرماً صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی حالات کی پیشین گوئی آج سے چودہ سو سال پہلے فرمائی تھی۔ لَبِيسَ لَيْسَ بَيْنَ عَلِيٍّ اُمَّتِي كَمَا اَتَى عَلِيٌّ اَبْنِي رَسُولِكَ اَيْبِيكَ اَلْبَتَّ مَزْمُورٌ مِيرِ اَمْتٍ پُر بھی ایسا کورنگہ حَذِّقِ التَّعْقِيلَ بِالْفَعْلِ وَرَمَقِ اَلْمَعْلَمِ جس طرح بنی اسرائیل پر آیا جیسا کہ تہمت کے ساتھ جوتا ملک ہے۔ قرآن طرآن کے جملہ مسائل کا حل بھی صرف اور صرف قرآن پاک میں ہی ہے۔ قرآن پاک کا مشا۔ دہم دیکھنے اور اذعان کو کتاب النبی کے قریب ترک کرنے کے لیے دروس القرآن ایضاً بہترین ذریعہ ہو چکی ہے۔ علماء، طلباء، خطباء اور عوام ہر طبقے کے لیے یکساں مفید ہے۔ تفسیر کے ساتھ ساتھ عام فہم، سلیس اردو اور معنی نیز ترجمہ جی سائے آ رہا ہے۔

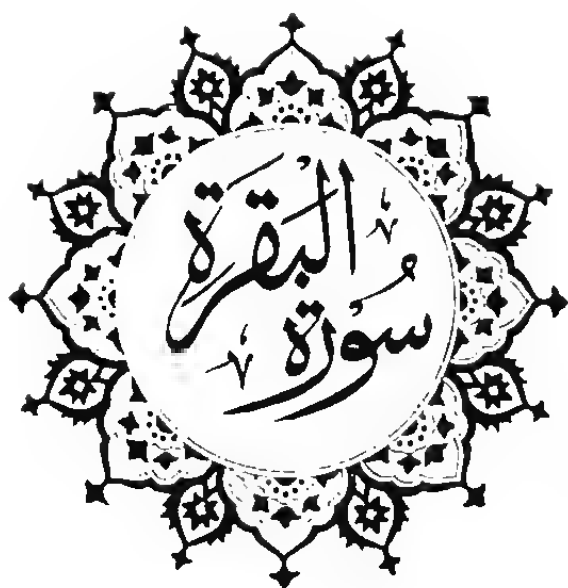
آخر میں دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دروس کو صاحب درس حضرت صفوی صاحب دہم مجہم اور انہیں محبان شاعت قرآن کے جلد ارکین جو کہ دروس القرآن کی طباعت اور ان دروس کو کیسٹوں

کے ذریعے ہر خاص و عام تک پہنچانے کے لیے دن رات کوشاں ہیں۔ خصوصاً جناب الحاج لعل دین صاحب
ایم اے علوم اسلامیہ اور اس میں حصہ لینے والے تمام حضرات کی بخشش کا ذریعہ بنائے ان کی اس سعی کو قبول
فرمائے اور زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو اس سے فیضیاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

فقط

محمد اشرف (فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم)

۵ صفحہ ۱۳۰۵ مطابقت ۳ اکتوبر ۱۹۸۴ء



سُورَةُ الْبَقَرَةِ مَكِّيَّةٌ ثَلَاثُونَ آيَةً وَبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
سورة بقرہ مکی ہے اور یہ دو سو چھیالیس آیتیں اور چالیس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شرح کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

آلۃ ① ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۚ فِيهِ هُدًى لِّلْمُسْلِمِينَ ۝

ترجمہ۔ آلۃ ① یہ کتاب، ہمیں شک اس میں یہ رہنمائی کرتی ہے مسلمانوں کی ②

سورة کے موضوع اور نام سے پہلے قرآن کریم کی سورتوں سے متعلق چند بنیادی باتوں کا ذکر ضروری ہے اس کے بعد سورة بقرہ کے نام کے بارے میں کچھ بیان ہوگا۔

لفظ سورة اس کے ساتھ آیا ہے۔ اور اس کا معنی ہے قِطْعَةٌ مِّنَ الْاَيَاتِ

سورة اور آیت

یعنی آیتوں پر مشتمل ایک ٹکڑا یا حصہ۔ مگر یا چند یا زیادہ آیتیں مل کر ایک ٹکڑا بن جائے کہ

اسے سورة کہا جاتا ہے۔ کسی سورة کے لیے کم از کم تین آیات کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ

سورة عہرا، سورة کوثر اور سورة نصر تین تین آیات پر مشتمل ہیں۔ سورة بقرہ سب سے لمبی سورة

ہے۔ اور اس کی دو سو چھیالیس آیات ہیں۔

سورة کے ہر ٹکڑے کو آیت کہتے ہیں۔ جس طرح سورتیں چھوٹی بڑی ہوتی ہیں۔ اسی

طرح آیتیں بھی چھوٹی بڑی ہوتی ہیں۔ چھوٹی سے چھوٹی آیت ایک لفظ کی بھی ہو سکتی ہے

جیسے آلۃ یا ح۔ اور ایک حرف بھی ایک آیت ہو سکتا ہے جیسا کہ ق۔ ن وغیرہ اور

بعض آیات اتنی لمبی ہوتی ہیں کہ پورے ایک رکوع پر مشتمل ہوتی ہیں۔ جیسے سورة مزمل کے

دوسرے رکوع والی آیت ہے۔

آیت کا معنی علامت اور اس کا دوسرا معنی دلیل ہے۔ قرآن کریم میں آیت کا لفظ

آیت کے مختلف معانی

ان دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً سورۃ بقرہ میں زمین و آسمان کی پیدائش، دن رات کے اختلاف، پانی میں چلنے والی کشتی، بارش اور اس کی وجہ سے پیدا ہونے والے پھلوں وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَتَذَكَّرُ فِي نَافْسِهِ أَنْ يَحْتَدِثَ أَنْ يَنْتَهِىَ عَنْ تَجَاوُزِ الْأَمْرِ مَوْجِبَاتِهِ لَمْ يُشْرِكْ بِمُخْلَقَاتِهِ يَتَذَكَّرُ اللَّهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ۔ اس میں عقلمندوں کے لیے قدرت کی نشانیں یا علامات ہیں۔ سورۃ بقرہ میں فرمایا: وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَهُ دَلَالٌ عَلَى قُدْرَتِهِ فِي سَائِرِ الْكَوْنِ۔ تمہارے نفسوں میں سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے۔

قرآن میں آیت کا لفظ عبرت کے معنوں میں بھی آتا ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ میں فرمایا: كَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ مَا قَدْ مَضَىٰ أَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ فِتْنَاتُ الْفُورِ أَلَمْ يُرْسِلْ فِي قَوْمِ مُوسَىٰ زَيْدَ كَهَنَانَ إِسْمَٰهُ هَارُونَ إِذْ هُوَ قَايِمٌ عَلَىٰ الْأَيْمَنِ تَتَوَضَّعُ لَكَ الْأَنْبِيَاءُ خَلْقًا مُتَّبَعَيْنَ أَلَمْ يَخْلُقْكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ رَدَّكُمْ إِلَيْهِ فَيُخَوِّذُكُمْ ثَلَاثَ أَيَّامٍ يَوْمَ يُنْفَخُ الْأَشْجَارُ فَتَبْلُغُ أَرْبَعًا نَارُ اللَّهِ تَلَاقُ أَهْلُهَا الْأَشْجَارُ أَذْهَبَتْ أَهْلِيهَا وَخَلَّىٰ بَيْنَ وَجْهِهَا وَأَنْبَسَتْ وَأَوَّلَتْ أَيْبًا بِأَنْفُسِهَا يُتَوَارَكُونَ مِنْهَا فَمَا يَذَّكَّرُونَ مِنْهَا إِلَّا أَعْيُنُهُمْ يَتَقَدَّرُونَ۔ کیا یہ بات لوگوں کو ہدایت نہیں کرتی کہ تم اہلکرتہ ہو گئے۔ کیا تم نے اس سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا۔ کیا تم نے انہیں قتل نہیں کیا۔ جو اپنے مکانوں میں چلے پھرتے تھے۔ انہیں فی ذلک لآیۃ۔ اس میں درس عبرت ہے۔ اسی طرح آیت کو معجزے کے طور پر بھی پیش کیا گیا ہے۔ بہت سے انبیاء علیہم السلام نے معجزات پیش کئے۔ جن کا مطالبہ قوم کے لوگ کرتے تھے۔ سورۃ مدہ میں دو مقامات پر آیا ہے: وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا الْوَيْلُ لَنَا مَنْ نَزَّلَ الْغُلَيْبَ آيَةً مِنْ رَبِّهِمْ كَذَلِكَ كُنْتُمْ تُكْفَرُونَ۔ اس کے رب کی طرف سے اس پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل ہوا گویا آیت کا معنی معجزہ بھی ہوتا ہے۔

آیت کا معنی حکم بھی آتا ہے۔ جیسے: يَسْأَلُكَ اللَّهُ عَنِ الْيَتَامَىٰ وَإِلَيْهِ رُجُوعُهُمْ۔ اور ہمارے احکام سے کافر بھی انکار کرتے ہیں۔

ماہم ان تمام ترجمانی کے باوجود جب آیت کا لفظ سورۃ کے ساتھ بولا جاتا ہے۔ تو اس کا معنی سورۃ کا ایک حصہ یا جزد ہوتا ہے۔ کیونکہ بہت سی آیات ہل کر سورۃ ترتیب پاتی ہے جیسا کہ ابتداء میں عرض کیا گیا تھا۔ قرآن پاک کی کل ایک سو چودہ سورتیں ہیں۔ سب سے پہلی سورۃ فاتحہ ہے۔ دوسرے نمبر پر سورۃ بقرہ ہے۔ پھر اہل عمران اور سورۃ نساء ہے۔ یہ ترتیب اجتہاد ہی نہیں بلکہ ترتیبی ہے۔ یعنی یہ ترتیب صحابہ کرامؓ کی دی ہوئی نہیں ہے۔ بلکہ یہ

سورتوں اور آیتوں
کی ترتیب

حضرت علیہ السلام کی مقرر کردہ ترتیب تھے۔ اسی طرح ہر سورۃ میں آیات کی جو ترتیب ہے مثلاً
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اس کے بعد التَّحْمِیْنِ اس کے بعد التَّحْمِیْنِ اس کے بعد التَّحْمِیْنِ اس کے بعد التَّحْمِیْنِ اس کے بعد
 اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُ بِالْغَیْبِ اس کے بعد اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُ بِالْغَیْبِ اس کے بعد اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُ بِالْغَیْبِ اس کے بعد اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُ بِالْغَیْبِ اس کے بعد
 اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُ بِالْغَیْبِ اس کے بعد اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُ بِالْغَیْبِ اس کے بعد اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُ بِالْغَیْبِ اس کے بعد اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُ بِالْغَیْبِ اس کے بعد
 رکھ دو۔ تو صحابہ کرام نے آپ کے فرمان کے مطابق آیات کو ترتیب سے لیا۔ انہوں نے اپنی
 طرف سے آگے پیچھے نہیں کیا۔ بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تعمیل کی۔ حدیث
 میں صاف طور پر آتا ہے کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو حضور علیہ السلام ارشاد فرماتے اسے
 فلاں مقام پر رکھ دو۔ تو صحابہ کرام ویسے ہی کرتے۔ البتہ سورتوں کی ترتیب کے متعلق کچھ اختلاف
 پایا جاتا ہے۔ بعض مفسرین محققین فرماتے ہیں کہ سورتوں کی ترتیب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا
 قطعی فرمان نہیں ہے تاہم مہمور کہتے ہیں کہ سورتوں کی ترتیب بھی حضور علیہ السلام کے ارشاد کے
 مطابق ہی ہے۔ صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ہی موجودہ ترتیب
 کو قائم کیا۔

سورتوں کے قیام
 بجاۃ طوالت

قرآن پاک کی پہلی سات سورتوں یعنی سورۃ بقرہ سے لے کر سورۃ النہل تک کو
 سبع طوالت یعنی سات لمبی سورتیں کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد چودھویں پائے میں سورۃ النحل تک
 کو ثانیہ یعنی طوالت کے بعد دوسرے نمبر والی سورتیں کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد حجرات تک کی سورتوں
 کو تیسریں کہا جاتا ہے۔ تیسریں سے مراد وہ سورتیں ہیں جو کہ ہمیشہ ایک سو آیات پر مشتمل ہوں
 اس کے بعد وہاں تک سورتیں مفصلات کہلاتی ہیں۔ آگے مفصلات کے بھی تین گروہ ہیں۔
 ہیں۔ حجرات سے لیکر سورۃ بروج تک کو بحوالہ مفصل بروج سے لے کر سورۃ یزید تک نواد

۱۔ تفسیر انفان فی علوم القرآن للشیخ محمد بن عبد الوہاب مطبوعہ سبیل الہدیٰ لاہور۔

۲۔ تفسیر انفان ص ۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳ ۱۲۴ ۱۲۵ ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰ ۱۰۰۱ ۱۰۰۲ ۱۰۰۳ ۱۰۰۴ ۱۰۰۵ ۱۰۰۶ ۱۰۰۷ ۱۰۰۸ ۱۰۰۹ ۱۰۱۰ ۱۰۱۱ ۱۰۱۲ ۱۰۱۳ ۱۰۱۴ ۱۰۱۵ ۱۰۱۶ ۱۰۱۷ ۱۰۱۸ ۱۰۱۹ ۱۰۲۰ ۱۰۲۱ ۱۰۲۲ ۱۰۲۳ ۱۰۲۴ ۱۰۲۵ ۱۰۲۶ ۱۰۲۷ ۱۰۲۸ ۱۰۲۹ ۱۰۳۰ ۱۰۳۱ ۱۰۳۲ ۱۰۳۳ ۱۰۳۴ ۱۰۳۵ ۱۰۳۶ ۱۰۳۷ ۱۰۳۸ ۱۰۳۹ ۱۰۴۰ ۱۰۴۱ ۱۰۴۲ ۱۰۴۳ ۱۰۴۴ ۱۰۴۵ ۱۰۴۶ ۱۰۴۷ ۱۰۴۸ ۱۰۴۹ ۱۰۵۰ ۱۰۵۱ ۱۰۵۲ ۱۰۵۳ ۱۰۵۴ ۱۰۵۵ ۱۰۵۶ ۱۰۵۷ ۱۰۵۸ ۱۰۵۹ ۱۰۶۰ ۱۰۶۱ ۱۰۶۲ ۱۰۶۳ ۱۰۶۴ ۱۰۶۵ ۱۰۶۶ ۱۰۶۷ ۱۰۶۸ ۱۰۶۹ ۱۰۷۰ ۱۰۷۱ ۱۰۷۲ ۱۰۷۳ ۱۰۷۴ ۱۰۷۵ ۱۰۷۶ ۱۰۷۷ ۱۰۷۸ ۱۰۷۹ ۱۰۸۰ ۱۰۸۱ ۱۰۸۲ ۱۰۸۳ ۱۰۸۴ ۱۰۸۵ ۱۰۸۶ ۱۰۸۷ ۱۰۸۸ ۱۰۸۹ ۱۰۹۰ ۱۰۹۱ ۱۰۹۲ ۱۰۹۳ ۱۰۹۴ ۱۰۹۵ ۱۰۹۶ ۱۰۹۷ ۱۰۹۸ ۱۰۹۹ ۱۱۰۰ ۱۱۰۱ ۱۱۰۲ ۱۱۰۳ ۱۱۰۴ ۱۱۰۵ ۱۱۰۶ ۱۱۰۷ ۱۱۰۸ ۱۱۰۹ ۱۱۱۰ ۱۱۱۱ ۱۱۱۲ ۱۱۱۳ ۱۱۱۴ ۱۱۱۵ ۱۱۱۶ ۱۱۱۷ ۱۱۱۸ ۱۱۱۹ ۱۱۲۰ ۱۱۲۱ ۱۱۲۲ ۱۱۲۳ ۱۱۲۴ ۱۱۲۵ ۱۱۲۶ ۱۱۲۷ ۱۱۲۸ ۱۱۲۹ ۱۱۳۰ ۱۱۳۱ ۱۱۳۲ ۱۱۳۳ ۱۱۳۴ ۱۱۳۵ ۱۱۳۶ ۱۱۳۷ ۱۱۳۸ ۱۱۳۹ ۱۱۴۰ ۱۱۴۱ ۱۱۴۲ ۱۱۴۳ ۱۱۴۴ ۱۱۴۵ ۱۱۴۶ ۱۱۴۷ ۱۱۴۸ ۱۱۴۹ ۱۱۵۰ ۱۱۵۱ ۱۱۵۲ ۱۱۵۳ ۱۱۵۴ ۱۱۵۵ ۱۱۵۶ ۱۱۵۷ ۱۱۵۸ ۱۱۵۹ ۱۱۶۰ ۱۱۶۱ ۱۱۶۲ ۱۱۶۳ ۱۱۶۴ ۱۱۶۵ ۱۱۶۶ ۱۱۶۷ ۱۱۶۸ ۱۱۶۹ ۱۱۷۰ ۱۱۷۱ ۱۱۷۲ ۱۱۷۳ ۱۱۷۴ ۱۱۷۵ ۱۱۷۶ ۱۱۷۷ ۱۱۷۸ ۱۱۷۹ ۱۱۸۰ ۱۱۸۱ ۱۱۸۲ ۱۱۸۳ ۱۱۸۴ ۱۱۸۵ ۱۱۸۶ ۱۱۸۷ ۱۱۸۸ ۱۱۸۹ ۱۱۹۰ ۱۱۹۱ ۱۱۹۲ ۱۱۹۳ ۱۱۹۴ ۱۱۹۵ ۱۱۹۶ ۱۱۹۷ ۱۱۹۸ ۱۱۹۹ ۱۲۰۰ ۱۲۰۱ ۱۲۰۲ ۱۲۰۳ ۱۲۰۴ ۱۲۰۵ ۱۲۰۶ ۱۲۰۷ ۱۲۰۸ ۱۲۰۹ ۱۲۱۰ ۱۲۱۱ ۱۲۱۲ ۱۲۱۳ ۱۲۱۴ ۱۲۱۵ ۱۲۱۶ ۱۲۱۷ ۱۲۱۸ ۱۲۱۹ ۱۲۲۰ ۱۲۲۱ ۱۲۲۲ ۱۲۲۳ ۱۲۲۴ ۱۲۲۵ ۱۲۲۶ ۱۲۲۷ ۱۲۲۸ ۱۲۲۹ ۱۲۳۰ ۱۲۳۱ ۱۲۳۲ ۱۲۳۳ ۱۲۳۴ ۱۲۳۵ ۱۲۳۶ ۱۲۳۷ ۱۲۳۸ ۱۲۳۹ ۱۲۴۰ ۱۲۴۱ ۱۲۴۲ ۱۲۴۳ ۱۲۴۴ ۱۲۴۵ ۱۲۴۶ ۱۲۴۷ ۱۲۴۸ ۱۲۴۹ ۱۲۵۰ ۱۲۵۱ ۱۲۵۲ ۱۲۵۳ ۱۲۵۴ ۱۲۵۵ ۱۲۵۶ ۱۲۵۷ ۱۲۵۸ ۱۲۵۹ ۱۲۶۰ ۱۲۶۱ ۱۲۶۲ ۱۲۶۳ ۱۲۶۴ ۱۲۶۵ ۱۲۶۶ ۱۲۶۷ ۱۲۶۸ ۱۲۶۹ ۱۲۷۰ ۱۲۷۱ ۱۲۷۲ ۱۲۷۳ ۱۲۷۴ ۱۲۷۵ ۱۲۷۶ ۱۲۷۷ ۱۲۷۸ ۱۲۷۹ ۱۲۸۰ ۱۲۸۱ ۱۲۸۲ ۱۲۸۳ ۱۲۸۴ ۱۲۸۵ ۱۲۸۶ ۱۲۸۷ ۱۲۸۸ ۱۲۸۹ ۱۲۹۰ ۱۲۹۱ ۱۲۹۲ ۱۲۹۳ ۱۲۹۴ ۱۲۹۵ ۱۲۹۶ ۱۲۹۷ ۱۲۹۸ ۱۲۹۹ ۱۳۰۰ ۱۳۰۱ ۱۳۰۲ ۱۳۰۳ ۱۳۰۴ ۱۳۰۵ ۱۳۰۶ ۱۳۰۷ ۱۳۰۸ ۱۳۰۹ ۱۳۱۰ ۱۳۱۱ ۱۳۱۲ ۱۳۱۳ ۱۳۱۴ ۱۳۱۵ ۱۳۱۶ ۱۳۱۷ ۱۳۱۸ ۱۳۱۹ ۱۳۲۰ ۱۳۲۱ ۱۳۲۲ ۱۳۲۳ ۱۳۲۴ ۱۳۲۵ ۱۳۲۶ ۱۳۲۷ ۱۳۲۸ ۱۳۲۹ ۱۳۳۰ ۱۳۳۱ ۱۳۳۲ ۱۳۳۳ ۱۳۳۴ ۱۳۳۵ ۱۳۳۶ ۱۳۳۷ ۱۳۳۸ ۱۳۳۹ ۱۳۴۰ ۱۳۴۱ ۱۳۴۲ ۱۳۴۳ ۱۳۴۴ ۱۳۴۵ ۱۳۴۶ ۱۳۴۷ ۱۳۴۸ ۱۳۴۹ ۱۳۵۰ ۱۳۵۱ ۱۳۵۲ ۱۳۵۳ ۱۳۵۴ ۱۳۵۵ ۱۳۵۶ ۱۳۵۷ ۱۳۵۸ ۱۳۵۹ ۱۳۶۰ ۱۳۶۱ ۱۳۶۲ ۱۳۶۳ ۱۳۶۴ ۱۳۶۵ ۱۳۶۶ ۱۳۶۷ ۱۳۶۸ ۱۳۶۹ ۱۳۷۰ ۱۳۷۱ ۱۳۷۲ ۱۳۷۳ ۱۳۷۴ ۱۳۷۵ ۱۳۷۶ ۱۳۷۷ ۱۳۷۸ ۱۳۷۹ ۱۳۸۰ ۱۳۸۱ ۱۳۸۲ ۱۳۸۳ ۱۳۸۴ ۱۳۸۵ ۱۳۸۶ ۱۳۸۷ ۱۳۸۸ ۱۳۸۹ ۱۳۹۰ ۱۳۹۱ ۱۳۹۲ ۱۳۹۳ ۱۳۹۴ ۱۳۹۵ ۱۳۹۶ ۱۳۹۷ ۱۳۹۸ ۱۳۹۹ ۱۴۰۰ ۱۴۰۱ ۱۴۰۲ ۱۴۰۳ ۱۴۰۴ ۱۴۰۵ ۱۴۰۶ ۱۴۰۷ ۱۴۰۸ ۱۴۰۹ ۱۴۱۰ ۱۴۱۱ ۱۴۱۲ ۱۴۱۳ ۱۴۱۴ ۱۴۱۵ ۱۴۱۶ ۱۴۱۷ ۱۴۱۸ ۱۴۱۹ ۱۴۲۰ ۱۴۲۱ ۱۴۲۲ ۱۴۲۳ ۱۴۲۴ ۱۴۲۵ ۱۴۲۶ ۱۴۲۷ ۱۴۲۸ ۱۴۲۹ ۱۴۳۰ ۱۴۳۱ ۱۴۳۲ ۱۴۳۳ ۱۴۳۴ ۱۴۳۵ ۱۴۳۶ ۱۴۳۷ ۱۴۳۸ ۱۴۳۹ ۱۴۴۰ ۱۴۴۱ ۱۴۴۲ ۱۴۴۳ ۱۴۴۴ ۱۴۴۵ ۱۴۴۶ ۱۴۴۷ ۱۴۴۸ ۱۴۴۹ ۱۴۵۰ ۱۴۵۱ ۱۴۵۲ ۱۴۵۳ ۱۴۵۴ ۱۴۵۵ ۱۴۵۶ ۱۴۵۷ ۱۴۵۸ ۱۴۵۹ ۱۴۶۰ ۱۴۶۱ ۱۴۶۲ ۱۴۶۳ ۱۴۶۴ ۱۴۶۵ ۱۴۶۶ ۱۴۶۷ ۱۴۶۸ ۱۴۶۹ ۱۴۷۰ ۱۴۷۱ ۱۴۷۲ ۱۴۷۳ ۱۴۷۴ ۱۴۷۵ ۱۴۷۶ ۱۴۷۷ ۱۴۷۸ ۱۴۷۹ ۱۴۸۰ ۱۴۸۱ ۱۴۸۲ ۱۴۸۳ ۱۴۸۴ ۱۴۸۵ ۱۴۸۶ ۱۴۸۷ ۱۴۸۸ ۱۴۸۹ ۱۴۹۰ ۱۴۹۱ ۱۴۹۲ ۱۴۹۳ ۱۴۹۴ ۱۴۹۵ ۱۴۹۶ ۱۴۹۷ ۱۴۹۸ ۱۴۹۹ ۱۵۰۰ ۱۵۰۱ ۱۵۰۲ ۱۵۰۳ ۱۵۰۴ ۱۵۰۵ ۱۵۰۶ ۱۵۰۷ ۱۵۰۸ ۱۵۰۹ ۱۵۱۰ ۱۵۱۱ ۱۵۱۲ ۱۵۱۳ ۱۵۱۴ ۱۵۱۵ ۱۵۱۶ ۱۵۱۷ ۱۵۱۸ ۱۵۱۹ ۱۵۲۰ ۱۵۲۱ ۱۵۲۲ ۱۵۲۳ ۱۵۲۴ ۱۵۲۵ ۱۵۲۶ ۱۵۲۷ ۱۵۲۸ ۱۵۲۹ ۱۵۳۰ ۱۵۳۱ ۱۵۳۲ ۱۵۳۳ ۱۵۳۴ ۱۵۳۵ ۱۵۳۶ ۱۵۳۷ ۱۵۳۸ ۱۵۳۹ ۱۵۴۰ ۱۵۴۱ ۱۵۴۲ ۱۵۴۳ ۱۵۴۴ ۱۵۴۵ ۱۵۴۶ ۱۵۴۷ ۱۵۴۸ ۱۵۴۹ ۱۵۵۰ ۱۵۵۱ ۱۵۵۲ ۱۵۵۳ ۱۵۵۴ ۱۵۵۵ ۱۵۵۶ ۱۵۵۷ ۱۵۵۸ ۱۵۵۹ ۱۵۶۰ ۱۵۶۱ ۱۵۶۲ ۱۵۶۳ ۱۵۶۴ ۱۵۶۵ ۱۵۶۶ ۱۵۶۷ ۱۵۶۸ ۱۵۶۹ ۱۵۷۰ ۱۵۷۱ ۱۵۷۲ ۱۵۷۳ ۱۵۷۴ ۱۵۷

مفصل اور پھر آخر تک کو قصار مفصل کہا جاتا ہے۔ قصار کا معنی چھوٹی سورتیں ہیں۔

قرآن کریم کی مختلف سورتوں کے ناموں کی مختلف وجوہات ہیں۔ بعض سورتوں کے نام جو تیسرے ان کے ابتدائی حرفت ہیں ق۔ ص۔ ط۔ ی۔ ن۔ وغیرہ بعض سورتوں کے اسماء انکے پہلی آیت کے کسی لفظ پر رکھے گئے ہیں۔ جیسے سورۃ کوثر کا نام اس کی پہلی آیت "إِنَّا أَنْعَمْنَا عَلَى الْكَافِرِ" سے لیا گیا ہے۔ کسی سورۃ کا نام اس سورۃ میں مذکور مشہور واقعہ سے مانوئے۔ جیسے بقرہ کہ اس میں گائے کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ اسی طرح اسراء میں معراج کا واقعہ آیا ہے۔ سورۃ اعراف میں اعراف کا واقعہ ہے۔ جو کہ ایک جگہ کا نام ہے۔ سورۃ الاعراف کا نام بھی واقعہ اہل عراق کی وجہ سے ہے۔ سورۃ یونس کا نام یونس اس لیے ہے کہ اس میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر ہے۔

زمانہ نزول کے لحاظ سے سورتوں کی دو قسمیں ہیں۔ یعنی مکی اور مدنی سورتیں جو سورتیں مکتبہ سے پہلے نازل ہوئیں وہ مکی کہلاتی ہیں۔ خواہ وہ مکہ معظمہ میں قیام کے دوران نازل ہوئیں یا مکہ میں یا کسی اور سفر کے دوران۔ مدنی سورتیں وہ ہیں جو ہجرت مدینہ کے بعد نازل ہوئیں۔ ہجرت کے بعد جو بھی سورتیں نازل ہوئیں۔ خواہ وہ قیام مدینہ کے دوران یا تبوک یا خبہ یا کسی اور مقام پر وہ سب مدنی سورتیں کہلاتی ہیں۔ علامہ عبداللہ بن سید علی نے زمانہ و مکان کے لحاظ سے کئی قسمیں بیان کی ہیں۔ مثلاً جو سورۃ حضہ یعنی اقامت کی حالت میں نازل ہوئی۔ وہ حضری کہلاتی ہے۔ اور جو سفر کی حالت میں اترتی اس کو سفری سورۃ کہتے ہیں۔ اسی طرح رات کے وقت نازل ہونے والی سورۃ لیلیٰ اور دن کے وقت اترنے والی نہاری کہلاتی ہے۔

بعض سورتیں دفعۃً یعنی یکدم نازل ہوئی ہیں۔ ان کو دفعی سورتیں کہتے ہیں اور بعض سورتیں تدریجی کہلاتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تدریجاً نازل ہوئی ہیں کبھی چند آیتیں نازل ہو گئیں۔ پھر درمیان میں وقفہ آگیا پھر کچھ نازل ہو گئیں۔ یہ تدریجی سورتیں ہیں۔ بعض سورتیں ایسی ہیں جو کہ کئی نو مدنی ہیں مگر ان کے کچھ حصے مکی دور میں نازل ہوئے مثلاً

یہی سورۃ بقرہ مدنی سورۃ ہے۔ ﴿وَإِنَّ أَوَّلَ الْوَسْوَءِ لَمَّا سَمِعَ آدَمُ الْكَلِمَةَ مِنْ رَبِّهِ﴾ اس کے لئے کہ آخر تک کی آیتیں مکی زندگی کا حصہ ہیں۔ مشہور روایت میں آتا ہے کہ معراج کے دوران حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین گھنٹے دیے گئے۔ یعنی پانچ نمازیں۔ سورۃ بقرہ کی آخری آیتیں۔ اور ان لوگوں کے لیے خوشخبری جو شرک میں ملوث نہیں ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ آپ کا معراج مکی زندگی میں ہو۔ لہذا یہ آخری آیتیں مکی زندگی کی ہیں۔ اگرچہ سورۃ بقرہ مدنی سورۃ ہے۔

ترتیب تلاوت
کی حکمت

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ترتیب نزول کا نفاذ ضروری تھا کہ پہلے مکی سورتیں آئیں اور اس کے بعد مدنی سورتوں کا بیان ہوتا۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن حکیم تمام نوع انسانی کے لیے نازل ہوا ہے۔ اور مختلف انسانوں کے مزاج مختلف ہوتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے انسانی مزاج کو پیش نظر رکھتے ہوئے پہلے وہ سورتیں رکھی ہیں جو جامع اور مانع ہیں اور ان میں ہر قسم کے الجھمکات پائے جاتے ہیں۔ اہل یہ عہد پر مدنی سورتیں ہیں۔ مکی سورتوں میں زیادہ تر مبادی و عقائد کا ذکر ہے۔ ان میں ہر قسم کے احکام نہیں پائے جاتے۔ تو اگر باپس مدنی لوگوں کی سورتوں کو لانے میں حکمت یہ ہے کہ لوگ ہر قسم کے احکام سے مانوس ہو جائیں۔

فضیلت سورۃ

حدیث پاک میں سورۃ بقرہ کے بہت سے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ ترمذی شریف کی روایت میں نبی علیہ السلام کا فرمان ہے۔ **لَا تَجْعَلُوا أَيْدِيَكُمْ مَعَابِسَ** یعنی اپنے گھروں کو قبروں کی طرح سنان نہ بناؤ۔ بلکہ وہاں نمازیں بھی پڑھا کرو۔ نیز یہ بھی فرمایا **وَرَأَى النَّبِيَّ الَّذِي لَعَنَهُ الْبَقَرَةُ جَنِيْدًا يَدْخُلُهُ الشَّيْطَانُ** یعنی جس گھرمیں سورۃ بقرہ کی تلاوت ہوتی ہو۔ وہاں شیطان داخل نہیں ہوتا۔ مسلم شریف کی روایت میں اس طرح آتا ہے **يَوْمَ يُنْفَخُ الْفُتْرَانُ يَوْمَ الْفِيْئَةِ وَأَهْلِيْهِ الَّذِينَ كَانُوا يَعْمَلُونَ يَدْخُلُهُمْ سُورَةُ الْبَقَرَةِ وَأَنْ عُمَرَانِ** یعنی قیامت کے روز قرآن پاک اور اس کے اہل کو لایا جائے گا۔ ان کے آگے آگے سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران ہوگی۔

یہاں پر یہ بات یاد رہے کہ اہل قرآن سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرآن پاک پر عمل کرتے ہیں۔
 آج کل تو چھڑا لوی اور پرویزی وغیرہ اہل قرآن کہلاتے ہیں، حالانکہ یہ لوگ فہراہ اور منحرفین قلوب ہیں۔
 ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں **لَتَعْلَمُوا سُورَةَ الْبَقَرَةِ فَإِنْ أَخَذَهَا
 بَبْرِكَةٍ** یعنی سورۃ بقرہ یکدم، کیونکہ اس کا یہ حکن باعث برکت ہے۔ **رَكَوْكَاهُ حَسْرَةً**
 اور اس کا ترک کرنا باعث حسرت ہوگا۔ نیز فرمایا **لِكُلِّ شَيْءٍ سَنَامٌ وَسَنَامُ الْقُرْآنِ**
سُورَةُ الْبَقَرَةِ ہر چیز کی ایک کوٹن یا جنتی ہوتی ہے۔ اہل قرآن کی کوٹن سورۃ بقرہ ہے
 یعنی یہ سورۃ قرآن پاک میں اس طرح نمایاں ہے جس طرح اونٹ کی پشت پر کوٹن نمایاں ہوتی ہے۔
 فرمایا سورۃ بقرہ میں ایک ایسی آیت ہے **هِيَ سَيِّدَةُ آيَاتِ الْقُرْآنِ آيَةُ**
النُّكْرِ سَيِّ یہ قرآن پاک کی تمام آیتوں کی سردار ہے، یعنی آیت النکری۔ گویا سب بڑی اور سب سے
 فضیلت والی آیت اسی سورۃ میں ہے، ایک اور روایت میں آتا ہے کہ سورۃ بقرہ **فُطِّلَتْ**
الْقُرْآنِ یعنی قرآن کا خیمہ ہے جس میں ہر چیز آجاتی ہے۔ **فَرَأَاهُ إِفْكَرًا وَالنَّزْهَرُ أَوْيَنَ**
الْبَقَرَةِ وَالْعَمْرَنَ دو روشن سورتیں پڑھو، یعنی سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران۔ یہ قیامت
 کے روز اس طرح آئیں گی جس طرح دو بادل ہوتے ہیں۔ اور ان کے درمیان بڑی چمک ہوگی
 یہ سائبان کی طرح اوپر آئیں گی۔

مذاہم کی۔ روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ **الْبَقَرَةُ سَنَامُ الْعُرْنِ**
 سورۃ بقرہ قرآن کریم کی کوٹن ہے۔ اس کی ہر آیت کے ساتھ اسٹی۔ اسٹی فرشتے اترتے ہیں
 ہیں۔ یعنی ہر آیت کے نزول کے وقت ملائکہ کا نزول ہوتا تھا۔ **فَرَأَاهُ** اس کی ہیئت **الْقَدَمَةُ إِلَهُ**
إِنَّ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ کو اللہ تعالیٰ نے عرش کے نیچے سے نکال کر سورۃ یسرا میں شامل کیا ہے
 اسی آیت النکری میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم بھی ہے۔

اس سورۃ مبارکہ میں محکم طور پر بہت سے مضامین آجاتے ہیں۔ مثلاً اس میں اللہ تعالیٰ کے مضامین سورۃ

۱۔ سورۃ ۲۲۴۔ ۲۔ سورۃ ۲۲۵۔ ۳۔ سورۃ ۲۲۶۔ ۴۔ سورۃ ۲۲۷۔ ۵۔ سورۃ ۲۲۸۔ ۶۔ سورۃ ۲۲۹۔ ۷۔ سورۃ ۲۳۰۔ ۸۔ سورۃ ۲۳۱۔ ۹۔ سورۃ ۲۳۲۔ ۱۰۔ سورۃ ۲۳۳۔ ۱۱۔ سورۃ ۲۳۴۔ ۱۲۔ سورۃ ۲۳۵۔ ۱۳۔ سورۃ ۲۳۶۔ ۱۴۔ سورۃ ۲۳۷۔ ۱۵۔ سورۃ ۲۳۸۔ ۱۶۔ سورۃ ۲۳۹۔ ۱۷۔ سورۃ ۲۴۰۔ ۱۸۔ سورۃ ۲۴۱۔ ۱۹۔ سورۃ ۲۴۲۔ ۲۰۔ سورۃ ۲۴۳۔ ۲۱۔ سورۃ ۲۴۴۔ ۲۲۔ سورۃ ۲۴۵۔ ۲۳۔ سورۃ ۲۴۶۔ ۲۴۔ سورۃ ۲۴۷۔ ۲۵۔ سورۃ ۲۴۸۔ ۲۶۔ سورۃ ۲۴۹۔ ۲۷۔ سورۃ ۲۵۰۔ ۲۸۔ سورۃ ۲۵۱۔ ۲۹۔ سورۃ ۲۵۲۔ ۳۰۔ سورۃ ۲۵۳۔ ۳۱۔ سورۃ ۲۵۴۔ ۳۲۔ سورۃ ۲۵۵۔ ۳۳۔ سورۃ ۲۵۶۔ ۳۴۔ سورۃ ۲۵۷۔ ۳۵۔ سورۃ ۲۵۸۔ ۳۶۔ سورۃ ۲۵۹۔ ۳۷۔ سورۃ ۲۶۰۔ ۳۸۔ سورۃ ۲۶۱۔ ۳۹۔ سورۃ ۲۶۲۔ ۴۰۔ سورۃ ۲۶۳۔ ۴۱۔ سورۃ ۲۶۴۔ ۴۲۔ سورۃ ۲۶۵۔ ۴۳۔ سورۃ ۲۶۶۔ ۴۴۔ سورۃ ۲۶۷۔ ۴۵۔ سورۃ ۲۶۸۔ ۴۶۔ سورۃ ۲۶۹۔ ۴۷۔ سورۃ ۲۷۰۔ ۴۸۔ سورۃ ۲۷۱۔ ۴۹۔ سورۃ ۲۷۲۔ ۵۰۔ سورۃ ۲۷۳۔ ۵۱۔ سورۃ ۲۷۴۔ ۵۲۔ سورۃ ۲۷۵۔ ۵۳۔ سورۃ ۲۷۶۔ ۵۴۔ سورۃ ۲۷۷۔ ۵۵۔ سورۃ ۲۷۸۔ ۵۶۔ سورۃ ۲۷۹۔ ۵۷۔ سورۃ ۲۸۰۔ ۵۸۔ سورۃ ۲۸۱۔ ۵۹۔ سورۃ ۲۸۲۔ ۶۰۔ سورۃ ۲۸۳۔ ۶۱۔ سورۃ ۲۸۴۔ ۶۲۔ سورۃ ۲۸۵۔ ۶۳۔ سورۃ ۲۸۶۔ ۶۴۔ سورۃ ۲۸۷۔ ۶۵۔ سورۃ ۲۸۸۔ ۶۶۔ سورۃ ۲۸۹۔ ۶۷۔ سورۃ ۲۹۰۔ ۶۸۔ سورۃ ۲۹۱۔ ۶۹۔ سورۃ ۲۹۲۔ ۷۰۔ سورۃ ۲۹۳۔ ۷۱۔ سورۃ ۲۹۴۔ ۷۲۔ سورۃ ۲۹۵۔ ۷۳۔ سورۃ ۲۹۶۔ ۷۴۔ سورۃ ۲۹۷۔ ۷۵۔ سورۃ ۲۹۸۔ ۷۶۔ سورۃ ۲۹۹۔ ۷۷۔ سورۃ ۳۰۰۔ ۷۸۔ سورۃ ۳۰۱۔ ۷۹۔ سورۃ ۳۰۲۔ ۸۰۔ سورۃ ۳۰۳۔ ۸۱۔ سورۃ ۳۰۴۔ ۸۲۔ سورۃ ۳۰۵۔ ۸۳۔ سورۃ ۳۰۶۔ ۸۴۔ سورۃ ۳۰۷۔ ۸۵۔ سورۃ ۳۰۸۔ ۸۶۔ سورۃ ۳۰۹۔ ۸۷۔ سورۃ ۳۱۰۔ ۸۸۔ سورۃ ۳۱۱۔ ۸۹۔ سورۃ ۳۱۲۔ ۹۰۔ سورۃ ۳۱۳۔ ۹۱۔ سورۃ ۳۱۴۔ ۹۲۔ سورۃ ۳۱۵۔ ۹۳۔ سورۃ ۳۱۶۔ ۹۴۔ سورۃ ۳۱۷۔ ۹۵۔ سورۃ ۳۱۸۔ ۹۶۔ سورۃ ۳۱۹۔ ۹۷۔ سورۃ ۳۲۰۔ ۹۸۔ سورۃ ۳۲۱۔ ۹۹۔ سورۃ ۳۲۲۔ ۱۰۰۔ سورۃ ۳۲۳۔ ۱۰۱۔ سورۃ ۳۲۴۔ ۱۰۲۔ سورۃ ۳۲۵۔ ۱۰۳۔ سورۃ ۳۲۶۔ ۱۰۴۔ سورۃ ۳۲۷۔ ۱۰۵۔ سورۃ ۳۲۸۔ ۱۰۶۔ سورۃ ۳۲۹۔ ۱۰۷۔ سورۃ ۳۳۰۔ ۱۰۸۔ سورۃ ۳۳۱۔ ۱۰۹۔ سورۃ ۳۳۲۔ ۱۱۰۔ سورۃ ۳۳۳۔ ۱۱۱۔ سورۃ ۳۳۴۔ ۱۱۲۔ سورۃ ۳۳۵۔ ۱۱۳۔ سورۃ ۳۳۶۔ ۱۱۴۔ سورۃ ۳۳۷۔ ۱۱۵۔ سورۃ ۳۳۸۔ ۱۱۶۔ سورۃ ۳۳۹۔ ۱۱۷۔ سورۃ ۳۴۰۔ ۱۱۸۔ سورۃ ۳۴۱۔ ۱۱۹۔ سورۃ ۳۴۲۔ ۱۲۰۔ سورۃ ۳۴۳۔ ۱۲۱۔ سورۃ ۳۴۴۔ ۱۲۲۔ سورۃ ۳۴۵۔ ۱۲۳۔ سورۃ ۳۴۶۔ ۱۲۴۔ سورۃ ۳۴۷۔ ۱۲۵۔ سورۃ ۳۴۸۔ ۱۲۶۔ سورۃ ۳۴۹۔ ۱۲۷۔ سورۃ ۳۵۰۔ ۱۲۸۔ سورۃ ۳۵۱۔ ۱۲۹۔ سورۃ ۳۵۲۔ ۱۳۰۔ سورۃ ۳۵۳۔ ۱۳۱۔ سورۃ ۳۵۴۔ ۱۳۲۔ سورۃ ۳۵۵۔ ۱۳۳۔ سورۃ ۳۵۶۔ ۱۳۴۔ سورۃ ۳۵۷۔ ۱۳۵۔ سورۃ ۳۵۸۔ ۱۳۶۔ سورۃ ۳۵۹۔ ۱۳۷۔ سورۃ ۳۶۰۔ ۱۳۸۔ سورۃ ۳۶۱۔ ۱۳۹۔ سورۃ ۳۶۲۔ ۱۴۰۔ سورۃ ۳۶۳۔ ۱۴۱۔ سورۃ ۳۶۴۔ ۱۴۲۔ سورۃ ۳۶۵۔ ۱۴۳۔ سورۃ ۳۶۶۔ ۱۴۴۔ سورۃ ۳۶۷۔ ۱۴۵۔ سورۃ ۳۶۸۔ ۱۴۶۔ سورۃ ۳۶۹۔ ۱۴۷۔ سورۃ ۳۷۰۔ ۱۴۸۔ سورۃ ۳۷۱۔ ۱۴۹۔ سورۃ ۳۷۲۔ ۱۵۰۔ سورۃ ۳۷۳۔ ۱۵۱۔ سورۃ ۳۷۴۔ ۱۵۲۔ سورۃ ۳۷۵۔ ۱۵۳۔ سورۃ ۳۷۶۔ ۱۵۴۔ سورۃ ۳۷۷۔ ۱۵۵۔ سورۃ ۳۷۸۔ ۱۵۶۔ سورۃ ۳۷۹۔ ۱۵۷۔ سورۃ ۳۸۰۔ ۱۵۸۔ سورۃ ۳۸۱۔ ۱۵۹۔ سورۃ ۳۸۲۔ ۱۶۰۔ سورۃ ۳۸۳۔ ۱۶۱۔ سورۃ ۳۸۴۔ ۱۶۲۔ سورۃ ۳۸۵۔ ۱۶۳۔ سورۃ ۳۸۶۔ ۱۶۴۔ سورۃ ۳۸۷۔ ۱۶۵۔ سورۃ ۳۸۸۔ ۱۶۶۔ سورۃ ۳۸۹۔ ۱۶۷۔ سورۃ ۳۹۰۔ ۱۶۸۔ سورۃ ۳۹۱۔ ۱۶۹۔ سورۃ ۳۹۲۔ ۱۷۰۔ سورۃ ۳۹۳۔ ۱۷۱۔ سورۃ ۳۹۴۔ ۱۷۲۔ سورۃ ۳۹۵۔ ۱۷۳۔ سورۃ ۳۹۶۔ ۱۷۴۔ سورۃ ۳۹۷۔ ۱۷۵۔ سورۃ ۳۹۸۔ ۱۷۶۔ سورۃ ۳۹۹۔ ۱۷۷۔ سورۃ ۴۰۰۔ ۱۷۸۔ سورۃ ۴۰۱۔ ۱۷۹۔ سورۃ ۴۰۲۔ ۱۸۰۔ سورۃ ۴۰۳۔ ۱۸۱۔ سورۃ ۴۰۴۔ ۱۸۲۔ سورۃ ۴۰۵۔ ۱۸۳۔ سورۃ ۴۰۶۔ ۱۸۴۔ سورۃ ۴۰۷۔ ۱۸۵۔ سورۃ ۴۰۸۔ ۱۸۶۔ سورۃ ۴۰۹۔ ۱۸۷۔ سورۃ ۴۱۰۔ ۱۸۸۔ سورۃ ۴۱۱۔ ۱۸۹۔ سورۃ ۴۱۲۔ ۱۹۰۔ سورۃ ۴۱۳۔ ۱۹۱۔ سورۃ ۴۱۴۔ ۱۹۲۔ سورۃ ۴۱۵۔ ۱۹۳۔ سورۃ ۴۱۶۔ ۱۹۴۔ سورۃ ۴۱۷۔ ۱۹۵۔ سورۃ ۴۱۸۔ ۱۹۶۔ سورۃ ۴۱۹۔ ۱۹۷۔ سورۃ ۴۲۰۔ ۱۹۸۔ سورۃ ۴۲۱۔ ۱۹۹۔ سورۃ ۴۲۲۔ ۲۰۰۔ سورۃ ۴۲۳۔ ۲۰۱۔ سورۃ ۴۲۴۔ ۲۰۲۔ سورۃ ۴۲۵۔ ۲۰۳۔ سورۃ ۴۲۶۔ ۲۰۴۔ سورۃ ۴۲۷۔ ۲۰۵۔ سورۃ ۴۲۸۔ ۲۰۶۔ سورۃ ۴۲۹۔ ۲۰۷۔ سورۃ ۴۳۰۔ ۲۰۸۔ سورۃ ۴۳۱۔ ۲۰۹۔ سورۃ ۴۳۲۔ ۲۱۰۔ سورۃ ۴۳۳۔ ۲۱۱۔ سورۃ ۴۳۴۔ ۲۱۲۔ سورۃ ۴۳۵۔ ۲۱۳۔ سورۃ ۴۳۶۔ ۲۱۴۔ سورۃ ۴۳۷۔ ۲۱۵۔ سورۃ ۴۳۸۔ ۲۱۶۔ سورۃ ۴۳۹۔ ۲۱۷۔ سورۃ ۴۴۰۔ ۲۱۸۔ سورۃ ۴۴۱۔ ۲۱۹۔ سورۃ ۴۴۲۔ ۲۲۰۔ سورۃ ۴۴۳۔ ۲۲۱۔ سورۃ ۴۴۴۔ ۲۲۲۔ سورۃ ۴۴۵۔ ۲۲۳۔ سورۃ ۴۴۶۔ ۲۲۴۔ سورۃ ۴۴۷۔ ۲۲۵۔ سورۃ ۴۴۸۔ ۲۲۶۔ سورۃ ۴۴۹۔ ۲۲۷۔ سورۃ ۴۵۰۔ ۲۲۸۔ سورۃ ۴۵۱۔ ۲۲۹۔ سورۃ ۴۵۲۔ ۲۳۰۔ سورۃ ۴۵۳۔ ۲۳۱۔ سورۃ ۴۵۴۔ ۲۳۲۔ سورۃ ۴۵۵۔ ۲۳۳۔ سورۃ ۴۵۶۔ ۲۳۴۔ سورۃ ۴۵۷۔ ۲۳۵۔ سورۃ ۴۵۸۔ ۲۳۶۔ سورۃ ۴۵۹۔ ۲۳۷۔ سورۃ ۴۶۰۔ ۲۳۸۔ سورۃ ۴۶۱۔ ۲۳۹۔ سورۃ ۴۶۲۔ ۲۴۰۔ سورۃ ۴۶۳۔ ۲۴۱۔ سورۃ ۴۶۴۔ ۲۴۲۔ سورۃ ۴۶۵۔ ۲۴۳۔ سورۃ ۴۶۶۔ ۲۴۴۔ سورۃ ۴۶۷۔ ۲۴۵۔ سورۃ ۴۶۸۔ ۲۴۶۔ سورۃ ۴۶۹۔ ۲۴۷۔ سورۃ ۴۷۰۔ ۲۴۸۔ سورۃ ۴۷۱۔ ۲۴۹۔ سورۃ ۴۷۲۔ ۲۵۰۔ سورۃ ۴۷۳۔ ۲۵۱۔ سورۃ ۴۷۴۔ ۲۵۲۔ سورۃ ۴۷۵۔ ۲۵۳۔ سورۃ ۴۷۶۔ ۲۵۴۔ سورۃ ۴۷۷۔ ۲۵۵۔ سورۃ ۴۷۸۔ ۲۵۶۔ سورۃ ۴۷۹۔ ۲۵۷۔ سورۃ ۴۸۰۔ ۲۵۸۔ سورۃ ۴۸۱۔ ۲۵۹۔ سورۃ ۴۸۲۔ ۲۶۰۔ سورۃ ۴۸۳۔ ۲۶۱۔ سورۃ ۴۸۴۔ ۲۶۲۔ سورۃ ۴۸۵۔ ۲۶۳۔ سورۃ ۴۸۶۔ ۲۶۴۔ سورۃ ۴۸۷۔ ۲۶۵۔ سورۃ ۴۸۸۔ ۲۶۶۔ سورۃ ۴۸۹۔ ۲۶۷۔ سورۃ ۴۹۰۔ ۲۶۸۔ سورۃ ۴۹۱۔ ۲۶۹۔ سورۃ ۴۹۲۔ ۲۷۰۔ سورۃ ۴۹۳۔ ۲۷۱۔ سورۃ ۴۹۴۔ ۲۷۲۔ سورۃ ۴۹۵۔ ۲۷۳۔ سورۃ ۴۹۶۔ ۲۷۴۔ سورۃ ۴۹۷۔ ۲۷۵۔ سورۃ ۴۹۸۔ ۲۷۶۔ سورۃ ۴۹۹۔ ۲۷۷۔ سورۃ ۵۰۰۔ ۲۷۸۔ سورۃ ۵۰۱۔ ۲۷۹۔ سورۃ ۵۰۲۔ ۲۸۰۔ سورۃ ۵۰۳۔ ۲۸۱۔ سورۃ ۵۰۴۔ ۲۸۲۔ سورۃ ۵۰۵۔ ۲۸۳۔ سورۃ ۵۰۶۔ ۲۸۴۔ سورۃ ۵۰۷۔ ۲۸۵۔ سورۃ ۵۰۸۔ ۲۸۶۔ سورۃ ۵۰۹۔ ۲۸۷۔ سورۃ ۵۱۰۔ ۲۸۸۔ سورۃ ۵۱۱۔ ۲۸۹۔ سورۃ ۵۱۲۔ ۲۹۰۔ سورۃ ۵۱۳۔ ۲۹۱۔ سورۃ ۵۱۴۔ ۲۹۲۔ سورۃ ۵۱۵۔ ۲۹۳۔ سورۃ ۵۱۶۔ ۲۹۴۔ سورۃ ۵۱۷۔ ۲۹۵۔ سورۃ ۵۱۸۔ ۲۹۶۔ سورۃ ۵۱۹۔ ۲۹۷۔ سورۃ ۵۲۰۔ ۲۹۸۔ سورۃ ۵۲۱۔ ۲۹۹۔ سورۃ ۵۲۲۔ ۳۰۰۔ سورۃ ۵۲۳۔ ۳۰۱۔ سورۃ ۵۲۴۔ ۳۰۲۔ سورۃ ۵۲۵۔ ۳۰۳۔ سورۃ ۵۲۶۔ ۳۰۴۔ سورۃ ۵۲۷۔ ۳۰۵۔ سورۃ ۵۲۸۔ ۳۰۶۔ سورۃ ۵۲۹۔ ۳۰۷۔ سورۃ ۵۳۰۔ ۳۰۸۔ سورۃ ۵۳۱۔ ۳۰۹۔ سورۃ ۵۳۲۔ ۳۱۰۔ سورۃ ۵۳۳۔ ۳۱۱۔ سورۃ ۵۳۴۔ ۳۱۲۔ سورۃ ۵۳۵۔ ۳۱۳۔ سورۃ ۵۳۶۔ ۳۱۴۔ سورۃ ۵۳۷۔ ۳۱۵۔ سورۃ ۵۳۸۔ ۳۱۶۔ سورۃ ۵۳۹۔ ۳۱۷۔ سورۃ ۵۴۰۔ ۳۱۸۔ سورۃ ۵۴۱۔ ۳۱۹۔ سورۃ ۵۴۲۔ ۳۲۰۔ سورۃ ۵۴۳۔ ۳۲۱۔ سورۃ ۵۴۴۔ ۳۲۲۔ سورۃ ۵۴۵۔ ۳۲۳۔ سورۃ ۵۴۶۔ ۳۲۴۔ سورۃ ۵۴۷۔ ۳۲۵۔ سورۃ ۵۴۸۔ ۳۲۶۔ سورۃ ۵۴۹۔ ۳۲۷۔ سورۃ ۵۵۰۔ ۳۲۸۔ سورۃ ۵۵۱۔ ۳۲۹۔ سورۃ ۵۵۲۔ ۳۳۰۔ سورۃ ۵۵۳۔ ۳۳۱۔ سورۃ ۵۵۴۔ ۳۳۲۔ سورۃ ۵۵۵۔ ۳۳۳۔ سورۃ ۵۵۶۔ ۳۳۴۔ سورۃ ۵۵۷۔ ۳۳۵۔ سورۃ ۵۵۸۔ ۳۳۶۔ سورۃ ۵۵۹۔ ۳۳۷۔ سورۃ ۵۶۰۔ ۳۳۸۔ سورۃ ۵۶۱۔ ۳۳۹۔ سورۃ ۵۶۲۔ ۳۴۰۔ سورۃ ۵۶۳۔ ۳۴۱۔ سورۃ ۵۶۴۔ ۳۴۲۔ سورۃ ۵۶۵۔ ۳۴۳۔ سورۃ ۵۶۶۔ ۳۴۴۔ سورۃ ۵۶۷۔ ۳۴۵۔ سورۃ ۵۶۸۔ ۳۴۶۔ سورۃ ۵۶۹۔ ۳۴۷۔ سورۃ ۵۷۰۔ ۳۴۸۔ سورۃ ۵۷۱۔ ۳۴۹۔ سورۃ ۵۷۲۔ ۳۵۰۔ سورۃ ۵۷۳۔ ۳۵۱۔ سورۃ ۵۷۴۔ ۳۵۲۔ سورۃ ۵۷۵۔ ۳۵۳۔ سورۃ ۵۷۶۔ ۳۵۴۔ سورۃ ۵۷۷۔ ۳۵۵۔ سورۃ ۵۷۸۔ ۳۵۶۔ سورۃ ۵۷۹۔ ۳۵۷۔ سورۃ ۵۸۰۔ ۳۵۸۔ سورۃ ۵۸۱۔ ۳۵۹۔ سورۃ ۵۸۲۔ ۳۶۰۔ سورۃ ۵۸۳۔ ۳۶۱۔ سورۃ ۵۸۴۔ ۳۶۲۔ سورۃ ۵۸۵۔ ۳۶۳۔ سورۃ ۵۸۶۔ ۳۶۴۔ سورۃ ۵۸۷۔ ۳۶۵۔ سورۃ ۵۸۸۔ ۳۶۶۔ سورۃ ۵۸۹۔ ۳۶۷۔ سورۃ ۵۹۰۔ ۳۶۸۔ سورۃ ۵۹۱۔ ۳۶۹۔ سورۃ ۵۹۲۔ ۳۷۰۔ سورۃ ۵۹۳۔ ۳۷۱۔ سورۃ ۵۹۴۔ ۳۷۲۔ سورۃ ۵۹۵۔ ۳۷۳۔ سورۃ ۵۹۶۔ ۳۷۴۔ سورۃ ۵۹۷۔ ۳۷۵۔ سورۃ ۵۹۸۔ ۳۷۶۔ سورۃ ۵۹۹۔ ۳۷۷۔ سورۃ ۶۰۰۔ ۳۷۸۔ سورۃ ۶۰۱۔ ۳۷۹۔ سورۃ ۶۰۲۔ ۳۸۰۔ سورۃ ۶۰۳۔ ۳۸۱۔ سورۃ ۶۰۴۔ ۳۸۲۔ سورۃ ۶۰۵۔ ۳۸۳۔ سورۃ ۶۰۶۔ ۳۸۴۔ سورۃ ۶۰۷۔ ۳۸۵۔ سورۃ ۶۰۸۔ ۳۸۶۔ سورۃ ۶۰۹۔ ۳۸۷۔ سورۃ ۶۱۰۔ ۳۸۸۔ سورۃ ۶۱۱۔ ۳۸۹۔ سورۃ ۶۱۲۔ ۳۹۰۔ سورۃ ۶۱۳۔ ۳۹۱۔ سورۃ ۶۱۴۔ ۳۹۲۔ سورۃ ۶۱۵۔ ۳۹۳۔ سورۃ ۶۱۶۔ ۳۹۴۔ سورۃ ۶۱۷۔ ۳۹۵۔ سورۃ ۶۱۸۔ ۳۹۶۔ سورۃ ۶۱۹۔ ۳۹۷۔ سورۃ ۶۲۰۔ ۳۹۸۔ سورۃ ۶۲۱۔ ۳۹۹۔ سورۃ ۶۲۲۔ ۴۰۰۔ سورۃ ۶۲۳۔ ۴۰۱۔ سورۃ ۶۲۴۔ ۴۰۲۔ سورۃ ۶۲۵۔ ۴۰۳۔ سورۃ ۶۲۶۔ ۴۰۴۔ سورۃ ۶۲۷۔ ۴۰۵۔ سورۃ ۶۲۸۔ ۴۰۶۔ سورۃ ۶۲۹۔ ۴۰۷۔ سورۃ ۶۳۰۔ ۴۰۸۔ سورۃ ۶۳۱۔ ۴۰۹۔ سورۃ ۶۳۲۔ ۴۱۰۔ سورۃ ۶۳۳۔ ۴۱۱۔ سورۃ ۶۳۴۔ ۴۱۲۔ سورۃ ۶۳۵۔ ۴۱۳۔ سورۃ ۶۳۶۔ ۴۱۴۔ سورۃ ۶۳۷۔ ۴۱۵۔ سورۃ ۶۳۸۔ ۴۱۶۔ سورۃ ۶۳۹۔ ۴۱۷۔ سورۃ ۶۴۰۔ ۴۱۸۔ سورۃ ۶۴۱۔ ۴۱۹۔ سورۃ ۶۴۲۔ ۴۲۰۔ سورۃ ۶۴۳۔ ۴۲۱۔ سورۃ ۶۴۴۔ ۴۲۲۔ سورۃ ۶۴۵۔ ۴۲۳۔ سورۃ ۶۴۶۔ ۴۲۴۔ سورۃ ۶۴۷۔ ۴۲۵۔ سورۃ ۶۴۸۔ ۴۲۶۔ سورۃ ۶۴۹۔ ۴۲۷۔ سورۃ ۶۵۰۔ ۴۲۸۔ سورۃ ۶۵۱۔ ۴۲۹۔ سورۃ ۶۵۲۔ ۴۳۰۔ سورۃ ۶۵۳۔ ۴۳۱۔ سورۃ ۶۵۴۔ ۴۳۲۔ سورۃ ۶۵۵۔ ۴۳۳۔ سورۃ ۶۵۶۔ ۴۳۴۔ سورۃ ۶۵۷۔ ۴۳۵۔ سورۃ ۶۵۸۔ ۴۳۶۔ سورۃ ۶۵۹۔ ۴۳۷۔ سورۃ ۶۶۰۔ ۴۳۸۔ سورۃ ۶۶۱۔ ۴۳۹۔ سورۃ ۶۶۲۔ ۴۴۰۔ سورۃ ۶۶۳۔ ۴۴۱۔ سورۃ ۶۶۴۔ ۴۴۲۔ سورۃ ۶۶۵۔ ۴۴۳۔ سورۃ ۶۶۶۔ ۴۴۴۔ سورۃ ۶۶۷۔ ۴۴۵۔ سورۃ ۶۶۸۔ ۴۴۶۔ سورۃ ۶۶۹۔ ۴۴۷۔ سورۃ ۶۷۰۔ ۴۴۸۔ سورۃ ۶۷۱۔ ۴۴۹۔ سورۃ ۶۷۲۔ ۴۵۰۔ سورۃ ۶۷۳۔ ۴۵۱۔ سورۃ ۶۷۴۔ ۴۵۲۔ سورۃ ۶۷۵۔ ۴۵۳۔ سورۃ ۶۷۶۔ ۴۵۴۔ سورۃ ۶۷۷۔ ۴۵۵۔ سورۃ ۶۷۸۔ ۴۵۶۔ سورۃ ۶۷۹۔ ۴۵۷۔ سورۃ ۶۸۰۔ ۴۵۸۔ سورۃ ۶۸۱۔ ۴۵۹۔ سورۃ ۶۸۲۔ ۴۶۰۔ سورۃ ۶۸۳۔ ۴۶۱۔ سورۃ ۶۸۴۔ ۴۶۲۔ سورۃ ۶۸۵۔ ۴۶۳۔ سورۃ ۶۸۶۔ ۴۶۴۔ سورۃ ۶۸۷۔ ۴۶۵۔ سورۃ ۶۸۸۔ ۴۶۶۔ سورۃ ۶۸۹۔ ۴۶۷۔ سورۃ ۶۹۰۔ ۴۶۸۔ سورۃ ۶۹۱۔ ۴۶۹۔ سورۃ ۶۹۲۔ ۴۷۰۔ سورۃ ۶۹۳۔ ۴۷۱۔ سورۃ ۶۹۴۔ ۴۷۲۔ سورۃ ۶۹۵۔ ۴۷۳۔ سورۃ ۶۹۶۔ ۴۷۴۔ سورۃ ۶۹۷۔ ۴۷۵۔ سورۃ ۶۹۸۔ ۴۷۶۔ سورۃ ۶۹۹۔ ۴۷۷۔ سورۃ ۷۰۰۔ ۴۷۸۔ سورۃ ۷۰۱۔ ۴۷۹۔ سورۃ ۷۰۲۔ ۴۸۰۔ سورۃ ۷۰۳۔ ۴۸۱۔ سورۃ ۷۰۴۔ ۴۸۲۔ سورۃ ۷۰۵۔ ۴۸۳۔ سورۃ ۷۰۶۔ ۴۸۴۔ سورۃ ۷۰۷۔ ۴۸۵۔ سورۃ ۷۰۸۔ ۴۸۶۔ سورۃ ۷۰۹۔ ۴۸۷۔ سورۃ ۷۱۰۔ ۴۸۸۔ سورۃ ۷۱۱۔ ۴۸۹۔ سورۃ ۷۱۲۔ ۴۹۰۔ سورۃ ۷۱۳۔ ۴۹۱۔ سورۃ ۷۱۴۔ ۴۹۲۔ سورۃ ۷۱۵۔ ۴۹۳۔ سورۃ ۷۱۶۔ ۴۹۴۔ سورۃ ۷۱۷۔ ۴۹۵۔ سورۃ ۷۱۸۔ ۴۹۶۔ سورۃ ۷۱۹۔ ۴۹۷۔ سورۃ ۷۲۰۔ ۴۹۸۔ سورۃ ۷۲۱۔ ۴۹۹۔ سورۃ ۷۲۲۔ ۵۰۰۔ سورۃ ۷۲۳۔ ۵۰۱۔ سورۃ ۷۲۴۔ ۵۰۲۔ سورۃ ۷۲۵۔ ۵۰۳۔ سورۃ ۷۲۶۔ ۵۰۴۔ سورۃ ۷۲۷۔ ۵۰۵۔ سورۃ ۷۲۸۔ ۵۰۶۔ سورۃ ۷۲۹۔ ۵۰۷۔ سورۃ ۷۳۰۔ ۵۰۸۔ سورۃ ۷۳۱۔ ۵۰۹۔ سورۃ ۷۳۲۔ ۵۱۰۔ سورۃ ۷۳۳۔ ۵۱۱۔ سورۃ ۷۳۴۔ ۵۱۲۔ سورۃ ۷۳۵۔ ۵۱۳۔ سورۃ ۷۳۶۔ ۵۱۴۔ سورۃ ۷۳۷۔ ۵۱۵۔ سورۃ ۷۳۸۔ ۵۱۶۔ سورۃ ۷۳۹۔ ۵۱۷۔ سورۃ ۷۴۰۔ ۵۱۸۔ سورۃ ۷۴۱۔ ۵۱۹۔ سورۃ ۷۴۲۔ ۵۲۰۔ سورۃ ۷۴۳۔ ۵۲۱۔ سورۃ ۷۴۴۔ ۵۲۲۔ سورۃ ۷۴۵۔ ۵۲۳۔ سورۃ ۷۴۶۔ ۵۲۴۔ سورۃ ۷۴۷۔ ۵۲۵۔ سورۃ ۷۴۸۔ ۵۲۶۔ سورۃ ۷۴۹۔ ۵۲۷۔ سورۃ ۷۵۰۔ ۵۲۸۔ سورۃ ۷۵۱۔ ۵۲۹۔ سورۃ ۷۵۲۔ ۵۳۰۔ سورۃ ۷۵۳۔ ۵۳۱۔ سورۃ ۷۵۴۔ ۵۳۲۔ سورۃ ۷۵۵۔ ۵۳۳۔ سورۃ ۷۵۶۔ ۵۳۴۔ سورۃ ۷۵۷۔ ۵۳۵۔ سورۃ ۷۵۸۔ ۵۳۶۔ سورۃ ۷۵۹۔ ۵۳۷۔ سورۃ ۷۶۰۔ ۵۳۸۔ سورۃ ۷۶۱۔ ۵۳۹۔ سورۃ ۷۶۲۔ ۵۴۰۔ سورۃ ۷۶۳۔ ۵۴۱۔ سورۃ ۷۶۴۔ ۵۴۲۔ سورۃ ۷۶۵۔ ۵۴۳۔ سورۃ ۷۶۶۔ ۵۴۴۔ سورۃ ۷۶۷۔ ۵۴۵۔ سورۃ ۷۶۸۔ ۵۴۶۔ سورۃ ۷۶۹۔ ۵۴۷۔ سورۃ ۷۷۰۔ ۵۴۸۔ سورۃ ۷۷۱۔ ۵۴۹۔ سورۃ ۷۷۲۔ ۵۵۰۔ سورۃ ۷۷۳۔ ۵۵۱۔ سورۃ ۷۷۴۔ ۵۵۲۔ سورۃ ۷۷۵۔ ۵۵۳۔ سورۃ ۷۷۶۔ ۵۵۴۔ سورۃ ۷۷۷۔ ۵۵۵۔ سورۃ ۷۷۸۔ ۵۵۶۔ سورۃ ۷۷۹۔ ۵۵۷۔ سورۃ ۷۸۰۔ ۵۵۸۔ سورۃ ۷۸۱۔ ۵۵۹۔ سورۃ ۷۸۲۔ ۵۶۰۔ سورۃ ۷۸۳۔ ۵۶۱۔ سورۃ ۷۸۴۔ ۵۶۲۔ سورۃ ۷۸۵۔ ۵۶۳۔ سورۃ ۷۸۶۔ ۵۶۴۔ سورۃ ۷۸۷۔ ۵۶۵۔ سورۃ ۷۸۸۔ ۵۶۶۔ سورۃ ۷۸۹۔ ۵۶۷۔ سورۃ ۷۹۰۔ ۵۶۸۔ سورۃ ۷۹۱۔ ۵۶۹۔ سورۃ ۷۹۲۔ ۵۷۰۔ سورۃ ۷۹۳۔ ۵۷۱۔ سورۃ ۷۹۴۔ ۵۷۲۔ سورۃ ۷۹۵۔ ۵۷۳۔ سورۃ ۷۹۶۔ ۵۷۴۔ سورۃ ۷۹۷۔ ۵۷۵۔ سورۃ ۷۹۸۔ ۵۷۶۔ سورۃ ۷۹۹۔ ۵۷۷۔ سورۃ ۸۰۰۔ ۵۷۸۔ سورۃ ۸۰۱۔ ۵۷۹۔ سورۃ ۸۰۲۔ ۵۸۰۔ سورۃ ۸۰۳۔ ۵۸۱۔ سورۃ ۸۰۴۔ ۵۸۲۔ سورۃ ۸۰۵۔ ۵۸۳۔ سورۃ ۸۰۶۔ ۵۸۴۔ سورۃ ۸۰۷۔ ۵۸۵۔ سورۃ ۸۰۸۔ ۵۸۶۔ سورۃ ۸۰۹۔ ۵۸۷۔ سورۃ ۸۱۰۔ ۵۸۸۔ سورۃ ۸۱۱۔ ۵۸۹۔ سورۃ ۸۱۲۔ ۵۹۰۔ سورۃ ۸۱۳۔ ۵۹۱۔ سورۃ ۸۱۴۔ ۵۹۲۔ سورۃ ۸۱۵۔ ۵۹۳۔ سورۃ ۸۱۶۔ ۵۹۴۔ سورۃ ۸۱۷۔ ۵۹۵۔ سورۃ ۸۱۸۔ ۵۹۶۔ سورۃ ۸۱۹۔ ۵۹۷۔ سورۃ ۸۲۰۔ ۵۹۸۔ سورۃ ۸۲۱۔ ۵۹۹۔ سورۃ ۸۲۲۔ ۶۰۰۔ سورۃ ۸۲۳۔ ۶۰۱۔ سورۃ ۸۲۴۔ ۶۰۲۔ سورۃ ۸۲۵۔ ۶۰۳۔ سورۃ ۸۲۶۔ ۶۰۴۔ سورۃ ۸۲۷۔ ۶۰۵۔ سورۃ ۸۲۸۔ ۶۰۶۔ سورۃ ۸۲۹۔ ۶۰۷۔ سورۃ ۸۳۰۔ ۶۰۸۔ سورۃ ۸۳۱۔ ۶۰۹۔ سورۃ ۸۳۲۔ ۶۱

نے سُورۂ یونس لوگوں کے بکثرت اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ اور ان کے نتائج سے آگاہ کیا ہے اسی طرح سُورۂ لوط کے اوصاف اور ان کی نشانیاں بیان کی ہیں۔ جس سے وہ بچانے جاتے ہیں اس سُورۂ مبارکہ میں توحید باری تعالیٰ اور رسالت کا ذکر دلائل عقلیہ اور نقلیہ کے ساتھ آیا ہے ختم نبوت کا بیان ہے۔ اور وحی کی ضرورت کو واضح کیا گیا ہے۔ انسان کے مکلف ہونے کا بیان ہے۔ اور پھر وحی الہی کی احتیاج کا ذکر ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر انسان اپنے تمام تر مسائل کو حل نہیں کر سکتے۔ انہیں زندگی کے ہر موڑ پر وحی الہی کی دستگیری کی ضرورت ہے۔

اس سُورۂ میں عبرت حاصل کرنے کے لیے مختلف ذرائع کو بیان کیا گیا ہے، حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور ان کے فتنائی کا ذکر ہے۔ بنی اسرائیل کے اسلاف پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کا بیان ہے۔ اور موجودہ بنی اسرائیل کی خباثتوں، شرارتوں، ان کے غنا اور ضد کا ذکر ہے۔ اس سُورۂ میں قتلِ ابراہیمی کا ذکر ہے۔ بیت اللہ شریف کے کعبہ ہونے کا ذکر ہے۔ تہذیب، احوال اور تعلیم کے ارکان، تدبیر منزل اور سیاست من کا ذکر ہے۔ غیر اللہ کی ذر و نیاز کی ممانعت کی گئی ہے۔ اس میں قوانین مملکت اور خلافت کبریٰ کے اصول بیان کیے گئے ہیں کہ امیر کیسا ہونا چاہیے، اور قوج کے لیے کیا قوانین ضروری ہیں۔

اس سُورۂ مبارکہ میں اولیاء اللہ اور اولیاء الشیطان کی پہچان کر لی گئی ہے۔ عبادت کی ترغیب دی گئی ہے۔ بخل کی مذمت بیان ہوئی ہے۔ سود کی حرمت اور عبادت کے قوانین کا بیان ہے جملہ عبادات نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل ہیں۔ معاشرتی امور سے متعلق نکاح، طلاق، قسم، ایلا وغیرہ کے احکام ہیں۔ دیوانی اور فوجداری مقدمات کا بیان ہے۔ عقوبات میں قصاص اور دیت کے احکام ہیں۔ اصلاح معاشرہ، جہاد، اتفاق فی سبیل اللہ، غرض اس سُورۂ مبارکہ میں سینکڑوں ہزاروں مضامین بیان ہوئے ہیں

اس سُورۂ کا نام سُورۂ بقرہ رکھا گیا ہے۔ بقرہ عام طہ پر لائے گئے لیے بولا جاتا ہے آج عربی زبان میں یہ لفظ گائے اور بیل دونوں کے لیے مشترک ہے۔ اگر وضاحت کرنی ضروری ہو تو بیل کے لیے ثور کا لفظ بھی بولا جاتا ہے۔ بہر حال اس سُورۂ مبارکہ میں جس بقرہ کا ذکر ہے کردہ نمبر ہوا مادہ ہو۔

نام اور کوائف

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ مردہ گوشت لگانے کی وجہ سے زندہ ہو گیا تھا یا خود بخود ہی بکھڑا ہو گیا تھا۔ اگر خود بخود زندہ ہو گیا۔ تو دوسرے سینکڑوں ہزاروں مرنے خود بخود کیوں نہیں زندہ ہو جاتے۔ اور اگر وہ مردہ گائے کا گوشت لگانے کی وجہ سے زندہ ہوا، تو گائیں بھی بکھڑا ذبح ہوتی ہیں۔ مردوں کو زندہ کرنے کا یہ آسان نسخہ ہے۔ ہر مرنے کو زندہ کرنے کے لیے ایسا کیا جاسکتا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کا وہ مردہ نہ تو خود بخود زندہ ہو گیا، اور نہ ہی مرنے والے کا گوشت ملنے سے۔ بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہوا۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے اللہ رب العزت کی سب سے بڑی چھان پیسی ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت سمجھ میں آتی ہے۔ اور یہ سورۃ مبارکہ کی سب سے اہم بات ہے۔

ثبوت نبوت اس سورۃ میں دوسری اہم بات نبوت کا ثبوت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے قاتل کا پتا لگانے کے لیے جو طریقہ بتایا، وہ کامیاب ہوا۔ لہذا موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ثابت ہو گئی جب ایک بنی کی نبوت ثابت ہو گئی۔ تو تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا یقین ہو گیا۔ نیز یہاں پر یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ بنی کی بات کو بغیر تفتیش کے تسلیم کر لینا چاہیئے۔ اس میں حیل و حجت نہیں کرنی چاہیئے۔ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کے بتائے گئے طریقے میں چھان بین شروع کر دی۔ کہ جس گائے کو ذبح کرنے کے لیے کہا گیا ہے وہ کیسی ہونی چاہیئے اور اس کا رنگ کیسا ہونا چاہیئے، وغیرہ وغیرہ۔ اگر وہ لوگ اپنے نبی کے حکم کے مطابق فرائض عمل کرتے ہوئے گائے ذبح کر لیتے۔ تو مسئلہ فزحل ہو جاتا۔ انہوں نے اپنے اوپر جس قدر سختی کی، اُسی قدر قیصری بڑھتی چلی گئی۔

استقامت کی ضرورت اس واقعہ میں قیصری اہم چیز استقامت ہے۔ انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے عقیدے سے عمل اور اخلاق پر قائم رہے۔ اگر استقامت میں لغزش آجائے گی۔ تو کوئی قسم کے فساد پیدا ہو جائیں گے۔ بنی اسرائیل کے آدمی کے قاتل نے اس جرم کا ارتکاب اس لیے کیا تھا۔ تاکہ مقتول کو راستے سے ہٹا کر چھپا کا سالال حاصل کر لے۔ گویا اس نے استقامت کو چھوڑ دیا۔ تو نتیجہ قتلے۔ نہ اسے ذلیل و رسوا کر دیا۔ معلوم ہوا کہ استقامت بڑی چیز ہے اس کو جھڑکنے سے ذلت و رسوائی کا من کرنا پڑتا ہے۔

اس واقعہ کی پرتختی بہت مجاہدہ کی ضرورت ہے۔ دین اور ایمان کے راستے میں کوشش

اور مجدد جبہ کرنا بڑا مشکل کام ہے، جوانی کے عالم میں انسان کی عقل مغلوب ہوتی ہے۔ انسان پر خواہشات کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس لیے اس عمر میں اکثر لوگ مجاہدین نہ کام سہتے ہیں۔ جب انسان پر بڑھاپا آجاتا ہے۔ تو ظاہری قوتیں کمزور ہو جاتے ہیں۔ اور دوسری طرف جہالت انسان کے قلب و ذہن میں تختہ برپا کی ہوتی ہے لہذا اس عمر میں بھی انسان مجاہد سے محروم رہتا ہے۔ ملائکہ اس کی بڑی اہمیت اور بہت زیادہ ضرورت ہے۔

اس واقعہ کی پانچویں اہم چیز معاد یعنی حیات بعد الممات کا ثبوت ہونا ہے۔ یہ پورا واقعہ معاد ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ **كَذٰلِكَ يُخَيِّجُ اللّٰهُ الْعَوٰقِلَ** یعنی جس طرح اس مرنے والے کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کر دیا، اسی طرح معاد میں سب کو دوبارہ زندہ کرے گا۔

یہ تمام دین کے بنیادی اور اہم اصول ہیں۔ باقی چیزیں ان کے ضمن میں آتی ہیں اس ایک واقعہ میں خدا تعالیٰ نے دین کے بنیادی مسائل اور معارف سمجھائے ہیں۔ اس لیے اس سورۃ کا نام سورۃ بقرہ رکھا گیا ہے۔

اس درس میں سورۃ بقرہ کے فضائل اور اس کے مجموعی مضامین کا مختصر بیان ہوا۔ آئندہ درس میں انشاء اللہ آیت کے تعلق بیان کیا جائے گا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرنا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بخیر و برکت و رحمت و کرم فرماتا ہے

الْقَا ① ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ②

مترجم: ① الْقَا یہ کتاب میں شک اس میں۔ یہ رہنمائی کرتی ہے متقینوں کی ②

گذشتہ درس میں سورۃ بقرہ کی فضیلت، اس کے نام اور اس کے موضوعات کا اجمالی تذکرہ ہوا تھا۔ اس درس میں حروف مقطعات میں سے الْق۔ لام، میم کے متعلق بیان ہوگا۔

اصولی طور پر یہ بات معلوم کر لینی چاہیے کہ قرآن کریم میں تین قسم کی آیات ہیں پہلی قسم کی آیات محکمات ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی آیات کے الفاظ بھی معلوم ہیں اور ان کا مطلب اور مراد بھی معلوم ہے۔ گویا یہ آیات بالکل واضح ہیں۔ قرآن پاک کی اکثر آیتیں محکمات ہیں۔ آیات کی دوسری قسم متشابہات ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے الفاظ کا معنی

تو معلوم ہے۔ مگر ان کی حقیقت پر شبہ ہے۔ مثلاً آیت کریمہ الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰی میں رَحْمٰن اور عَرْش اسٹوئی کے معانی معلوم ہیں۔ مگر اس کی حقیقت انسانی

ذہن میں نہیں آسکتی۔ وہ غامض اور دقیق ہے۔ گویا معنی تو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر جلوسہ کر رہا ہے۔ مگر جلوسہ کرنے کی کیفیت ذہن انسانی کے بس کی بات نہیں۔ ایسی آیات متشابہات کہلاتی ہیں۔

تیسری قسم کی آیات مقطعات کہلاتی ہیں۔ یہ مفرد حروف ہیں۔ جو قرآن پاک کی انیس سو تینوں کے ابتدا میں آتے ہیں۔ سورۃ بقرہ بھی انہیں میں سے ہے۔ جو الْق سے شروع ہوتی ہے۔ دوسرے مقامات پر ن۔ هٰـ۔ ق۔ اَلر۔ یس۔ خ۔ وغیرہ کے حروف آتے ہیں۔ مقطعات کا مطلب یہ ہے کہ نہ ان کا معنی واضح ہے۔ اور نہ ان کی مراد معلوم ہے۔

محکمات، متشابہات، مقطعات

احکام تہذیبی
و تمدنی

تہم ہر قسم کی آیات کے احکام پر ایمان لازم ہوتا ہے۔ خواہ ان احکام کی حکمتیں واضح ہوں یا غیر واضح مثلاً نماز پڑھنے میں حکمت یہ ہے کہ انسان اپنے معبود کے سامنے تواضع کرے اور اپنے منہم کا شکر ادا کرے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار کرنا ہے۔ جو کہ حقیقت کا تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور مناجات پیش کرنے کی حکمت بالکل واضح ہے۔ اسی طرح روزہ کا مقصد نفس کو دنیا شہوت کو مغلوب کرنا ہے۔ تاکہ انسان میں تقویٰ کی روح پیدا ہو سکے۔ جھوک اور پیاس سے خواہشات نفسانی پر غلبہ حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ بھی واضح حکمت ہے۔ زکوٰۃ کے متعلق شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اس میں دو بڑی حکمتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ سداکین کی حاجت برائی کی باقی ہے تاکہ کوئی غریب بھوکا پیاسا نہ رہے۔ اور دوسری یہ کہ انسان بھل کے مارہ سے پاک ہوتا ہے۔ جو شخص اپنے مال سے زکوٰۃ نکالتا ہے گا اس میں بخل کی بجائے سخاوت کا وہ پید ہو گا۔ لہذا زکوٰۃ کی حکمت بھی واضح ہے۔

اب بعض احکام ایسے ہیں جن کی حکمتیں بڑی گہری ہیں۔ اور ہر آدمی انہیں نہیں سمجھ سکتا۔ مثلاً جن کے ارکان مغلہ ان کے بیت اللہ شریف کا طواف۔ یعنی اور عرفات کا وقوف ہے۔ حجرت کی رمی ہے۔ ان احکام کی حکمتیں نامعلوم اور دقیق ہیں۔ مگر ان پر ایمان لانا اور اس کے مطابق عمل کرنا ہر مکلف کے لیے لازم ہے۔ اور جن احکام کی حکمت واضح نہیں۔ ان کے متعلق زیادہ کہہ نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ ان احکام کی ہر حالت میں تعمیل کرنی چاہیے۔ خواہ وہ احکام آیات منکھات کے ہوں یا آیات متشابہات کے ہوں۔

حدود متعلقہ
مصریح کے تحت

اسی طرح حدود متعلقہ کے بارے میں بھی زیادہ کہہ کر کے کا حکم نہیں ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام میں سے کوئی بھی ایسا معلوم نہیں ہوا جس نے حدود متعلقہ کی کریم کی جو جس طرح حضور علیہ السلام نے فرما دیا صحابہ نے تسلیم کریں مگر بعض ذہن تحقیق پسند ہوتے ہیں۔ وہ معاملہ کی تہ تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ ان کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن حدود کے معانی ہی معلوم نہیں۔ ان کے نازل کرنے کا کیا فائدہ ہے۔ چنانچہ

دس نیکیاں عطا فرماتے ہیں۔ جو مومن ان حدوت کو پڑھے گا۔ ایسے تیس نیکیاں حاصل ہوں گی
یہی بہت بڑی غنیمت ہے۔ لہذا ان کے معانی تلاش کرنے میں کوشش نہ کرو۔

امام رازی پچیس اور ساتویں صدی ہجری کے بڑے عظیم معترف قرآن گوئے ہیں۔ جس میں تیسری
صدی میں امام ابن جریر طبری اور چوتھی صدی میں ابو جر جصاص نے جوئے ہیں اسی طرح آپ کا مقام
تعلق ابو جر جصاص معنی تھے۔ اور امام رازی شافعی تھے۔ امام ابن جریر خود مجتہد صاحب مذہب تھے۔
اور کسی کے مقلد نہیں تھے۔ ابو جر جصاص نے صرف احکام کی تفسیر کی ہے۔ یعنی قرآن پاک کی صرف
ان آیات کی تفسیر کی ہے، جن میں احکام بیان ہوئے ہیں۔ البتہ امام رازی نے ہمیشہوں پارے
تک مکمل تفسیر کی ہے۔ اس کے بعد آپ وفات پا گئے۔ چنانچہ بغیر تفسیر آپ کے نہایت قابل
شگردوں نے کی۔ اس تفسیر کی آخری دو جلدیں امام رازی کی اپنی تالیفات ہیں۔ بلکہ آپ کے تلامذہ
کی ہے۔ ان آخری جلدوں کا مقابلہ پہلی جلدوں کے ساتھ کرتے ہیں، کہ کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا
اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ شرف عطا فرمایا۔

حدوت مقطعات کے متعلق امام رازی کا قول یہ ہے کہ القرآن سورۃ بقرہ کا دوسرا
نام ہے۔ ایک نام بقرہ ہے۔ اور دوسرا القرآن ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ القرآن اور دیگر حدوت مقطعات کا حصہ ۳۰، ۳۱، ۳۲
خلق وغیرہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے پاک ہیں۔ امام رازی نے ایک نہایت ذکر کی ہے۔
کہ اللہ تعالیٰ کے چھ ہزار نام ہیں۔ اس نے اپنے تمام اسمائے کتابوں میں نازل فرمائے ہیں۔
سوائے ایک کے جو اس نے مخصوص کر لیا ہے۔ اور کسی کو نہیں بتایا۔ تو وہ فرماتے ہیں کہ القرآن
بھی اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ جیسا کہ حصہ کے متعلق امام ابن کثیر نے
لکھا ہے۔ لَکِزْنِیْ خُودَ الرَّمَجِ شَجَرًا بَدُوْهُ خُودَ کَادَاسُطَیْ کَر کَاسَ۔ کہ طائی
چھوڑ دو۔ فہلَا تَلَا خُودَ قَبْلَ التَّقْدُورِ۔

مقطعات
اسم اللہ ہیں

تفسیر کبیرہ

تفسیر ابن کثیر ج ۱

تفسیر کبیرہ

تفسیر کبیرہ

اس کے جواب میں کہتا ہے۔ کہ اب جب کہ نیزے کھٹک رہے ہیں۔ اب واسطہ پیش کرنا ہے۔ **خُصَّ** کا واسطہ پہلے کیوں نہ دیا، کہ ہم لڑائی شروع نہ کرتے۔ اب ہم لڑائی نہیں چاہتے اس مقولہ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ **خُصَّ** جو حروف مقطعات میں سے ہے یہ اللہ کا نام ہے۔

بعض اس کی توجہ یوں کرتے ہیں کہ حروف مقطعات اللہ کا پر نام نہیں بلکہ بعض اسماء کی طرف اشارات میں **شَلَّا** الف کا اشارہ اس کے ذاتی نام اللہ کی طرف ہے۔ بل سے مراد رحمن ہے۔ اور اسی طرح **لَا** کا اشارہ کافی کی طرف ہے **لَا** کا اشارہ اسم لطیف کی طرف ہے۔ اور **هَـ** سے مراد **ہم** اور **اھم** مجید ہے۔

بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات قرآن پاک کے نام ہیں جیسے **خُصَّ** **لِیس**۔ **اَللّٰہ** وغیرہ۔ حضرت امیر شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی کتب **الغزالیہ**، **خیر کثیر**، اور **جوامع** میں حروف مقطعات پر بحث کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کشفی طور پر یہ فہم دیا ہے۔ کہ جس سورۃ کی ابتداء میں یہ حروف آتے ہیں اس سورۃ کا خلاصہ اور عنوان ان حروف میں مذکور ہے۔ ان حروف سے سورۃ کے مضامین کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ الفاظ ایسے ہی ہیں۔ جیسے کسی شخص کے لیے مضمی، قاضی، امیر سلطان یا حاکم وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ یا اس طرح سمجھ لیں۔ جیسے تعلیمی ڈگری بی۔ اے۔ ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی ایٹن (ڈاکٹریٹ لٹریچر) وغیرہ کے الفاظ ہوتے ہیں۔ انہی سے کسی کی شخصیت کی علمی قابلیت کا پتہ چلتا ہے۔ بالکل اسی طرح حروف مقطعات کے ذریعے کسی سورۃ کا خلاصہ یا اس کی سرخی بیان کی جاتی ہے۔

امام مہر قدسیر صدی کے بڑے صوفی و لکھنوی اور لغت و ادب کے امام تھے اپنی مشہور کتاب "کامل ہے" وہ فرماتے ہیں کہ "ان فیض و بیغ حروف مقطعات میں چلنا ہے

مقطعات
اسمائی قرآنی

مقطعات
بحیثیت چینی

۱۔ تفسیر طبری ۲۰۰ تفسیر کبیر ص ۲۰

۲۔ تفسیر کبیر ص ۲۰

۳۔ تفسیر طبری ۲۰۰ تفسیر کبیر ص ۲۰

۴۔ الغزالیہ ص ۱۰۰، مطبوعہ لاہور

کہ اے دنیا والو! یہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ کلام ہے تم بھی اس جیسا کلام بنا کر لاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے انہی حروف میں قرآن پاک نازل کیا ہے۔ اگر تم اس کی صداقت کو تسلیم نہیں کرتے: فَانْزِلُوا بِسُورَةٍ مِّنْ قَبْلِہِمْ ۚ تَوَّاسٍ مِّثْلِہِمْ اے تو اس جیسی ایک سورہ ہی بنا کر لاؤ اگر تم بھی الیا کر سکو تو مان لیں گے کہ قرآن بھی خدا تعالیٰ کا نازل کیا ہوا نہیں ہے۔

عربی زبان بڑی فصیح و بلیغ زبان ہے۔ نزول قرآن سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے عربی زبان کی ترقی شروع ہوئی اور اس غرض میں وہ اپنے کمال تک پہنچ گئی تھی۔ چنانچہ عرب لوگ اس زبان کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ اسی لیے وہ غیر عربوں کو بھی یعنی گونگے کتے تھے عربی زبان کا شعر و ادب کا ذخیرہ کمال دیتے کا ہے۔ ہمارے درسوں میں پڑھایا جاتا ہے۔ تو اسی ترقی یافتہ زبان میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک نازل فرمایا ہے "قَدْ رَزَّانَا عَرَبِیَّتًا لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ" عربوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا ام اور آستانہ بنایا تھا۔ انہی اہل زبان کے سامنے آ کر کہیں قصہ کا چیلنج پیش کیا گیا۔ کہ اگر کوئی ہے تو اس جیسا کلام بنا کر لائے۔ مگر کوئی بھی اہل زبان اس چیلنج کا جواب نہ دے سکا۔

اہم اخفش: اور منہر تغیر خازن کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ حروف مقطعات قسم اہم اخفش: کی رستے کے معنوں میں استعمال ہوتے ہوں۔

بعض فرماتے ہیں: کہ ان حروف کو قرآن کے انقطاع کے لیے لایا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ فاتحہ: غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ ذَکَ الْاَضْلَالِیْنَ پر ختم ہوئی۔ تو دوسرا کلام شروع کرنے کے لیے لایا گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے زمانے میں ہی بحث و تمحیص کرنے والے لوگ پیدا ہو گئے تھے۔ جو اس قسم کے معاملات میں تحقیق کرتے تھے۔ چنانچہ آپ سے اَللّٰہُ کا معنی دریافت کیا گیا۔ تو فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُوْ

۱۔ تفسیر کبیر ص ۳۶۶، تغیر خازن ص ۳۶۶ ۲۔ تفسیر طبری ص ۳۶۶

۳۔ تفسیر طبری ص ۳۶۶

یعنی میں تمہارا اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔ گویا آسے مراد اَنَا اَللّٰہ سے مراد اللہ اور م سے مراد اَعْلَمُو ہے۔ اسی طرح اَلْقُرْآن سے مراد اَنَا اللّٰہ اُقْرِیْ ہے یعنی میں تمہارا اللہ ہوں، جو تمہارے لیے ہر چیز تفصیل سے بیان کر رہا ہوں۔ اَللّٰہ کا مطلب ہے اَنَا اللّٰہ اَرٰی میں تمہارا اللہ ہوں جو تمہاری ہر بات کو دیکھتا ہوں۔

امام ہارویؒ
کی تفسیر

امام ہاروی صاحب احکام السلطانیہ اپنے زمانے کے بہت بڑے محقق ہونے میں _____ وہ فرماتے ہیں کہ اَلْقُرْآن کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے۔ اَلْقُرْبَکُمْ اور اس کی تفصیل ہے نَزَّلَ عَلَیْکُمْ الْکِتَابَ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر کتاب نازل کی ہے۔

بعض علماء کرام فرماتے ہیں۔ اَلْقُرْآن کا معنی اَقْلُ لَزِیْمٍ لِلْمُؤْمِنِیْنَ ذَلِکَ الْکِتَابُ یعنی ایمانداروں کے لیے اولین ضروری چیز یہ کتاب ہے۔ اس کے اندر غور و فکر کرنا چاہیے۔ کیونکہ ہدایت کا منبع و مرکز یہی کتاب ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ آسے مراد اللہ ہے۔ اَل سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہے اور م سے مراد محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب جبرائیل علیہ السلام کے توسط سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔

شیخ ابن عربیؒ
کا قول

شیخ ابن عربیؒ اس کا معنی یہ کرتے ہیں کہ کل وجود خداوند تعالیٰ ہے۔ جبرائیل علیہ السلام درمیان میں ایک واسطہ ہے۔ جو اللہ سے فیض لے کر اُدھر پہنچاتا ہے۔ اور آخر الوجود حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان تک فیض پہنچانے کا واسطہ جبرائیل علیہ السلام ہیں۔

بعض فرماتے ہیں کہ اَلْقُرْآن میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے انسانیت کی تکمیل کے لیے ذَلِکَ الْکِتَابُ لَزِیْمٌ فِیْہِ اس عظیم کتاب کو نازل فرمایا۔

۱۔ تفسیر کبیرہ

۲۔

۳۔ احکام القرآن شیخ ابن عربیؒ

۴۔ تفسیر کبیرہ

نزل مشکا جود
سورہ کائنات کی تحفہ

بعض فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے ہر ہر لفظ کی تلاوت کی جانی چاہیے تاکہ برکت اور ثواب حاصل ہو۔ خواہ اس کا مطلب سمجھیں آئے یا نہ آئے۔ ہم ثواب تو ہر ایماندار کو حاصل ہوگا۔ بعض فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات کو نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کا ایک معجزہ ظاہر فرمایا ہے۔ حضور علیہ السلام تو آدمی ہیں۔ آپ نے کوئی نوشتہ وغانہ نہیں کی جب تک کوئی تعلیم حاصل نہ کر سکے، ایک آدمی حروف تہجی کیسے پڑھ سکتا ہے۔ مگر پیغمبر آخر الزماں علیہ السلام کے آدمی ہونے کے باوجود ان الفاظ کا پڑھنا ایک پیغمبر کی معجزہ تھا۔ حالانکہ آپ نے کسی مکتب میں پڑھا نہیں۔ اور نہ کسی استاد سے پڑھا۔ لہذا اس معجزے کے اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ حروف مقطعات نازل فرمائے۔

اہم بیضاوی ساؤلمہدی کے عظیم مفسر ہوئے ہیں۔ مختصر تفسیروں میں اہم صائب کی تفسیر سب سے اہم ہے۔ آپ کا زبیر مشکاؤں کی ترقی کا ذریعہ تھا۔ آپ اللہ کی تائید اس طرح کرتے ہیں کہ حرف الف حلق کی انتہائی آخری حصے سے نکلتا ہے۔ لام درمیان سے م ہونٹوں سے نکلتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہ حروف آخر، اوسط اور ابتدائی حصے سے ادا ہوتے ہیں۔ اسی طرح انسان کے کلام کی ابتدا اوسط اور آخری حصے سے ہوتی چاہیے۔ گویا اہم بیضاوی نے حروف اللہ کو اللہ کے ذکر کے ساتھ مربوط کیا ہے۔

حضرت امام شاہ
دل اللہ کا قول

حضرت امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے کشفی اور ذوقی طور پر معلوم ہوا ہے کہ اللہ کا مطلب وہ غیر مادی فیض مجرب ہے۔ جو اس مادی اور متغیر مکان والے عالم میں اگر مقید ہو گیا ہے اور لوگوں کے ادب اور علوم وغیرہ کے مطابق ان کی نگاہ سے متصادم ہے۔ یہ فیض مجرب و اعمال فائدہ، اقوال کا سدھ کی تذکر کرتا ہے۔ اور بہ عادت اور اخلاق رویہ کا رد کرتا ہے۔ یہ اللہ تشریح اللہ تحقیق قدسی پیش کرتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ساری سورۃ بقرہ میں اللہ کا یہی اجمالی معنی نظر آتا ہے۔ اس سورۃ میں

۱۔ تفسیر نظری ص ۱۱۱ تفسیر غریبی نامی چارہ

۲۔ تفسیر غریبی ص ۱۱۱ بیضاوی ص ۱۱۱

۳۔ الغزالی ص ۱۱۱ مطبوعہ کراچی

۴۔ تفسیر بیضاوی ص ۱۱۱

لوگوں کی نگاہ دل کا مقابلہ، قوانین کی تشریح اور حقیقت اور ہرے اقوال و عقائد اور ہرے اخلاق کی اصلاح کے متعلق ہی مضامین پائے جاتے ہیں۔

بعض محققین فرماتے ہیں کہ الف کا اشارہ استقامت علی الشریعہ کی طرف ہے۔ اِنَّ
الَّذِينَ قَالُوا رَبَّنَا اللَّهُ لَنُكْفِرَنَّ عَنْكُمْ حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِمَا نَحْنُ بِكُمْ بِطَرَائِفِ الْحَقِّ لَا يَصِلُ
إِلَيْكُمْ فِي سَمْعٍ وَلَا بَصَرٍ وَلَا يَخْلُجُ فِي قُلُوبٍ لَّكُم مِّنْهُ سُبُحَاتٌ
یعنی جو لوگ ہماری طرف مجاہدہ کریں گے۔ ہم ضرور ان کو راہ بتلائیں گے۔ اسی طرح حرف میم میں
یہ اشارہ ہے کہ انسان کے دل میں غمہ و تھکان کی محبت موعظان بونی چاہیے۔

موردی صاحب نے اپنی کتاب تفسیر تفسیر القرآن میں ایک نہایت ہی غلط بات لکھی
ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ اَللّٰہ کا معنی پیٹنے والے میں معلوم تھا۔ مگر بعد میں اسے لوگ بھول
گئے۔ اسکا مطلب یہ کہ لوگ اللہ سے معافی جانتے تھے کہ میں اس کے سامنے لوگ بھول گئے۔ یہ تو بالکل ہی غلط و ذکر کردی
کسی کو بھی اسکا معنی نہ آتا۔ جو مصریوں کو عرب نے جو معانی بیان کیے ہیں وہ میں نے عرض کر دیے۔

مفسر قرآن فراموشی کئے ہیں کہ قدیم مصری زبان میں الف کو سر کی شکل میں سمجھا جاتا تھا۔
بعض زبانوں میں حروف جانور یا درخت کی شکل میں لکھے جاتے تھے۔ اے الف کے دو معنی استعمال
ہوتے تھے۔ ایک معنی لگاتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ اس سورہ کو لگاتے کے ساتھ مناسبت ہے
کیونکہ اس میں لگاتے کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ الف کا دوسرا معنی اللہ و وحدہ لا شریک ہے۔
تو ذرا ہی دیکھتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ یہ حروف اس محاورے کے مطابق استعمال کیے
گئے ہوں۔

اہم جلال الدین سیوطی اور بہت سے مفسرین آخری بات یہ فرماتے ہیں۔ اَللّٰہُ
اَعْلَمُ بِمَدَادِهِ کہ اَللّٰہ اور دیگر حروف مقطعات کی مراد اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

اَمَّا بِذَلِكَ وَصَدَّقْنَا بِہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں
 ہمارے عقل ناقص ہے۔ لہذا یہ ضروری نہیں کہ ہم ان کے معانی ضرور ہی معلوم کر سکیں۔ اس کا
 احسن طریقہ یہ ہے کہ یہ معاد اللہ تعالیٰ کی طرف سرنیپ دینا چاہیے۔ کہ ان حروف سے
 اللہ تعالیٰ کی جو بھی مراد ہے، وہ برحق ہے۔ اور ہمارا اس پر ایمان ہے۔

اَمَّا وَصَدَّقْنَا

الْقَا
درس سوم

البقرة
آیت ۵۶

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

شروع کرتا ہوں الشرح الی کے نام سے جو میری ہر جان نیت رحم کرنا ہے

الجزء الاول

مع

مذکور

الْقَا ① ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ②
الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُ
يُنْفِقُونَ ③ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا
أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ ④ وَالْأَخْذَ هُمْ يُوقِنُونَ ⑤ أُولَٰئِكَ
عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ⑥

ترجمہ: ① الْقَا یہ کتاب۔ نہیں شک اس میں۔ یہ رہنما کرنا

ہے متقوں کی ② جو ایمان رکھتے ہیں غیب پر اور قائم کرتے ہیں نماز کو۔ اور

جو روزی ہم نے ان کو دے رکھی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں ③ اور

وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں اُس چیز پر جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے اور اُس چیز

پر جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ہے اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں ④ یہی

لوگ ہیں ہدایت پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ہے اور یہی لوگ مراد کو پہنچنے

والے ہیں۔ ⑤

عربی میں ذلک اشارہ بعید کے لیے اور ہذا اشارہ قریب کے لیے استعمال ہوتا ہے

یہاں پر گفتگو اس کتاب یعنی قرآن پاک کے لیے ہو رہی ہے۔ لہذا اسم اشارہ ہذا

استعمال ہونا چاہیے تھا یعنی یہ کتاب۔ نہ کہ ذلک یعنی وہ کتاب۔ اس اشکال کے متعلق مفسرین

کرام فرماتے ہیں کہ یہاں پر اشارہ بعید استعمال کرنے کا مقصد اس کتاب کی عظمت اور شان

لے تغییر بن العالی چاہتا ہے۔ تفسیر عزیزی ندوی ص ۱۷۰ پارہ ۱

لفظ ذلک
کی محنت

کا اظہار ہے۔ لہذا ذٰلِكَ الْكِتَابُ کَا مَعْنٰی یہ ہو گا۔ کہ یہ وہ کتاب ہے۔ جو اپنے کمال حقائق۔
دقائق۔ اسرار اور درجے کی ہندی کی وجہ سے مخاطبین کے فہم سے غائب اور انسانی افکار کی بوجھ
سے بہت بلند ہے لہذا اس کے لیے ذٰلِكَ کا اظہار استعمال کیا گیا ہے۔

مفسرین کرام ایک دوسری وجہ یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ پہلی آسمانی کتابوں میں قرآن پاک کے متعلق
پیش گوئیاں موجود تھیں۔ چنانچہ قرأت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا تھا کہ
میں تیرے بھائیوں میں سے تیرے جیسا ایک نبی برپا کروں گا۔ اور اس کے مذہب میں اپنا کلام ڈالوں
گا۔ اور وہ کلام ہی وحی الہی قرآن پاک ہے۔ تو یہاں پر ذٰلِكَ الْكِتَابُ کَا مَعْنٰی ہے کہ یہ وہی
کتاب ہے۔ جس کی پیش گوئی پہلی کتابوں میں کی گئی تھی۔

یا اس کا مَعْنٰی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جسے پہلے لوح محفوظ سے بیت العزت
میں نقل کیا گیا۔ اور پھر وہاں سے تیس سال کے عرصہ میں بتدریج نبی علیہ السلام پر نازل کیا گیا
یا وہیے کہ بیت العزت آسمانوں میں ایک مقام ہے۔ جہاں پر قرآن پاک اتنا ایک وقت منتقل
کیا گیا تھا۔

لفظ ذٰلِکَ
کا مضموم

ذٰرِیْبَ فِیْہِ کَا مَعْنٰی یہی ہے۔ کہ اس میں کوئی شک نہیں۔ مگر اس سے مراد یہ نہیں
یعنی چاہیے۔ کہ کوئی دوسرا شخص اس کلام میں شک و شبہ نہیں رکھتا۔ بلکہ بلاشبہ کفار و مشرکین
قرآن پاک کی صداقت پر شک کرتے تھے۔ اسی لیے تو تیسرے رکوع میں ان لوگوں کی حسیل
کیا۔ وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یعنی اگر تمہیں اس چیز میں
کوئی شک ہے۔ جو ہم نے اپنے بند پر اتاری ہے۔ فَاتَّوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ قَبْلِہِمْ
تو اس جیسی ایک سورۃ بھی بنا کر لاؤ۔ تاہم ان کا پتہ چل جائے گا مطلب یہ کہ مشرکین کو لازم
اس کلام میں شک کرتے تھے۔ تو یہاں پر ذٰرِیْبَ کَا مَعْنٰی یہ ہے کہ واقعہ اور شخص الامر میں اس
کلام میں شک و شبہ والی کوئی بات نہیں۔ اگر کوئی شک کرتا ہے۔ تو یہ اس کی اپنی غلطی اور
دماغ کی خامی ہے۔ وہ شخص قاصد اور غیاد کی وجہ سے شک کرتا ہے۔ ورنہ اس کتاب

میں تو کوئی خامی نہیں۔

حضرت شیخ الحدیث
کا تفسیر

شیخ الحدیث مولانا محمود الحسن فرماتے ہیں کہ کسی چیز کے بارے میں شک و شبہ کی اودھج پانت ہوتی ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اُس چیز میں واقعی کوئی نقص ہوتا ہے جس کی وجہ سے شک پیدا ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُس چیز میں تو کوئی شک و شبہ یا نقص نہیں ہوتا مگر شک کرنے والے کے اپنے دماغ کی خرابی اور اہل کی وجہ سے اُسے وہ چیز مشکوک نظر آتی ہے ظاہر ہے کہ قرآن پاک کی ایک ایک آیت اس کا ایک ایک لفظ شک و شبہ سے پاک ہے اس میں نہ کوئی کذب بیانی ہے اور نہ ہی کوئی خلاف واقعہ چیز ہے۔ یہ تو محض شک کرنے والے کے اپنے ذہن کا فتور ہے۔ جو اس کلام پاک میں شک کرتا ہے۔ مشرکوں اور منافقوں کے دماغ خراب تھے جو قرآن پاک پر اعتراض کرتے تھے۔ آج کل کے علماء کے ذہن بھی پر اگندہ ہیں جو قرآن پاک کے احکام پر اعتراض کرتے ہیں۔ در نہ قرآن پاک کی کوئی بات مشکوک نہیں۔ بلکہ یہ تو منبع رشد و ہدایت ہے۔

حضرت مولانا شیخ الحدیث برصغیر کی بانی بیانی شخصیت میں یہ میرٹھے پاس انہیں کا ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ آپسے، شاکی جیل میں اسیری کے دوران کیا تھا۔ تقریباً دو سو توں کا حاشیہ بھی لکھا تھا۔ مؤثر زندگی کے یار پوسٹ ہو گئے۔ حاشیہ کا باقی بھر آپ کے شاگرد رشید شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے آپ ہی کی سب فضا انجام دیا۔ آپ کا کیا برا ترجمہ قرآن بالمحاورہ ہے۔ اور جہ ترین ترجمہ ہیں سے ہے۔

قرآن پاک کے اردو ترجمے بہت سے ہو چکے ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلا ترجمہ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی لکھے۔ یہ سب آسان لفظی ترجمہ ہے۔ اس کے ذریعے الفاظ کے معانی سمجھنا سہل ہے۔

آپ کے بعد دوسرا بالمحاورہ اردو ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی لکھے۔ یہ بہترین بالمحاورہ ترجمہ ہے آج تک علماء الہیات ترجمہ پیش نہیں کر سکے۔ اس کے بعد درجہ بدرجہ شیخ الحدیث

شاہ ترجمہ قرآن سے مطبوعہ دارالتبلیغ لدہلی

یہ صاحب درس حضرت مولانا صفوی عبدالحمید صاحب سواتی کے پاس دوران درس

کا ترجمہ پھر حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ کا ترجمہ اور تفسیر ہے۔ آپ نے قرآن پاک کے متعلق ہمت کی کتابیں لکھی ہیں۔ فنِ تجوید کے متعلق اور پھر ربط کے بارے میں اور اصول کے بارے میں کتب کی کتب موجود ہیں۔ آپ کی تفسیر علی ہوسنے کی بنا پر ذرا مشکل ہے۔ تاہم یہ فائدہ دینا اور تفسیر ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے علماء کرام نے ترجمہ کیے ہیں یہ آپ کے پاس جو ترجمہ ہے۔ یہ مولانا احمد علی لاہوریؒ کا ہے۔ انہوں نے نہایت آسان اور عام فہم ترجمہ کیا ہے اور اس پر ماضی لکھا ہے۔

فرمایا یہ وہ کتاب مقدس ہے جو شک و شبہ سے بلا ہے اور ہدٰی لِلْمُتَّقِينَ متعین کیلئے
قرآن پاک متعینوں کے لیے ہدایت ہے۔ یہاں پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ ہدایت تو قرآن پاک کے لیے ہونی چاہیے مگر متقی تو پہلے ہی ہدایت یافتہ ہیں، ان کے لیے ہدایت ہونے کا کیا معنی؟

اس ضمن میں شاہ عبدالقادر اور بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ متعین سے مراد ہیں۔ بچکنے والے اور ڈرنے والے لوگ اور تقویٰ کی طرف جانے والے لوگ۔ یعنی جن میں منہ اور حق و نہیں پایا جاتا۔ بلکہ وہ تقویٰ اختیار کرنے والے لوگ ہیں۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں کہ اس قرآن کو پڑھیں گے، ان میں تقویٰ پیدا ہوگا، یہ متقی بن جائیں گے، مقصد یہ کہ اگرچہ آج یہ لوگ حق تعالیٰ کے پیروں ہوں مگر اس قرآن پاک کی برکت سے آئندہ زندگی میں تقویٰ اختیار کر لیں گے۔ شاہ عبدالعزیزؒ اس کا معنی سمجھانے کے لیے ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بڑا عقلمند، فوجران، بڑے مضبوط جسم والا شخص ہو۔ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ اس فوجران نے فوجان کا دودھ پیا ہے۔ دیکھو کتنا طاقتور ہے، گویا اس کی ماں کے دودھ میں وہ طاقت اور تاثیر ہے جس سے اس قسم کے کڑیل جران پیدا ہوتے ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ہدٰی لِلْمُتَّقِينَ کا مطلب یہی ہے کہ اس قرآن پاک میں ایسی تاثیر ہے کہ جو اس سے

قریب ہوں گے۔ اس پر عمل کریں گے وہ متقی بن جائیں گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ کتاب صرف متقیوں کو ہدایت دیتی ہے۔ کیونکہ خود اسی میں دوسری جگہ **هٰذِهِ لِلْعَالَمِينَ** بھی آیا ہے۔ کہ یہ تمام جہاں والوں کو ہدایت کا راستہ دکھاتی ہے۔

تقویٰ کی
تعریف

حضرت علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں حضرت ابی بن کعبؓ بڑے قاری تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ان سے پوچھا۔ حضرت تقویٰ کا کیا معنی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا **اَحْكَامُكَ طَرِيقًا ذَا شَوَاطِلٍ** کیا آپ کو کبھی ایسے راستے پر چلنے کا اتفاق ہوا ہے جس میں ہر طرف کانٹے دار جھاڑ ہوں۔ تو انہوں نے جواب دیا ہاں! بہت دفعہ ایسے راستے پر چلنے کا اتفاق ہوا ہے تو حضرت ابی بن کعبؓ نے کہا۔ پھر آپ نے دہاں کیا کیا؟ حضرت عمرؓ نے کہا **سَمِعْتُكَ تَجَاهِدُ** میں نے دامن کھینٹ لیا اور پوری کوشش کی کہ کانٹے میرے جسم کے پتھروں میں نہ الجھنے پھریں اور میں سلامتی سے ایسے راستے سے نکل گیا۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا **فَذَلِكَ الْمُتَّقِيُّ** تقویٰ اسی کو کہتے ہیں کہ دنیا میں پیچھے ہوتے کفر، شرک، گمراہی، بدعت اور دیگر خرابیوں سے انہیں بچ کر نکل جائے۔ جو شخص ان چیزوں سے دامن بچ کر نکل گیا۔ وہی متقی ہے۔

حضرت حسن بصریؒ سے تقویٰ کا مطلب پوچھا گیا، تو فرمایا اللہ کے حکم کے سامنے کسی اور کا حکم نہ مانے اور یقین رکھے کہ تمام کام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ لہذا جس شخص کا اعتقاد اور عمل یہ ہوا کہ متقی ہے۔ کسی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا کہ تقویٰ کس کو کہتے ہیں تو انہوں نے فرمایا **اَلَا تَتَوَقَّعُ لَفَسًا خَيْرًا مِنْ اَحَدٍ** یعنی تم اپنے نفس کو کسی اور سے بہتر نہ سمجھو۔ نہ یہی سمجھو کہ میں ہی کمزور ہوں اور میرا ہی قصور ہے جب تمہارے اندر یہ چیز پیدا ہو جائے تو متقی بن جاؤ گے۔ حضرت مجدد الف ثانی کا قول ہے عجیب

بِرَأْسِ كَسْ مَعْرِفَتِ هَذَا حُرْمَتِ اسْتِ كَرُودِ رَا اِذَا كَا فَرِغَ بَسْمِ بَسْمِ دَانِ

یعنی جو شخص اپنے آپ کو انگریز یا کافر سے بھی بہتر سمجھتا ہے۔ اس پر خدا کی معرفت حرام ہے آپ نے بہت بڑی بات کہی ہے۔ کہ اپنے آپ کو انگریز یا کافر سے بھی بہتر نہ سمجھے۔ کیونکہ جو

لے تعمیر کبریہ

لے تعمیر ابن بشر

نیجے، مگر آپ نے ہاتھ تک نہیں لگایا کہتے تھے یہ رقم ان کو درجن کا حق تھیں رکھا ہے۔
مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ان کے تقویٰ کی بات تھی۔
غیرہذا ملک بن مہدی کے حکم سے پچھا کہ بانی اہل حق کون ہوتا ہے، اس حکم نے جواب دیا متقی وہ ہوتا ہے
جو خدا کو مخلوق پرادہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دے۔ وہ متقی ہوتا ہے۔

ایمان بالغیب

کتاب الہی کا ابتدائی تعارف کرنے کے بعد کہ یہ متیقن کے لیے ذریعہ ہدایت ہے
ارشاد ربانی ہے کہ متیقن وہ لوگ ہیں۔ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ جو غیب پر ایمان
رکھتے ہیں۔ غیب وہ چیز ہوتی ہے جو ادراک احواس ظاہرہ و باطنہ عقل و فہم اور خیال کی دوسری
سے باہر ہو۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات ہیں۔ فرشتے ہیں۔ برزخ اور آخرت
کا دن ہے۔ اس میں آخرت کے تمام معاملات شامل ہیں۔ یہ سب غیب ہیں۔ اس کی تشریح
سورۃ البقرہ کی آخری آیات اَمَّا الرَّسُولُ فَرَبِّمَا نُزِّلَ اَنْبِیَآءُ مِنْ ذَاتِ الْعِلْمِ وَالْمُؤْمِنُونَ
كُنَّا اَمَنًا بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَرُسُلُهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ میں پچھتی ہے۔ ان تمام
چیزوں پر ایمان ہونا چاہیے۔ البتہ غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ بندہ اس کے لیے
سوائے وحی۔ الہام یا کشف وغیرہ کے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کسی پر
الہام نہ کرے۔ تب تک کسی کو معلوم نہیں ہوتا۔ جب تک کسی نبی یا رسول پر وحی نہ کرے یا کشف
کے ذریعے کسی پر کوئی بات مشکف نہ کرے، اس وقت تک کوئی نہیں جان سکتا۔ اور جب کسی
کو کسی بات کی اطلاع دے رہ جائے، یا کوئی چیز ظاہر کر دی جائے۔ تو وہ غیب نہیں رہتا۔ غیب
وہ ہوتا ہے۔ جو عقل و حواس یا کسی اور ذریعے سے مشکف نہ ہو۔ علم غیب اللہ تعالیٰ کی ذات کے
ساتھ مختص ہے۔ اسی کو عالم الغیب والشہادۃ کہا گیا ہے۔ جو بغیر کسی حواس، قوت یا اسے
کے جانتا ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ علم کا معنی ہوتا ہے۔ جاننا اور معرفت کا معنی ہے پہچاننا اور ایمان
کا معنی ہے ماننا۔ یہ الگ الگ چیزیں ہیں۔ مہدوی بھی تو جانتے بھی ہیں اور پہچانتے بھی ہیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق منقول ہے۔ کہ کسی نے ان سے دریافت کیا۔ کہ انسان
مستی کس طرح ہوسکتا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ مستی وہ شخص ہوسکتا ہے جو
اتوار اپنے دلی مذہبات کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا ہو۔
ثانیا اپنی پوری طاقت کے ساتھ اللہ کے لیے عمل کرنے والا ہو۔

ثالثاً یہ کہ اپنے بلند جنس پر اسی طرح رحم کرنے والا ہو۔ جس طرح اپنے آپ پر رحم کرتا ہے۔
گویا جس طرح خود اپنے آپ کو ہر تکلیف سے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی جذبہ دوسروں
کے لیے بھی موجود ہو۔ جس شخص میں یہ تین علامتیں پائی جائیں گی وہ مستی بن جائے گا۔

محمد بن یونس غزالی ایک بزرگ ہوئے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیان ثوری
سے پوچھا کہ کیا بات ہے جہاں جائیں آپ ہی کا ہر جا ہوتا ہے۔ لوگ آپ کے اس قدر
ملاح ہیں۔ حالانکہ میں نے تو آپ کو رات کے وقت سوئے ہوئے دیکھا ہے۔ یعنی آپ
کو ساری رات عبادت کرتے ہوئے نہیں پایا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ چپ رہو۔ یہ بات تقویٰ
پر مبنی ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ تقویٰ عطا کرے، اُسے مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے۔

ابو سفیان ثوریؒ نے بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی طرح حکمت کے
معتوب ہیں حتیٰ کہ منصور نے آپ کے لیے سزائے موت کا حکم جاری کر دیا کہ سفیان جہاں سے
اُسے سولی پر لٹکا دو۔ وجہ یہ تھی کہ آپ حکومت کے غلط احکام پر تنبیہ کرتے تھے۔ انہیں غلط
سے منع کرتے تھے۔ ایک موقع پر ساتھیوں نے عرض کیا۔ حضرت! منصور آ رہا ہے آپ
کو گرفتار کر لے گا۔ وہ آپ کے لیے سزائے موت کا حکم پہلے ہی جاری کر چکا ہے۔ لہذا
آپ یہاں سے چلے جائیں۔ آپ نے خانہ کعبہ کا غلاف پھانسی دھاگی کو لے کر دو گار! اگر
منصور کے ہیں آجائے تو میں کعبہ سے بری ہو جاؤں گا۔ آپ نے ایسی سخت دعا کی کہ منصور
راتے میں ہی ہلاک ہو گیا۔ آپ کو بادشاہ نے بڑا لالچ دیا۔ پچاس ہزار روپے بطور عطیہ

اسی طرح مسجد بنانا اور ان میں ضروریات فراہم کرنا، اور دینی مدارس کا قیام بھی
 مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ میں آتا ہے۔ کسی نالے پر پل تعمیر کرنا پانی کے لیے کنواں
 یا نل لگوانا، منافر خانہ تعمیر کرنا۔ حج اور عمرہ خود کرنا یا کسی دوسرے کو کروانا۔ اللہ تعالیٰ کے
 راستے میں جہاد پر مال صرف کرنا، یہ سب تدات ہیں۔ جن پر خرچ کرنا انفاق فی سبیل اللہ
 میں آتا ہے۔ اور باعثِ اجر و ثواب ہے۔ نیک کام کے لیے اخلاص کے ساتھ ایک پیسہ
 خرچ کرنے کا اجر دس گنا ملتا ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے۔ کہ جہاد میں خرچ کرنا جہاں
 دشمن اور کافر دین کو توڑنا چاہتے ہوں۔ ان کے مقابلے کے لیے جو مال خرچ کیا جائے۔
 اس کا ادنیٰ اسے ادنیٰ درجہ سات سو گنا ہے۔ نفقات واجبہ یعنی گھر کے ضروری اخراجات
 وہ بچوں کے لیے ہوں یا بیوی کے لیے، تو کر چا کر یا رشتہ داروں پر خرچ کیا جائے یہ
 سب انفاق فی سبیل اللہ میں آتا ہے اور مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ کا مصداق
 بنتا ہے۔

کتب سماوی
 پر ایمان

اس کے بعد فرمایا متعین وہ لوگ ہیں وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ
 یعنی آپ پر جو کتاب ہدایت اور جو احکام نازل ہوئے ہیں ان پر ایمان رکھتے ہیں وَمَا
 أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ اور جو پہلے پیغمبروں پر وحی نازل ہوئی ہے۔ اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں
 یہ بات قابل ذکر ہے۔ کہ پہلی کتابوں پر صرف ایمان رکھنا ضروری ہے۔ ان پر عمل کرنا
 ضروری نہیں، عمل ان احکام پر ہو گا۔ جو آخری کتاب قرآن پاک میں نازل ہوئے ہیں۔ قرآن
 پاک کے نزول اور حضور علیہ السلام کی شریعت کے نفاذ پر پہلے تمام احکام منسوخ ہو چکے
 ہیں۔ ان کا ترک کرنا ضروری ہے۔ ان پر عمل ضروری نہیں آہم ان پر ایمان ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے
 پہلے لوگوں کی ہدایت کیے جو کچھ نازل فرمایا وہ برحق ہے۔ یہ اجزلئے ایمان میں سے ہے۔ جہاں ایمان ہے کہ تمام آسمانی
 کتابیں برحق ہیں۔ آہم عمل احکام صرف قرآن پاک کے ہیں۔

ایمان بالا حضرت

متعین کی آخری صفت یہ بیان فرمائی وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ وہ آخرت

مگھنتے ہیں۔ وہ ایمان نہیں لاتے تھے۔ قرآن پاک کہتا ہے کہ یہودی بنی آخر الزماں کو
 "يَعْبُدُونَكَ بَكْمَا يَعْبُدُونَ آبَاءَهُمْ" اس طرح پوجتے ہیں جس طرح اپنی
 اولاد کو پوجتے ہیں۔ مگھ ایمان نہیں لاتے۔ ہاں! ایماندار اور پھر متقی وہ ہیں جو غیب پر ایمان
 رکھتے ہیں۔ ملائکہ، برزخ، آخرت وغیرہ تمام چیزیں غیب سے تعلق رکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ
 چیزیں بنی علیہ السلام کو بذریعہ وحی بتلائی ہیں۔ لہذا متقی وہ ہیں جو ان سب پر ایمان رکھتے ہیں
 کہ یہ چیزیں برحق ہیں۔ اَمَّا وَحَكْمًا

امت صلوٰۃ
 متقین کی دوسری صفت ہے۔ اقامت صلوٰۃ فرما متقین وہ ہیں وَكَفَيْمُؤَنَّا الْقُلُوبَ
 جو نماز کو قائم کرتے ہیں۔ یہاں پر یُقَدُّوْنَ الْقِسْمَةَ یعنی نماز ادا کرتے ہیں۔ نہیں فرمایا۔
 بلکہ اقامت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جو کہ بڑا گہرا لفظ ہے۔ اقامت کا مطلب یہ ہے کہ قیام
 نہ کرے۔ سجود، تلاوت، قرآن، سنن، واجبات اور مستحبات وغیرہ کو احسن طریقے سے ادا کیا
 جائے۔ جو لوگ ان تمام چیزوں کا خیال رکھتے ہیں اور پورے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز
 ادا کرتے ہیں، اقامت صلوٰۃ کرنے والوں سے وہی لوگ مراد ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ
 نے اقامت صلوٰۃ کا معنی یہی کیا ہے کہ نماز کے تمام ارکان کو ٹھیک طو پر ادا کیا جائے۔

ایمان بالغیب اور اقامت صلوٰۃ کے بعد متقین کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی وَحَقًّا
 رَنُفَهُمْ يَنْفَعُونَ یعنی متقین وہ لوگ ہیں جو ہماری دی ہوئی روزی سے خرچ کرتے ہیں
 خرچ کرنے سے مراد اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا ہے اور خرچ کی مختلف مدت میں سے پہلے نمبر
 پر زکوٰۃ ہے۔ دوسرے صدقہ فطر تیسرا قربانی جو تمام خیرات، اس کے بعد سائیں۔ محبتوں۔
 ممانوں۔ کمزوروں۔ یتیمی اور یتیموں کی حاجت مدد کی ہے۔ اس کے بعد وقف کی مدد کی
 ہے۔ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے تو وہ اس کے نام پر وقف کر جائے تاکہ اس کے
 آخرت میں فائدہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے اپنی بہترین زمین کے متعلق حضور علیہ السلام سے عرض کیا
 کہ میں چاہتا ہوں کہ اس کا فائدہ مجھے آخرت میں پہنچے۔ اپنے فرمایا وقف کر دو۔ چنانچہ وہ وقف
 کر دی گئی۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَسَوَّاهُ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَهْلَكُوا نُنْزِرُهُمْ
لَا يُؤْمِنُونَ ⑥ حَتَّمَا اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ
وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ⑦

ترجمہ یہ بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، ان کے لیے برابر ہے کہ آپ انکو
ڈرائیں یا نہ ڈرائیں۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے ⑥ اللہ تعالیٰ نے صرنگادی ہے
ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر۔ اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ اور ان کے
لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ ⑦

ہدایت (اور گمراہی) کے اعتبار سے انسان تین گروہوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ پہلا
گروہ مومنین کا ہے۔ جو ہدایت کو ظاہر اور باطن قبول کرتے ہیں اور اسے اپنا کرتے ہیں۔ یہ مومنین
کہلاتے ہیں۔ سورۃ البقرہ کی پہلی چار آیتوں میں ان کا حال، ان کے اوصاف اور ان کا انجام بیان
ہوا ہے۔ انسانوں کا دوسرا گروہ وہ ہے، جو ہدایت الہی کا ظاہر بھی انکار کرتے ہیں اور باطناً
بھی انکار کرتے ہیں۔ یہ لوگ کسی طور پر ہدایت کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے، لہذا ان کا ذکر کھلتے
ہیں۔ ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے انہیں لوگوں کا حال اور ان کا انجام بیان فرمایا ہے۔
ان کا تیسرا گروہ زبان سے تو ہدایت ربانی کا اقرار کرتا ہے، مگر دل سے تسلیم نہیں کرتا۔ یہ لوگ
منافق ہوتے ہیں۔ آئندہ تیسرے آیات میں انہی لوگوں کا حال بیان ہوا ہے۔

ان میں سے پہلا گروہ جو متقین اور مومنین کا گروہ ہے، وہ فلاح پانے والا گروہ ہے
البتہ دوسرے گروہ ناکام ہیں، پھر ان میں سے کا فزون بنانا محض طور پر بیان ہوا ہے۔
کیونکہ انہوں نے علی الاعلان ہدایت کو قبول نہیں کیا۔ اور کفر پر اسے ہوتے ہیں۔ البتہ منافقین
کا گروہ پر نکتہ زیادہ خطرناک ہے اس لیے اس گروہ کا حال زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا
ہے۔ ان کی مثالیں بھی دی ہیں۔ شبہات کے ساتھ بھی سمجھایا ہے، کیونکہ منافقین کا یہ گروہ

کے دن پر یقین رکھتے ہیں آخرت کے دن سے مراد قیامت کا دن یا دنیا کا آخری دن
 (LAST DAY OF THE WORLD) ہے۔ اسی لیے اس کو آخرت کہتے ہیں۔ اے
 دارالآخرت یا آخرت کا گھر بھی کہتے ہیں۔ گویا یہ بھی ایمان کے اجزاء میں سے ہے۔ اسی
 طرح فرشتے، آسمانی کتابیں، اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات اور قومید یہ سب ایمان
 کے اجزاء ہیں۔ تقدیر بھی ایمان ہی کا حصہ ہے۔ مگر کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے یا آئندہ ہوگا
 اللہ تعالیٰ کے علم ارادے اور مشیت کے مطابق ہوتا ہے۔ اس پر بھی ایمان رکھنا ضروری ہے۔
 فرمایا جو لوگ مذکورہ صفات کے حاملین ہوں گے اُولَئِكَ عَلٰی هُدًى
 مِّنْ رَبِّهِمْ وہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔ وَ اُولَئِكَ هُمُ
 الْمُفْلِحُونَ اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ فلاح کے معنی مراد کو پہنچنے والے ہیں
 تو مطلب یہ ہوا کہ قرآن کریم کے جس پروگرام کو لوگ نماز میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ
 کہہ کر مانگتے ہیں وہ سارا پروگرام یہاں تک بتا دیا گیا ہے۔ جو لوگ اس پروگرام کو تسلیم کر کے اس
 پر عمل کریں گے۔ فلاح پائیں گے۔ اور جو قوم اس سے روگردانی کرے گی۔ وہ فلاح حاصل نہیں
 کر سکے گی۔ اگرچہ وہ دنیوی لحاظ سے جس قدر بھی سودہ حال ہو جائے۔ پروگرام کو واضح کر دیا گیا ہے
 یعنی ایمان، تقویٰ، انفاق فی سبیل اللہ، پھر اس کے بعد سابقہ کتابوں اور آخرت پر ایمان،
 اور پھر ان اصولوں پر استقامت ہی فلاح کا وارو مدار ہے۔ اسی کی وجہ سے دائمی نجات
 سے نجات حاصل ہوگی اور آخرت میں اعلیٰ درجات نصیب ہوں گے۔

پرست یاغز
 لوگ

سکے کہ اگر کسی کا وہ کسی وقت ایمان لے آئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہو جائے۔
اور اللہ انفس کو مٹا دیتے ہوتے شیطان ہی بن جائے لہذا جب تک اپنے آپ کو اس سے
محترز نہ سمجھو گے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ہوگی۔ اگر یہ حاصل نہ ہوئی تو متقی کیسے بن سکتے ہوں
رحمۃ الاسلام: حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے شجرہ مبارکہ میں ایک شجرہ آتا ہے۔

زمین وارد گئے نصرانیان عار کہ او بے گناہ و ن گنہگار
یعنی مجھ سے تو نصرانیوں کا کتا اچھا ہے۔ کیونکہ وہ گنہگار نہیں اور میں گنہگار ہوں بڑی
لورہ شکار ہی کا یہ معیار ہے۔ اور اسی کو تقویٰ کہتے ہیں۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ تقویٰ کے تین درجے ہیں۔ پہلا یہ کہ انسان شرک کی تمام
انکسار سے پاک ہو۔ اگر ایسا ہوگا تو عذاب سے خلاصی پائے گا۔ ورنہ نہیں۔ **وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ كَلِمَةِ
التَّقْوَىٰ كَاسِي** یعنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر تقویٰ کا لکھ لازم کر دیا ہے۔

تقویٰ کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسان کیسے روگنوں سے بچتا ہے اور چھوٹے گناہوں
پر صبر کرے۔ اور تیسرا درجہ تقویٰ کا یہ ہے کہ انسان مشکوک اور شبہات والی باتوں سے
بچتا ہے۔ جو شخص تقویٰ کے ان تینوں درجات پر پورا اُتے گا وہی کامل درجے کا متقی ہوگا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ سیرت کے دن یعنی قیامت کے روز آواز آئے گی
کہ تمہی لوگ کہاں ہیں۔ متقی لوگ اٹھیں گے اور اللہ تعالیٰ کی تمہلی کے سایہ میں بیٹھ جائیں گے۔

وہی ان پر ہر وقت سایہ نغم ہوگی اور کسی وقت ان سے علیحدہ نہیں ہوگی کسی نے حضرت معاذ بن جبلؓ
سے دریافت کیا کہ حضرت! متقی کون ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ متقی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے
آپ کو انبیا شرک سے محفوظ رکھا اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کرتے ہیں۔ متقیوں کی عبادت
ہو جائے کہ اگر انہیں مصیبت آئے تو صبر کریں۔ اور خدا کے فیصلے پر راضی ہوں۔ اگر رحمت
کے تو خدا کی نعمت کا شکوہ اگر میں قرآن پاک کے احکام کے سامنے ہمیشہ مطیع و فرمانبردار رہیں
یہی لوگ متقی ہیں۔

بڑا خطرناک گردہ ہے۔

عربی زبان میں کفر کا معنی کسی چیز کو چھپا دینا یعنی مخفی اور پوشیدہ کر دینا ہے۔ اسی لیے اہم بیصادی کہتے ہیں کہ جس ڈوڈی کے اندر پھل بند ہوتا ہے۔ اُسے کافر کہتے ہیں۔ اور کسان جو بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے۔ اُسے کافر کہتے ہیں۔ جیسے سورۃ الحجۃ میں آیت ہے کَعْبَلُ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاٌ لَّهُمْ كُوبًا کافر کا لفظ کسان پر بھی بولا گیا ہے۔ بادل اور اندھیرا جو سورج کو اپنے اندر چھپا لیتا ہے۔ اس کو بھی کافر کہتے ہیں ۵

فِي لَيْلَتِهِمْ كَفَرُ الْجَنُّومِ عَمَّا هُمْ

یعنی بادل اور اندھیرا سورج کو چھپا لیتا ہے۔ تو نفی اعتبار سے اس کا معنی یہ ہو گا۔ جیسا کہ بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں اِنَّ الَّذِيْنَ سَكَنُوا الْحَقَّ عِثَ دَابَّ شَكَّ وَهُ لَوْ كَفَرُ جنوں نے نہ دیکھی وجہ حق کو چھپا دیا۔ مارک دے اور دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں یعنی حق کو چھپا دیا۔ ظاہر ہی نہیں کیا۔

جب کفر کا اطلاق شریعت کی اصطلاح میں کیا جاتا ہے تو اس کا خاص معنوم ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ جو چیز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو۔ شک و شبہ والی بات نہ ہو، اُس چیز کا منکر کافر کہلاتا ہے۔ اور یہ انکار کفر کہلاتا ہے۔ کسی ایک چیز کا انکار ہو یا تمام چیزوں کا۔

جس طرح شرک نفاق، الحاد، ارتداد، زندقہ، فسق، ایمان، توحید وغیرہ قرآن کی مختلف اصطلاحات ہیں۔ اور ان سب کا الگ الگ معنوم ہے اسی طرح کفر بھی ایک اصطلاح ہے اور اس کی مختلف اقسام ہیں۔ جو کہ مفسرین، محدثین، فقہاء اور علما نے بیان کی ہیں۔

مبغض ان کے کفر انکار ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص دل اور زبان دونوں سے شریعت کی قطعی چیز کا انکار کرے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دَلٍّ اور زبان دونوں سے انکار ہے۔ ایسا شخص حق کی بات کو جاننے کے لیے بالکل تیار نہیں۔ لہذا یہ کفر انکار ہے

لَا تَقْرِئْ بِضَاوِيٍّ جَاهِلًا، لَا مَعَالِمَ الْفَرْجِ جَاهِلًا، تَقْرِئْ رَاكِبًا جَاهِلًا، تَقْرِئْ مُنَادِيًا جَاهِلًا

قرآن پاک میں کفر کی جس دوسری قسم کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ کفر مجبور ہے۔ جحد کا معنی انکار ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ”وَجَحَدُوا بِهَا“ سے ظاہر ہے۔ کفر مجبور کی تعریف یہ ہے کہ آدمی دل سے پچھتا رہا ہے۔ اور کہتا ہے کہ بات سچی ہے۔ مگر وہ اس کا زبان سے اقرار نہیں کرتا۔ جیسا کہ فرعونوں کے متعلق فرمایا ”وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْ بِهَا انْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَقُلُوبًا“ دل میں سمجھتے تھے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کا دین سچا ہے۔ مگر وہ اس کا انکار کرتے تھے یہ انکار ظلم اور تعدی کی بنا پر تھا۔ اس کو کفر مجبور کہنا جاتا ہے۔ ایسے کا کفر ہی ہے۔ کیونکہ وہ دل میں حق بات کو سمجھتا ہے۔ مگر اقرار کی بجائے انکار کرتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک شخص عجم بن یحییٰ ابوہریرہؓ جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے مرود ہوا تھا۔ اس کا ذکر سورۃ اعراف میں موجود ہے۔ اہل طعن حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ایک بڑا حکیم شاہرازمیر بن ابی الصلتؓ ہوا ہے۔ اس کا کفر بھی ایسا ہی تھا۔ اُس نے حق کو جاننے سے پچھنے سے قبول نہیں کیا تھا۔ اس کا نظریہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں وحی نازل کی۔ مجھ پر کیوں نہیں کی۔ عربی زبان میں اس کا کلام موجود ہے۔ وہ شخص نبیؐ، اہل اور قیامت تک کا تصور رکھتا تھا۔ وہ تورات اور انجیل کا قاری اور ہدایت کا طلب گار تھا۔ مگر جب حضور علیہ السلام کی بعثت ہوئی تو وہ حسد میں مبتلا ہو گیا۔ اور آپ کی رسالت کا انکار کر دیا۔ حالانکہ وہ دل سے برحق سمجھتا تھا۔ وہ اتنا قابل آدمی تھا کہ اس کے اشعار پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ یہ کوئی بڑا امرن آدمی ہو گا۔ حضور علیہ السلام نے اس کے متعلق فرمایا ”اِنَّكَ فِتْنَةٌ اَنْتَ وَرِسَالَتُكَ“ لے لے کر یوں کہنے لگا کہ تیرا ہی زبان تو اس کی مومنوں میں سے ہے مگر دل کا زہ ہے۔

پھر زہ میں ایک افراطیوں انگریز برطانوی گڈرا ہے۔ بڑا صاحب علم تھا۔ اسلام کو وہ بھی سچا سمجھتا تھا۔ مگر کہ سخت لے۔ اقرار نہیں کیا۔ یہی حال مشرک گاندھی کا تھا۔ وہ اسلام کو سچا نہ سمجھتا تھا۔ مگر دل سے تسلیم نہیں کیا۔ وہ مصیبت اور بندہ دست کو بھی کچے خراباب ہی

سمجھتا تھا۔ ملاحچہ پیمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے: **إِنَّ الْمَدِينَةَ عِندَ اللَّهِ الرَّسُلُ**۔
 باقی سب ادیان باطل ہیں۔ یہی کفر محمود ہے۔ کہ کبھی چیز کو دل سے صیح سمجھ کر پھر زبان سے
 اس کا اقرار نہ کیا جائے۔

کفر کی تیسری قسم کفر عناد ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ دل سے پہچانتا بھی ہے۔ زبان

سے اقرار بھی کرتا ہے کہ یہ دین درست ہے۔ مگر قبول نہیں کرتا۔ اس کی مثال ابوطالب کا
 کفر ہے۔ وہ حضرت علیؑ کے والد اور حضور علیہ السلام کے چچا تھے۔ وہ تھا کہ میرا عہدچا پیمانہ ہے
 صادق اور امین ہے۔ جو کہتا ہے۔ سچ ہے مگر اس نے ایمان اور توبہ کو قبول نہیں کیا۔

اس کا خاتمہ کفر پر جی ہوا۔ وہ عجیب قسم کے وہم کا شکار تھا۔ محض اس ڈر سے اسلام قبول
 نہیں کیا۔ کہ عورتیں علامت کریں گی کہ موت کے ڈر سے باپ دادا دین چھوڑ دیا۔ یہ کفر عناد ہے

کفر کی چوتھی قسم کفر نفاق ہے۔ اس کا ذکر اگلی باتوں میں آ رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے
 کہ انسان زبان سے اسلام کی سچائی کا اقرار کرتا ہے۔ مگر جہی پر محتاب۔ نمازیں بھی ادا کرتے
 زکوٰۃ دیتا ہے۔ بسا اوقات جہاد میں بھی شریک ہوتا ہے۔ مگر دوسروں سے تکذیب کرتا ہے یہ
 کفر نفاق ہے۔ اور پھر نفاق بھی دو قسم سے ہے یعنی اعتقادی نفاق اور عملی نفاق۔ یہاں پر
 جس نفاق کا ذکر ہوا ہے۔ یہ اعتقادی نفاق ہے کہ اعتقاد دل سے تسلیم نہیں کرتا عملی نفاق
 کا ذکر بعد میں آئے گا۔ وہ اور چیز ہے۔

محمدؐ نبی کرام فرماتے ہیں کہ یہ چاروں کفر خطرناک ہیں۔ ان میں سے کسی نہ بھی مبتلا ہو
 گیا۔ وہ اللہ کے ہاں کبھی نجات نہیں پاسکتا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عذاب میں مبتلا ہوگا۔ یہ قطعی
 بات ہے۔

کفر شک اس کے علاوہ بھی کفر کی کئی قسمیں ہیں۔ بخلاف ان کے کفر شک ہے۔ قرآن پاک میں
 بعض منافقوں کے بارے میں آتا ہے **فَمِنْهُمْ فِي ذَنبِهِمْ يَقْتَرِدُونَ**۔ دوسری
مَجْرَمًا يَأْتِلُ هُوَ فِي شَيْءٍ يُكَلِّمُونَ۔ یعنی ایسے لوگ شک میں ہی کھیل رہے ہیں۔

یہ کفر شک کہلاتا ہے۔

اسی طرح کفر کی ایک قسم کفر جہالت ہے۔ علم حاصل کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتے کفر جہالت ساری عمر جہالت میں گذر جاتی ہے۔ نہ علم ہوتا ہے اور نہ وہ راہِ راست پر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی جگہ جگہ پر مذمت بیان کی ہے: اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ "ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے یعنی علم نہیں رکھتے۔ دوسری جگہ فرمایا: هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ "کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟ مطلب یہ کہ برابر نہیں ہوتے۔ اس قسم کا کفر کفر جہالت ہے۔ جس میں اکثر لوگ مبتلا ہوتے ہیں۔

کفر تاویل کو اتحاد اور زندقہ بھی کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی نئی کو غلط مطلب پہنا دیا جائے۔ اصل مقصد کچھ اور ہو مگر تاویل کے ذریعے کچھ سے کچھ بنا دیا جائے مثلاً علامہ احمد روبری قرآن پاک کی آیت اَطِيعُوا اللَّهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ کا مطلب مرکزیت یا سنٹرل گورنمنٹ قرار دیتا ہے کہ مرکزی حکومت کا حکم ماننا لازمی ہے۔ اسی طرح حج کا معنی اس نے عالمی کافرئیں کیا ہے۔ حالانکہ حج ایک عبادت کا نام ہے۔ اس کے ارکان ہیں جن کو پروردگار ضروری ہے اس لیے محض عالمی کانگریس یا عالمی کافرئیں کا نام دینا باطل غلط ہے۔ روبری نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ خدا کے حکوم ہونے کا مطلب اپنی فطرت کا محسوس ہونا ہے۔ یہ بھی کفر والا معنی ہے۔ اس نے ترجمہ القرآن میں لکھا ہے کہ اللہ کا معنی قانون ہے۔ جہاں بھی اللہ کا لفظ آیا ہے۔ اس سے مراد قانون ہے۔ گویا خدا تعالیٰ کی ذات یا ہستی نہیں ہے۔ اسی طرح اس نے حُورٍ عِينٍ کا معنی پاکیزہ فخر کیا ہے۔ گویا جیتوں سے مراد پاکیزہ فخر والے لوگ ہیں۔ حالانکہ حُورٍ عِينٍ کی اصطلاح کو تمام مسلمان سمجھتے ہیں کہ وہ عورتوں کی ایک پاکیزہ مخلوق ہے۔

علامہ احمد قادیانی نے اپنی کتاب ازالہ اولہام میں مُؤْمَرٍ يُولِئُ کے متعلق لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن میں میرا نام محمد بھی رکھا ہے اور رسول بھی۔ العباد باللہ۔ یہ کفر والا معنی ہے۔ اس سے پہلی آیت وَمَا يُلَاحِظْ رَوْحَهُمْ يُوقِنُونَ کا معنی قادیانی یوں کرتے ہیں۔

ہیں۔ اگر کوئی شخص ایسے کفر کا ارتکاب کرے تو ایمان سے خارج ہو جاتا ہے مثلاً کوئی بت کے سامنے سجدہ و ریز ہو جائے، یا قرآن کریم کی توبین کا مرتکب ہوئے گندی مگر پھینک دے یا مثلاً کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے یا کسی نبی کو قتل کئے تو ایسا آدمی ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔

عملی کفر کی دوسری قسم وہ ہے جس سے انسان ایمان سے خارج نہیں ہوتا مثلاً کوئی شخص نماز کا تکرار کرے، شراب پی لے، کسی کو قتل کر ڈالے، زنا کا مرتکب ہو یا کسی سے حق لڑائی کی یہ سب کفر ہی کی قسم سے ہیں مگر یہ ایمان کے منافی نہیں جتنی کہ کفر صلی اللہ علیہ وسلم لے فرمایا لَا تَسْرِجُوا بَعْدِي كُفْرًا مِیر سے بعد کفار کی طرح نہ بن جائے کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔ ان امور سے انسان اسلام سے توبہ نہیں نکلتا مگر کام کافروں والے میں مومن کی شان نہیں کہ یہ کام کرے قَالَ اللَّهُ كُفْرًا مِیر سے متعلق کفر ہے۔ مومن کو کالی ہے قتل کی بات کرے، ناحق لڑائی یہ سب کفر کی باتیں ہیں۔ کیونکہ کافر، مسلمان کی جان کا دشمن ہوتا ہے جب کہ مومن، مومن کی جان کا محافظ ہوتا ہے۔ فَرُيَا شَرَابُ الْحَمْرِ كَسَابُ دِئْنٍ یعنی شراب پینے والا ایسا ہی ہے جیسا بت پرستی کرنے والا۔ گویا شرابی کو بت پرست کے ساتھ تشبیہ دی۔ لَا تَشْرِيْعٌ مِیر آتے مَنْ آتَى عَرَافًا أَوْ كَاهِنًا جو کابن یا عراف کے پاس غیب کی خبریں پوچھنے کے لیے گیا فَقَدْ كَفَرَ اس نے کفر کیا۔ اس کی مزید تفصیل آتی ہے کہ اگر بخوبی کی بات کو بالکل سچا سمجھ رہا ہے تو اسلام سے خارج ہو گیا۔ اور اگر سچا سچا تو نہیں سمجھتا۔ ویسے ہی اس کی رائے لینا چاہتا ہے۔ تو یہ عملی کفر ہے۔ اسلام سے خارج تو نہیں ہوتا مگر سخت گنہگار ہوتا ہے۔

کفر دہریت بھی اسی قبیل سے ہے۔ قرآن پاک میں اسی کفر کے متعلق مذکور ہے کہ بعض کافر یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وَمَا يَكْفُرُ إِلَّا الْكَافِرُ یعنی ہمیں زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے ایسے لوگ زمانے کے تمام حادثات کو زمانے ہی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی ذات

کا اقرار نہیں کرتے کہ وہ جی ہر چیز کرنے والا ہے۔ بلکہ نہ ماننے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ یہ کفر و بدعت کو کہتے ہیں۔
 اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَّوْا عَلٰیْهِمْ ءَانَادَ بَقۡعٍ مِّنۡ يَّسۡ۫ءَالِ وَارِدٍ
 ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کہ کفار کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔
 اگر ایسا ہے تو پھر انہیں ایمان کی تبلیغ و دعوت سے کیا حاصل؟

ایک اشکال اور
 اس کا جواب

مفسرین کرام وضاحت فرماتے ہیں کہ اس مقام پر لفظ سَوَّوْا عَلٰیْهِمْ یعنی ان کو
 کے لیے برابر ہے۔ خواہ آپ تبلیغ کریں یا نہ کریں۔ سَوَّوْا عَلٰیْهِمْ کے الفاظ انہیں آئے یعنی
 یہ نہیں فرمایا کہ ان کو تبلیغ کرنا یا نہ کرنا آپ کے لیے برابر ہے۔ یہ تو ان کے لیے برابر ہے۔ کہ
 انہیں کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا۔ آپ کا تو فرض ہے کہ آپ فرض تبلیغ انجام دیتے ہیں کوئی
 مانے یا نہ مانے۔ یہ اس کی اپنی صوابیہ پر ہے۔ آپ کے لیے ختم ہی ہے۔ فَذٰکَرۡتَ اِنْ لَّفَعۡتَ
 الذِّکۡرَ کَرۡہٰی آپ نصیحت کرتے چلے جائیں۔ چاہے وہ انہیں فائدہ دے یا نہ دے۔ آپ
 کو اس تبلیغ کا ہر حالت میں اجر ملے گا۔

البقرة ۲

(آیت ۷۶)

اسماء

درس نمبر ۲

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٦﴾ خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٧﴾

ع

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، ان کے لیے برابر ہے کہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿۶﴾ اللہ تعالیٰ نے سر نکادی ہے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر، اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ﴿۷﴾

ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے اعتبار سے انسانوں کے دو سگر گروہ گذشتہ پہلے یعنی کفار کا ذکر کیا ہے۔ پہلے گروہ متعین کا بیان ہو چکا ہے۔ یہ دو سگر گروہ کا بیان ہے، اور دوسرے گروہ منافقین کا تذکرہ اگلے رکوع میں آئے گا۔ یہ دوسرا گروہ کفار کا ہے۔ جو ظاہر اور باطناً اللہ تعالیٰ کی توحید کا اچھکھک کرتے ہیں، اور ہدایت کو قسبرل نہیں کرتے، کفر کی فشریح اور اس کی مختلف اقسام گذشتہ درس میں مختصر بیان کر دی گئی تھیں۔

گذشتہ درس میں اس اشکال کا تذکرہ ہوا تھا کہ اگر کافروں نے ایمان ہی نہیں لانا خواہ انہیں ڈرایا جائے یا نہ ڈرایا جائے، تو پھر انہیں تبلیغ کرنے کا فائدہ کیا ہے۔ اس کا جواب بھی دیا گیا تھا کہ ڈرایا نہ ڈرایا کفار کے لیے برابر ہے، نہ کہ خود تبلیغ کے لیے، کیونکہ تبلیغ تو ہر حالت میں اجر کا مستحق ہے، خواہ کوئی ایمان لائے یا نہ لائے۔

دوسرا سوال یہاں یہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد تو یہ ہے کہ آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، کفار ایمان نہیں لائیں گے، حالانکہ حقیقت حال یہ ہے کہ بہت سے کافر

ان آیات کی تفسیر
کون ہیں

اگرچہ ایمان نہیں لائے۔ مگر دوسرے بہت سے ایمان لائے۔ اوسفیان کا فریبی تو تھے۔
 وہ ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے۔ ابو جہل جیسے بدترین دشمن کا بیٹا مکہ مکرمہ ایمان لایا۔
 مشہور عرب بنی خاندان بن ولید بھی بڑی دیر کے بعد ایمان کی دولت سے لافال ہوئے۔ تو اس کا
 جواب یہ ہے۔ کہ یہاں یہ کفار سے مراد وہ کفار ہیں۔ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے
 کہ ان کی استعداد خراب ہے۔ ان کا خاتمہ کفر پر ہونے والا ہے۔ ان سمیت قریش، بنی نضیر، بنی
 ابوجہل جیسے کافر مراد ہیں۔ جن کا خاتمہ حالت کفر پر ہوا۔

بعض مفسرین کلام فرماتے ہیں۔ کہ ان آیات میں یہودیوں کی طرف اشارہ ہے۔ جب
 قرآن کریم نازل ہوا تو انہیں اسلام کی دعوت پیش کی گئی۔ مگر وہ جانتے بوجھتے ہوئے ایمان نہ
 لائے۔ اس لئے ان کا ذکر آدمی کے جنوں نے اسلام قبول کیا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم پہلی کتابوں
 پر ایمان لائے ہیں۔ لہذا ہمیں اس کتاب یعنی قرآن پاک پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہے
 وہ انتہائی درجے کے متعصب لوگ تھے۔ یہ روش انہوں نے عباد کی وجہ سے اختیار کی۔
 چنانچہ اس سورۃ مبارکہ میں کثرت سے یہود کا ذکر آئے گا۔ بلکہ اس سورۃ کا موضوع ہی یہود کی
 اصلاح ہے۔ یہود کا ذکر یہ کہ انہیں اس سے شروع ہو کر اختتام پارہ اور پھر
 دوسرے پارے تک چلا گیا ہے۔

ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔
 تو پھر انہیں اسلام کی دعوت دینے کا کیا جواز رہ جاتا ہے۔ بلکہ انہیں دعوت دینا تو خلاف انصاف
 معلوم ہوتا ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔ کہ یہود کے مذہب
 کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے۔ کہ وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں
 ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے وہ ایمان سے محروم رہیں گے۔ اس کی مثال ایسے
 ہی ہے۔ جیسے کوئی ماہر ڈاکٹر یا طبیب کسی مریض کو دیکھ کر بتائے کہ اسے ٹی بی کا مرض لاحق
 ہے۔ مگر اب یہ تین درجے عبور کر کے چوتھے درجے میں داخل ہو گیا ہے۔ اس مریض کی موت

یعنی ہے۔ ظاہر ہے کہ بعض کی ہلاکت ڈاکٹر کے کئے سے نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کی موت کا سبب تو وہی ہوگا۔ نبی سے جس میں وہ مبتلا ہے۔ یا اس میں مزید دخل اس کی بد پریشی یا بے اعتدالی کو بہکا جو اس نے اختیار کی، اسی طرح کفار کے ایمان نہ لانے کا سبب ان کی اپنی رکوش ہے اور کہ اللہ کافران۔

الغرض! افْرِیْاَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے برابر ہے وَ اَنْذَرْنٰهُمْ اَمْرًا لَّمْ یُنْذِرُوْهُمْ اَپْ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں لَیُّوْمَ یُنْفِیْوْنَ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

مہر لگانے کا مطلب

انہیں کفار کے متعلق ارشاد ہوتا ہے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ و عَلٰی سَمْعِهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے و عَلٰی اَبْصَارِهِمْ عِشَادٌ اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ یہاں پر یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی اُن کے دلوں پر اور کانوں پر مٹھے لگا دیے ہیں، اور آنکھوں پر پر مٹھے ڈال دیے ہیں۔ تو پھر ان سے کتنا ایمان لازماً جاہلیت اختیار کرو۔ کہاں تک درست ہے۔ اس کا حل مغربیوں کو کام پر بیان کرتے ہیں۔ کہ مہر لگانا یا پردہ ڈالنا بطور سزا کے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے عباد اور سرکشی کی وجہ سے مٹھے لگائے ہیں۔ کسی کو ماں کے بیٹ میں ہی مہر لگا کر ہدایت کا راستہ بند نہیں کر دیا۔ قرآن و حدیث میں اس بات کی تصریح موجود ہے حدیث شریف میں آتا ہے۔ کُلُّ مُوَلُوْدٍ یُّوَلَّدُ عَلٰی الْفِطْرَةِ ہر بچہ فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر وہ ماحول اور تربیت کے مطابق یہودی، مجوسی یا کھنضیاتی وغیرہ ہوتا ہے۔ اس کے اندر تغیر و تبدل واقع ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی فطرتِ سلیمہ کو بگاڑ دیتا ہے۔ اور کفر، شرک اور نفاق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک میں موجود ہے بَلَّ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَیْہَا یَکْفُرْہُمْ اللہ تعالیٰ نے اُن کے کفر اور اس پر اعتراض کی وجہ سے مٹھے لگا دیئے کہ روزِ اول سے ہی انہیں جلاوجہ مہر بند کر دیا۔ قرآن پاک کی آیت بتاتی ہے۔ لَقَدْ کُنَّا اَوَّلٰی جس

طرف جانا پڑتا ہے۔ خدا اسی طرف کی توفیق دیتا ہے۔ توفیق تو خدا تعالیٰ کی طرف سے
 ہوتی ہے۔ مگر ارادہ تو انسان کا ہوتا ہے۔ اور ارادے کی مدد انسان کو اختیار دیا گیا ہے۔
 شریعت کی اصطلاح میں اسے کہتے ہیں۔ گویا ارادہ انسان کا اپنا ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ
 توفیق دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے **وَفَضَّلَهُمْ جَهَنَّمَ** آخر کار اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔
 اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اختیار کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک تندرست آدمی
 اپنے ارادے اور اختیار سے ہاتھ اٹھاتا ہے۔ اور مدرسہ انجمنِ بحث کامریض ہے۔ اور اس کا پاتھ
 غیر ارادی طور پر حرکت کرتا رہتا ہے۔ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اگر کوئی تندرست
 آدمی اپنے پاتھ سے کوئی نقصان کرے، کوئی بدن ترے کسی کو تھپڑ مارے تو وہ اس فعل کا
 ذمہ دار ہوگا۔ اور قابلِ گرفت ہوگا۔ برخلاف اس کے کسی بے رحمی والے آدمی سے غیر ارادی طور
 پر کوئی نقصان ہو جائے تو وہ قابلِ مواخذہ نہیں ہوگا۔ وہ تو بجاہر مجبور ہے۔ اس کے ہاتھ سے
 تو ارگہر کسی کی طاقت کا سبب بھی بن جائے۔ تو اس کے ذمے قصاص نہیں ہوگا بلکہ نیت ہو
 گی، معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو جو محدود اختیار دیا گیا ہے۔ اسی کو شریعت میں
 کسب کہا جاتا ہے چنانچہ جو شخص لغائی بوش و عواس اپنے ارادے سے صحیح طرے سے روگردانی کرتا ہے
 تو پھر اللہ تعالیٰ منرا کے طور پر اس کے دل اور کانوں پر مہر لگا دیتے ہیں اور آنکھوں پر پردہ مل
 کر دیتے ہیں۔ مہر لگانے کا یہی مطلب ہے۔

دلوں کی سیاحی

مسلم شریعت کی روایت میں آتا ہے **لَمْ يَرْضَ الْغَيْثُ عَلَى الْقَلْبِ كَالْخَصِيرِ**
هُوَ دَاْعُوْدَا دلوں پر فتنے وارد ہوتے ہیں جس طرح شکار کا جوڑ کر چٹائی تیرا ہوتا ہے اسی
 طرح دلوں پر فتنے یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان گمراہ ہو جاتا ہے
 اور اس کے دل پر ٹھہر لگ جاتا ہے۔ یہ فتنے گمراہی کی باتیں ہیں جو ایک ایک کر کے انسان
 پر حملہ آور ہوتی رہتی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص ان فتنوں کو قبول کر جاتا ہے اس کا
 دل سیاہ ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ پورے کا پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور انسان اس سیٹیج

پہنچ جاتا ہے۔ جہاں نیکی کو نیکی نہیں سمجھا اور بُرائی کو بُرائی نہیں جانتا، اس کی مثال ایسی ہے جیسے
 لڑنے کو لڑنے کے رکھ دیا جائے یعنی مینہ اور بار نہ نیچے کی طرف کر دیا جائے۔ تو اس میں کوئی
 چیز نہیں سما سکتی۔ اسی طرح انسان کو دل بھی الٹا ہو جاتا ہے۔ نیکی کی کوئی بات اس میں جگہ نہیں پاتی۔
 برخلاف اس کے جو شخص دل پر دار دہسنے والے فتنوں کو قبول نہیں کرتا، اس کا دل ٹھیک
 کی طرح سفید ہو جاتا ہے۔ اُسے کوئی فتنہ نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

ایک دوسری حدیث میں حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ پہلی مرتبہ گناہ کا ارتکاب
 کر لے۔ تو اس کے دل پر سیاہ داغ پڑ جاتا ہے اگر بندہ توبہ کرے، اللہ تعالیٰ اسے اپنے گناہ کی معافی دے گا
 لے تو سیاہ داغ قفل جاتا ہے اور دل پھر سفید ہو جاتا ہے۔ اور اگر توبہ کرنے کی بجائے دوبارہ گناہ کا
 مرتکب ہو تو سیاہ داغ بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح ہر گناہ کے ارتکاب پر دل کی سیاہی میں اضافہ
 ہوتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **اَسْحَاطَتْ**
بِهِ خَطِيئَتُهُ۔ اس کے گناہوں نے اس کا احاطہ کر لیا ہے۔ اس کا دل محسوسیت، کفر اور
 شرک میں گھر گیا ہے۔ اسی حالت کے متعلق فرمایا: **كَلَّابٌ خَتَرَانٌ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْفُرُونَ**
 خبردار! ان کے دل پر زنگ پڑھ گیا ہے۔ اور اس کی وجہ ان کا اپنا کیا دھڑا ہے۔ یہی وہ
 شیخ ہے جس کے متعلق فرمایا: **خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ** یعنی اللہ تعالیٰ نے بطور سزا
 ان کے دلوں پر مہر لگا دیا ہے۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے انسان کے تین اہم اعضاء یعنی دل، کان اور آنکھوں کا ذکر کیا
 ہے۔ دل محض گوشت کا ایک ٹھکانہ ہی نہیں بلکہ اس کو عقل، قلب اور فواد سے بھی تعبیر کرتے ہیں
 حقیقت یہ ہے کہ سوچ کا تعلق دماغ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور قوتِ ارادہ کا تعلق قلب کے ساتھ
 ہوتا ہے۔ اسی قوتِ ارادی کو فواد کہا گیا ہے قرآن پاک میں موجود ہے: **إِنَّ الشَّعْجَ وَالْبَصَرَ**
وَالْفَوَادَ كُلٌّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُورٌ۔ یاد رکھو! کان، آنکھ اور دل سب کے متعلق مال
 ہو گا۔ یہ اعضاء اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہیں۔ انسانی جسم میں یہی چیزیں علم کے ذرائع ہیں۔ اگر یہ

چیزیں نہ ہوں تو انسان کی کچھ حقیقت نہ ہو۔ یا اگر اللہ تعالیٰ یہ اعضا عطا کرے اور ہر انسانی
اُن سے کام ہی نہ لے تو اُس کی مثال قرآن پاک نے یہی بیان فرمائی: **مَنْ جَعَلَ مِثْقَالَ عِصْيَانٍ**
ایسے لوگ بہرے ہیں، گونگے ہیں اور اندھے ہیں۔ **فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ** کہ یہ عقل سے کام
ہی نہیں لیتے۔ گویا کافروں کی مذمت کی ہے۔ مگر ان کی حالت یہ ہے اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت دی
ہیں کہ انسان دل کے ساتھ سمجھے اور غور کرے۔ کیونکہ یہ دل ہی منبع اخلاق ہے۔ اسی لیے اللہ
تعالیٰ نے سزا کے ذکر میں **تَطْلُعُ عَلَىٰ أَثَٰثٍ مِّنْ دُونِهَا** یعنی جنم کی آگ کا اثر سب سے پہلے ایسے
لوگوں کے دلوں پر ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے قلب جیسے مرکز اخلاق کو بگاڑا، تو جنم کی آگ کا اثر بھی
پہلے دل پر ہی ہوگا۔ جسم کے باقی حصوں یعنی ہاتھ پاؤں پر آگ کا اثر دوسرے نمبر پر ہوگا۔

اعضائے زیر
میں سے قلب
کی اہمیت

حدیث شریفین میں حضور علیہ السلام کا ارشاد درگرمی ہے کہ انسان کے جسم میں ایک قطرہ ہے
اگر وہ درست ہو۔ تو سارا جسم درست ہوگا اور اگر یہ قطرہ بیمار ہے تو سارا جسم بیمار ہوگا۔ **مَنْ دَبَّرَ**
اِنَّ وَهِيَ الْقَلْبُ سنو! وہ قطرہ اول ہے۔ حسن و قبح کا سلا دوار و مدار دل پر ہے۔ محبت اور
نفرت کے تمام جذبات دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا سارا معاملہ دل
سے تعلق رکھتا ہے۔ دل کے ذریعے انسان سمجھتا ہے۔ اور کان کے ذریعے اللہ تعالیٰ معلومات
بہم پہنچاتا ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت۔ نبی کی حدیث، واعظ کا وعظ وغیرہ سب چیزیں کان کے
ذریعے سے سنی جاتی ہیں۔ لہذا کان کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اسی طرح آنکھ بھی بہت بڑی نعمت
ہے۔ انہیں کے ذریعے انسان قدرت کی عظیم نشانیاں دیکھتا ہے۔ کہتے ہیں پڑھتا ہے۔ اگر آنکھیں
نہ ہوں تو ساری دنیا گھپ اندھرا ہو جاتی ہے۔ دل کی اہمیت کے متعلق علامہ اقبال مرحوم کہتے ہیں:۔
۔ غافل تر سے زمر و مٹمانِ نذیرہ ام۔ دل درمیانِ سینہ او بیجا نہ دل است
کہ میں نے مٹمان سے زیادہ غافل کسی کو نہیں دیکھا۔ کہ دل جیسی عظیم دولت اس کے سینے میں
موجود ہے۔ مگر وہ اس سے غافل ہے۔ مے شعور ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کتنی بڑی نعمت
اس کو عطا کی ہے۔

الفرض! اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم نعمتیں انسان کو ودیعت کی ہیں۔ یہ اس کے لیے حصول علم کے ذرائع ہیں۔ جو شخص ان ذرائع کو ضائع کرتا ہے۔ اس کی مثال حسرت مولانا اشرف علی تھانیؒ نے یوں دی ہے۔ جیسے کوئی امیر کبیر کسی کی تخواہ مقرر کرے۔ کہ بجائی تم غریب دہرہ ہا یہ دھڑلہ مہل کر لیا کرنا۔ وہ شخص ہر مہینے اپنا مشاہرہ وصول نہ کر رہتا ہے۔ بجائی کسی مصروف میں لانے کی بجائے اسے ٹھٹھے میں پھینک دیتا ہے۔ دیپانی میں ڈبو دیتا ہے۔ امیر دیتا رہتا ہے اور غریب ضائع کرتا رہتا ہے۔ آخر کار اس امیر کو کسنا پڑے۔ کہ یہ شخص کس قدر نیک حرام ہے۔ کہ میں نے اس پر جسم کرتے ہوئے اس کا وظیفہ مقرر کیا ہے۔ مگر یہ اُس سے فائدہ نہیں اٹھاتا چنانچہ اس کا وظیفہ بند کر دیتا ہے۔ مگر اس کے باوجود اُس شخص کو انوس بلکہ احس تک نہیں ہوتا کہ اُس کی آمدنی ختم ہو گئی ہے۔ تو اس قسم کے شخص کے متعلق سوائے اس کے۔ اور کیا کہا جائے گا کہ یہ بوقوف سزا کا ہی مستحق ہے۔

یہی حالت اُس شخص کی ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے دل عطا کیا۔ کان اہم انھیں دین مگر وہ ان سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ ان کو برف کا زینیں داتا۔ تو آخر اس کا نتیجہ ہوگا کہ یہ نعمتیں سلب کر لی جائیں گی، اور ایسا شخص نیک حرام قرار پائے گا۔ یعنی وہ حالت ہے۔ جسے متعلق فرمایا کہ اُن کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی گئی ہے۔ اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا ہے۔ لہذا اُن کے لیے عذاب عظیم مقرر کر دیا گیا ہے۔ یہ اسی کے مستحق ہیں۔

یہاں پر جن تین اعضاء کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں قلوب جمع ہے۔ سمع و اہد اور البصائر جمع کا صیغہ ہے۔ کہنے میں کہ قلوب کی حالت تو ہر شخص کی الگ الگ ہے۔ لہذا بہت لوگوں کی وجہ سے اسے جمع فرمایا۔ ”وہ ان اگرچہ ہر انسان کے دو ہیں مگر ان دونوں کی بہت اکٹھی ہوتی ہے۔ ان کا مرکز ایک ہے۔ لہذا اس کے لیے واحد کا صیغہ بولا۔ اور انھیں دونوں الگ الگ ہیں ان دونوں سے اکٹھا بھی کام لیا جاسکتا ہے۔ اور ایک کو بند کر کے کسی ایک سے بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ لہذا ان کے لیے جمع کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ پہلے دو اعضاء یعنی دل اور

کانوں کے متعلق فرمایا کہ ان پر پتھر دگا دیا گیا ہے۔ اور آنکھوں کے متعلق فرمایا کہ جو لوگ ان کو استعمال نہیں کرتے ان پر پردہ ڈال دیا ہے۔ ان کو کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ یہ کفر، شرک اور برائی کا پردہ ہے۔ جو آنکھوں پر پڑا ہوا ہے۔ صحیح بات نظر ہی نہیں آتی۔ جب کسی شخص کی یہ حالت ہو جاتی ہے۔ تو ایسے ہی لوگوں کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ان کے لیے بہت بڑی سزا ہے۔ جو آگے چل کر انہیں ملے گی۔

ان دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے دوسری قسم کے گمراہ انسان کا حال بیان فرمایا۔ جنہوں نے ظاہر اچھا باطن کفر کو اختیار کیا۔ اور ہدایت سے محروم ہے۔ ان کی سزا کا ذکر بھی اجمالاً کر دیا۔ اہل الفاظ کے دشمن میں وجوہات بھی ذکر کر دیے۔ ان کا حال محنت طلب پر بیان فرمایا ہے۔ آگے منافقین کا ذکر آئے گا۔ چونکہ یہ زیادہ خطرناک گمراہ ہے۔ اس لیے ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ یہ تیسرا گمراہ ہے۔

السماء
دریں ششم

البقرة

رأیت ۱۲۸

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ
بِمُؤْمِنِينَ ۝۸ يَخْدَعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ
إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝۹ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ
فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱۰ أَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ آيَةٌ ۝۱۱ وَلَئِن كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ
فَتَقَبَّلْوهُ ۝۱۲

ترجمہ: اور بعض لوگوں میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ
پر اور قیامت کے دن پر حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں ۝۸ وہ دھوکا دیتے ہیں
اللہ کو اور اُنی لوگوں کو جو ایمان لائے اور حقیقت میں وہ نہیں دسکتے مگر اپنی
جاذبوں کو، اور وہ سوچتے بھی نہیں ۝۹ ان کے دلوں میں بیماری ہے۔ اللہ تعالیٰ
نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اس
وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں ۝۱۰ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں
خدا نہ کرو تو کہتے ہیں بیشک ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں ۝۱۱ سنو!
بیشک یہی لوگ خدا کرنے والے ہیں بلکہ یہ سمجھتے نہیں ۝۱۲

ہدایت کے اعتبار سے انسانوں کے تین گروہوں کا ذکر چاہئے۔ پہلا گروہ وہ ہے
جو ظاہر اور باطن ہدایت کو قبول کرتے ہیں، وہ مومن و متقی کہلاتے ہیں۔ سورۃ البقرہ کی پہلی پار
آیتوں میں ان کا حال بیان ہو چکا ہے۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو ظاہر اور باطن ہدایت الہی کا انکار
کرتا ہے۔ وہ کافروں کا گروہ ہے۔ اگلی دو آیات میں ان کا حال بیان ہو چکا ہے اب ان
آیات میں تیسرے گروہ منافقین کا ذکر ہے جو ظاہر میں تو ہدایت کو تسلیم کرتے ہیں مگر

کے باطن میں کفر ہوتا ہے۔ اگلی تیرہ آیات میں منافقین کی خرابیاں، ان کی سازشوں اور چال بازیوں کا حال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مثالوں کے ذریعے سارا معاملہ سمجھایا ہے۔

قرآن کریم میں منافقین کا حال مختلف سورتوں میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ بعض سورتیں صرف منافقین کے نام پر ہیں مثلاً سورۃ منافقین۔ اسی طرح نزول کے اعتبار سے آخری سورۃ توبہ میں بھی منافقین کی سازشوں سے آگاہ کیا گیا ہے۔ اور ان سے خبردار رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔

امام ابو بکر جصاصؓ بہت بڑے مفسر قرآن ہوئے ہیں۔ امام یزید بن مبرّد بھی بہت بڑے عالم گزشتہ ہیں انہوں نے علوم عربیہ میں کامل نامی عظیم کتاب لکھی ہے۔ یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ نفاق کا اشتقاق تَأْفِقُ الْإِثْرَيْنِ ہے جس کا معنی ہے جنگلی چوہے کا پل، بشور ہے کہ گوہ یا جنگلی چوہے کے چار پل (سوراخ) ہوتے ہیں جن کی وجہ سے یہ شکاری کو دھوکا دیتا ہے یہ کسی ایک سوراخ سے ظاہر ہوتا ہے۔ شکاری اس کو کھوٹتے ہیں، تو وہ کسی دوسری طرف غائب ہو جاتا ہے۔ منافق کا حال بھی یہی ہے۔ یہ شرک کو پوشیدہ رکھتا ہے۔ اور ایمان کو ظاہر کرتا ہے جنگلی چوہے کی طرح یہ بھی خَدَّاعٌ یعنی دھوکے باز ہوتا ہے۔ شریعت میں منافق کی تعریف اس طرح کرتے ہیں لِمَنْ يَظْهَرُ الْإِيْمَانُ وَيُخْفِي الْكُفْرُ جو ایمان کو ظاہر کرتا ہے اور کفر کو چھپاتا ہے۔

اب منافق کی کئی قسمیں ہیں۔ پہلی قسم کا منافق وہ ہے جو ایمان کو ظاہر کرتا ہے مگر باطن میں کفر بھرا ہوا ہے۔ اور وہ اس پر مطمئن ہے۔ دوسری قسم کا منافق وہ ہے جو ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے متنبہ ہوتا ہے۔ وہ ظاہر اور باطن خشک میں ہوتا ہے ایسا منافق تَعَدُّ بَيْنَكَ بَيْنِي ذَلِكَ کا مصداق ہوتا ہے۔ ان دونوں قسم کے منافقین کا نفاق شدید ہوتا ہے ان کا اعتقاد غائب ہوتا ہے۔ اور اس مقام پر جن منافقین کا ذکر ہے۔ وہ یہی اعتقاد ہی منافق ہیں۔ جن کے عقیدے میں کفر بھرا ہوا ہے۔

منافقین کی
قسمیں

تیسری قسم کا منافق وہ ہے جو اخلاقی اور عملی منافق ہوتا ہے ایسا شخص اپنے گناہوں کی وجہ سے آخرت کے نقصان کو دنیا کے نقصان پر ترجیح دیتا ہے۔ اور دنیا کے نفع کو آخرت کے نفع پر ترجیح دیتا ہے۔ یہ ایسے منافق ہوتے ہیں کہ اگرچہ ان میں ایمان موجود ہوتا ہے مگر یہ لوگ آخرت کو دنیا پر ترجیح نہیں دے سکتے۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ
الْآخِرِ بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے
ہیں وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ حالانکہ وہ کومن نہیں ہیں۔ ایسے لوگ دھوکے باز ہیں۔
يُخٰدِعُونَ اللّٰهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا یہ اللہ تعالیٰ اور ایمانداروں کو دھوکا دیتے ہیں۔ مگر
حقیقت یہ ہے وَمَا يَخْدَعُونَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ کہ یہ اپنی جانوں کو دھوکا دے رہے
ہیں۔ یہ لوگ خدا تعالیٰ یا ایمان والوں کو کیا بگاڑیں گے۔ یہ تو اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ اور اپنا
سہی انجام خراب کر رہے ہیں۔ اور یہ سوچتے بھی نہیں وَمَا يَشْعُرُونَ یہ اتنا شور بھی نہیں مکتے
کہ خود اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ آخرت کو برا دیکر کہے ہیں فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَمٌ ان کے
دلوں میں بیماری ہے۔ اور یہ بیماری شک کی بیماری ہے۔ اکثر صحابہ کرام خصوصاً حضرت عبداللہ
بن مسعودؓ نے یہی معنی کیا ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں شک ہے۔

نفاق کی بیماری جسمانی بیماری نہیں بلکہ دین کی بیماری ہے۔ جس طرح اجسام کی بیماریاں
ہوتی ہیں۔ اسی طرح دین اور عقیدے کی بھی بیماریاں ہوتی ہیں۔ تو اس بیماری سے مراد عقیدے
کی بیماری ہے۔ امام بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اعتدال کی حالت سے نکل جاتا ہے۔ وہ
بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جسم کے مختلف عناصر اور اجزاء جب تک اعتدال پر قائم رہیں انسان
کی صحت درست رہتی ہے۔ اور جب یہ اعتدال خراب ہو جائے تو جسم بیمار ہو جاتا ہے۔ عقیدے
کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ جب آدمی اعتدال کا راستہ چھوڑ دیتا ہے۔ تو پھر بدعتیگی، حسد،
کینہ اور گناہوں کے ساتھ محبت کا راستہ کھل جاتا ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جو انسانوں کو

خصیت کی باتوں سے روکتی ہے۔ اور ابدی اور حقیقی زوال کا باعث بنتی ہے۔ اسی لیے عربی زبان میں مَرَضٌ کا لفظ نفاق پر بھی بولا جاتا ہے۔ کہنے اور حسد کو بھی نفاق کہتے ہیں۔ نفاق کا کلمہ یہ ہے کہ خیر کو ظاہر کرتے اور شر کو چھپاتا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان چھائی کا کام کر رہا ہے۔ مگر باطن میں فتنہ پوشیدہ ہوتا ہے۔

مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں، کہ اس آیت سے دل کی بیماریوں کا پتہ چلتا ہے۔ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ ان کے دلوں میں بھی بیماری ہوتی ہے۔ اور یہ بیماری سون، صغرا وغیرہ کی ظاہر بنی بیماری نہیں ہوتی جو ظاہری جراثیم سے پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ اس کے محرک باطنی جراثیم ہیں گناہ ہوتے ہیں۔ اور سب سے بڑے گناہ شرک، کفر، نفاق، شک، تردد اور اتحاد وغیرہ ہیں۔ اور ان سے پیدا ہونے والی روحانی بیماریاں ہوتی ہیں۔

فرمایا فَرَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری کو بڑھا دیا کیونکہ اللہ کی سنت اسی طرح جاری ہے۔ کہ جب علاج نہیں کیا جاتا تو بیماری بڑھ جاتی ہے دیکھ لیجئے اسلام کو ترقی نصیب ہو رہی ہے۔ مگر منافقوں کی بیماری مددِ بدوڑ بڑھتی جا رہی ہے۔ ان کے باطن میں پوشیدہ حسد اور کینہ، اسلام کی مخالفت اور بدعتیہ کی بڑھتی جا رہی ہے۔ اسی کو فرمایا فَرَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا اب اس بیماری کا نتیجہ یہ ہوگا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ اگر ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ اور یہ سزا انہیں اس جرم کی پاداش میں ملے گی۔ يَسْمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ زبان سے حق کا اقرار کرتے تھے۔ اہل ایمان کی رفاقت کا دم بھرتے تھے۔ مگر دل سے کفر کے ساتھ ہوتے تھے۔ گویا وہ زبان سے جھوٹ بولتے تھے۔ چنانچہ فرمایا ان کے اس جھوٹ کی وجہ سے انہیں مذناک عذاب کا سزا چھنا ہوگا۔ یہ ان کے نفاق یا حسد یا کفر کی سزا ہے۔

فرمایا حقیقت یہ ہے۔ کہ منافقین اپنے نفاق کی وجہ سے فساد فی الارض کے مرتکب ہو رہے ہیں اور اس سلسلے میں جب ان سے کہا جاتا ہے وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا

فِي الْأَوْصِيَاءِ كَرَمٍ مِّنْ فَخْرٍ بَرَاءٍ كَرِيمٍ قَالُوا لَا تَمَازِنُ مَعْصِيَتَهُمُ تَوَكُّعُهُمْ هَلْ يَسْتَوِي
کون کر سکتا ہے۔ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔

فناور اصلاح متضاد چیزیں ہیں۔ اعتدال کی حالت کو اصلاح اور اعتدال سے
خروج کو فساد کہتے ہیں۔ لڑائی بھڑکانا، فتنہ برپا کرنا، کافروں سے دوستی، مسلمانوں سے دھوکا،
ان کے رازوں کا افشاء، گنہگاروں کا انکار، بن کی امانت، قوانین شریعت کی خلاف ورزی یہ
سب فنا و فی الارض کے کام ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک فلاح اور اصلاح محض معاش
کی درستگی ہے۔ یہ لوگ نظام حق کو لگاڑتے ہیں۔ عبادت الہی کی بجائے کفر و شرک کے مرتکب ہوتے
ہیں۔ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ یہی فساد ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ مفسرین کرام سے روایت کرتے ہیں کہ اصل صلیح الاوصیاء
وَالْمُتَّقِينَ بِالْعَاقِلَةِ زَيْنِ دَاسَانَ کی اصلاح اطاعت کے ذریعے سے ہو سکتی ہے۔ اطاعت
ہوگی تو بعض دھوکے معاملات درست ہوں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے قانون اور اس کے رسول کی
اطاعت نہیں ہوگی، تو زمین پر فساد کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ اور منافق یہی کچھ کرتے ہیں۔

منافقین کی
دھوکہ دہی

اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا يَخْلِدُونَ فِي الْأَرْضِ يَدْعُونَ إِلَهُ اللَّهِ يُهْلِكُهُمْ دُحُوكُهُمْ
دھوکا تو دیا دیا جاسکتا ہے۔ جہاں کوئی حالات سے ناواقف ہو۔ اللہ تعالیٰ تو علیم کل ہے اسے
دھوکا کیسے دیا جاسکتا ہے۔ اس اشکال کے متعلق امام بیضاوی اور دیگر مفسرین کرام فرماتے
ہیں کہ اللہ کو دھوکا دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کو دھوکا دینے میں اور وہ اس
طرح کہ زبان سے کہتے ہیں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں آپ کے بیروکار اور فدائی ہیں، مگر قلب کفر
سے بھر پور ہے۔ ایمان کی مقدار ایک رائی کے دانے کے برابر ہی نہیں ہے۔ اور دینے والے
کے طور پر بھی کہہ سکتے ہیں کہ جہاں اللہ کو دھوکا دیتے ہیں۔ وہ گویا اللہ تعالیٰ کو دھوکا دیتے ہیں۔ مقصد
یہ کہ اللہ کے رسول کو دھوکا دیتے ہیں۔ قرآن پاک میں اس کی مثال موجود ہے إِنَّ الَّذِينَ
يُبَايِعُونَكَ إِتْمَاعًا يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ يَعْنِي اُسے پیغمبر اور لوگ آپ کے دست مبارک

پر بیعت کرتے ہیں، وہ گویا اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ اسی طرح فرمایا: مَنْ يَفْطِجِ
الْاِسْمَ مَوْلًى فَتَدَاخِلَهُ اللّٰهُ جَسَدًا لِّرَسُولٍ جَسَدًا لِّرَسُولٍ لِّاِطَاعَتِ كِي اُس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت
کی۔ کیونکہ رسول خدا کا نائب اور اس کا پیغام مطلق تک پہنچانے والا ہوتا ہے۔ اور وہ تمام امور کی
رضا کے لیے انجام دیتا ہے۔ اسی طرح اللہ کو دھوکا دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کے
رسول کو دھوکا دیتے ہیں۔

منافقین کا طریقہ واردات بھی وہی ہے۔ جو ایک عام دھوکا باز کا ہوتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں۔
کہ اس طریقہ سے ہم اپنے مفاد بھی حاصل کر لیں گے۔ اور ہمیں نقصان بھی نہیں پہنچے گا۔ اس طرح
ہم اس بعقیدگی پر قائم رہ سکیں گے۔ گویا اسلام کا دھوکے بھی کرتے ہیں۔ اور کفر کے پروگرام کو
بھی ساتھ ہی جاری رکھتے ہیں

حالانکہ یہ دو متضاد پروگرام ہیں اور کسی صورت میں ان کے درمیان ہم آہنگی پیدا نہیں ہو
سکتی۔ اسلام کا پروگرام نہایت ترقی یافتہ پروگرام ہے۔ جب کہ کفر انتہائی رجعت پسند نظام
ہے۔ یہ دونوں اکٹھے نہیں چل سکتے۔

ایک طرف توحید، ایمان، اور تقویٰ کا پروگرام ہے۔ اور دوسری طرف کفر، شرک اور باطنی
بیادلوں کا نظام ہے۔ معاصی اور جنگ و جدل کا نظریہ رکھنے والے یہی لوگ فساد فی الارض کے
مرتکب ہوتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ
اصل فساد ہی ہیں۔ جو زبان سے اسلام کا نام لیتے ہیں وَلٰكِنْ لَا يَشْعُرُوْنَ مَعْرِ
یہ لوگ سمجھتے نہیں ان کا نفاق ظاہر ہو چکا ہے اور فساد ثابت ہو گیا ہے۔

غور سے دیکھا جائے تو آج کل کی حکومتیں بھی اسی نفاق کا شکار ہیں۔ یہ یہی حق و باطل کو
بیجا کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ حالانکہ یہ ممکن نہیں۔ خود ہماری حکومت کا کیا حال ہے۔ اسلام
کا نام بھی لیا جا رہا ہے۔ اور یورپ کے غیر اسلامی پروگرام بھی ساتھ چل رہے ہیں انگریز کا قانون بھی
راج ہے۔ اور اسلامی قوانین بھی جاری کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ دونوں پروگرام اکٹھے
نہیں چل سکتے۔ صرف ایک نظام کو اپنایا ہو گا۔ ورنہ فساد فی الارض کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو گا۔
اسی طرح اسلام کے نظام تعلیم اور انگریزی تعلیم کو بیجا چلانے کی کوشش کی جا رہی ہے ایک

دو حکومتیں
پرنفاق

نظام کا معنی ہی خدا ہے اور دوسرے کا ایمان تو یہ اٹھنے کیسے ہو سکتے ہیں جب تک تمام باطل نظاموں کو ختم کر کے صرف اسلامی نظام کو قائم نہیں کریں گے۔ کبھی فلاح حاصل نہیں ہو سکتی۔ میں نے یہ بات اشارہ کر دی ہے۔

عذاب عظیم اور
عذاب الیم
میں فرق

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس سے قبل کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں فرمایا "وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ" اور منافقوں کے متعلق فرمایا "وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ" یعنی کافروں کے لیے بڑا عذاب ہے۔ اور منافقوں کے لیے دردناک عذاب۔ اس کے متعلق شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ کافر مردود اور مجرم اذلی ہے۔ اس کی استعداد تو ابتدا ہی سے خراب ہے۔ کافروں نے اپنی استعداد کو بگاڑ کر باطل محمدی کی حالت اختیار کر لی ہے۔ لہذا ان کے لیے عذاب اول سے آخر تک بڑا ہی ہوگا۔

جہاں تک منافقین کا تعلق ہے۔ ان میں استعداد تو موجود تھی مگر انہوں نے اس استعداد میں بگاڑ پیدا کر کے اپنے اندر خود محمدی پیدا کر لی، جب سرکاری تربت آئے گی، تو ان کو اس احساس ہوگا اور دکھ پیدا ہوگا کہ انہوں نے اس استعداد کو موجود تھی مگر ہم نے اس کو نظر انداز کر دیا لہذا ان کو عذاب ہوگا، یعنی جس قدر احساس ہوگا، اسی قدر تکلیف ہوگی۔

اس کے علاوہ مفسرین کرام ایک اور بات بھی بیان فرماتے ہیں کہ کافروں نے تو ایمان کا ذائقہ چکھا ہی نہیں۔ وہ تو اول و آخر کافر ہی ہے۔ برخلاف اس کے منافقین نے اگرچہ دل سے حق کو قبول نہیں کیا، مگر زبان سے تو ایمان کا ذائقہ چکھا ہے۔ اور جو آدمی کسی چیز کا ذائقہ چکھ لیتا ہے اس کا حکم اور ہوتا ہے۔ لہذا ان کے لیے عذاب الیم مقرر کیا گیا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ بکثرت پھل پیدا کرنے والے علاقے کے لوگ کسی ایسی جگہ جاتے ہیں جہاں ایسے پھل نہیں ہوتے۔ تو انہیں احساس محمدی ہوتا ہے۔ اور بڑی تکلیف پہنچتی ہے۔ بڑا مشورہ واجب ہے کہ ابدالی نے جب پانی پت کا مہر کر سکیا۔ تو دلی کے بعض لوگوں نے کہا کہ آپ یہیں ٹھہر جائیں۔ تو انہوں نے یہ تاریخی جملہ کہہ دیا: "اے جاننا، قنہ صابر کجاست" یعنی یہاں قنہ صابر کا انار کمال ہے۔

جو میں یہاں قیاد کروں۔ وہ قہر ساری انار کے ڈالنے سے واقف تھا۔ اس لیے وہ وہاں ٹھہر کر
ڈالنے سے محروم نہیں ہونا چاہتا ہے۔

منافقین کا حال بھی یہی ہوگا۔ چونکہ انہوں نے زبان سے ایمان کا ڈالنا چھیڑا تھا۔ اس
لیے آخرت میں انہیں محرومی کا سخت احساس ہوگا۔ اور اس احساس کی وجہ سے ان کے دکھ درد
درد میں اضافہ ہوگا، اسی لیے اس کو عذاب الیم کہا گیا ہے۔

الْعَمَلُ

درس ہفتم

العلم - ۲۰

آیت ۱۲ تا ۱۶

وَإِذْ قِيلَ لَهُمُ امْنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ
 السُّفَهَاءُ أَلَا أُنذِرُكُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٣﴾ وَإِذْ
 آمَنَ الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شُيَاطِينِهِمْ قَالُوا
 إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُتَهَيِّزُونَ ﴿١٤﴾ اللَّهُ يَسْتَفْهِزُ بِهِمُ
 وَيُمْدِدُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١٥﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ
 اشْتَرَوُا الضَّلَالََةَ بِالْأَمْثِلِ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا
 كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿١٦﴾

ترجمہ: "اور جب ان سے کہا جائے کہ ایمان لاؤ اس طرح جس طرح دوسرے
 لوگ ایمان لاتے ہیں تو کہتے ہیں کیا ہم اس طرح ایمان لائیں جس طرح یہ عورتوں
 ایمان لاتے ہیں بسنو! بیشک یہی لوگ یہ عورت ہیں لیکن یہ جانتے نہیں ﴿۱۳﴾
 اور جب یہ جانتے ہیں کہ ان لوگوں سے جو ایمان لاتے تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان
 لاتے ہیں اور جب یہ متناہوتے ہیں اپنے شیطانوں (سردلوں) کے پاس تو کہتے
 ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں بیشک ہم تو ہنسی کرتے ہیں ﴿۱۴﴾ اللہ ان کے ساتھ
 ہنسی کرتا ہے اور مدد دیتا ہے ان کو ان کی سرکشی میں وہ سرگرداں ہو رہے ہیں ﴿۱۵﴾
 یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے خریدا ہے گمراہی کو ہدایت کے بدلے پس نہیں فائدہ دیا
 ان کو ان کی تجارت نے اللہ نہیں دے یہ لوگ ہدایت پانے والے ﴿۱۶﴾

ہدایت کے اعتبار سے تیسرا گروہ منافقین کا ہے۔ کل بھی ان کا ذکر ہوا تھا۔ اور آج کی آیت
 میں بھی منافقین کا ہی ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی خرابیوں کو زرا تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا
 ہے۔ پہلی آیات میں آیا تھا کہ بعض لوگ زبان سے کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے
 ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی نفی فرمادی ہے۔ کہ یہ لوگ مومن نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ

اور ایمانداروں دونوں سے دعا بازی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو تو دعو کا نہیں دے سکتے اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بھی ان کے دعو کے سے بچا نہ گا۔ کیونکہ ان کا دعو کا ان کی اپنی ہی جانوں پر ہے اور یہ ان باتوں کو سوچتے نہیں۔ ان کے دلوں میں شک، تردد اور تفاق کی بیماری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری کو امداد فرمادیا ہے۔ امداد ان کے لیے غلاب الیم ہے۔ کیونکہ یہ جھوٹ بولتے تھے ظاہر اسلام کرتے تھے مگر ان کے باطن میں کفر تھا۔ ان کی ایک اور بیماری فساد فی الارض تھی جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو، تو اکر جاتے اور کہتے کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں ہمیں کوئی فساد کیسے کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں لوگ فساد میں مگر یہ سمجھتے نہیں۔

حقیقی ایمان

اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی ایک اور غرابی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وَإِنَّمَا كُنَّا لَكُمْ دِينًا كَمَا أَتَيْنَاكُمْ جب ان منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی اسی طرح ایمان لاؤ جس طرح وہ رسول لایا ان کے لیے خالق اللہ تو جواب میں کہتے ہیں أَتُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ آبَاؤُنَا اسی طرح ایمان لائیں جس طرح یہ یوقوف ایمان لائے ہیں فرمایا أَتُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ آبَاؤُنَا اسی طرح ایمان لائیں جس طرح یہ یوقوف ایمان لائے ہیں فرمایا أَتُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ آبَاؤُنَا اسی طرح ایمان لائیں جس طرح یہ یوقوف ایمان لائے ہیں فرمایا أَتُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ آبَاؤُنَا اسی طرح ایمان لائیں جس طرح یہ یوقوف ایمان لائے ہیں۔ یہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ منافقین تو برہان ایمان کا انکار نہیں کر سکتے تھے کیونکہ بظاہر تو وہ ایمان لائے تھے۔ تو پھر وہ یوں کیسے کہہ سکتے تھے کہ ہم یوقوفوں کی طرح کیسے ایمان لائیں۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ ایسی بات برہانگوں کے سامنے نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اپنے خاص محترم آدمیوں کے دربار کرتے تھے جنہیں اپنا راز داں سمجھتے تھے کہ وہ ایسی بات کا بڑا نہیں منائیں گے۔

اس مقام پر ایک اور بحث قابل غور ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں کہ جب ان سے کہا جاتا ہے۔ ایمان لاؤ۔ حالانکہ ایمان کا دعو سے تو وہ پہلے ہی کہتے ہیں۔ تو ایمان لانے کا مطلب یہ ہے۔ کہ محض زبانی طور پر ایمان نہ لاؤ بلکہ حقیقی اور صحیح ایمان لاؤ۔ جیسے دو سر عثمان ایمان لائے ہیں۔ کیونکہ علاج کا دار و مدار اسی ایمان پر ہے۔ لہذا تائید شہادت لغازیہ رباکاری، طلب جادو وغیرہ حقیقی ایمان کی بدولت ہی دفع ہوتی ہیں کسی بطل مقصد کے لیے خالی ایمان کا اظہار بے فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے فرمایا کہ حقیقی ایمان لاؤ۔ یعنی دل کی پوری تصدیق اور اخلاص کے ساتھ ایمان کو قبول

کرو۔ دوسرے مقام پر آئیں یَا ذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمَنُوْا لَیْ اٰیَانَ دِلْوَا اٰیَانَ لَاؤْ
یعنی محض زبانی ایمان کافی نہیں بلکہ حقیقی اور مخلصانہ ایمان اختیار کرو۔

اسی لیے منافقین سے کہا گیا ہے کہ دوسرے لوگوں کی طرح ایمان لاؤ۔ وہ دوسرے لوگ کون
ہیں؟ بلاشبہ وہ حضور علیہ السلام کے صحابہ کرامؓ ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اخلاص کے ساتھ
ایمان لائے۔ ابن عباسؓ جو بہت بڑے مورخ ہیں، انہوں نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہؓ
عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ آیت پاک کا مطلب یہ ہے کہ تم اُس طرح ایمان لاؤ کہ
اَنْتُمْ اَبُو بَکْرٍ وَعُمَرُوْهُ وَعُثْمَانُ وَعَلِیُّہِ سَلَامٌ یعنی جو جس طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ،
حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ ایمان لائے ہیں، اس طریقے پر تم بھی ایمان لاؤ۔ اُن کا ایمان خلوص اور
حقیقت پر مبنی ہے۔ ان کے معیار پر پورے اترو محض زبانی دعوے سے بات نہیں بنتی تم تو
جھوٹے ہو وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ یہ لوگ قطعاً مومن نہیں ہیں۔

اسی سورۃ میں آگے چل کر یہودیوں کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں هٰذَا اٰمَنُوْا
بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ بِہٖ فَقَدْ اٰهْتَدٰوْا اگر یہ لوگ بھی تمہاری طرح ایمان لے
آئیں تو یہ بھی جاہلیں گے۔ یہاں سے معیار حق ہونے والی بات سمجھ میں آجاتی ہے۔
کہ حضور علیہ السلام کے صحابہ کرامؓ خصوصاً خلفائے راشدینؓ معیار حق ہیں۔ یہ اصحاب کبار اگرچہ
نبی کی طرح معصوم و ترسین ہیں، مگر امت کے لیے نمونہ ہیں۔ وہ اپنے اخلاص اور حقیقی ایمان کی
دوسرے اُن فریبوں سے محفوظ تھے۔ جو ایمان کے باوجود انسان کے اندر پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور جن
کی وجہ سے آدمی ناکام ہو جاتا ہے۔ یہاں پر اسی فائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر قرآن پاک میں
فرمایا ہے لَیْسَ کَذٰلَکُمْ اَشْہَدُ اَدَّ عَلٰی الشَّہِیْدِیْنَ وَیَکُوْنُ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَہِیْدًا
شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ جو جاہلوں کو لوگوں کو بتانے لائے
اور معلم اور اللہ کا رسول کہیں بتانے والا ہے نہ

لے تفسیر منشور حسنیت بحوالہ ابن عساکر وغیرہ عزیزی فارسی پارہ ۱ ص ۱۸۱
۱۔ قرآن مجید ترجمہ شاہ عبدالقادر محدثؒ مطبوعہ حق کنبی

کو انسان اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے اندر انس کا مادہ و وحیت کیا گیا ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی یہاں پر ایک نکتہ بیان فرماتے ہیں کہ اس مقام پر سن فتنوں کو کہا جاتا ہے کہ تم بھی اسی طرح ایمان لاؤ جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کسلانے کے وہی لوگ تھے ہیں جو حقیقی ایمان سے محروم ہیں۔ یہی لوگ انسانیت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں، اور انہی کی وجہ سے دنیا کا نظارہ درست رہا ہے۔ جو لوگ حقیقی ایمان سے محروم ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **أُولَٰئِكَ كَانُوا فِي الْأَرْضِ لَسَعَةً**۔ یہ تو جانوروں کی مانند ہیں یا ان سے بھی بدتر۔ یہ انسان کسلانے کے حقدار نہیں ہیں۔ یہ لوگ جانوروں کی طرح کھانے پینے اور جھتی کئے سو کچھ نہیں جانتے۔ لہذا حقیقی انسان وہ ہیں جو حقیقی ایمان کی دولت سے مالا مال ہیں۔

پہلے گزر چکا ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ دوسرے لوگوں کی طرح اسخ ایمان لاؤ۔ تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم یوقوفوں کی طرح ایمان لائیں حالانکہ حقیقت میں منافق ہی یوقوف ہیں۔ مگر انہیں علم نہیں۔ یہ لوگ ایمانداروں کو اس لیے یوقوف سمجھتے ہیں کہ یہ دنیا کے فائدہ سوائے کو چھوڑ کر آخرت کی فکر کرتے ہیں۔ اس کو حاصل کرنے کی تمک و درد میں لگے رہتے ہیں۔ مگر وہ یوقوف یہ بات نہیں سمجھتے کہ عقلندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان نقصان سے بچ جائے اور فائدہ حاصل کئے ایماندار دنیا کے اس عارضی فائدے کی پروا نہ کرتے ہوئے آخرت کے ابدی فائدے کو حاصل کرتے ہیں۔ لہذا صحیح سون میں عقلندی ہی میں اور منافق یوقوف ہیں۔ جو آخرت کو چھوڑ کر عارضی فائدہ کو ہی بجائے دنیا کا عارضی اور فانی فائدہ تلاش کرتے ہیں۔ مگر پہلے آپ کو عقلندی سمجھتے ہیں۔ اور دوسروں کی یوقوف جانتے ہیں۔ اور اس طرح اس فریب سے دنیا کا مفاد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **أَرَأَيْتُمْ هُمْ أَتَشْكُرُونَ حَقِّقَتْ مِنْهُمْ حَقِيقَتٌ مِّنْهُمْ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَمُؤْمِنُونَ**۔ حقیقت حال کو نہیں جانتے۔

اللہ تعالیٰ نے سن فتنوں کو پروہ فاش کرتے ہوئے فرمایا: **وَلَا تَقُولُوا الْبِرَّ نَحْنُ وَكَانَ الْبِرُّ مَخْذُومًا**۔

سن فتنوں کی
دو جہی پالیسی

میں بنی جاتی ہے۔ یہ عربی زبان کی لطافت، بلاغت اور فصاحت ہے۔ اس لئے شاکست کے سہیل
 اس خط: علامہ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ منافقین کے استہزاء کا نقصان انہی کی طرف نہ ملتا
 ہے۔ اللہ عزوجل انہیں لکھتا ہے کہ منافقین کے تمسخر کا خبر خود ان کی طرف نہ آئے۔ وہ نہ کہہ سکیں
 خبر پہنچائیں گے۔ نبی علیہ السلام اور مومنین کو اللہ تعالیٰ ان کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ
 مومنین کو منافقین کی چالوں سے آگاہ کر دے گا، تاکہ وہ اپنے شر سے بچ سکیں۔ **اللَّهُ يَكْفِيهِمْ**
يَهُودَ کا یہی مطلب ہے۔ استہزاء، ہجاء اللہ کا ایک اور مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ
 منافقین کے ساتھ دیا ہی معاملہ کرتا ہے۔ بیجا ٹھیک مذاق کرنے والوں کے ساتھ ہونا چاہیئے جو خود
 منافقین محض زبانی دعوے کی بنا پر جماعت المسلمین میں شریک ہوتے ہیں اور مفاد حاصل کرتے ہیں
 اس لیے اللہ تعالیٰ بھی کہتے ہیں۔ **وَجَبَّ** کو لیا کرنے اور وہ غازیں پر یحییٰ، صدقہ دین، جبار
 میں شرکت کریں۔ مگر ان کا کوئی عمل فیسر نہیں ہو گا۔ کیونکہ وہ دل سے تو ایمان لائے نہیں
 لہذا ان کے ساتھ بھی دہی سلوک ہو گا جو مذاق کرنے والے کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ یہ بھی گویا ان کے
 ساتھ ایک قسم کا تمسخر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے یہ ہے کہ قیامت کے دن منافقین
 دوزخ کے گڑھے میں پہنچ جائیں گے۔ تو جنت فارہ اور دوزخ ہوسلا جائے گا۔ گویا انہیں جنت میں جانے
 کی اجازت مل گئی ہے۔ جنتی ان منافقوں کی طرف دھکیں گے، تو وہ محسوس کریں گے کہ واقعی انہیں
 جنت میں داخلہ کی اجازت مل گئی ہے۔ چنانچہ وہ دوزخ کر جنت کے دروازے پر پہنچیں گے
 مگر اتنے میں دروازہ بند ہو جائے گا۔ اور منافق نامہ دروازہ جائیں گے۔ **اللَّهُ يَكْفِيهِمْ يَهُودَ**
 کی یہ بھی ایک صورت ہے۔ یہ لوگ اس دنیا میں اس قسم کی چالاک کر رہے ہیں، تو کل قیامت
 کے دن ان کے ساتھ بھی تمسخر ہو گا۔

گائے کا واقعہ اس سورۃ میں آ رہا ہے۔ نبی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہمارا آدمی
 قتل ہو گیا۔ مگر قاتل کا پتہ نہیں چلتا۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا کہ گائے ذبح کریں، تو اس

موقع پر ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا، کیا آپ جلتے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہیں۔ تو آپ نے جواب دیا: اَعُوذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں تم سے ٹھٹھا کر کے جاہلوں میں شمار ہو جاؤں۔ خدا کے بندو! میں تو اللہ کا حکم تم کو سنار ہوں کہ گائے ذبح کرو۔ اس کے گوشت کا ٹکڑا مرے پر مارو۔ تو قاتل کا پتہ چل جائے گا۔ میں تم سے ٹھٹھا نہیں کر رہا ہوں۔

الغرض! فرمایا: اللہ تعالیٰ اُن کی سرکشی میں ان کو مہلت دیتا ہے، اور وہ انہی سے بوسے ہیں یہاں پہ یَقْمَهُوْنَ سے مراد دل کا اندھا ہونا ہے۔ جیسا کہ سورۃ حج میں ہے۔ کہ دیکھو ظاہری آئینوں کے اندر ہی نہیں بہترین تفکیر القلوب الستی فی الصدوٰں وہ دل اندھے ہوتے ہیں۔ جرسیونوں میں موجود ہیں۔ زود جمع بات کو دیکھتے ہیں نہ بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سے پہلی آیت میں کافروں کے دلوں پر مہر لگانے کا بھی ذکر آیا ہے۔ آگے اُن کی مثالیں بھی آ رہی ہیں۔

فَرِیَاقٌ مِّنَ الَّذِیْنَ شَتَرُوا الضَّلٰلَةَ بِالْهٰدِیْ مِیْسِیْ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خرید لیا ہے گمراہی کو ہدایت کے بدلے میں۔ ظاہر میں انسانوں نے زبان سے یہی کہا تھا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ مگر افسوس کہ اس ہدایت کو چھوڑ کر انہوں نے باطن کی بہ عقیدگی اور گمراہی کو اختیار کیا فَتَنَّا رِبِّیَّتْ رِجْبًا رَنَّمْ پس ان کی تجارت نے ان کو کوئی فائدہ نہ دیا وَهَآ کَافِلًا مُّہْتَدِیْنَ اور انہیں تم سے وہ ہدایت یافتہ۔

ہدایت کے
بدلے گمراہی

یہ تجارت کا غلط بھی بڑا معنی خیز ہے، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ جب انسان کو دنیا میں بھیجتا ہے۔ تو عمر اور تمام اسباب دیکر بھیجتا ہے۔ کہ یہ تمہاری پونجی ہے۔ اس کے ساتھ اعمال خیرہ و برے سے تمہیں آخرت کی دائمی زندگی میں فائدہ پہنچے گا۔ عمر کی یہ پونجی برف کی مانند ہے، اور برے اعمالوں کی پیش پڑ۔ یہی ہے۔ اور یہ برف غلطی کا ہی ہے۔ اگر اس کے چھلنے سے پہلے اس سے قیمتی اشیاء ایمان اور اعمال صالحہ خرید لو گے۔ تو یہ عمر

کی پوچھی ٹھکانے لگے گی۔ اور تم ہمیشہ کے لیے راحت پاؤ گے۔ اور اگر تم نے عمر عزیز کے
 بے لے کفر، شرک، بدعتیہ گی، معصی اور لہو و لعب خریہ، تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خستے میں مبتلا
 ہو جائے گے، اسی لیے فرمایا کہ منافقین کی تجارت نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ اس کی ایک
 اور مثال ایسی ہے کہ انسان تریاق کے بے زہر طباہل خریدے، اگر تریاق حاصل کر لیا تو ہر قسم
 کی تکلیف سے بچ جائے گا۔ زندگی آسودہ ہو جائے گی۔ اور اگر فدا خواستہ اس نے زہر کو پسند
 کیا۔ تو تباہ ہو جائے گا۔ اس قسم کی تجارت نے کوئی نفع نہ دیا۔ وَمَا كَانُوا مُفْتِدِينَ اور یہ
 لوگ ہریت یافتہ نہ تھے۔ بلکہ ابھی خستے میں مبتلا ہوئے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی بعض خرابیاں بیان فرمائی ہیں۔ اگلی آیات میں
 مثال کے ذریعے ان کی مزید خرابیاں اور ان کا انجام بیان فرمایا۔

الْعَرَّ

دس شتم ۵

البغۃ ۲

آیت ۱۸

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ
مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمٍ لَا
يُبْصِرُونَ ﴿۱۸﴾ مَثَلُ آبِكُمْ عُنَى قَوْمٍ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۱۸﴾

ترجمہ ۱۸۔ ان منافقوں کی مثال اُس شخص جیسی ہے جس نے آگ جلائی جب
آگ نے اس کے ۔۔۔ آس پاس کو روشن کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روشنی
زال کر دی اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ کچھ بھی نہیں دیکھتے ﴿۱۸﴾ وہ بہرے۔

گوئیے اور اندھے ہیں، پس وہ نہیں روئیں گے ﴿۱۸﴾

گذشتہ سے پیوستہ

برہنہی اور شقاوت کے لحاظ سے درمگر وہ منافقین کا ہے اللہ تعالیٰ نے منافقین کو
بیان فرمایا ہے کہ ان کا کام جھوٹ بولنا، فریب دینا، زمین میں فساد کرنا ہے وہ ایمانداروں کو
بیوقوف کہتے تھے، اور اپنے آپ کو اصلاح کرنے والے سمجھتے تھے۔ جب انہیں حقیقی مومنوں
کی طرح ایمان لانے کی دعوت دی جاتی تو کہتے کہ ہم بے وقوفوں کی طرح کیوں ایمان لائیں۔
مسلمانوں کی جماعت کے دربرو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے، تاکہ ان کی جان و مال محفوظ رہے۔ اور
ان کے حقوق کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ مگر جب اپنے سرداروں کے پاس جاتے تو کہتے کہ ہم تمہارے
ساتھ ہیں۔ ہم تو مسلمانوں کے ساتھ تمہارے اور ہماری حقیقت میں ہم ان کے ساتھ نہیں
ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی ایک نشانی یہ بھی بتائی کہ انہوں نے ہدایت کے بارے میں
گمراہی کو غرض نہ کیا، اور اس تجارت نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا، جبکہ ایسے لوگ ابدی نقصان میں
جبتا رہے۔

کتب آسمانی
مؤید

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے منافقین کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں جن سے منافقوں کے حالات
پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ کسی مسئلہ میں مثال بیان کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ معاملہ واضح اور قریب العین
ہو جائے۔ جو چیز فاضل اور باریک برائے واضح کر دیا جائے۔ ایسی مثالیں تمام آسمانی کتب میں بیان

کی گئی ہیں۔ تواتر۔ زبور اور انجیل میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحیحہ اور دیگر قلم آسانی صحیفوں میں مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ خود قرآن پاک میں ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔ جن سے بات کو سمجھنے میں آسانی پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن پاک کا اپنا بیان ہے **وَقُلْتُ اَزْمَتًا اَلَمْ يَخْتَرِ لَهَا لِلنَّاسِ رَحْمَةً وَمَا يُفْقَهُمْ اِلَّا الْعَا لَمُوْنَ** یعنی ہماری ان مثالوں سے اہل علم ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اور مقصد کو پالیتے ہیں۔

شیخ ابوجابر ابن العری نے تفسیر احکام القرآن مکمل کی ہے۔ آپ کی تفسیر میں تین چار کتابیں ہیں۔ حدیث کی شرح و حاشیہ۔ فتویٰ۔ نحو اور دوسرے علوم و فنون میں جس بے شمار کتاب میں وہ فرماتے ہیں۔ کہ صرف سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار مثالیں بیان کی ہیں۔ مگر قرآن کریم و دیگر آسمانی کتب اور تمام حکماء کے کلام میں مثالیں موجود ہیں۔ حضرت لقمانؑ ان کی طرف منسوب کتب۔ نیز ہر زبان کے فصیح و بلیغ لوگوں کے کلام میں مثالیں پائی جاتی ہیں۔

تفاسیر
احکام القرآن

احکام القرآن کے نام سے بہت سے مفسرین نے کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں قرآن پاک کی صرف انہیں آیات کی تفسیر و تشریح کی گئی ہے۔ جن میں حلال و حرام کے احکام بیان ہوئے ان میں سے ابوجابر کتاب ابوجبر جصاص رازی کی احکام القرآن ہے۔ دوسرے غیر ابوجابر ابن العری انہی میں ہیں۔ آپ کی احکام القرآن مکی مسک کے مطابق ہے۔ اسی طرح کشف و تصوف کے بہت بڑے اہم شیخ ابن عربی کی تفسیر احکام القرآن ہے۔ اس میں زیادہ تر تصوف کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی نے بھی ایک چھوٹی سی تفسیر لکھی ہے جس کا نام **الکلیل فی التفسیر** بطریق الشافعیہ ہے۔ اس میں قرآن کریم کی ان آیات کی مختلف تفسیر ہے۔ جن سے احکام مستنبط ہوتے ہیں۔ آپ فرمیں اور دوسری صدی کے حافظ الحدیث ہوئے ہیں۔ مگر بھی کوئی زیادہ نہیں ہوئی۔ ابھی حال کی عمر میں ذات پائی مگر پچھتر برس کے صنف میں آپ کے بعد کوئی حافظ الحدیث نہیں ہوا۔ حافظ الحدیث وہ بلند پایہ رکھتی ہوتی ہے۔ جسے ایک لاکھ حدیث جمع سند زبانی یاد ہو۔

آپ کے بعد بڑے بڑے محدثین ہوئے ہیں۔ مگر حافظ الحدیث کوئی نہیں ہوا۔ البتہ

آپ سے پہلے ہزاروں کی تعداد میں حافظ الحدیث، ائمہ ایب، جن میں بخاری شریف کے شارح ابو جعفر ثعلبی اور علامہ ابن تہمی وغیرہ ہیں۔ کسی طرح صحیح سنہ کے تمام مؤلفین حفاظ حدیث تھے۔ انکو کم از کم ایک لاکھ حدیث جمع سنہ اور رجال کے زبانی ادا تھی۔

مثال حکمت

انفرس مثال بیان کریم کی حکمت یہ ہوتی ہے، کہ کسی بابک چیز کو انسانوں کے ذہن کے قریب نہ کر دیا جائے۔ اور عقلی چیز کو محسوس بنا دیا جائے۔ مثال کے ذریعے کہیں کسی چیز سے نفرت دلائے مقصود ہوتا ہے، تو کہیں کسی چیز کو ثابت کرنا مطلوب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہودیوں کی بُرائی اور قباحت اس طرح بیان فرمائی ہے مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا عَامِينَ قُرْآنَہ نے توراہ کو بکڑیا، انسانوں نے اُسے اس طرح نہ اٹھایا، جس طرح اٹھانے کا حق تھا۔ قرآن کی مثال گھمے کی کسی ہے، جس پر کتابوں کا دھڑلادیا گیا ہو، جو ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا، گھر سے کوئلہ ہی نہیں کر اس کی پشت پر کتابوں کا بوجھ ہے یا کھڑکیوں کا گٹھا، تو یہی مثال اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی بیان فرمائی۔ کہ توراہ کے حامین ہونے کے باوجود اس کے مستفید نہیں ہو سکے۔

منافقین کی مثال

منافقین کی دو مثالوں میں پہلی مثال آج کے دوسریں بیان ہوئی ہے، مغفرتین کرم فرماتے ہیں کہ یہ مثال ان منافقوں کے بارے میں ہے جن کے دل میں کفر بچھتا ہو چکا ہے۔ اور دوسری مثال جو آگے آرہی ہے، ان منافقوں کے متعلق ہے جو ابھی متردد ہیں اور شک میں مبتلا ہیں۔ انفرس! اس پہلی مثال کے مصداق بچھتا کفر دے منافقین ہیں، جن کے ہریت پانے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ اور جن کے متعلق پہلی آیات میں گھر چکا ہے کہ انہوں نے اپنی کوتاہ نظری اور غلط فہمی کی بنا پر ہریت کے بارے میں گمراہی کو ضرر دیا۔

فرمایا مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ان منافقوں کی مثال اس شخص کی طرح ہے۔ جس نے جھل میں سخت اندھیرے کی حالت میں آگ جلائی، تاکہ اس سے روشنی اور گرمی حاصل کر لے۔ یہ دونوں چیزیں ضروریات زندگی میں سے ہیں جن کے بغیر گزارا نہیں۔

چنانچہ ان منافقوں نے بھی اپنی فطری استعداد کے مطابق اپنے اندر ایمان کی شمع روشن کی۔ اور پیغمبر علیہ السلام کی صحبت امتیاء کی ان لوگوں نے اہل ایمان کی رفاقت بھی حاصل کی۔ اور زبان سے اقرار کیا: **هَٰذَا بِاللّٰهِ وَبِالْيَسْمِ الْاَخِیْرَ** چاہیے تو یہ تھا کہ ایمان کی اس روشنی سے اُن پر تمام حقانی روشنی بر جاتے۔ مگر انہوں نے تو صحیح معنوں میں ایمان قبول ہی نہیں کیا تھا۔ محض وقتی مفید حاصل کرنے کی خاطر ایمان کا دعویٰ کیا تھا۔ اگر وہ دل سے نور ایمان کی آگ کو روشن کر سکتے۔ تو ان میں اطاعتِ الہی کا جذبہ پیدا ہوتا۔ اور ان کے دل میں ذکرِ الہی کا شوق پیدا ہوتا۔ اُن کے دل میں توحیدِ خالص سے منور ہو جاتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تھا۔ وہ تو وقتی طور پر ایمان کا اعلان کر کے اپنے مال و جان کی حفاظت چاہتے تھے۔ کیونکہ اسلام کا قانون یہ ہے **هَٰذَا قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَدْ عَصَمَ مِیْنِ مَّالِہٖ وَنَفْسِہٖ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نبی سے **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** کا اقرار کر لیا اس کا جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ ہوگئی۔ اسی سے یہ منافقین اپنی فطری صلاحیت کو برے کار لاسے ہوئے۔ نبی ایمان لے آئے۔ ان کا یہ ایمان لانا گویا جھل کے اندھیرے میں آگ جلانے کے مترادف تھا۔

قَلَمًا اَخْضَاءُ تَ مَاحُوْلًا جب اُس آگ نے آگ جلانے والے شخص کے ارد گرد کو روشن کر دیا۔ اُسے حضورِ ابست گرد و پیش کا پتہ چل گیا۔ تو پھر کیا ہوا اللہ تعالیٰ نے اُس آگ کو بجھا دیا۔ یہیں پر **اَطْفَاھَا اللّٰهُ** محذوف ہے۔ اس طرح کہ موت طاری ہوگئی۔ جب وہ آگ بجھ گئی جس کی روشنی میں یہ لوگ اپنی جان و مال کی حفاظت کر رہے تھے۔ تو پھر **ذَہَبَ اللّٰهُ بِسُوْدِہِمُ** اللہ تعالیٰ ان کی روشنی کو لے گیا۔ **وَنَزَّلَہُمْ فِی ظُلُمٰتٍ اَرَ اَنَیْسَ** بے پناہ اندھیروں میں چھوڑ دیا۔ پھر اُن کی حالت یہ ہوگئی کہ **لَا یُبْصِرُوْنَ** کچھ بھی دیکھ نہیں سکتے۔ روشنی تو عارضی تھی جب وہ منقطع ہوگئی۔ تو وہ اپنی اختیار کردہ بازیوں کے انعقاد اندھیروں میں گم ہو گئے۔

اس مقام پر جن اندھیوں کا ذکر ہے۔ اور جن میں منافقین مگر گردان ہیں اُن کی بہت سی قسمیں ہیں۔ اور وہ مادی کی مادی منافقتیں کن جماعت پر صادق آتی ہیں۔

اندھیروں کی
مختلف قسمیں

سب سے پہلا اندھیرا کفر کا ہے۔ یہ لوگ صرف زبان سے ایمان کا اقرار کرتے تھے مگر ان کے دلوں میں کفر کا اندھیرا بھرا ہوا تھا۔ قرآن پاک میں مجملہ موجود ہے: **الَّذِينَ آمَنُوا بِلُجُجَةٍ** **قَمِ الْغُلُغُلَاتِ إِلَى السُّورَةِ** یعنی اللہ تعالیٰ ایماں داروں کا ولی اور کارساز ہے وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر ایمان اور ہدایت کی روشنی کی طرف لانا ہے جس کی وجہ سے دل میں روشنی اور بصیرت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ روشنی آگے چل کر حقیقی روشنی میں تبدیل ہو جائے گی۔

فریاد دوسرا اندھیرا جو منافقین میں پایا جاتا ہے۔ وہ مکر و فریب کا اندھیرا ہے۔ **يُخٰدِعُونَ** **اللّٰهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا** یہ وہی دھوکے اور فریب کا اندھیرا ہے جو وہ اہل ایمان کے ساتھ دھوکے دیتے ہیں۔

اسی طرح تیسرا اندھیرا دروغ گوئی اور کفر کا ہے۔ جیسا فرمایا **يٰۤاَيُّهَا كَاذِبُوْا كَيْفَ بُدِّنَ** **يَكْتُمُوْنَ** ہم ہم نمون ہیں۔ حالانکہ یہ مرتبہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ یہ لوگ ہرگز مومن نہیں۔ ان کے دل میں کفر و جاہل ہے۔ لہذا یہ ایمان کے دعوے میں جھوٹے ہیں۔

منافقین کا چوتھا اندھیرا طعن و تشنیع کا اندھیرا ہے۔ یہ لوگ اہل ایمان کو احمق اور بیوقوف کہتے تھے۔ حالانکہ ایمان والے آخرت کے طلبگار ہیں۔ انہوں نے دنیا کو چھوڑ کر آخرت کو اختیار کیا ہے مگر منافق ان کو بیوقوفی کا طعن دیتے ہیں۔ یہ ان کا چوتھا اندھیرا ہے۔

جہالت، توہم کی ہے۔ جہل سبب اور جن مرکب کوئی شخص کی چیز سے ناواقف ہو یہ جہل سبب ہے۔ جب بھی ایسا شخص متعلقہ چیز سے واقفیت حاصل کرے گا۔ وہ اس جہل سے نکل جائے گا۔ دوسری قسم کا جہل، جہل مرکب ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان غلط بات کو صحیح سمجھنے لگے، جسے عقیدے کو اچھا خیال کرے۔ یہ بہت خطرناک چیز ہے کیونکہ اس سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ ایسا شخص نہ غلط کو غلط سمجھے گا اور نہ وہ اس جہالت سے نکلے گا۔

منافقین کا پانچواں اندھیرا جہل مرکب ہے۔ وہ اپنے دھوکے اور فریب کو بڑا اچھا سمجھ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کو دھوکا دے رہے ہیں۔ حالانکہ وہ پانچویں قسم کے اس اندھیرے میں مبتلا ہیں۔ پچھرا اندھیرا معاصی اور سنوٹ کا اندھیرا ہے۔ اطاعت و شہادت سے اور معاصی اندھیرے میں جن خواہشات کی تکمیل میں یہ لوگ سرگردان ہیں۔ وہ اندھیرا ہی اندھیرا ہیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ ساوالان اندمیرا قبر کا اندمیرا ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ اِنَّ هٰذِهِ الْقُبُورَ مَمْلُوءَةً ظُلُمًا نَّكَرًا اَهْلُهَا يَهْتَدُونَ قبریں اپنے مکینوں کے لیے اندمیروں سے بھری پڑی ہیں۔ ہاں جو شخص اپنے دل میں نور ایمان رکھتا ہوگا۔ اس کو وہاں بھی روشنی میسر ہوگی۔ جس نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر غارتگری کی اس کی قبر میں روشنی ہوگی۔ ایمان والوں کے دل سے روشنی کی لٹ بجھ گئی، نیز ان کے اعمال صالحہ کی روشنی انہیں مائل ہوگی۔

بخاری شریف کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے اَلظُّلُمُ ظُلُمَاتٌ يُّوَوُّوْنَ الْقِيٰمَةَ اس دنیا میں کسی پر کیا گیا ظلم قیامت کے دن اندمیروں کی شکل میں سامنے آئے گا۔ یہ قبریں جا کر پتہ پٹے گا۔ کہ ظلم کا اندمیرا کس قدر شدید ہے۔ پل صراط سے گزرتے وقت حشر کے میدان میں ادبھر دوزخ کی گھڑائیں میں اندمیروں کا احساس ہوگا۔ الغرض! یہ تمام اندمیرے ہیں جو منافقین پر وارد ہوں گے۔ اور یہ لوگ غضب الہی کا شکار ہوں گے۔

ان لوگوں کی بنیسی کی حالت یہ ہے کہ حُشَّة یہ ہرے ہیں۔ انسانوں نے اپنی جھڑپوں کو اس قدر غراب کر دیا ہے کہ صحیح بات کو سننے کے لیے تیار نہیں۔ یہ لوگ اس بڑبڑاتی کنا برے بیکٹا یعنی گونگے ہیں۔ ان کی زبان سے کبھی کبھی بات نہیں نکلتی۔ دھوکے ذریعہ اور جھوٹ کے سوا ان کی زبان پر کچھ نہیں آتا۔ پھر یہ بھی ہے کہ یہ لوگ سُن و قُبْح میں اچھائی اور برائی میں امتیاز نہیں کر سکتے۔ اس لحاظ سے یہ لوگ عُمُیٰ یعنی اندھے بھی ہیں۔ ان کی ظاہری آنکھیں تو موجود ہیں۔ مگر ان کے دل اندھے ہیں۔ جو حق و باطل میں فرق نہیں کر سکتے۔ ایمان و شرک، سنت اور بدعت ان کے نزدیک برابر ہیں۔ ان کے نزدیک ان میں کوئی امتیاز نہیں۔

فرمایا یہ لوگ کفر و شرک اور معاصی میں اس قدر آگے نکل پڑے ہیں۔ فَهَؤُلَاءِ يَجْعَلُونَ کہ اب ان کے نیکی کی طرف واپس پٹ آنے کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ نے پچھلے منافقوں کا یہ حال بیان فرمادیا۔

یَسْرِجَعُونَ کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو شخص مر گیا اس کی واپسی کا کوئی امکان نہیں۔ کہ
 رہیں اگر کوئی نئی کمانی کر لے گا۔ انسان جو اعمال فیوضی زندگی میں لگا گیا۔ ان میں تغیر تبدیل نہیں ہو سکے
 گا۔ دنیا میں تو کئی چیزیں منسوخ بھی کر دی جاتی ہیں مگر آخرت میں پہنچ کر دنیا میں کیسے گئے اعمال میں
 کوئی رد و بدل نہیں ہو سکے گا اللہ تعالیٰ کا قول ہے: "وَكُلُّ رَأْسٍ بِالنَّارِ فَهِيَ طَافَةٌ فِي"
 عُسْفَةٍ ہر انسان کا اعمال نامہ اس کی گردن میں لٹکا دیا جاتا ہے اور پھر مرنے کے بعد دُکھڑج
 لَفَ يَوْمَ انْقِصَامِ كِتَابِ تِیْمَتِ کے دن ہر حال کے سامنے کر دیں گے کہ یہ تیرا اعمال
 نامہ ہے۔ لو خود پڑھ لو۔ لطف یہ ہے کہ پڑھنے کی صلاحیت بھی اس وقت پیدا ہو جائے گی
 اللہ تعالیٰ فرمائیں گے لو خود پڑھ لو الغرض فَهَسُوْا یَسْرِجَعُونَ کا مطلب یہی ہے کہ یہ
 چلٹ کر نہ بدیت کی طرف آسکتے ہیں۔ اور نہ ہی دنیا کی طرف آسکتے ہیں۔ اور نہ ہی کوئی کمانی
 کر سکیں گے۔ یہ ان منافقوں کا حال ہے جن کے دل کفہ میں راسخ ہو چکے ہیں۔

الْعَمَلِ

المعصية ۲

درس نمبر ۹

آیت ۲۰ تا ۲۴

أَوْ كَصَيْبٍ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ
 أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللَّهُ
 مُخِيبٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿٢٠﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ
 كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَتَنَوْنَ فِيهِ ظَلَمُوا عَلَيْهِمْ قَامُوا
 وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ اللَّهَ
 عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢١﴾

۲۴

ترجمہ: بیان کی مثال آسمان کی طوفان سے اترنے والی اس بارش کی ہے جس میں
 آبرجیاں گرنے اور بجلی کی چمک ہے۔ یہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالتے ہیں۔ بارش کی کوکھ سے
 موت کے ڈر سے۔ اور اللہ تعالیٰ کافروں کو گھیرنے والا ہے ﴿۲۰﴾ قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھوں
 کو اپک لے۔ جب وہ ان کے لیے روشنی کھلے۔ تو اس میں پلٹے ہیں۔ اور جب ان پر تاریکی
 چھا جاتی ہے۔ تو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کے کانوں اور آنکھوں کو لے
 جائے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ﴿۲۱﴾

گدشنے پر

اللہ تعالیٰ نے منافقین کی پائی میں دو مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ پہلی مثال گدشنہ درس میں
 گدھڑی ہے کہ منافقوں کی مثال اس شخص میں ہے جس نے حنظل میں آگ جلائی ہو۔ اور جب اس
 نے ارد گرد کو روشن کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی روشنی کو لے گیا۔ اور آگ کو کھاد یا منافقین کو
 اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ وہ کسی چیز کو نہیں دیکھتے وہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں پس وہ لوث
 کر نہیں آئیں گے۔

یہ پہلی قسم کے وہ منافق ہیں جو اپنے نفاق میں پختہ ہیں اور جبل مرکب میں مبتلا ہیں۔ ان
 کی اصلاح کی کوئی امید باقی نہیں رہی کیونکہ وہ غلط بات کو صحیح سمجھ رہے ہیں۔ ایسے لوگ
 محض جال بازی اور فریب کاری کی بنا پر کلمہ اسلام پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ

اور قیامت پر ایمان لے آئے ہیں۔ حالانکہ ان کے اندر ایمان کا شائبہ تک نہیں۔

منافقوں کی
دوسری مثال

دوسری مثال اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کی بیان کی ہے۔ جن کا کفر واضح نہیں ہے، بلکہ وہ لوگ مترّد ہیں۔ ان کا رجحان کبھی اسلام کی طرف ہوتا ہے، اور کبھی باطل عقیدے کی طرف تریبے لوگوں کی تشبیہ اللہ تعالیٰ نے بارش کے ساتھ دی ہے۔ جس طرح بارش کے تیتے میں بہت سی چیزیں پیدا ہوتی ہیں، اسی طرح ظہیرِ اسلام کے ساتھ منافقین کے لیے بھی کئی ایک چیزیں پیدا ہوئی ہیں۔ تریبیاں پر اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر فرمایا ہے۔ اور ان مترّد قسم کے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ ان کی طرف سے باطل ایسی نہیں ہے۔ بلکہ ہو سکتا ہے، کہ کسی وقت ان کے ذہن میں صحیح چیز آجائے۔ اور یہ نفاق سے باز آجائیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اعتقادِ منافق کفر ہی کی ایک قبیل سے ہے۔ بلکہ کفار میں سے بھی بدترین قسم کا کافر ہے۔

اعتقادِ منافق
عملی منافق

منافق کی ایک اور قسم عملی منافق ہے۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ دل میں زورِ ایمان موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، پیغمبرِ علیہ السلام کی رسالت اور قیامت پر ایمان ہے۔ مگر ظہر اور باطن میں مطابقت نہیں پائی جاتی حضور علیہ السلام نے عملی منافق کی بہت سی نشانیاں بتائی ہیں مثلاً اِذَا اَوْقَمْنَ حَتّٰی جَبَّ اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے۔ اِذَا خَاصَمَ فَجَرَ جب کسی سے جھگڑا کرتا ہے، تو گالی گھونچ پر اُتر آتا ہے۔ اور اِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ جب وعدہ کرتا ہے، تو خلاف دہری کرتا ہے ایسا شخص اعتقادِ منافق نہیں بلکہ عملی منافق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عاید کردہ فرائض نماز، روزہ وغیرہ کو منہ پر سمجھتے ہوئے انہیں بھانپیں لانا، ایسے عملی منافقوں سے دنیا بھری پڑی ہے۔

مسند احمد کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد درگاہی ہے۔ اَلْقُلُوبُ اَدْبَعَةُ یعنی دل چاقو قسم کے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم کے متعلق فرمایا قُلُوبُ اَجْرَدُ اِیَادِلْ جو صاف و شفاف ہو۔ فرمایا اس کی مثال روشن چراغ جیسی ہے۔ جس میں کسی قسم کی کوئی خرابی نہ ہو۔

دل کی
چھوڑیں

دوسرا دل اعلیٰ ہے۔ جو غلاف میں بند کر دیا گیا ہوا در پھر اوپر سے دھاگے کے ساتھ
باندھ دیا گیا ہو۔ فرمایا تیسری قسم کا دل صلیکوس ہے یعنی اوندھا ہے۔ اس کا سر نیچے اور منہ اوپر
ہے۔ اور چوتھی قسم کا دل مصغ ہے۔ یعنی دو پہلو والا دل۔

پہلی قسم کے دل کے متعلق فرمایا کہ صفات و شغاف دل مومن کا دل ہے جس میں نماز و
باکل صاف اور واضح ہے۔ اس میں کوئی غرابی یا کسی قسم کی غلطی نہیں ہوتی۔ غلاف میں بند دل کے
متعلق فرمایا۔ یہ کافر کا دل ہے امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کسی
پرندے کو ایسے بجر سے میں بند کر دیا گیا ہو، جس میں کوئی سوراخ نہ ہو۔ ایسا دل کافر، مشرک یا دہریے
کا ہوتا ہے۔ جس میں سے باہر دیکھنے کے لیے سونے کے برابر بھی سوراخ نہ ہو۔ کہ وہ اپنے خول سے
باہر حق کی بات کو دیکھ سکے۔ فرمایا اوندھا دل منافق کا دل ہے۔ جس نے ایمان کو پہچان تو لیا ہے
مگر قبول نہیں کیا۔ محض اپنے سجاد کی خاطر کوئی فریب کاری کی ہے۔ محو ہے بچا منافق یا دو پہلو
دل، تو وہ ایسا ہے جس میں ایمان بھی ہے اور نفاق بھی۔ یہ عملی منافق ہے۔ جسے کسی مدت تک عین
بھی ہوتا ہے۔ پھر کبھی متردد بھی ہوتا ہے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا ایمان کی مثال كَمَثَلِ الْبُقْلَةِ يُعْذِّهَا لَمَكَاوُ
الطَّيْتِ اُس پوٹے کی ہے، جسے پاکیزہ پانی میرا ب کرتا ہو۔ پوٹے کا بیج اچھا ہو، اس کی
آبیاری بھی صاف پانی سے ہو۔ تو ظاہر ہے کہ اُس کی نشوونما بھی اچھی ہوگی۔ نیز فرمایا کہ منافق کی
مثال انسانی جسم میں پیدا ہونے والے بھوڑے کی ہے۔ ایک طرف سے پیپ آتی ہے۔
تو دوسری طرف سے خون کا دورہ ہوتا ہے۔ گویا پھوٹے کی غذا خون اور پیپ ہوتی ہے۔ ان
میں سے جس چیز کا غلبہ ہوگا، تو مرہض ملک ہو جائے گا۔ اور اگر خون غالب آگیا۔ تو صحت عالی
ہو جائے گی۔ منافق میں دروز قسم کے اُسے پاسے جاتے ہیں۔

دل کے حالات بہت مختلف ہوتے۔ یہ کبھی یکساں نہیں ہوتے۔ حضرت ابو بکر و راق
بٹے پاسے کے بزرگ ہوئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ قلب پر چھ قسم کی حالتیں وارد ہوتی ہیں۔

یعنی حیات اور موت۔ صحت اور بیماری، بیداری اور خند، فرماتے ہیں کہ قلب کی حیات ہدایت کی مروجہ منت ہے۔ اگر ہدایت نصیب ہو گئی ہے تو سمجھ لیں کہ دل زندہ ہے۔ اور قلب کی موت گمراہی سے واقع ہوتی ہے۔ فرمایا مَوْتُهُ الْغَلَّةُ دَلَّی مَوْتِ کَا سَبَبِ گمراہی ہے۔ کسی قسم کی گمراہی دل میں پیدا ہو جائے۔ سمجھ لیں کہ دل مردہ ہو گیا، اس میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں رہی۔

قلب کی صحت طہارت اور صفائی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور طہارت کا حصول ایمان اور توحید کی بدولت ہے۔ کہ ایمان کے بغیر طہارت نصیب نہیں ہو سکتی۔ اس کے برخلاف قلب میں بیماری، کہ دردت گندہ تعنت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں موجود ہے: یَوْنُو لَا یَنْفَعُ مَا لَ وَلَا یَمُوتُ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نقل کیا ہے۔ انہوں نے قیامت کے تذکرہ میں فرمایا: اُمْسِیْ ذَا لَ کَی کام آئے گا۔ اور نہ اولاد وغیرہ ہوگی، اُمْسِیْ! جو قلب سلیم سے کہ پہنچ گیا، اُمْسِیْ کو فائدہ ہوگا۔ اور قلب سلیم وہی ہے جس میں طہارت، پاکیزگی اور نور ایمان ہوگا۔

فرمایا دل کی بیداری ذکر الہی میں ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتا ہے اس کا دل بیدار ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ مَثَلُ النَّحْلِ وَالْمَعِیْتِ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے اور نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہے تو سمجھ لو کہ اس کے دل پر غفلت کی غینہ طاری ہے قرآن میں جگہ جگہ آپ پڑھتے ہیں کہ اپنے رب کو صبح و شام یاد کرو وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِیْنَ اور غافلوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

فرمایا منافق کی مثال ایسی ہے اَوْ کَھِیْبَ مِنَ السَّمَآءِ جِیْسَ اَسْمَانِ سے بارش آتی ہے۔ صیب کا معنی زور سے برسنے والی بارش ہے اور عربی زبان میں سماء آسمان کو بھی کہتے ہیں، فضاء کو بھی اور یہ لفظ بادل پر بھی بولا جاتا ہے اسی طرح عربی زبان کے اعتبار سے چھت

بارش کی مثال

کو بھی سارے کتے ہیں۔ تاہم اس مقام پر سارے مراد بادل ہیں۔ کیونکہ بارش بادلوں میں سے ہوتی ہے ہو سکتے ہیں اس کا تعلق آسمان سے بھی ہو۔ جس کو عام انسان اور سائنس دان نہیں سمجھ سکتے تاہم بظاہر بارش کا تعلق بادلوں کے ساتھ ہے۔ اس لیے یہاں پر آسمان کا لفظ فرمایا۔

فرمایا فِيهِ ظُلُمَاتٌ اَسْوَدٌ اس میں اندھیرے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بارش کے دوران بادل چھائے ہوئے ہیں اور سورج غائب ہو جاتا ہے، اور کسی قدر اندھیرا ہوتا ہے۔ اور اگر ایادرات کے وقت ہو تو تاریکی اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ سائے تک نظر نہیں آتے۔ جب قرآن پاک نازل ہوا۔ تو اس وقت ہر طرف کفر و شرک کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اندھیروں کے علاوہ فرمایا وَدَعَا اس میں گرج بھی ہوئی ہے۔ فرشتے بادلوں کو ٹپک کر لاتے ہیں۔ قرآن کے اُسنے سے گرج پیدا ہوتی ہے۔ اُسے دھڑ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دھڑ سے معنی میں کفر و شرک پر وعید کو بھی دھڑ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فرمایا وَبَرَقَ بارش میں اکثر اوقات بجلی بھی چمکتی ہے۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ بادل آپس میں رگڑ کھاتے ہیں۔ تو بجلی پیدا ہوتی ہے۔ نیز اس کا معنی یہ بھی ہے کہ قرآن پاک میں بڑے واضح دلائل موجود ہیں جن سے حق و باطل میں تمیز ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ دلائل بمنزلہ برق کے ہیں۔

منافقین کی
بے بسی

فرمایا منافقوں کی حالت یہ ہے کہ يَجْعَلُونَ اَمْثَلًا يُعْمَهُ فِيْ اَنْفُسِهِمْ مِنَ الصَّوَابِ اپنی انگلیاں کڑک کے خوف سے اپنے کانوں میں ڈالتے ہیں۔ جب بارش کے دوران بجلی چمکتی ہے۔ اور بادلوں میں گرج پیدا ہوتی ہے۔ تو دہشت کے اُسے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں۔ حَذَرَ النُّعُوْبِ کہ کہیں ہلاک نہ ہو جائیں۔ موت کے ڈر سے کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے ہیں۔ حالانکہ موت سے بھاگ نہیں سکتے۔ کیونکہ وَاللّٰهُ يُخَيِّطُ بِاللّٰهِ كَيْفَ يَشَاءُ اللہ تعالیٰ کافروں کو ہر طرف سے گھیرنے والا ہے۔ وہ چڑھنا چاہے گا تو فوراً گرفت کر لے گا۔ منافقین کا خوف و ڈر انہیں اللہ کی گرفت سے بچا نہیں سکتا۔

فَرِيَا يَكَادُ الْبُعْدُ يُخَفِّفُ أَبْصَارَهُمْ قَرِيبٌ هِيَ. کہ اللہ تعالیٰ نازِ عیسیٰ کی وجہ سے ان کی آنکھوں کو اچکے لے۔ اور وہ اندھے ہو کر رہ جائیں۔ لَكَلَّمَا أَصْنَادَهُمَا فَشَارَفَاہِ جب پہلی کی چمک پیدا ہوئی ہے۔ تو اس کی روشنی میں تھرپڑی دور چلتے ہیں وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمُ قُلُوبُهُمْ اور جب اندھیرا چھا جائے ہے۔ تو ٹھہر جاتے ہیں۔ اہم جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کفر و شرک کا ذکر فرمایا ہے اور یہ اندھیروں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔

فَرِيَا اللہ تعالیٰ نے کان، آنکھیں، بصارت، قلب اور حواس عطا کئے۔ یہ سب اس کے انعام ہیں۔ اور ہدایت حاصل کرنے کے ذرائع ہیں۔ یہ منافقین کس خیال میں پھرتے ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی عطا کردہ نعمتیں چھین نہیں سکتا بلکہ فرمایا وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ اَگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کی سماعت اور بصارت ہی زائل کر دے۔ یہ لوگ باطنی طور پر تو اندھے ہی ہیں۔ اللہ چاہے تو ظاہری طور پر بھی ان کی بنیائی صلاحیتیں جو جائے اور قوت شنوائی سلب ہو جائے۔ ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں اس لیے عطا کی ہیں کہ ان کے ذریعے ہدایت قبول کریں اپنے لیے کمال حاصل کریں تاکہ آئندہ زندگی میں ان کے کام آئے۔ مگر یہ ان ذرائع کو غلط طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ ان سے صحیح طور پر مستفیض نہیں ہو رہے ہیں۔ لَمَّا يَرِ اللّٰهُ تَعَالٰی كَيْفَ كَفَرْتُمْ نَسِیَ كَيْفَ مَنَعَكُمْ اَللّٰہُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِیْرٌ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ اپنا عطا کیا ہوا انعام واپس لے سکتا ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ ان ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے ہدایت کا راستہ اختیار کریں۔ تاکہ انہیں فلاح نصیب ہو۔

آلَمَ

البقرة ۲

وَلَمْ يَكُنْ

(آیت ۲۱ تا ۲۲)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ
 قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٢١﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ
 فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بَنَاءً ۖ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ
 بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ ۖ فَلَا تُجْعَلُوا لِلَّهِ أَشْدَادًا
 وَأَنْتُمْ تَقْلُمُونَ ﴿٢٢﴾

ترجمہ: اے لوگو! عبادت کرو اپنے پروردگار کی۔ جس نے تم کو پیدا کیا ہے۔ اور
 ان لوگوں کو جو تم سے پہلے گذرے ہیں، تاکہ تم بھی باز (۲۱) وہی رب جس نے تمہارے
 لیے زمین کو فرش اور آسمان کو گھت بنایا ہے۔ اور آسمان کی طرف سے پانی اتارا ہے۔
 پھر اس پانی کے ذریعے پھلوں سے تمہارے لیے روزنی نکال ہے۔ پس نہ ٹھہراؤ اللہ کا
 کئے کی شریک، اور تم جانتے ہو۔ (۲۲)

دوسرے رکوع کے اختتام تک اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے انسانوں کا ذکر فرمایا ہے۔ سورۃ بقرہ
 کی ابتدائی چار آیتوں میں ایمان والوں کا ذکر کیا ہے اور ان کے اوصاف بیان فرمائے ہیں اگلی
 دو آیتوں میں ظاہر اور باطن اشارہ کرنے والے کفار کا حال اور ان کا انجام بیان ہوا ہے۔ اس کے
 بعد تیسرے آیت میں منافقین کا حال تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ ان کی چال بازی، دھوکا بازی
 فریب کاری، ریشہ دوانی، ظاہر و باطن میں تغاوت، فساد فی الارض اور غلط عقیدے کا رد ہے۔
 پھر اس کی وضاحت و مثالوں کے ذریعے کی گئی ہے۔ ایک آگ کی مثال اور دوسری پانی کی۔
 منافقین کا انجام بھی بیان ہوا ہے اور غیب بھی کی گئی ہے۔

اب تیسرا رکوع شروع ہوا ہے۔ یہاں سے تمام انسانوں کو خطاب ہے۔ حضرت
 عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں جہاں بھی یَا أَيُّهَا النَّاسُ سے خطاب ہے

دہاں دوئے سخن اہل کلمہ کی طرف ہے۔ کیونکہ نزول قرآن کے زمانہ میں اکثر و بیشتر وہی لوگ کفر میں مبتلا تھے۔ اور جہاں پر **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔ اُن سے مراد اہل مہینہ ہیں۔ کہ انہوں نے برضا و رغبت ایمان قبول کیا۔ اور اسلام کی مرکزیت کے لیے چار قربانیاں دیں۔ تو یہاں پر **يَا أَيُّهَا النَّاسُ** کے مخاطب دنیا کی تمام اقوام اور تمام ہی نوع نسل ہیں۔ جو لوگ اس وقت موجود تھے۔ اُن سے براہ راست خطاب ہے۔ اور جو بعد میں آنے والے ہیں انہیں اہل ایمان کے واسطے مخاطب کیا گیا ہے۔ قرآن پاک کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ** آپ کہہ دیجئے کہ **لَا تُذَكِّرْ كُفْرًا** وَمَنْ يَنْفَعُ الْكَافِرِينَ اس قرآن پاک کے ذریعے تمہیں بھی تمہارے خلفائے اکہلم سے آگاہ کر دے گا۔ اور جن لوگوں تک یہ قرآن پہنچے گا انہیں بھی متذکرہ کر دوں گا۔ مگر میں سب کو اُن کے بڑے انجام سے ڈرا رہا ہوں۔

اس رکوع میں قرآن کریم کے چار اہم اور عمدہ مضامین کا ذکر ہے۔ سب سے پہلے توحید کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کہ مہینیت پر ایمان لائے بغیر نجات کا کوئی راستہ نہیں۔ لہذا اس کے بغیر جنت کا دروازہ نہیں کھل سکتا۔ قرآن پاک کا دوسرا اہم مضمون رسالت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مکمل کمال کو نہیں پہنچ سکتا۔ تیسرا مضمون خود قرآن کریم کی حقانیت اور اس کا وحی الہی ہونا ہے۔ جسے قرآن پاک میں جگہ جگہ بیان کیا گیا ہے۔ انسان کو زندگی کے ہر موڑ پر ہدایت اور رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اور اس کا واحد ذریعہ وحی الہی ہے۔ کیونکہ یہاں پر انسانی عقل و شعور کام نہیں کر سکتے۔ انسان ہمیشہ علم کی روشنی میں ترقی کرتا ہے اور ذرائع علم میں سب سے اہم، قطعی اور آخری ذریعہ وحی الہی ہے۔

اس رکوع میں چوتھے اہم مضمون معاد کا ذکر ہے۔ قیامت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ کیونکہ اچھے اور بُرے نتیجے کا دروازہ روز قیامت پر ہے۔ اس روز تمام چیزیں اپنی اصلی حالت میں ظاہر ہوں گی۔ نیکی اور برائی میں امتیاز ہوگا۔ اور انسان اس کے نتیجے میں ذمہ داری سے دوچار ہوگا۔ لہذا یہ اہم مضمون بھی بیان ہوا ہے۔

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو توحید پر کاربند ہونے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے **يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ**۔ اے انسانو! اپنے رب

پیارا
مضامین

توحید

کی عبادت کرو۔ توحید فی العبادت وَحْدُ ذُو اَیْنِے رب کو مددہ لا شریک مالہ۔ اور اس کی عبادت کرو کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ گویا اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے توحید ہی سب سے اہم انسانی ذمہ داری کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ اس سلسلے میں اکثر لوگ غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ عبادت کا معنوم رَبَّكَ تَعْبُدُ میں ذکر کر دیا گیا تھا۔ کہ عبادت حقیقت میں اپنے ظاہر و باطن کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مصروف کرنا ہے۔ اور اس خاص عقیدے اور تصور کے ساتھ کرنا ہے کہ پوری کائنات اور اس کے تمام اسباب پر اُسی الملک کا تسلط ہے۔ ہر قسم کا نفع و نقصان اُسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہ علیم کل۔ قادر مطلق اور متقدر مطلق ہے۔ اس ہی کا تصور کرتے ہوئے اس کے سامنے انتہائی عاجزی کے اظہار کو عبادت کہتے ہیں۔ عبادت کی ادائیگی بن۔ زبان۔ دل۔ مال اور افعال سے ہوتی ہے۔ اور اس تصور کے ساتھ عبادت صرف خدا تعالیٰ کی ہی ہو سکتی ہے۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ کی چند صفات بیان کر کے اس معنی کی پہچان کرائی گئی ہے جس کی عبادت مطلوب ہے۔ فَرِحَ اَعْبُدُوْا رَبَّكُمْ یعنی اپنے رب کی عبادت کرو۔ اور رب خدا تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں۔ وہی انسان کو پالنے والا ہے۔ انسانی زندگی کی ترقی اور بقا کے تمام اسباب فیکار کرنے والا اللہ ہی ہے۔ انسانی وجود سے باہر جی نہیں بنتیں ہیں۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ کی دوسری صفت خَلَقَ بیان کی گئی ہے۔ الَّذِي خَلَقَكُمْ اَنْاٰن کو سب سے پہلے اللہ سب سے بڑی نعمت جو میسر آئی ہے، وہ اس کا وجود ہے۔ اسی لیے فرمایا اُس ذات کی عبادت کرو۔ جس نے تم کو پیدا کیا۔ خالق اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں۔ الَّذِي خَلَقَ سَخْسَخٌ گویا تمہارا خالق بھی وہی ہے۔ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ اور تم سے پہلے قوموں کا خالق بھی وہی ہے۔

اہم غزالیؒ نے حدیث پاک کے حوالے سے لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر معرفت الہی

کرنا استدعا سے باہر ہے۔ کیونکہ لَا فِكْرَ فِي السَّيِّئَاتِ رَبِّكَ ذَاتِ الْإِذْنِ میں فکر نہیں ہو سکتی۔
 کہ یہاں تک عقل و شعور کی رسائی نہیں ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی پہچان اس کی پیدا کردہ اشار
 میں خود و فکر سے حاصل ہوتی ہے۔ جب اس کی صفات سمجھ میں آجاتی ہیں، تو اس کی ذات کی
 معرفت بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی لیے حکم یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی مصنوعات میں خود و فکر
 کرنا چاہیئے۔ ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ کی صفت، اس کی قدرت، اس کا علم، اس کی رحمت
 اور اس کی ربوبیت سب کچھ سمجھ میں آئے گا۔ اور اس طرح خود اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل
 ہو جائے گی۔

حضور علیہ السلام نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو زمین کا گور زربا کر بھیجا تو فرمایا، تم ایک ایسی قوم
 کے پاس جاؤ، جو اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ میں، سب سے پہلے توحید و رسالت کی دعوت دینا
 شَهِادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ رَسُولُ اللَّهِ یعنی سب سے پہلے اس بات کی دعوت دینا کہ اللہ تعالیٰ
 وحدہ لا شریک ہے۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بڑے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا
 فَأَذَاهُمْ عَرَفُوا ذَلِكَ جب وہ اس کو پہچان لیں تو پھر انہیں نماز، روزہ اور دیگر احکام کا
 حکم دینا۔ گویا سب سے پہلے معرفت الہی اس کے بعد رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے اور باقی باتیں بعد
 میں بتائی۔

اللہ تعالیٰ نے یہود کے متعلق قرآن پاک میں فرمادیا ہے: "وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ"
 انہوں نے تو خدا کے مرتبے کو بھی نہیں پہچانا ہے۔ جس طرز پر کہ پہچاننے کا حق ہے اگرچہ یہ لوگ
 اہل کتاب اور صاحب علم ہیں۔ بڑے بڑے فلاسفہ ہیں، مگر رب کی صفت کو نہیں پہچان سکے۔
 اگر اس کی صفت کو پہچان لیتے تو پھر شرک کا ارتکاب نہ کرتے، عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا نہ کہتے۔
 مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ کا خطاب نہ دیتے اور حضرت مریم علیہا السلام کو مادر خدا نہ کہتے۔ غرض کہ
 بندے اور خدا کو ایک نہ کر دیتے۔ انہیں تو پہچان ہی نہیں ہو سکی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں
 پہچان کرائی ہے، کہ جب اللہ کی صفت کو پہچان لو گے تو اس کی عبادت ہوگی۔ اور اگر اس کی معرفت

ہی حاصل نہیں ہوتی۔ کہ وہ کن صفات کا مالک ہے۔ تو عبادت کس کی کرو گے۔

فرمایا يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ سے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو عبادت الہی
 الٰہِ ذِیْ خَلَقَ کُمْ وہ رب جس نے تم کو جوہر کی نعمت بخشی۔ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلُکُمْ
 اور جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ تاکہ تم بچ جاؤ۔ لَعَلَّ تَتَّقُوْا کے لیے ہوتا ہے
 اور تسبیح کا سنی ہے امید۔ لیکن اہم مبادل الٰہ کی سی طرح فرماتے ہیں۔ کہ قرآن پاک میں لَعَلَّ کا
 لفظ تحقیق کے لیے آتا ہے۔ تاکہ تم بڑے انجام اور کفر و شرک سے بچ جاؤ۔ تَتَّقُوْنَ یعنی ہمتی بن
 جاؤ۔ اس رب کی پہچان کرنے کے بعد اس کی عبادت کرو۔ خَلَقَ کُمْ میں صفت ایجاد کا
 تذکرہ ہے کہ اُس نے انسان کو عدم اور ہستی سے پیدا کیا ہے جس کے متعلق فرمایا لَقَدْ یَخْلُقُ
شَیْئًا مَّتَّ ذَکُوْرًا کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ اُسے عدم سے وجود میں لایا۔ لہذا اپنے رب
 کی عبادت کرو۔ جس نے وجود جیسی نعمت عطا کی۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی عبادت سے متعلق احادیث میں بہت سے احکام موجود
 ہیں۔ ترمذی شریف اور ابنہ احمد میں یہ روایت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام پر وحی
 نازل فرمائی کہ لوگوں کو ان باتوں کی تبلیغ کرو جس سے پہلی بات یہ کہو کہ اِنَّ نَعْبُدُوْهُ وَوَلَدَیْہِ کُوْنُوْا
 بید شکیں اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو مشرک نہ بناؤ۔ کیونکہ
 اس کی مثال ایسی ہے کہ مَثَلُ رَجُلٍ اِشْتَرٰی عَبْدًا کہ کوئی شخص غلام خریدے۔ وہ یہ
 یا سونا چاندی غلام خریدنے پر خرچ کرے۔ پھر اس غلام کو کام پر لگائے۔ اور غلام مزدوری کرے
 جو معاوضہ حاصل کرے وہ اپنے مالک کی بجائے کسی دوسرے شخص کو دے۔ فرمایا اَشِیْکُمْ
یَبْرَہْمٰی اِنَّ یَشْکُوْنَ عَبْدًا کَذٰلِکَ اس قسم کے غلام سے کون راضی ہو سکتا ہے۔ کہ اس کا
 مالک دوسرے۔ اُس کی خرداک یا لباس اور ہاتھ کا بند و بست وہ کرتا ہے۔ مگر غلام دن بھر کی کاٹی
 مالک کی بجائے دوسروں کو دے آتا ہے۔ فرمایا مُشْرَکٌ کا حال بھی یہی ہے کہ تمام نعمتیں اور ان کے
 اسباب اللہ تعالیٰ نے عطا کیے ہیں مگر وہ غلیظ غریزہ کرتا ہے۔ یہ مشرک اس ملک حرام غلام

کلی طرح ہے۔ جو اپنی کمانی دوسروں کے گھر میں ڈال آتا ہے۔

الغرض فرمایا رب تعالیٰ کی پہچان نشانوں سے ہوتی ہے۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ کی دو صفات بیان ہوئی ہیں۔ ایک رجبیت اور دوسری خالقیت اگر انسان غور و فکر کر سکے ان صفات کو پہچان لیں گے کہ یہ صفات خدا تعالیٰ کے ساتھ ہی خاص ہیں۔ تو پھر وہ عبادت بھی اسی ہی کی کر سگے۔

دردِ الہی پر دلائل ہارون الرشید نے اہم مالک صاحب سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کے وجود پر کوئی دلیل بتلائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ انسان کی مختلف زبانیں مختلف آوازیں، مختلف لہجے اور مختلف نغمے خود خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہیں۔ دنیا میں چارہزار مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں کیا یہ وجودِ الہی پر کچھ کم دلیل ہے۔

اہل سنت کے چار اماموں میں سے امام ابو حنیفہ اور امام مالک بڑے امام ہیں۔ امام شافعی اور امام احمد ان کے شاگرد ہیں۔ یا شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ پھر ان بڑے اماموں میں سے امام ابو حنیفہ امام اعظم ہیں۔ ان کا مرتبہ زیادہ ہے۔ کیونکہ انہوں نے تقریباً آٹھ صحابہ کرامؓ کی زیارت کی ہے۔ یہ سعادت کسی دوسرے امام کو حاصل نہیں۔ آپ صحابہ کرامؓ کے زمانے سے قریب تر ہیں۔ آپ کی دلاوت عشرہ میں ہوئی، جب کہ صحابہ کرامؓ عشرہ مکہ دنیا میں موجود رہے۔

انہیں اہم نظام کا واقعہ ملے۔ کہ دھریوں اور زمین لیتوں کی ایک جماعت آپسے مناظرہ کرنے کے لیے حاضر ہوئی۔ ان کا دعویٰ تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی وجود یا ہستی نہیں ہے بلکہ کائنات کا یہ نظام خود بخود چل رہا ہے۔ جب انہوں نے اہم صاحب سے گفتگو کرنا چاہی تو آپ نے فرمایا اِنِّیْ مُعْتَدِلٌ اَمْبِرٌ مِّنْ عِندِیْ عَزَّوَجَلَّ کہ سامان سے بھری ہوئی ایک کشتی خود بخود دیا میں چل نہیں آرہی ہے۔ مجھے بتلایا گیا ہے کہ سامان سے بھری ہوئی ایک کشتی خود بخود دیا میں چل رہی ہے۔ اس کو چلانے والا کوئی علاج اس میں نہیں ہے۔ مگر یہ پانی کی موجوں کو بھرتی ہوئی چلی جا رہی ہے۔ اور واپس آرہی ہے۔ دیکھنے لگے۔ یہ کس قدر بے عقلی کی بات ہے۔ مہربلا

کون تعلقہ کہہ سکتا ہے۔ کہ کشتی بغیر کسی چیلانے والے کے خود بخود چل رہی ہے۔ یہ حق کرامت صاحب فرماتے گئے۔ وَیَجْعَلُکُمْ قَوْمًا مُّسْلِمًا ہے کہ جب ایک معمولی کشتی چیلانے والے کے بغیر چل نہیں سکتی تو تمام کائنات، عالم غفل اور عالم علوی اور جو کچھ ان کے اندر ہے۔ کیا یہ نظام خود بخود چل رہا ہے۔ کوئی اس کا حوالہ نہیں ہے۔ اس حاضر جوابی سے تمام دہریہ تائب ہو گئے اور اہم حضرت کے ہاتھ پر ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے۔

کسی نے اہم شافعی ثقی سے عرض کیا کہ حضرت! وجود الہی پر کوئی دلیل لائیں۔ اتفاقی کی بات کو سامنے قوت کا درخت تھا۔ اہم صاحب فرماتے گئے۔ یہ قوت کا درخت خدا تعالیٰ کے وجود پر دلیل ہے۔ دیکھو اس درخت کے پتوں کا ذائقہ، مزہ اور بو یکساں ہے۔ مگر ریشم کا کپڑا اس پتے کو کھٹکا کر ریشم نکالتا ہے۔ شہد کی مکھی اس سے شہد حاصل کرتی ہے۔ بکری کھائے تو میٹھکیاں نکالتی ہے۔ اور ہرن کھائے تو کستوری پیدا ہوتی ہے۔ بتاؤ یہ خدا تعالیٰ کا کام نہیں تو! ہر کس کا کام ہے۔ پھر مختلف چیزیں ایک ہی پتہ کھاتی ہیں اور ان سے مختلف چیزیں نکلتی ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کی قدرت نامتناہی بیکار ہے۔ کہ چاروں چیزیں کو الگ الگ پیدا کرتا ہے۔

اہم احمد سے بھی کسی نے یہی سوال کیا۔ فرماتے گئے کہ انڈو قلعہ کی مانند ہے۔ اوپر سے سفید اور پکن اور اندر سے سونے کی طرح زرد ہے۔ یہ اچانک پھٹتا ہے۔ تو اس سے جمع دہیہ نکلتا ہے۔ یہ خوبصورت جانور کون نکالتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی قدرت کے سرا اور کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ان ہی مسنوعات پر غور کرنے سے اس کی قدرت، حکمت، خالقیت اور ربوبیت کے دواور کھیریں آتے ہیں۔ لہذا اگر خدا تعالیٰ کی صفت سمجھ میں آگئی۔ تو پھر ربوبیت بھی ٹھکانے لگے گی۔

فَرَلَمَّا اَلْقٰ ذٰلٰکَ جَمَعَ لَکُمُ الدَّهْرَ فَرَضَاکَ وَہ خدا تعالیٰ جس نے زمین کو تمہارے لیے فرشتے بنایا۔ زمین کی ساخت اس طرح کی ہے کہ زلزلہ کی طرح نرم اور ز

پتھر کی طرح سخت۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا مختل بنایا ہے کہ انسان اپنی قلم ضرورت
 اسی سے پوری کرتا ہے۔ اسی پر پتے پھرتے ہیں، کھیتی باڑی کرتے ہیں، مکان بناتے
 ہیں، غرض زمین کو کمال درجے کا فرش بنایا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ
لَكُمْ تَقْوَنَ ۖ (۲۱) الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ وَرِثَةً وَالسَّمَاءَ
بِنَافٍ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَخَرَجَ بِهِ مِنَ الشَّجَرِثِ رِزْقًا لَكُمْ
فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (۲۲)

ترجمہ: اے لوگو! عبادت کرو اپنے پروردگار کی، جس نے تم کو پیدا کیا ہے۔ اور ان
لوگوں کو جو تم سے پہلے گذرے ہیں، تاکہ تم ہیچ جاؤ (۲۱) وہی رب جس نے تمہارے
لیے زمین کو فرش اور آسمان کو رحمت بنایا ہے اور آسمان کی طرف سے پانی اتارا ہے۔
پھر اس پانی کے ذریعے پھل سے تمہارے لیے روزی نکال ہے۔ پس نہ ٹھکراؤ
مشتعلیٰ کے لیے شرک اور تم جانتے ہو (۲۲)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ ۖ إِنَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَرِثَةً
لَكُمْ تَقْوَنَ ۖ (۲۱) الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ وَرِثَةً وَالسَّمَاءَ
بِنَافٍ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَخَرَجَ بِهِ مِنَ الشَّجَرِثِ رِزْقًا لَكُمْ
فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (۲۲)

توحید عبادت کے لیے شرط ہے۔
حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر اس طرح بیان کرتے ہیں: اَعْبُدُوا رَبَّكُمُ ۖ وَرِثَةً لَكُمْ تَقْوَنَ ۖ
اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو، اور مغربین کو کم فرواتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما
کی تفسیر دو طریقے پر ہے۔ وَرِثَةً وَاللَّهِ میں توحید کا لفظ پہلے بیان کیا، کیونکہ توحید عبادت کے
لیے شرط ہے۔ اگر توحید ہوگی۔ تو عبادت بھی کارآمد ہوگی۔ ورنہ کوئی فائدہ نہیں جس طرح نماز کے
لیے طہارت شرط ہے۔ یعنی طہارت کے بغیر نماز اور نہیں ہوگی۔ اسی طرح توحید کے بغیر عبادت
نہیں ہوگی۔ تفسیر کے دوسرے طریقے میں وَرِثَةً وَاللَّهِ کا معنی یہ کیا ہے۔ کہ عبادت صرف
ایک خدا کے لیے کرو۔ یہ توحید فی العبادہ ہے۔ خدا کے سوا کسی دوسرے کے لیے عبادت
برگز جانے نہیں۔ بلکہ ایسا کرنا کفر، شرک اور حرام ہے۔

دلائل توحید

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے قوی دلائل موجود ہیں۔ سب سے پہلے خدا تعالیٰ جو مبالغہ آور قادر ہے۔ اس کی صفات کا ذکر ہے۔ کہ اس کے مشابہ کوئی چیز نہیں۔ نہ اس کا کوئی نہ معنی متبادل یا شریک ہے اور نہ اس کی کوئی مثل ہے۔ وہ ایسی اعلیٰ ذات ہے جسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔

دلائل توحید کے متعلق فرمایا کہ آسمان کی ہندی پر غور کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بغیر ستون کے قائم کیا ہے۔ اس بات کا اشارہ سورۃ رعد میں کیا گیا ہے: لَا تَحْزَنُ عَمْدٌ شَرٌّ وَهَكَاءُ اسے تم بغیر ستونوں کے دیکھ رہے ہو۔ دنیا میں کوئی جہت بغیر ستون کے کھڑی نہیں ہو سکتی۔ مگر یہ خدا تعالیٰ کی ذات ہے جس نے آسمان جیسی عظیم الشان جہت کو کھڑا کیا ہوا ہے۔ لطف یہ ہے کہ جب سے اسے قائم کیا ہے۔ اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں آیا۔ جب تک چاہے جو آسمان کو اسی حالت میں قائم رکھے گا۔ اور جب چاہے گا۔ اسے توڑ پھوڑ دے گا۔ اور یہ درہم برہم ہو جائے گا۔ اسی بات کو دوسری جگہ یوں بیان کیا وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ رِجْجًا مَحْفُوظَةً وَهِيَ عَلَى الْاَرْضِ ثَقَلَةٌ مُمَدَّدَةٌ دیکھو! ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا ہے مگر لوگ ہماری ان نشانیوں سے اعراض کرتے ہیں۔ ان میں غور و فکر نہیں کرتے۔

دلائل توحید کے سلسلے میں زمین کو دوسری دلیل کے طور پر پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کیسا ثبات بخشا ہے۔ اہم اور بزرگ خاص فرشتے ہیں۔ کہ زمین کے اوپر بھی ہوا ہے اور نیچے بھی ہوا ہے۔ اور اسے فضا میں بغیر کسی سائے کے قائم کر رکھا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی دلیل ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاَرْضَ وَ السَّمَاءَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَقُولُونَ لِمَ لَمْ يَأْتِ بِالْبَاقِيَاتِ مِنَ السَّمَاءِ اِنْ هِيَ اِلَّا اَسْمَانُ مَدْمُومَةٌ یعنی وہ ذات جس نے تمہیں اور تمہارے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔ پھر فرمایا اس رب کی عبادت کرو الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَرْضًا وَالَّذِي يَجْعَلُ لَكُمُ السَّمَاءَ بُرْجًا جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا۔ فرش بہتر دہی چٹائی وغیرہ کہتے ہیں جس پر انسان آرام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو فرش کے ساتھ اس طرح تعبیر کیا ہے۔

جیسا پاٹوں کے متعلق فرمایا: "وَالْجِبَالُ أَوْتَادٌ" یعنی پہاڑوں کو کیل بنایا، اور سورج کے متعلق آتا ہے: "وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا" سورج کو اللہ تعالیٰ نے چراغ بنایا۔

اہم البرجک جسامت فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قسم اٹھائے کہ میں قریش پر نہیں سوؤں گا۔ اور وہ زمین پر سو جائے۔ تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو بھی قریش سے تعبیر کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سب عام میں قریش، چار پائی، درمی، قالمین یا چٹائی کو کہتے ہیں۔ زمین کو نہیں کہتے۔ اس لیے قسم نہیں ٹوٹے گی۔

اسی طرح اگر کوئی شخص قسم اٹھائے کہ میں چراغ کی روشنی میں نہیں بیٹھوں گا۔ یا نہیں پڑھوں گا اور وہ سورج کی روشنی میں بیٹھ کر پڑھے۔ تو بھی اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ حالانکہ سورج کو بھی اللہ تعالیٰ نے چراغ کہلایا ہے۔ وجہ یہی ہے کہ غرت عام میں چراغ کا لفظ دینے والا نہیں پڑھتا جاتا ہے سورج پر نہیں لڑا جاتا۔ لہذا سورج کی روشنی میں اس کے لیے پڑنا مباح ہو گا۔

ابو الحسین قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قسم اٹھائے کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا۔ مگر وہ کھلی کھلے۔ تو اس کی قسم قائم ہے گی۔ حالانکہ کھلی بھی گوشت ہی کی ایک قسم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے خود اسے "لَحْمًا حَرِیًّا" یعنی تازہ گوشت فرمایا ہے۔ یہاں بھی وہی اصول کا فرما ہے۔ غرت عام میں گوشت کا اطلاق گائے، بھینس یا بھیڑ، بکری وغیرہ کے گوشت پر ہوتا ہے۔ کھلی پر نہیں ہوتا۔

قرآن پاک کی اولین دعوت اللہ وَحْدَهُ لَا شَرِیکَ کی عبادت ہے۔ اس مسئلہ میں تمام آسمانی کتب متفق ہیں کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کی جائے۔ قرآن پاک جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیتا ہے۔ اسی طرح غیر اللہ کی عبادت سے منع بھی کرتا ہے۔ اس آیت میں فرمایا کہ اپنے رب کی عبادت کرو۔ تو عبادت کو ربوبیت پر مرتب فرمایا۔ گوہ ربوبیت عبادت کی علت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اسی لیے کہ وہ رب ہے۔ اگلی آیت میں ربوبیت کی تشریح بیان کر دی گئی ہے کہ اس نے تم پر ایسے ایسے انعام کئے ہیں۔ لہذا اس کی عبادت ضروری ہے۔ ربوبیت

کے سلسلہ میں سب سے پہلے صفت خلق کا ذکر ہے۔ اور پھر ظاہری، باطنی، علمی، اور عقلی ہر قسم کے انعام کا بیان ہے۔ اس ضمن میں قرآن پاک بھی ایک بہت بڑا انعام ہے۔ اس کے چار عمدہ مضامین یعنی توحید، رسالت، قرآن کی حقانیت اور معاد کا ذکر ہو چکا ہے۔

مبارکت و تعالیٰ
ذات باری تعالیٰ ہے

فرمایا اُس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا۔ جب انسان اپنے بسے میں خود کرے گا تو مجھے معلوم ہو گا۔ کہ پہلے وہ موجود نہیں تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُسے پیدا کیا۔ نہ صرف اُسے بلکہ اُس کے آباء و اجداد کو بھی پیدا فرمایا۔ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ تَرَوْنَ سُنَّةَ الْاَوَّلِينَ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی ہر جے خالق وہ ہے باقی سب مخلوق ہیں۔ عاجز اور محتاج ہیں۔ انسان اس قدر بے بس ہے۔ کہ اُس کے جسم کی کھال کا کوئی حصہ اتر جانے تو ساری مخلوق لڑکھڑکے وہ کھال مینا نہیں کر سکتی۔ اس سلسلے میں نہ جنات کوئی مدد کر سکتے ہیں۔ اور نہ فرشتے۔ نہ ایک انسان کسی کام آ سکتے ہیں۔ اور نہ جیسا کہ اس لیے خود انسان یا کسی دوسری مخلوق میں کوئی بھی عبادت کا حق نہیں۔ گویا کسی چیز میں ایسی صلاحیت موجود نہیں جس کی بنا پر اس کی عبادت کی جائے۔ لہذا عبادت صرف اسی ذات اقدس کی ہو سکتی ہے۔ جو واجب الوجود ہے۔ یعنی جس کا وجود خود بخود ہے جو خالق رب عظیم کل قاطب مطلق مختار کل اور نفع و نقصان کا مالک ہے۔ جو ازلی و ابدی ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ موجود رہے گا۔ باقی ہر چیز حادث اور فانی ہے۔ لٰكُنْ شَيْءٌ مِّنْ هٰكِلَ الْاٰتِ وَلَا وَجْهًا۔ ہر چیز بافضل بلك ہے۔ یا فانی ہو جانے لگی۔ دہلہ اور بدلتی صرف اس ذات اقدس کیلئے ہے۔ جو محسن اور منعم ہے۔ جو سمیع و بصیر ہے لہذا عبادت بھی اسی کی ہو سکتی ہے۔ فرمایا عبادت کہنے کا فائدہ یہ ہو گا لَعَلَّكُمْ تُتَّقُونَ، تاکہ تم خدا کی پکڑ اور اس کے عذاب سے بچ جاؤ۔ تقویٰ بچاؤ کو کہتے ہیں کہ اگر اس کی عبادت کرتے رہو گے تو بچ جاؤ گے ورنہ اس کی گرفت میں آ جاؤ گے۔ عبادت الہی کو لازم پکڑ دگے تو دنیا میں بڑائی سے بچ جاؤ گے۔ اور آخرت میں عذاب سے محفوظ رہو گے۔

زمین کے فوائد

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ رِشًا وَّسٰی قَادِرٌ مَّطْلُوقٌ اور مہربان خدا تعالیٰ جس نے زمین کو تمہارے لیے فرش کے طور پر بنایا۔ ایسا فرش جو نہ پتھر کی طرح سخت ہے اور نہ پانی کی طرح بالکل نرم۔ یہ ہوا کی طرح لطیف بھی نہیں بلکہ بالطبع اس کو خشک بنایا۔ تاکہ یہ

دوسری چیزوں کے ساتھ مل کر مٹی مرکب بن سکے۔ اور لوگوں کے کاروبار ٹھیک طور پر چل سکیں۔
 اس زمین میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی بے شمار نشانیاں ودیعت کی ہیں۔ کرۂ ارض کے مختلف
 حصوں کی زمین مختلف ہے۔ یہ بھی ایک نعمت خداوندی ہے۔ ”وَفِي الْأَرْضِ قِطْعٌ مُّتَجَعِدٌ“ زمین
 کے ٹکڑے الگ الگ ہیں۔ رنگت کے اعتبار سے کوئی حصہ سفید ہے۔ اور کوئی حصہ سیاہ ہے۔
 ”وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيَضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ“ کیں سرخ گھٹیاں
 ہیں اور کیں سیاہ پتھر ہیں۔ وضع قطع میں واضح اختلافات ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے زمین میں روئیدگی کی صلاحیت بھی رکھی ہے۔ قرآن پاک میں دوسری جگہ آتا
 ہے ”وَالْأَرْضُ ذَاتُ الصَّدَاجِ“ قسم ہے زمین کی جو بھٹ کر پودے اور نباتات کو باہر
 نکالتی ہے پانی کو اپنے اندر جذب کر کے محفوظ رکھتی ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی
 اتارتا ہے۔ اور دوسرے مقام پر فرمایا ”فَسَلَكْنَا بَيْنَ يَدَيْهِ فِي الْأَرْضِ“ پھر اس کو زمین میں
 نالیوں اور چشموں کی شکل میں چلاتا ہے۔ ضرورت کے وقت چشمے یا نریں جاری ہو جاتی ہیں۔
 یا کنوئیں کھود کر پانی حاصل کیا جاتا ہے۔ جس سے انسان، جانور اور کھیتیاں یکساں طور پر مستفید ہوتے
 ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے زمین میں کرم و سخاوت کا دوا دہ رکھا ہے۔ کہ اس میں ایک دانہ بیج دو
 یہ شتوڑ لے لو اسے گی۔ اس پر خود قرآن شاہد ہے۔

زمین میں انسان ہر روز موت و حیات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ایک جگہ فرمایا ”وَآيَةٌ
 لَهُمُ الْأَرْضُ الْمَيِّتَةُ“ اَحْيَيْتُهَا وَيَكْفِيهِمْ اَنْزِلْنَا فِيهَا مَاءً“ جس میں انسان شام
 ہوتی ہے۔ پھر اس کو ہم زندہ کر دیتے ہیں۔ اس کا مشاہدہ لوگ ہر موسم میں کرتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ
 کی قدرت اور قیامت کا نقشہ انسان کی نگاہ میں ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے زمین
 میں مختلف قسم کے جانور بھیلا دیئے ”وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ“ جن میں انسان شمار
 نہیں کر سکتا۔ پھر دیکھو! اللہ تعالیٰ نے زمین کے مختلف طبقات میں مختلف قسم کے پتھر رکھ
 دیئے ہیں بڑے بڑے قیمتی اور گرہلی سے معمولی ہر قسم کے پتھر ان کی ضروریات کے لیے موجود ہیں۔
 زمین کی نادیدیت کے متعلق مزید فرمایا ”خَلَقْنَا لَكُمْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا“
 لے لو! تمہارے لیے فائدے کے لیے زمین کی ساری چیزوں کو پیدا کیا۔ ذرا غور کرو۔ پتھروں

میں عقیق اور یاقوت بھی ہے۔ اور زمرد اور ہیرا بھی۔ نفیس مرمر اور سنگِ خارا بھی ہے۔ جُف مُرغ بھی ہے اور ساق بھی ہے۔ پھر یہ کہ زمین میں اللہ تعالیٰ نے وسیع کانیں رکھ دی ہیں۔ کہیں سونے کی کان ہے۔ اور کہیں چاندی کی کہیں سے تانبا نکل رہا ہے۔ اور کہیں سے لوہا کہیں سے پٹرول برآمد ہو رہا ہے۔ اور کہیں سے کسی اور تیل کے پٹنے اُبُل رہے ہیں۔ صنعتِ معرفت کا سالہ دُرودہ دُرانہیں کانوں پر ہے۔ اگر زمین پر چیزیں میاں کرے۔ تو تمام کارخانے بند ہو جائیں اور پوری دنیا افرا تفری کا شکار ہو جائے۔

یہ بڑے بڑے پہاڑ اور سلسلہ ہائے کوہِ زمین پر بھی قائم ہیں۔ جن کے ساتھ انسان کے بے شمار فوائد وابستہ ہیں۔ سورۃ حجر میں فرمایا، اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو اس لیے پیدا کیا کہ تم ساری زمین کا توازن قائم رہے۔ اور یہ مضطرب نہ ہونے پائے۔

فرمایا اُس ب کی عبادت کرو جس نے آسمان کو چھت بنایا وَالسَّعَادَاتُ بِآمِنٍ یہ بھی خدا تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ دیکھو! روشنی کے لیے مساب اور آفتاب کو آسمان میں ہی رکھا ہے۔ اس میں سائے اور تپائے بھی ٹھکے ہیں۔ قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کے اعمال کے صعود کی جگہ آسمان ہے۔ اور اُدھر سے نزول و جی کا مقام بھی آسمان ہے فرمایا وَجِب رَبِّ وَانْزَلَ مِنَ السَّعَادَاتِ مَا نَزَلَ مِنَ السَّعَادَاتِ یعنی پانی کے ذریعے زمین سے پھلوں کو نکالا جو تمہارے لیے روزی کا ساق ہیں۔ اگر آسمان سے پانی نازل نہ ہو۔ تو کھیتی باڑی نہ ہوسکتی۔ درخت سوکھ جائیں۔ اور زکوٰۃ کی فصل پیدا ہو اور نہ کوئی پھل۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُسی رب کی عبادت کرو۔ جس نے پانی اتار کر یہ تمام نعمتیں تمہارے استفادہ کے لیے پیدا فرمائیں۔

یہ سب نعمتیں ذکر کرنے کے بعد فرمایا فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اُسْدًا اَجِب یہ تمام انعامات اللہ تعالیٰ نے عطا کیے ہیں۔ تو پھر اُس کے لیے فِد نہ ٹھکراؤ۔ اِس کا شریک نہ بناؤ۔ نہ کاغظی معنی ہے۔ اِش لساوی نگر اصطلاحاً نہ اس کو کہتے ہیں۔ جو ذات اور جو ہر میں شریک ہو۔ جبر کا شریک ہے۔

آسمان اور پانی کی نعمت

لفظ کا معنی

اَتَيْنَا جَمْعًا رَافِقًا. وَهَلْ تَسْمَعُونَ لِيْ حَيْثُ نَقِيْدُ
تم نئی تیم کو میرا شریک بناتے ہو۔ حالانکہ نئی تیم تو کسی شریف آدمی کے شریک نہیں بن سکتے
وہ تو کھینے آدمی ہیں۔

ایک مذہب ہے اور ایک کشمیر ہے، شبیر یا شاہ اُس چیز کو کہتے ہیں۔ جو کیفیت میں
برابر ہو جیسے گرمی، سردی، بختی، نرمی وغیرہ۔ اسی طرح جو چیز طول، عرض اور عمق میں برابر ہو۔
اُسے مشکل کہتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ کے لیے شریک مت مقرر، کیونکہ خدا تعالیٰ
کے سوا واجب الوجود کوئی نہیں۔ اس کے علاوہ کوئی عظیم کل اور قادر مطلق نہیں۔ یہ ایسی صفات ہیں
جن میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں، بہتر تم جہالت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا نہ مقرر کرتے ہو۔

آج دنیا میں خدا تعالیٰ کے مقابل اور شریک مقرر کرنے والے بیشمار جوگی موجود ہیں۔ شیخی
مذہب والے دو خدا مانتے ہیں۔ ایک نیلی کا در سر رہی کا۔ ایک کانام یزدان رکھا ہے۔ اور
دوسرا کانام اہرمین۔ ان کے نزدیک ایک شر کا خدا ہے۔ اور دوسرا خیر کا۔ تو یہ خدا اور بت
اور ظلمات کا اور ہے۔ حالانکہ سورۃ النعام میں پڑھیں گے: حَبَّكَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّجُوْمُ
یعنی ظلمت اور نور اُسی وعدہ لا شریک لہ کے پیدا کر رہے ہیں۔ اس میں کوئی اس کا شریک نہیں
اور یہ وہی ذات ہے جس نے خود نہیں مٹی پیدا کی ہے۔

بعض لوگ ساروں میں مستقل تاثیر کے قائل ہیں۔ ایسے لوگ نیک، نکی اور بخی اور ترقی و
تنزل کو ساروں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ صابی فرقہ کے لوگ ہیں۔ جو ساروں کو اللہ تعالیٰ
کا بہرہ مقرر کرتے ہیں۔

بعض لوگ اصحاب قبور سے حاجتیں طلب کرتے ہیں۔ اور اس طریقے سے خدا کا مذہب
مقرر کرتے ہیں۔ بعض لوگ پیروں کو ہر حالت میں مستجاب الدعوات کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ
خدا چاہے راضی ہو یا ناراض پیر ہر حالت میں سفارش کریں گے۔ آج کل پیر پرست لوگوں کا یہ عقیدہ
ہے۔ کہ پیر کا دامن پکڑ لیا ہے۔ بس پیر ہو جائیں گے۔ کسی نیکی بھی کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ اس
قسم کی سفارش کو قرآن پاک نے جبری سفارش سے تعبیر کیا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں
اَوْ لَعَنَ الرَّحْمٰنُ اللّٰہَ تعالیٰ کے ہاں کوئی جبری سفارش نہیں ہوگی۔ سفارش کی اجازت اُسے

ہوگی جس سے خدا تعالیٰ راضی ہوگا۔ اور جس کا عقیدہ خدا تعالیٰ کو پسند ہوگا۔ چونکہ کفر و شرک اللہ تعالیٰ کے ہاں مردود عقائد ہیں۔ لہذا کسی مشرک کی سفارش ممکن نہیں ہے۔ یہ نہ پھر ان کے مختلف صورتیں ہیں۔

شُرک فی اثبیت بعض لوگ مشیت میں شرک کرتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے ایک شخص نے کہا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَمَا شِئْتُ تَرَاہُیَ فَرَاہَا اَجْعَلُ فِیْیَ لِلّٰہِ بِذَا کِیَامَہِ بَیْہِ خُدا کے ساتھ خیریک مٹھرایا ہے۔ قُلْ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَہُ کُہو جو صرف اللہ تعالیٰ چاہے۔ قرآن پاک میں موجود ہے مَا شِئْتُ وَاِنْ اَنْ شِئْتُ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ تم اس وقت تک نہیں چاہ سکتے۔ جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے۔ البتہ بعض روایات میں یوں آیا ہے کہ کُہو مَا شَاءَ اللّٰهُ جو اللہ چاہے۔ اس کے بعد جو تمنا ارادہ ہے اس کے مطابق عمل کرو۔ شرک سے بچ جاؤ گے۔

شُرک فی العادۃ شاہ اسماعیل شیعہ اور دوسرے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ شرک عبادت میں بھی ہوتا ہے۔ اور عادت میں بھی ہوتا ہے۔ شرک فی العادۃ کی مثال زنا کرنا کا دھاگا ہے۔ جو بندہ یا جو کسی اپنے جسم کے ساتھ باندھتے ہیں۔ عیسائی صلیب باندھتے ہیں۔ یہ بھی شرک فی العادۃ ہے۔ حضور علیہ السلام نے صلیب کو کفر کی نشانی بتایا ہے۔ اسی لیے فرمایا اَطْرَحْ عَنْکَ هَذَا الْوُثْنُ اِسْمُ اتَارِ دُہو یہ بُت ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب مسیح علیہ السلام دوبارہ تشریف لائیں گے تو صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ صلیب کی ٹکڑی اسی لیے ہوگی۔ کہ یہ کفر کی نشانی ہے۔ اور وہ بھی نبی کے نام پر۔ اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ کہ عیسائیوں نے اُسے بکری کی طرح ملال قرار دے لیا ہے۔ حالانکہ یہ کسی نبی کی شریعت میں حلال نہیں مٹھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جتنے پیغمبر آئے ہیں۔ سب کی شریعتوں میں خنزیر حرام ہی رہا ہے۔

۱۔ تفسیر ابن کثیر ص ۵۹۰، اور منظر ص ۲۵۰، ۲۔ طہ تقویۃ الایمان ص ۹۱۰، ۳۔ ترمذی ص ۱۱۱

۴۔ ترمذی ص ۱۱۱، ۵۔ مسلم ص ۸۹، ۶۔ حوزۃ المدینہ ص ۱۱۱

بعض لوگ پہنچے کے سر پر چوٹی رکھ کر شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ چوٹی فلاں بزرگ یا فلاں خواجہ کی رکھی ہے۔ اگر یہ چوٹی نہ رکھتے تو کچھ مر جاتا۔ یہ مصریح اہل شرک ہے۔ بعض لوگ جو سیوں کے نوروز یا عیسائیوں کے بڑے دن کی تعظیم بجا کر شرک کرتے ہیں۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں۔ ایسے مواقع پر جو تختہ میں پھول، دار، ڈال یا کوئی اور بد پریش کو بیٹھا تعظیم کرنا تو شرک میں مبتلا ہو جائے گا۔ بعض مشائخ نے کفر تک کا فتویٰ لگایا ہے۔

کچھ لوگوں کے اندر مذہب نانے کا طریقہ یہ ہے۔ کہ وہ غیر اللہ کے تقرب کے لیے ذرذہناں بیٹے ہیں۔ ہم ہر مذہب مشاہدہ کرتے ہیں۔ کہ قبروں اور زیارتوں پر کس کس طرح اور کس کس نام کے عرض منفعہ ہو رہے ہیں۔ یہ سب بدعت اور بعض شکلوں میں شرک ہے۔ بعض لوگ غیر اللہ کی قسم اٹھا کر شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور کچھ غیر اللہ کے نام پر نیچے کا نام رکھ کر شرک کرتے ہیں۔ جیسے عبدالصطفیٰ، علاؤ اللہ صبح طریقہ یہ ہے۔ کہ عبداللہ عبدالرحمن وغیرہ نام رکھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی جائے۔

بعض لوگ استعانت طلب کرنے میں شرک کرتے ہیں یعنی غائبانہ طور پر اُفوق الاسباب قبروں والے بندگروں اور اولیاء سے مدد چاہتے ہیں۔ یہ سب شرک ہے۔ ”وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ“ خدا تعالیٰ کی ذات ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ اُس سے مدد طلب کر دو۔ تم غائبوں کے آگے ہاتھ پھیلا رہے ہو۔ جن کا کوئی اختیار نہیں۔ ان کو تو یہ بھی علم نہیں کہ تم کس تکلیف میں مبتلا ہو۔ چہ جائیکہ ان کے آگے دست سوال دراز کر دو۔

بعض لوگ جانور ذبح کرتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَکْبَرُ کے ساتھ کچھ اور اضافہ کر کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ جیسے بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاسْمِ مُحَمَّدٍ یا بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاسْمِ فَلاَنٍ یعنی فلاں بزرگ یا فلاں پیر کے نام پر۔ ایسی صورت میں جانور سر سے مرہ دار ہو گیا۔ فقہائے کرام نے اسے بسم اللہ میں شرک قرار دیا ہے۔

اور کچھ لوگ ایسے ہیں۔ جو شیخوں سے کہ شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ بخیر علیہ السلام

لے فرمایا اَلْعَبْدُ لِرَبِّهِ شَرُّكَ لَنَا شَرُّكَ کی بات ہے۔ بعض لوگ غیب کی خبریں معلوم کرنے کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کماہن، سناسی، بھومی، دست شناس یا جادو کے پاس جا کر پوچھتے ہیں۔ اور ایمان کو ضائع کر لیتے ہیں۔ اس قسم کی خبروں پر یقین نہیں کرنا چاہیے۔ یہ اپنی جیب سے پیسے دیکر شرک خریدنے کے مترادف ہے۔

بعض لوگ تعویذ گنڈے کی شکل میں شرک کرتے ہیں۔ تعویذ گنڈے کرنے والے اکثر غلط کار لوگ ہوتے ہیں۔ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے کلام یا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق پڑھ کر دم کرے یا لکھ کر دے دے، تو جائز ہے۔ وگرنہ یہ لٹنے لٹنے کے ساتھ طرح طرح کی شرک و بدعت ہوتی ہیں۔ یہ سب شرک یا بدعت اور معصیت کی باتیں ہیں۔

بعض لوگ غیر اللہ کو غائب طور پر پکار کر شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جیسے باشیخ عبد القادر جیلانی شکیب اللہ یہ خدا کا شرک ہے۔ اور پھر ان سے حاجتیں بھی طلب کرتے ہیں۔ حضرت شاہ اسماعیل شہید تعویذ الایمان میں لکھتے ہیں کہ دیکھو! ایسے لوگ کتنی غلط بات کرتے ہیں کہ بندے کو اصل عمر دیا۔ اور خدا تعالیٰ کو واسطہ بنا دیا۔ اگر اس کا الٹ کر دیتا تو درست تھا۔ یعنی یا اللہ شکیب اللہ للشیخ عبد القادر جیلانی۔ اے مولا کریم! شیخ عبد القادر جیلانی کے واسطے اور ان کے طفیل سے میرا یہ کام کر دے۔ مگر اس شخص نے شیخ عبد القادر جیلانیؒ کو مستغنی بنا کر اللہ تعالیٰ کو واسطہ کے طور پر پیش کیا۔ اور اس کے ساتھ توہین کا بھی مرتکب ہوا۔ غیر سے امداد طلب کر کے کفر میں مبتلا ہوا۔

شرک جلی کے بعد شرک خفی کا ذکر بھی ہو جائے۔ شرک خفی ریا
 میں پایا جاتا ہے۔ بعض دوسری اعتقادی صورتوں میں ہوتا ہے۔ چونکہ اس قسم کا شرک خفیست
 ہوتا ہے۔ اس لیے اس سے بچنے کے لیے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ لام کہ بکثر ذلک منہ عنہ
 کی مثال دی گئی ہے۔ کہ بعض دَاللہ وَحَیَاتُہُ اللہ کی قسم اور تیری زندگی کی قسم یا میری زندگی کی
 قسم یا بعض لوگ اس طرح کہہ جاتے ہیں کہ اگر رات کو یہ کتا نہ ہوتا تو ہم لٹ جاتے۔ یہ بطعن

مکان میں موجود تھی جس کی وجہ سے ہم چوری سے بچ گئے۔ یہ شرک غنی کی مثالیں ہیں۔ علم محمد سے
میں یوں بھی کہا جاتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب یا حکم صاحب کی مہربانی سے مرخص ہو گیا۔ ورنہ مرگیا
تھا۔ یہ ہر سے دائر یا چپڑا کی نہ ہوتا۔ تو ہم تباہ ہو گئے تھے۔ یہ تمام چیزیں اس لیے شرک غنی کی
فہرست میں آتی ہیں کہ ان چیزوں کو مؤثر سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ ہر چیز میں اثر ڈالنے والی ذات
تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

اس طرح غیر اللہ کی عبادت مطلقاً کفر اور شرک ہے۔ اسی طرح غیر اللہ کی بلا استقلال اطاعت
بھی شرک ہے۔ اطاعت غیر کا مطلب یہ ہے کہ نبی یا کسی بزرگ کی اطاعت کرتے ہیں۔ مگر اس کو
بتبع نہیں سمجھتا بلکہ سب کچھ اسی کو سمجھ رہے ہیں۔ یعنی وہ جو بھی حکم کرے گا، اس کی اطاعت و پورا
اطاعت کی جائے گی۔ اِنْ تَخِذُوا اَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ
اسی کو کہا گیا ہے۔ انہوں نے اپنے علماء و مشائخ کو رب بنا لیا تھا۔ یہ شرک ہے۔ البتہ نبی کی مطلق
اطاعت فرض ہے کیونکہ نبی کے بغیر انسان اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی اور اس کی خوشنودی
معلوم نہیں کر سکتا۔ مگر نبی کا حکم متعلق نہیں ہوتا، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہوتا ہے۔
وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ہم نے دنیا میں انبیاء (علیہم السلام) کو
اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی اطاعت کی جائے۔ نبی کی اطاعت فرض
ہے بحیثیت رسالت کے۔ اور علی الاطلاق صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ نبی کے
لفظ میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ اپنی وجہ سے کوئی حکم نہیں دیتا، بلکہ اِنْ اَمَرَ اِلَّا مَّا
يُؤْتِيهِ اللّٰهُ مِثْلَ اَمْرِ رَّسُوْلٍ اس کی تعمیل کرتا۔ ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے یعنی مجاہد بشیر ہوتا ہے
باقی ربی یہ بات کہ علمائے کرام، مجتہدین، شیخ طریقت، باو شاہ وقت، امرا، حکام اور
والدین کی اطاعت بھی کی جاتی ہے۔ نیز غلام اپنے آقا کی اطاعت بھی کرتا ہے۔ تو یہ سب اطاعتیں
اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ مقید ہیں۔ کہ اس کے حکم کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔ شیخ، پیر، حاکم،
استاد اور والدین کی اطاعت، غلام کی اطاعت وغیرہ اسی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ کہ وہ
اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف نہ ہو۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا طَاعَةَ لِمَا خُلِقَ فِيْ

مَعَصِيَةِ الْخَالِقِ خَالِق کی معصیت کرتے ہوئے، اس کی نافرمانی کرتے ہوئے۔ مخلوق کی اطاعت
 مانیں ہے۔ ایسا کرنا شرک کے مترادف ہے۔ ان کی اطاعت مطلق نہیں ہے۔ بلکہ نبی کی
 اطاعت مطلق ہے۔ کیونکہ نبی اپنی جانب سے حکم نہیں دیتا۔ بلکہ وہ بجانب اللہ ہوتا ہے۔ باقی
 لوگ چونکہ اپنی طرف سے حکم دیتے ہیں، اسی لیے ان کے حکم کو جانچنا ہو گا۔ صحیح حکم کی اطاعت
 ہوگی۔ اور خلاف شرع غلط بات کو ٹھکرا دیا جائے گا۔

اسی لیے فرمایا فَذَلِكُمْ تَجْعَلُونَ اَللّٰهُ اَفْدَا ذَا اَنْتُمْ تَعْلَمُونَ اللہ تعالیٰ کے
 لیے بزدل ٹھہراؤ۔ اور تم جانتے ہو کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی سچی عبادت نہیں۔ کوئی نافع اور ضد
 نہیں۔ کوئی خالق اور قادر مطلق نہیں۔ جب یہ تمام صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ تو پھر اس کی عبادت
 اور اس کی صفات میں غیروں کو کیوں شریک مانتے ہو مسئلہ توحید قرآن پاک کا بنیادی مسئلہ ہے۔
 اللہ تعالیٰ نے ان دو آیتوں میں یہ مسئلہ سمجھا دیا ہے۔ اس کے بعد دوسرے مضامین ہوں گے۔

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ
مِثْلِهِ ۚ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ كَمَا مَنِ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ
صَادِقِينَ ﴿٢٢﴾ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَأْزَنُوا
النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ أَعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ
﴿٢٣﴾ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ
جَنَّاتٍ جُزْيُ مِنْ تَحْتِهَا أَنْهَارٌ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ
ثَمَرَةٍ زُرِقُوا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأُتُوا بِهِ
مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا أَنْجَارٌ مَطْمَهِرَةٌ وَهُمْ فِيهَا
خَالِدُونَ ﴿٢٤﴾

ترجمہ: اور اگر تم اس چیز سے شک میں ہو جس پر ہم نے نازل کیا ہے پس نبی سے
(یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی لاؤ تم ایک سورۃ اس کے مانند اور بلاؤ اپنے
دو گواہوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اگر تم سچے ہو ﴿۲۲﴾ پھر اگر تم نہ کر سکو اور میری مذکر
سکو گے پس پھر اس آگ سے جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے جو کھنڈ کرنے والوں
کے لیے تیار کی گئی ہے ﴿۲۳﴾ اور آپ خود بخبری سنا دیں ان لوگوں کو جو ایمان لائے
اور جنوں نے اپنے عمل کیے کہ بیشک ان کے لیے باغات ہیں جن کے سامنے
نہر بہتی ہیں جب بھی وہ ان بہتوں میں پھلوں سے روزی دیے جائیں گے
تو کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے روزی دی گئی اور وہ اس
میں دیے جائیں گے ایک درخت کے مشابہ میل اور ان کے لیے ان بہتوں
میں پاکیزہ دریا ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ بہنے والے ہوں گے ﴿۲۴﴾

سورۃ کے ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کا جواب

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ . پیرانسلوں کے تین گروہ بیان فرماتے۔ پہلا مومنین . متقین کا گروہ . اور اس کے اوصاف بیان فرمائے . اس کے بعد دوسرے گروہ کفار کا ذکر کیا جو ظاہراً اور باطناً اللہ تعالیٰ کی توحید اس کے دین اور قیامت کے منکوب ہیں اس کے بعد تیسرے آیات میں منافقین کا حال ذکر کیا۔ جو سب سے زیادہ خطرناک گروہ ہے ان کی علامات کارنامے اور ان کی ذہنیت کا بیان ہوا۔ اس کے بعد مشاؤون کے ذریعے ہر دو قسم کے منافقوں کی نشاندہی کی۔ جو کفر میں پہچنے ہو چکے ہیں یا پھر ابھی متردد ہیں۔ اور پھر ان کے بڑے انجام کا بھی ذکر فرمایا۔

سورۃ بقرہ دو سو چھیالیس آیات کی سب سے لمبی سورۃ ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے مکی زندگی میں جس قدر سورتیں نازل ہوئیں اور ان میں جتنی تعلیم دی گئی۔ سب کا خلاصہ اس سورۃ میں آگیا ہے اس کے علاوہ اور بھی بہت سے احکام اس میں آگئے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے نظام کو مکمل طور پر اس میں بیان فرمادیا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلی بنیادی تعلیم جس پر تمام کتب آسمانی متفق ہیں اس کا حکم دیا کہ ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ“ یعنی عبادت خالق اللہ تعالیٰ ہی کی کرنا۔ اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس کے بعد معرفت الہی پر زور دیا کہ اللہ تعالیٰ کی پہچان ضروری ہے۔ اس کے بغیر عبادت بھی کسی کی کارآمد نہیں۔ مشرکین اور یہود نصاریٰ اگرچہ خدا تعالیٰ کو مانتے تھے۔ مگر صحیح پہچانتے نہیں تھے۔ اسی لیے وہ ناکام ہوئے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی پہچان اس کی ذات سے نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ انسانی عقل و فہم سے بلند ہے، وہ ان ملک کسی کی رسائی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وہ صفات جو عالم جبروت سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کا پہچانا بھی بڑا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت کی پہچان اس کی مخلوق اور اس کی معصوم عبادت میں عجز کرنے سے ہوتی ہے۔ جب کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کو پہچان لیتا ہے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو بھی پہچان لیتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان صفات کا ذکر کیا ”رَبِّكُمْ الَّذِي خَلَقَكُمْ“ تمہارا رب وہ ہے۔ جس نے تمہیں پیدا کیا۔ اس کے سوا کوئی خالق ہے نہ قادر مطلق ہے اور عظیم کل ہے۔ عبادت کے لائق وہی ذات ہے۔ جو ان صفات کی مالک ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ربوبیت اور خالقیت کو بیان کیا کہ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے کس طرح زمین کو تمہارے لیے بچھنا اور فرش بنا دیا۔ اور آسمان کو چھت کی مانند کھڑا کر دیا۔ آسمان سے پانی اتار کر پھلوں کے

ذریعے تہمدی روزی کا سامان مہیا کر دیا۔ لہذا عبادت صرف اسی کی کردہ۔ فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰہِ
اَشْدَٰ اَدَاً کہیں چیز میں بھی خدا کا شریک نہ بناؤ۔ تم جانتے ہو کہ خدا کے سوا دوسرا کوئی کچھ بھی نہیں
کر سکتا۔ سائے محتج اور اس کی عاجز مخلوق ہیں، خواہ وہ انسان ہوں۔ جن ہوں یا فرشتے۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی ان آیات میں چار عمدہ مضامین کا ذکر کیا۔
یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کریمہ بنیادی سکھ ہے۔ اس کے بعد رسالت ہے۔ کہ نبی پر ایمان لائے بغیر
اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے اوامر اور نواہی کا علم نہیں ہو سکتا۔ بڑے بڑے یونانی حکماء محض
اس لیے غمراہ ہوئے کہ انہوں نے نبیوں کی اتباع کی ضرورت کو محسوس نہ کیا۔ وہ تو کہتے تھے کہ
یہ تو جاہل لوگوں کے لیے ضروری ہے۔ ہم تو بڑے عظیم ہیں۔ تیسرا مضمون خود قرآن پاک کی
صلہ وقت ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ اور چوتھا مضمون قیامت
پر ایمان ہے۔ نیک و بد اعمال کی جزا و سزا قیامت پر منحصر ہے۔ لہذا اُس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔

ان حالات میں قرآن پاک کو پیغمبر علیہ السلام کا اٹھا ذکر فرمایا ہے وَرَأٰی کُنُوزًا
فِیْ زَبِیْبٍ مَّعًا شَرَفًا عَلٰی عِبَادِنَا اگر تمہیں اس چیز کے بارے میں شک ہے۔ جو ہم
نے اپنے بندے یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے۔ کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے۔
گویا اس کلام الہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے نبی کی نبوت کی تصدیق مطلوب ہے۔ نبی دعوٰی کرتا
ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا فرستادہ ہوں۔ تو اُس کی تصدیق کے لیے کسی مجوزہ کا ہونا ضروری ہے۔
احادیث میں حضور علیہ السلام کے تین ہزار سے زیادہ مجربات کا ذکر آتا ہے۔ مگر قرآن پاک حضور
علیہ السلام کا خصوصی مجوزہ ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو کوئی نہ کوئی خصوصی مجوزہ عطا
فرمایا ہے۔ پھر جس کی قسمت میں حضور وہ ایمان لے آیا۔ فرمایا میرا خصوصی مجوزہ وحی الہی ہے۔ جس
کے ذریعے قرآن پاک جیسا بیشمال مجوزہ عطا ہوا۔ اسی لیے آپ نے ارشاد فرمایا اَرْجُوْا اَنْ اَكُوْنَ
اَكْثَرُھُمْ تَابِعًا لِّیَوْمَ الْقِیَمَةِ یعنی مجھے امید ہے کہ قیامت کے روز سب سے زیادہ
پیروکار میرے ہوں گے۔ کیونکہ میرا خصوصی مجوزہ پائدار اور دائمی ہے باقی پیغمبروں کے مجربات مبنی تھے۔

قرآن پاک
خاص مجوزہ ہے

جو وقت کے ساتھ ختم ہو گئے۔ مگر میرا سچوہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ مومن علیہ السلام کا لامتناہی کا سچوہ حضرت صلح علیہ السلام کی اونٹنی کا سچوہ عارضی معجزات تھے۔ جو وقت گزرنے کے ساتھ ختم ہو گئے مگر حضور علیہ السلام کا سچوہ ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔

عبد با عزت
لفظ ہے

اس آیت میں حضور علیہ السلام کے لیے عبد کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جو کہ بڑا با عزت لفظ ہے
نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا کسی پیغمبر کی عبدیت کا اظہار اس کی بہت بڑی صفت ہے کیونکہ کامل درجے کی عبدیت انبیاء کرام علیہم السلام میں ہوتی ہے۔ اور پھر تمام نبیوں میں حضور علیہ السلام اکمل ترین بندے ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب نصیب ہے۔ قرآن پاک میں جہاں بھی عبد کا لفظ آیا، وہاں پر خاص انعام کا ذکر ہے۔ جیسے سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ، دوسری جگہ فرمایا "نَزَّلَ الْفُرْقَانُ عَلَىٰ عَبْدِهِ" ایک اور جگہ ارشاد ہے "فَأَوْسَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ" مآ آؤسویٰ الغرض یہ عبد کا لفظ نہایت اعلیٰ مقام کا حامل ہے نمازیں جب تک کوئی اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ نہ کہے۔ اس کی نماز کامل ہی نہیں ہوتی۔ تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ نہ تو خدا تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ نہ اوتار ہیں اور نہ خدا نے ان میں طول کیا ہے۔ زان میں اللہ عزت کی صفت پائی جاتی ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے اس کے عبد یعنی بندے ہیں۔ محمود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

بعض لوگ جہالت کی وجہ سے غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ انبیاء علیہم السلام بشر یا انسان نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ انسان ہونا فخر کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إِنِّي خَلَقْتُ بَشَرًا مِّنْ طِينٍ" میں تو مٹی سے انسان مٹی پر گزیدہ مٹی کو پیدا کرنے والا ہوں۔ بشر ہونا کوئی بے عزتی کی بات نہیں ہے۔ خاص طور پر عبدیت تو بہت اعلیٰ صفت ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ عطا کرے حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اندر تو عبدیت والی بات ہی نہیں پائی جاتی۔ ہماری عبدیت کی حالت خراب ہے۔ ہم گندے انسان ہیں۔ جو گناہوں سے آلودہ ہیں۔ جنہیں عبدیت کا مقام حاصل ہے وہ تو پاکیزہ نفوس ہیں جو ہر وقت خدا تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت میں مشغول رہتے ہیں۔

قرآن پاک
بطور پہنچ

خود قرآن پاک اس بات کا گواہ ہے کہ مشرکین اسے خدا تعالیٰ کا کلام ماننے کے لیے

تیار نہ تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال کے رد کے طور پر قرآن پاک میں تین قسم کی آیات نازل فرمائیں۔ اولاً سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا کہ یہ قرآن پاک کسی انسان کا وضع کردہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ انسان کے بس کی بات ہے۔ بلکہ لَکِنِ الْجَمْعُ مَصْدَرُ الْإِنشَاءِ وَالْجَنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ يَظُنُّ خَلْقًا ۚ یعنی تمام انسان اور تمام جن مل کر بھی اس قرآن پاک کی مثل نانا پا ہیں تو نہیں لا سکتے۔ اگرچہ یہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں مگر باری ساری مخلوق عاجز ہے۔ اس بات سے کہ قرآن پاک جیسا کوئی کلام پیش کر سکیں۔ دوسری جگہ فرمایا کہ اگر تمہیں اس کلام پاک کے منجانب سے ہونے میں کمی شک ہے یعنی یہ کہ یہ ان کی کلام ہے تو فَاتْلُوا بِعَشْرِ سُوْرٍ مِّنْ مِّثْلِهِ ۚ تو اس جیسی دس سورتیں ہی بنا کر لے آؤ خواہ چھوٹی۔ چھوٹی ہی ہوں۔ پتا چل جائے گا کہ واقعی یہ خدا تعالیٰ کا کلام نہیں ہے۔ بلکہ کوئی انسان بھی ایسی چیز پیش کر سکتا ہے۔ مگر کوئی بھی اس چیلنج کا جواب نہ دے سکا۔ اب تیسرے نمبر پر آیت پاک میں آخری چیلنج دیا جا رہا ہے۔ کہ اگر تم کو اس کلام پاک میں شک ہے۔ فَاتْلُوْهُ بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ ۚ تو اس جیسی ایک سورۃ ہی بنا کر لے آؤ چاہے وہ تین آیات کی چھوٹی سے چھوٹی سورۃ ہی کیوں نہ ہو۔

امام ابو جبر جصاص چوتھی صدی ہجری میں ہوئے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کے اس چیلنج کو صدیاں گزر جانے کے باوجود کسی نے اس کا جواب دینے کی جرات نہیں کی۔ اور اگر میلہ کذاب جیسے کسی شخص نے حماقت کی ترائے منہ کی کھائی پڑی۔ اس کے ہم عصر کافروں نے اس کے منہ پر ہتھوک دیا تھا۔ کہ تم پر لعنت ہو۔ کیا تمہارا وضع کردہ کلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو گیا ہے کلام کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ یہ تمہارے بس کا روگ نہیں ہے۔ قرآن پاک کا یہ اعجاز چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود قائم و دائم ہے۔ اور آج تک کوئی ایک سورۃ بھی بنا کر پیش نہیں کر سکا۔

عام مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ یہ چیلنج قرآن پاک کی نصاحت و بلاغت کے لحاظ

سے ہے۔ ام ابوبکر جصاص بھی انہیں مفسرین میں شامل ہیں۔ جو فرماتے ہیں کہ قرآن پاک ایسا فیج وریغ کلام ہے کہ اس میں فصاحت و بلاغت آج تک کوئی دوسرا کلام پیش نہیں کر سکا۔ مگر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ جلیغ فصاحت و بلاغت تک ہی محدود ہے تو پھر یہ خطا عرب تک ہی محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ جہاں عربی زبان بولی جاتی ہے۔ کیونکہ قرآن پاک عربی زبان میں نازل ہوا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ جلیغ صرف عربوں کے لیے نہیں بلکہ تمام اقوام عالم کے لیے ہے۔ اگر اس جلیغ کو بین الاقوامی جلیغ تسلیم کیا جائے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ فصاحت و بلاغت کے علاوہ نہ کوئی دوسرا کلام اس میں ہے نہ اس میں دیے ہوئے نظام میں کوئی نظام دیا جاسکتا ہے۔ اور نہ ہی اس میں کوئی دوسرا دستور پیش کیا جاسکتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماحول میں اجتماعی کوئی دوسرا قانون پیش نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ سابقہ کتب آسمانی اور صحیفے بھی ایسا اجتماعی نظام نہیں دے سکتے۔ جیسا قرآن پاک نے عطا کیا۔ اسی لیے فرمایا کوئی ایک سورۃ لاکر دکھاؤ۔ جو قرآن میں جیسا جماعت پیدا کر سکے۔

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی برصغیر کی جانی بچانی شخصیت ہیں۔ صرف سولہ سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی فرمائی۔ اور آپ کچھ مدت چھوڑ کر اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے والد محترم شیخ حبیب اللہ حضرت سندھیؒ کے دوست تھے اور آپ کے ساتھ ہی اسلام لائے۔ رشتے کے لحاظ سے حضرت مولانا سندھیؒ حضرت مولانا لاہوریؒ کے خسر تھے۔ تو مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ دنیا بھر کی اقوام اگر انصاف کی نظر سے دیکھیں تو ان پر واضح ہو جائے گا کہ جو پر وگرام اور نظام عدل اسلام اور قرآن پاک نے ہمیشہ کیلئے دیا کی کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی۔ خواہ وہ ہندو ہوں یا عیسائی یا یہودی۔ انہیں حقیقت تسلیم کرنی پڑے گی کہ اسلام میں اہل مضبوط اور غیر تغیر پذیر قانون کیسے نہیں مل سکتا۔ ام شامی فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کی چھٹی سورۃ "الْحَمْدُ" اتنی جامع سورۃ ہے کہ ساری کائنات کی بادیت کے لیے ہی کافی ہے۔ بشرطیکہ بنی نوع انسان اس

پر غور و فکر کر کے اس سے رہنمائی طلب کریں۔

الغرض! فرمایا اگر ہمارے نازل کردہ کلام میں تمہیں کوئی شک ہے تو اس جیسی ایک سورہی بنا کر لاؤ۔ صرف یہی نہیں بلکہ وَأَعْوِثُوا لَنَا کہہ دینا ذَوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ اور اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ کے علاوہ اپنے گواہ بھی بلاؤ۔ یعنی خود بھی آجاؤ اور اپنے دیگر مددگار اور حمایتی بھی بلاؤ۔ مگر تم اس کلام جیسی ایک سورہ بھی پیش نہیں کر سکو گے۔ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام نہیں ہے تو اس چیلنج کو قبول کرو۔ یہ قرآن پاک عربی زبان میں ہے۔ یہ تمہاری مادری زبان ہے۔ حضور علیہ السلام نے اسی تمہارے ماحول سے عربی زبان سیکھی ہے۔ آپ سچے میں سچے ہیں۔ یاد دہانی کریں۔ یہ اسی علاقے کی زبان ہے اگر حضور علیہ السلام خود کلام بنا سکتے ہیں۔ تو پھر تم بھی کوئی سورہ بنا کر دکھاؤ۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں عربی زبان اپنے انتہائی عروج پر تھی۔ اس انتہا پر پہنچنے کے بعد تنزل! یہی توقع کی جا سکتی ہے۔ مگر کسی شاعر نے قرآن پاک کی مشعل لانے کی جرأت نہیں کی۔ جو بھی قرآن پاک کی کوئی آیت سُنتا تھا، دم بخود رہ جاتا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کے بھائی حضرت ابی بن کعبؓ کہتے تھے: یہ کہ میں شاعروں کا کلام بھی جانتا ہوں اور معرووں کا بھی، اور کاموں کا بھی، میں نے کلام النبیؐ کا ان سب کلاموں کے ساتھ موازنہ کیا ہے، مگر ان میں سے کوئی بھی قرآن پاک کا مقابل نہیں۔ خدا کا کلام تمام کلاموں سے منفرد اور ممتاز ہے۔

نسخین قرآن
کی سزا

قرآن پاک نے چیلنج پیش کرنے کے بعد پھر خود ہی اس کا جواب دیا وَإِنْ كُنْتُمْ فَعَصَوْا وَكَانَ فَاعِلُوا پس اگر تم نہ کر سکو اور نہ ہرگز نہیں کر سکو گے۔ گویا چیلنجی بھی کر دی، کہ تم اس کلام کی مثل ہرگز پیش نہیں کر سکو گے۔ تو پھر خبردار فرمایا فَاتَّقُوا اللَّهَ اُس آگ سے بچو الْبَیِّنَاتُ وہاں الْبَیِّنَاتُ والی حجاباً فَإِنَّ جس کا ایندھن ان لوگوں پر تھیں۔ گویا دوزخ کی آگ میں اس کلام کے کندہین خود کفار ملیں گے۔ اور پھر جملانے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئلے سے جلائی گئی آگ سخت ہوتی ہے۔ اسی طرح پتھر سے جلیے والی آگ شدید تر

تو انیس لذت محسوس ہوتی تھی۔ اس کے نتیجے میں جب بہشت میں انیس محسوس ہو جائیں گے تو وہ لوگ کہیں گے کہ ان میں وہی لذت پائی جاتی ہے۔ جو دنیا میں نیکی کرتے وقت حاصل ہوتی تھی۔ ترمذی شریعت کی روایت میں آتا ہے کہ جنت کی زمین خالی ہے سُبْحَانَ اللَّهِ وَاللَّهُمَّ لِلَّهِ وَلِقَةِ اللَّهِ إِذَا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ کہنا اس خالی زمین میں درخت لگانے کے مترادف ہے۔ جب کوئی مومن دل کی گمراہیوں سے اَلْحَمْدُ لِلَّهِ کہتا ہے۔ تو جنت میں اس کے لیے ایک درخت لگا دیا جاتا ہے۔ جب اس درخت کا پھل انیس میسر ہو گا۔ تو وہ کہیں گے کہ اس کا ذائقہ تو بالکل وہی ہے جیسا ذائقہ ہیں دنیا میں نیکی کی توفیق پر حاصل ہوتا تھا۔ اسی نیکی کے صلے میں آج ہیں جنت میں یہ نعمتیں حاصل ہو رہی ہیں۔ اس کے علاوہ دنیا میں آرام و راحت کا جو بھی تصور کیا جاسکتا ہے۔ وہ سب جنت میں حاصل ہو گا۔ خواہ وہ لباس کی صورت میں ہو خوراک کی صورت میں ہو یا اعلیٰ مقام کی صورت میں۔ ہر چیز وہاں حاصل ہوگی اور اسی کو پھلوں کی مشابہت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

پاکیزہ بیڑیاں

جنتیوں کے ایک اور انعام کے متعلق فرمایا وَلَكُمُ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ اور ان کے لیے پاکیزہ بیڑیاں ہوں گی۔ ان دامی نعمتوں کے علاوہ دوسرے مقام پر روحانی نعمتوں کا بھی ذکر ہے۔ فرمایا وَلَكُمُ فِيهَا مَا أَشْتَهَى الْأَفْسُكُمْ اس میں منار سے لیے برہہ تیز ہوگی جس کے لیے تمہارا جی چاہے گا۔ جنت کی نعمتوں کی ایک اور خصوصیت یہ ہوگی کہ وہ زخم ہونے والی ہونگی۔ دنیا میں کسی چیز کے میسر آجانے کے بعد بھی ہر وقت خطرہ لگا رہتا ہے۔ کہ یہ کسی وقت چھین بھی سکتی ہے۔ یا ختم ہو سکتی ہے۔ مگر جنت کی نعمتیں دائمی ہوں گی۔ ان کے لیے زوال کا کوئی خطرہ نہیں ہوگا اسی لیے فرمایا کہ جتنی لوگ کسی مجدد و عرصے کے لیے جنت کی نعمتوں سے مستغنیہ نہیں ہوں گے۔ بَلْكَرَهُنَّ فِيهَا خَالِدُونَ اور وہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دیں رہیں گے۔ اور ان کے انعامات میں اضافہ ہی ہوتا ہے گا۔

ان آیات میں قرآن پاک پر ایمان لانے والوں کا انجام بھی بیان فرمادیا اور اس کی تکذیب کرنے والوں کے حشر سے بھی اللہ تعالیٰ نے آگاہ کر دیا۔

الْم

البقرة ۲

(آیت ۲۶-۲۷)

فیسیرہ

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيَى أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا
فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَأَمَّا
الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا ۖ يُضِلُّ
بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ
(۳) الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ
مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ
مُخْطَبُونَ (۲۷)

ترجمہ: • بیکہ اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا اس بات سے کہ بیان کرے مثالِ بھر
کی یا اس سے بڑی۔ بہر حال جو لوگ ایمان لائے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے ان
کے رب کی طرف سے اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، پس وہ کہتے ہیں۔ کیا ارادہ
کیا اللہ تعالیٰ نے اس مثال کے ساتھ؟ اللہ تعالیٰ گمراہ کر رہا ہے اس کے سبب سے
بہتوں کو اور ہدایت دیتا ہے اس کے سبب سے بہتوں کو۔ اور نہیں گمراہ کرتا
اس کے سبب سے مگر فاسقوں کو (۲۷) وہ جو توڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ
کے عہد کو اس کو مضبوط کرنے کے بعد اور قطع کرتے ہیں اس چیز کو جس کو
اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے۔ اور زمین میں فساد کرتے ہیں۔ یہی لوگ
نقصان اٹھانے والے ہیں۔ (۲۷)

گزشتہ پیرستہ پچھلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حقانیت، صداقت اور اس کے منزل
من الشرح نے اور حضور علیہ السلام کی رسالت کا ذکر کیا تھا۔ اس سے پہلے توحید اور دوشرک
کے متعلق بیان تھا۔ لوگوں کے اس خیال کی تردید تھی کہ یہ قرآن خدا تعالیٰ کا کلام نہیں۔
بلکہ غیر علیہ السلام کا اپنا وضع کردہ ہے۔ اور پھر اس ضمن میں قرآن پاک سے جمیع کا ذکر تھا۔ کہ اگر

تیس اس کے منزل من اللہ ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ ہے۔ تو اس میں ایک ہی سورت بنا کر لاؤ۔ اس کے ساتھ چٹن گئی کر دی گئی تھی۔ کہ قیامت تک تم اس قرآن کی مثل نہیں لاسو گے لہذا یاد رکھو کہ جب ایسا کلام پیش کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ تو پھر اس کلام سے انکار کا نتیجہ ہو گا کہ تم ایسی دوزخ میں ڈالے جاؤ گے جس کا اندھ من انسان اور پتھر ہوں گے۔ اس کے ساتھ ایمان والوں کو نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخرت میں وہ کامیاب ہوں گے۔ اور ان کا انجام غایت اچھا ہو گا۔

حقیر چیزوں
کی مثالیں

کفار قرآن پاک کے متعلق یہ اعتراض پیش کرتے تھے۔ کہ اس میں بعض چھٹی چھٹی اور چھٹی چیزوں کا ذکر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے کلام کے شایان شان نہیں۔ کہیں مکھی کا ذکر ہے۔ اور کہیں مکھی کا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ اُس کا کلام بھی بہت اعلیٰ مالوں پر مشتمل ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ ایک عام محاورہ ہے کَلَامُ الْمُلُوكِ مُتَوَكِّلٌ اَلْکَلِمَ یعنی بادشاہوں کا کلام کلام کاملوں کا بادشاہ ہوتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات بلند و برتر ہے۔ اسی طرح اس کا کلام بھی اعلیٰ درجہ کا ہونا چاہیے۔ اس میں مکھی۔ پھر مٹی اور مٹی چیزوں کا ذکر نہیں ہونا چاہیے۔

اس اعتراض کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْتَلِفُ اَنْ يَّخْتَلِفَ اَنْ يَّخْتَلِفَ مَثَلًا مَا بَعُوْهُنَّ فَمَا فَوْقَهُمَا اَعْنِ اللّٰهَ تَعَالٰی کی شان اور عظمت کے یہ بزرگمانی نہیں کہ وہ پھر یا اس سے کسی بڑی چیز کی مثال میان فرمائے۔ کیونکہ ان چھٹی چھٹی چیزوں کی مثالیں انسانوں کے سمجھانے کے لیے بیان کی جاتی ہیں۔ یہ تو بعض لوگوں کی عقل یا ان کے عوت کی کمزوری کی دلیل ہے۔ کہ وہ بعض حقیر چیزوں کا تذکرہ مناسب نہیں سمجھتے۔ مگر حکمت کے اصول کے تحت ایسی چیزوں کے بیان کو ترک نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ ہی کسی سے خوفزدہ ہو کر کسی کو خوش کرنے کے لیے کسی چیز کا بیان روکا جاسکتا ہے۔ حقیر چیزوں میں بڑے مفید پہلو بھی ہوتے ہیں قرآن پاک میں مکھیر اور مکھی کا ذکر ہے۔ اور ان کی مثال سے کہ بڑی مفید باتیں سمجھائی گئی ہیں۔ لہذا ایسی مثالوں کے ترک کرنے کا کوئی جواز نہیں۔

اس قسم کی مثالیں اکثر حکماء کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ خود عرب کہتے ہیں مَا الْبَقُوْ وَ شَعْمُهُ یعنی کیا پھر اور کیا اس کی چربی۔ اسی طرح مَا الْجَرُّ اَوْ طَعْمُهُ یعنی کیا

اللہ ہی اور کیا اس کا گوشت وغیرہ حضور علیہ السلام نے بھی تقسیم حقیقت کے لیے مثال بیان فرمائی ہے۔
 مسند احمد، ابن ماجہ اور ترمذی شریعت میں یہ الفاظ موجود ہیں لَوْ كَانَتِ السَّمَاوَاتُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَكَانَ اللَّهُ
 جَنَاحَ نَجْوٍ مَعْنَاهُ مَا سَقَى كَافِرًا مِمَّنْهَا قَطْلَةً أَبَدًا یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کی
 قدر و قیمت ایک مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی عطا نہ دیتے۔
 کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کا نافرمان ہے۔ یہ مچھر کی مثال آپ نے اس لیے بیان فرمائی کہ ساری دنیا کی قیمت
 اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنی بھی نہیں جتنی مچھر کے ایک پر کی ہوتی ہے۔ اسی لیے لو کفار اس دنیا
 میں آرام و عیش کی زندگی بسر کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ کچھ نہیں۔ آخرت میں جب ان
 کا حساب کتاب پیش ہوگا تو سخت سزا میں مبتلا ہوں گے۔

مسلم شریعت کی روایت میں آئے ہیں کہ اُمّ سلیمؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منکدریافت
 کیا اور تمسک کے طور پر عرض کیا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَكُنْخِيْ مِنْ الْحَقِّ یعنی اللہ تعالیٰ قرع بات سے
 نہیں شرماتے۔ میں آپ سے دریافت کرنا چاہتی ہوں۔ کیا عورت کو بہ خوالی ہو جائے تو اس پر
 غسل واجب ہو تب یا نہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا فَعَسَى اَنْ اَمَّ سَلِيْمًا اِذَا كُنْتَ
 الْمَكَاوِلَ اَمَّ حَبَّ مَادِهٍ خارج ہو جائے تو اس پر غسل آتا ہے جس طرح مرد کو احتلام ہوتا ہے
 اسی طرح عورت کو بھی بہ خوالی ہوتی ہے۔ الغرض اس حدیث میں بھی یہی الفاظ آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
 حق بات کو ظاہر کرنے سے نہیں شرماتا۔

حیا کی مختلف قسمیں

حیا انسان کی اُس انحراری اور شکلی کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے کوئی شخص قبیح امور سے
 باز آ جاتا ہے۔ حیا انوں سے بھی ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ سے بھی ہوتی ہے۔ اسی لیے جب کوئی
 شخص بُرائی کا ارادو کرتا ہے تو وہ چھپ کر کرتا ہے۔ کیونکہ اُسے انوں سے حیا آتی ہے کہ اگر
 وہ دیکھ لیں گے تو کیا ہوگا۔ خدا تعالیٰ اگرچہ نظر نہیں آتا مگر جب یہ یقین ہو جائے کہ اُس کی نظر سے
 کوئی فعل پر تشبیہ نہیں ہے تو ہر ذرہ جہر بھی خوف خدا رکھنے والا شخص فعل قبیح کے ارتکاب کے
 وقت اللہ تعالیٰ سے حیا کرے گا۔ اگرچہ کوئی دوسرا انسان اس کو نہ دیکھ رہا ہو۔

حیا کی ایک قسم حیا عبودیت ہے۔ ایک عابد و زاہد اپنی تمام قوی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں صرف کرنے کے باوجود یہی سمجھتا ہے کہ وہ اس کی عبادت کا حق ادا نہیں کر سکا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر جہتہ انعامات کئے ہیں۔ اگر وہ ساری عمر بھی عبادت میں لگا دے یعنی پیدائش کے وقت ہی اللہ تعالیٰ اس کو فرم چکا کہ اے ایک کجہ سے میں گرجہ سے اور ساری عمر اسی ایک کجہ میں گزار دے۔ اور وہیں اس کی موت آجائے۔ تو وہ بارگاہِ رب العزت میں عرض کرے گا کہ مولاکریم! میں تیری عبادت کا حق ادا نہیں کر سکا۔ حیا عبودیت اسی چیز کا نام ہے۔

حیا خود اپنے نفس سے بھی ہوتی ہے۔ جب اُسے کوئی شخص میٹھنے والا نہ ہو۔ تو بعض اوقات انسان خود اپنے جی میں شرم محسوس کرنے لگتا ہے۔ کہ میں کیڑا باہوں اور کبے دھوا کافے دہوں۔ یہ نفس کی حیا ہے۔

حیا کی ایک قسم حیا کرم ہے۔ خود حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ ہے کہ آپ نے بعض صحابہؓ کو کھانے پر بلایا۔ کھانا کھا پکھنے کے بعد وہ لوگ وہیں بیٹھ کر بات چیت کرنے لگے۔ یہ چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار گذرتی۔ مگر آپ نے حیا کرم کی وجہ سے انہیں زبان مبارک سے کچھ نہ کہا۔ بلکہ اٹھ کر باہر چلے گئے تاکہ یہ لوگ بھی پٹے جائیں۔ مگر وہ بیٹھے بے لحد باتیں کرتے رہے حتیٰ کہ حضور علیہ السلام پھر تشریف لے آئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیات نازل فرمائیں۔ کہ جب نبی علیہ السلام کے گھر پر کھانا کھانے کے لیے جاتے ہو، تو وہاں بیٹھ کر بات چیت میں وقت نہ گزارو۔ اللہ تعالیٰ کا نبی تو حیا کرم کی وجہ سے تمہیں نہیں کہتا۔ مگر تم خود ہی احساس کرو۔ اور کھانا کھا کر واپس چلے جایا کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا:

فرمایا جب اللہ تعالیٰ اس قسم کی مثالیں بیان فرماتے ہیں۔ تو مومن اور کافر ہر ان کے مختلف اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ایماندار لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ جمہولی جمہولی مثالیں بے معنی نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔ ان کا بیان کرنا حکمت کے منافی نہیں۔ لہٰذا وہ اس سے بُرائی نہیں مناتے وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا جُنُودُهُمْ لَهُمْ مِنَ الْكَذِّبِ اللہ جہتہ اُمّتہ اللہ تعالیٰ نے اس مثال کے ساتھ کیا ارادہ کیا ہے۔ وہ لوگ طعن کرتے ہیں۔

اور بطور استعزا اور تحقیر کے کہتے ہیں کہ ایسی معمولی چیزوں کی مثال بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ کو کیا حاصل ہوا۔ مگر مثال ہی بیان کرنا معنی کو کسی اعلیٰ چیز کی بیان کی ہوئی۔ مکھی اور گھڑ کی مثال کی کیا حیثیت ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس مثال کو معمولی چیز نہ سمجھو کیونکہ يُفَصِّلُ بَيْنَهُ کثرت فیض اللہ تعالیٰ اسی مثال کے ذریعے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیتا ہے۔ ایسی بات بعض لوگوں کے ذہن میں نہیں بیٹھتی۔ جس کی وجہ سے وہ طرح طرح کے اعتراض کرتے ہیں جلائیے زکوٰۃ حکمت کے اصولوں سے واقف ہوتے ہیں اور نہ ہی انہیں حکم کی حقیقت کا علم ہوتا ہے۔ لہذا افضول اعتراض پیش کرتے ہیں اور گمراہ ہو جاتے ہیں۔ فرمایا ایسی مثالیں صرف گمراہ ہی نہیں کرتیں بلکہ وَيُفَصِّلُ بَيْنَهُ کثرت فیض اللہ تعالیٰ انہیں مثالوں کے ذریعے ہدایت بھی دیتا ہے۔ جو لوگ مثال کے ذریعے بات کو آسانی سے سمجھ جاتے ہیں اور حقیقت کو پہچانتے ہیں۔ لہذا ہدایت ہے۔ ہو جاتے ہیں۔ فرمایا هَمَّ وَمَا يُفَصِّلُ بَيْنَهُ اَلْاَلْفِ سِقِّينِ یعنی گمراہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو فاسق ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرتے ہیں۔ کوئی ایسا نادانوں مصحف مزاج اور حق کا طالب مگر وہ نہیں ہوتا۔

فاسق کا معنی

فاسق کا معنی خروجِ باہر نکلا ہے۔ عربی میں کہتے ہیں فَسَقَ الرَّكْبَةُ عَنْ قَوْمِهَا اصل اپنے پھلکے سے باہر آ گیا کہتے ہیں فَسَقَ النَّوْءُ مِنَ الشَّعْرِ ٹھنڈی کھیر سے باہر نکل گئی۔ اسی اصطلاح میں فاسق اس شخص کو کہتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے باہر نکل جاتا ہے شریعت کے عرف میں فاسق دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے پہلے معنی میں فاسق اس شخص کو کہتے ہیں۔ جس کے دل میں ایمان موجود ہے۔ مگر وہ اطاعت کی بجائے صغیر و بکیر و گناہ کا مرنجب ہوتا ہے۔ ایسا شخص ممکن ہے۔ اور اس کے متعلق امید ہے کہ اسے آخرت میں شفاعت نصیب ہو جائے گی۔ اور وہ نجات پا جائے گا کیونکہ بہر حال وہ مسلمان ہے۔ مگر نافرمان ہے وہ نادر کو فرض سمجھتا ہے مگر پڑھتا نہیں۔ زکوٰۃ کو فرض جان کر ادا نہیں کرتا۔ گویا نیکی کو صحیح سمجھتے ہوئے اس کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ شریعت کی اصطلاح میں فاسق کھلا ہے۔ دوسری قسم کا فاسق وہ ہے جو کفر میں مد سے ٹوٹ جاتا ہے۔ سرکش ہو جائے۔ جیسا کہ اعتدالی منافقوں یا محنت کا فروع کے متعلق فرمایا اِنَّ اَیُّهَا هُمْ اَلْفِ سِقِّوْنَ ان یہودیوں کو فاسق کا گیس ہے۔ جو بڑے سرکش، ضدی

اور نافرمان ہیں اور کفر میں بڑے پہنچے ہیں۔ فاسق کے یہ دونوں معنی قرآن پاک میں استعمال ہوئے ہیں۔
 اس مقام پر بطور تشریح یوں کر کہہ سکتے ہیں کہ فاسق وہ ہیں جو قرآن پاک کی بیان کردہ
 منلوں سے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ مقصد یہ کہ جو شخص قرآن کے پروگرام کی خلاف ورزی کرتا ہے
 وہ فاسق ہے۔ قرآن پاک کا پروگرام یہ ہے کہ "الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ
 الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ" (۳) "وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا
 أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ" (۴)
 نیز قرآن پاک کا پروگرام یہ ہے "يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي كَانُ كَافِرًا وَكَرِيمًا
 مَعَكُمْ" جو شخص اس کے خلاف کرے گا۔ وہ فاسقوں کی فہرست میں رکھا جائے گا۔

یہ دونوں معنی
 کی وضاحت

آگے اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی تشریح کرتے ہوئے ان کی تین بڑی خصلتوں کا ذکر کیا
 ہے پہلی بات یہ ہے کہ "الَّذِينَ يَتَّقُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ"
 فاسق وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑتے ہیں اس کو بکثرت کرنے کے بعد اگر وہ شمس منافق
 میں تو وہ زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ "أَمِنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ" ہم اللہ تعالیٰ اور
 آخرت پر ایمان لائے ہیں۔ مگر یہ عہد کر پورا نہیں کرتے۔ عملی طور پر ان کا ایمان نہ مشہور کی
 ذات پر ہے اور نہ آخرت کے دن پر۔ اور اگر فاسقوں سے مراد یہ ہیں تو ان سے تو پہلی کی بات
 میں عہد لیا گیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نبیوں پر ایمان لائیں گے۔ اور خاص طور پر نبی کریم ﷺ
 پر ایمان لائیں گے۔ اس کا ساتھ دیں گے اور اس کی نصرت کریں گے۔ نیز یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ نے
 اُن پر جو ہدایت نازل فرمائی ہے۔ اُسے چھپائیں گے تیں۔ بلکہ ظاہر کریں گے۔ مگر ان لوگوں نے
 اس عہد کو توڑ دیا۔ گویا فاسقوں کی پہلی خصلت یہ بیان فرمائی کہ وہ عہد کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے
 عہد شکنی لوگوں کا وہ سرگرمی کا فرمیں ہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق فرمایا "سَوَاءٌ
 عَلَيْهِمْ أُنذِرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ" انہوں نے
 اللہ تعالیٰ کے اُس عہد کو توڑا جو ازل میں ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا تھا "أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ"
 کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب نے بیک زبان ہو کر کہا تھا۔ "بَلٰی" نے ہر کوئی کہہ دیا
 بیشک تم ہمارا رب ہے۔ اس عہد کی یاد دہانی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف رسول بھیجے

کتب میں نازل کیں۔ مگر انہوں نے اس پختہ عمدہ کر توڑ دیا۔ لہذا یہ بھی عمدہ شخصوں کی صف میں شامل ہوئے
ایک عام مومن جب کہ اللہ مَحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللہ کہتا ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ
کی وحدانیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا عمدہ کرتا ہے۔ ان کے احکام کو تسلیم کرنے اور
انہ پر کاربند ہونے کا عمدہ کرتا ہے۔ مگر جب وہ اُس کے خلاف چلتا ہے۔ مگر با عمدہ کی کرتا ہے۔ ایسا
شخص بھی فاسق یا منافق کی فہرست میں لکھا جائے گا۔ عمدہ کی خلاف ورزی کرنا منافق کی واضح نشانی ہے

قطع رحمی

فاسقوں کی دوسری خصلت یہ بیان فرمائی وَ يَقْطَعُونَ مَا آمَرَ اللّٰهُ بِهِ اَنْ يُوَصَّلَ
جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے۔ اُسے قطع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو قرابتوں
کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیا ہے۔ مگر یہ اس کے برخلاف قطع رحمی کے مرتکب ہوتے ہیں جیسے
کافروں کے متعلق فرمایا۔ کہ وہ قطع رحمی کرتے ہیں۔ اور کسی مومن کے
بارہ میں نہ تو عمدہ و پیمان کا خیال رکھتے ہیں۔ نہ قرابت داری کو خاطر میں لاتے ہیں۔ بلکہ انہیں
ہر طرح سے ایذا پہنچاتے ہیں۔ حالانکہ قطع رحمی بہت بڑا جرم ہے۔ حدیث شریف میں آگیا ہے
کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جو شخص جوڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے۔ میں بھی اُس کو
جوڑوں گا۔ اور جو قطع کرتا ہے۔ میں بھی اس کو کاٹ دوں گا۔

سارہمی

اللہ تعالیٰ نے صلہ رحمی کی بہت تاکید فرمائی ہے۔ رحم معنی قرابت داری کو پہنچانے کا معنی ہے
نکالا ہے۔ اور رحمن کا معنی بے حد مہربان ہے۔ لہذا ہر انسان کو پہنچانے رشتہ داروں کے ساتھ نہایت
مہربانی سے پیش آنا چاہیے۔ فرمایا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَاءَلُونَ بِهٖ وَاَزْدُ حَاكِمٌ
یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اور قرابت داری کا خیال رکھو۔ صلہ رحمی بہت بڑا عمل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ
کو بہت پسند ہے۔ اس میں انسان کے تمام حقوق آجاتے ہیں۔ جن کی ادائیگی کا اللہ تعالیٰ نے
حکم دیا ہے۔ فرمایا اَنْتَ كُلُّ ذِیْ حَقٍّ حَقُّکَ ہر حد تک کا حق ادا کر دو۔ یہی صلہ رحمی ہے۔

فلانی اور من

منافقین کی تیسری خصلت یہ بیان فرمائی وَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ دوزخ میں
فساد پھیلاتے ہیں۔ فساد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اور کافر لوگوں کو ایمان سے

متغیر ہوتے ہیں۔ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ لوگ ایمان نہ لائیں۔ اسی لیے تو وہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں۔ کیونکہ اس میں مکھی اور چھچھری جیسی حقیر چیزوں کی مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ یہی وہ پراپیگنڈا ہے جس کی بدولت وہ لوگوں کو ایمان سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔ اللہ اسی کو فساد فی الارض سے بچیر کیا گیا ہے۔

اہم بیضا دینی فرماتے ہیں کہ کفر، شرک اور شرايع کو خراب کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے قوانین کی خلاف ورزی کرنا فساد فی الارض ہے۔ زمین و آسمان کی اصلاح اطاعت سے ہوتی ہے۔ کفر، شرک اور مصاصی کی وجہ سے اسیں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تمام قسم کی قبیح رسوم بھی فساد فی الارض کے قبیل سے ہی ہیں۔ شرک، بدعت، مانع گانا، عریانی اور فحاشی یہ سب قبیح رسوم ہیں۔ قبروں پر عرس منانا، قبر پرستی کو مداح دینا یہ بھی انہیں رسوم میں سے ہے۔ اور فساد فی الارض ہے۔ تیسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ منافق لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی بجائے اُس کے غضب کو دعوت دیتے ہیں۔ ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ان کی ہر خواہش پوری ہو جائے۔ ان کے کسی فعل میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ اللہ وہ اپنی من مانی کرتے ہیں۔ الغرض عہد شکنی، قطع رحمی، اور فساد فی الارض یہ تین بڑی خصلتیں ہیں۔ جو فاسقوں یا منافقوں میں پائی جاتی ہیں۔ اللہ جی سے اجتناب کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

فاسقوں کی علامات بیان کرنے کے بعد فرمایا اُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ فاسقین کی ناہمی یہی لوگ خارہ پانے والے ہیں۔ ناکام دنیا دار ہونے والے ہیں۔ یہ لوگ اپنی خصلتوں کی وجہ سے دنیا میں بھی ناکام ہیں۔ کیونکہ فساد فی الارض کی بدولت دنیا میں امن و سکون پیدا نہیں ہو سکتا۔ لہذا یہ طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا رہیں گے اور آخرت میں ہمیشہ کے لیے ناکامی کا مزہ دیکھنا پڑیگا۔ اسی لیے فرمایا خَسِرَالْ دُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ دنیا اور آخرت ہر دو گمراہی کا کامی ہے۔ اللہ یہی سب سے بڑی ناکامی ہے۔ ابتدائے سورۃ میں متقین کے متعلق فرمایا تَعْمَدُوْا لَکُمْ مَلٰئِکَہُمْ مِّنْ دُوْنِہُمْ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یعنی یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں اور یہی کامیاب ہیں۔ اس مقام پر فاسقین کے متعلق فرمایا اُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ یہی لوگ ناکام ہیں۔

الْعَا

البقرة

درس چہارم

(آیت ۲۸ تا ۲۹)

كَفَّ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَهْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ
يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۸﴾
هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ
اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ وَهُوَ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۹﴾

۲۹

ترجمہ: کس طرح تم کفر کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کے ساتھ، حالانکہ تمہیں جان
ہیں اللہ تعالیٰ نے تم کو زندہ کیجی۔ پھر وہ تم پر موت طاری کرتا ہے۔ پھر وہ تم کو زندہ
زندہ کرے گا، پھر اسی کی طرف تم لوٹے جاؤ گے ﴿۲۸﴾ اللہ تعالیٰ ہی ہے
جس نے پیدا کیا ہے۔ تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب۔ پھر وہ تمہیں مرنے والے
کی طرف۔ پس برابر کرو ان کو سات آسمان۔ اندوہ پر چیز کو جاننے والا ہے ﴿۲۹﴾

تفسیر

اس سے پہلی آیات میں ان لوگوں کا رد فرمایا۔ جو قرآن کریم کے منزل میں اللہ ہونے کا
انکار کرتے تھے۔ کیونکہ اس کلام میں کچھ مکمل جیسی حقیر چیزوں کا بیان ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ
کی ذات اعلیٰ وارفع ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کچھ یا اس سے
بھی کم تر چیز کی مثال بیان کرنے سے نہیں شرماتا، کیونکہ اس کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں
ہوتی بعض اوقات اتنی چیزوں میں بھی اہم باتیں ہوتی ہیں۔ اس لیے ایسی کسی چیز کے بیان سے
اجتناب کرنا خلاف حکمت ہوتا ہے۔ معترضین کا اس قسم کا اعتراض ان کی ناگہمی کی دلیل
ہے۔ البتہ ایمان والے خوب سمجھتے ہیں کہ قرآن پاک ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔
ناگہم لوگ کہتے ہیں کہ ایسی حقیر چیز کی مثال بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ کو کیا مقصد رہے۔ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا ایسی ہی مثال کے ذریعے وہ بتوں کو ہدایت سے نوازتا ہے۔ اور بتوں کو گمراہ کر دیتا ہے
مگر غمزدہ ہی لوگ ہوتے ہیں جو نافرمان ہوتے ہیں۔

وہاں پر بھی بعض علامات کا ذکر فرمایا کہ اس پر وہ دغا کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا۔ تمہارے لیے زمین و آسمان کو پیدا کیا، پھر آسمان سے بھی پانی نازل کر کے زمین کو سیراب کیا اور تمہارے لیے پھل پھلایا۔ اس تمام پر قدرت و حیات اور زمین سے پیدا ہونے والی نعمتوں کا ذکر کر کے ایک دو سکرانہ از سے بیان برہا ہے کہ ان نعمتوں کے ہوتے ہوئے تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کس طرح کفر کرتے ہو۔

بر خلاف اس کے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو مانتا ہے اور اسی کی عبادت کرتا ہے۔ اس کے صدمے معصیت اسی کی لاکھوں کروڑوں عقلی اور عقلی دلیلیں موجود ہیں۔ اُس کے اُس پاس آسمانی کتابیں موجود ہیں، جو اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ان کے ذمے فرض ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: **حَقُّ الْمَلِکِ عَلَى الْعِبَادِ اَنْ یَقْبِضُوْا اللّٰهَ وَلَا یُشْرِکُوْا بِهٖ شَیْئًا** یعنی اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ضرر ہیں۔

ام المصطفیٰ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص پیادگی جوئی پر زندگی بسر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اُسے عقل و شعور عطا فرمایا ہے۔ وہ زمین و آسمان کے نظام کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اور اس کے باوجود وہ کفر کرتا ہے۔ تو پھر اہلئے گمراہی معافی نہیں مل سکتی۔ کیونکہ مشاہدات قدرت کو دیکھنے کے باوجود اگر وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لایا تو اس کی بغیبتی ہے۔ گویا عقلی طور پر بھی اللہ تعالیٰ کو پہچانا واجب ہے۔ ایک شخص علماء نماز نہیں پڑھتا یا روزہ نہیں رکھتا مگر اللہ تعالیٰ کی وحدت پر ایمان ہے۔ تو اس کی بھاد کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ مگر کفر کرنے کی صورت میں وہ قابل گرفت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تمہیں عقل دی، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بخشی۔ تمہارے ارد گرد دنیاں پھیلا دیں۔ اس کے باوجود تم نے ایمان کی بجائے کفر کا راستہ اختیار کیا۔ لہذا تمہارا معاملہ ناقابل معافی ہے۔

اسی لیے فرمایا کہ تم ان تمام دلائل کے باوجود کیف تک کفر کرنا یا اللہ تعالیٰ کی رحمت و رحمت اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہے

بڑے ظالم کوافرہیں۔ یہ تمام ہدایت سے کرمجت پوری کردی۔ تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ انہیں کوئی
سمجھانے والا نہیں آیا۔ لَيْسَ لَكَ يَكُونُ لِلنَّاسِ حُجَّةٌ بَعْدَ التَّوْسِيلِ

میت دفن کرنے
کے آداب

مشکوٰۃ میں حضرت علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے۔ لَيْسَ مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ إِلَى
الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ إِلَّا قَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ یعنی جو چیز جنت
سے قریب کرنے والی اور دوزخ سے بچانے والی ہے وہ سب میں نے تمہیں بتادی ہے۔

اب تمہارے پاس انکار کی کیا دلیل ہے۔ موت و حیات اور تصرفات کے بنیادی عقائد بیان
ہو گئے ہیں جن کی قرآن پاک میں تعلیم دی گئی ہے

فرمایا میت کو دفن کرتے وقت یوں کہو بِسْمِ اللّٰهِ وَحَسْبُ عِلْمُكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اور
اسی طرح قبر پر مٹی ڈالتے وقت یہ آیت پڑھنی چاہیے۔ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا
نُعِيدُكُمْ وَفِيهَا نُخْرِجُكُمْ قَارَةَ اٰخِرِيْ عَرُوْلُکَ اس کی بجائے زندہ زور سے
کہہ شریف پڑھنے لگتے ہیں۔ کھڑکی بے شک انفل الزکر ہے۔ مگر اس مقام پر وہی کچھ کہنا چاہیے
جس کی تعلیم دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بھی فرمان ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔ اسی میں اس کو لوٹائیں گے۔
اور پھر اسی میں سے دوبارہ زندہ کر گئے نَحْنُ اَلْنَّاسِ تَرْجَعُوْنَ کا یہی مطلب ہے۔

تمام چیزیں اللہ
کے لیے ہیں

انسان کی موت و حیات کا تذکرہ کرنے کے بعد دیگر انعامات کا اجماعی خاکہ پیش کیا
هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۚ ثُمَّ عَلَّمَکُمْ مَّا تَحْتَ اَیْدِیْکُمْ ۚ ثُمَّ عَلَّمَکُمْ مَّا تَحْتَ اَیْدِیْکُمْ ۚ ثُمَّ عَلَّمَکُمْ مَّا تَحْتَ اَیْدِیْکُمْ ۚ
کیا ہے۔ وہ سب تمہارے فائدے کے لیے ہے۔ غذا، لباس، پانی، ہوا، نباتات، خوشبو،
آلات، نیک نعمتی اور کماں حاصل کرنے کے ذرائع سب انسانی مفاد کے واسطے ہیں بعض چیزیں
براہ راست ان فی مفاد میں ہیں۔ اور بعض بالواسطہ۔ جتنی کہ مرزی جائز بھی تمہارے فائدے کے لیے
ہیں۔ بعض نواقات نہر لیے جالندوں کا زہر بھی تریاق کا کام دیتا ہے۔ کسی موسم میں انسان کی میوں سے

سے مشکوٰۃ ص ۴۴ بکوال شرح السنۃ والبیہقی فی شعب الایمان۔ مے ترمذی ص ۱۸۱ ابن ماجہ ص ۲۸
مدک مالک ص ۲۱۲۔ مے متدرک مالک ص ۲۱۲ احسن حصین ص ۲۸۴

تنگ آجاتا ہے۔ مگر یہ بھی فائدے سے خالی نہیں۔ یہ غلاط کے ڈھیر جو بیماری کا باعث بنتے ہیں، اتنی میکیاں ہی چٹ جاتی ہیں یہ تو انسان پر احسان کرتی ہیں۔ کہ غلاط کے خاتمے کا سبب بنتی ہیں۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز انسان کے فائدے کے لیے پیدا کی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی تفسیق والی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ٹی کر مہنت کے دن پیدا کیا۔ اور جمعہ کے روز نماز عصر کے بعد آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔ یہ سب چیزیں پہلے پیدا کر دی گئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ نوح انسانی کی مصلحت فرشتوں کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ اس لیے انسان کی تخلیق سے کروڑوں سال پہلے فرشتوں کو بھیجا۔ ان میں جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام اور طار اعلیٰ کے دوسرے فرشتے ہیں۔ ان میں مقرب فرشتے بھی ہیں ان میں طار مافل کے فرشتے اور فضائی اور ہوائی فرشتے بھی ہیں۔ یہ سب کے سب انسان کی مصلحت کے لیے ہیں۔ تاکہ انسان درجہ کمال تک پہنچ سکے۔

موت انسان
عبرت ہے

اللہ تعالیٰ نے موت کو پیدا کیا اور یہ ایک بڑی خطرناک چیز ہے۔ مگر اس میں بھی انسان کے لیے عبرت کا سامان موجود ہے۔ یہ بھی فائدے سے خالی نہیں۔ شیخ سعدیؒ نے اس کی وجہ سے ایک مثال کے ذریعے کی ہے۔
_____ بادشاہ نذیر
خوش گویوں میں مصروف تھے۔ بادشاہ کہنے لگا۔ کاش کہ اگر یہ موت نہ ہوتے۔ چہ خوش بودے۔ یعنی اگر یہ موت نہ ہوتی۔ تو کیا اچھا ہوتا۔ ہماری بادشاہت ہمیشہ قائم رہتی۔ نہ موت وارد ہوتی اور نہ بادشاہت کا خاتمہ ہوتا۔ وزیر بڑا دانا آدمی تھا۔ کہنے لگا۔ اگر موت نہ ہوتے اس سلطنت تڑا کے برسیے یعنی اگر موت نہ ہوتی تو یہ سلطنت تم تک کیسے پہنچتی۔ یہ موت ہی ہے جس کے ذریعے یہ بادشاہت تم تک پہنچی ہے۔ ورنہ یہ تمہارے آباؤ اجداد تک ہی محدود رہتی۔ آگے نہ چلتی۔ مختصر یہ کہ موت جیسی چیز بھی انسان کے لیے مفید ہے۔ کہ اس سے عبرت حاصل ہوتی ہے۔

اس مقام پر فقہائے کرام اور محدثین ایک اور مسئلہ بیان کرتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ اشیاء میں اصل چیز اباحت ہے۔ حَلَقَ نَحْنُہُ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ جَمِیعَاتِہِ یعنی زمین کی تمام چیزیں تمہارے

یہ پتہ لیں۔ اصل تمام چیزیں مباح یعنی جائز ہیں۔ البتہ جس چیز کے متعلق حرمت کی دلیل آئے گی صرف وہی حرام ہوگی۔ باقی سب جائز سمجھی جائے گی۔ ہر قسم کے جانور اور ہر قسم کے پھل انسان کے لیے مباح ہیں۔ مگر جہاں حکم آگیا کہ خنزیر حرام ہے۔ مردہ حرام ہے۔ یا فلاں قسم کا جانور حرام ہے۔ اور حرمت کے زمرہ میں آگیا۔ باقی سب جائز ٹھہرے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی وضع ہی ایسی رکھی ہے۔ کہ انہیں انسان کے فائدے کے لیے بنایا ہے۔ البتہ جس چیز کو حرام قرار دیا ہے۔ اس میں ضرر کوئی روحانی یا جسمانی قباحیت ہوگی۔ جس کی وجہ سے اُسے ناجائز قرار دیا گیا ہے وہ سب چیزیں مباح ہیں۔

میاں پر ایک دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اباحت کے اس اصول کو من وعن تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر چیز ہر حالت میں مباح قرار پائے گی۔ مگر ایسا نہیں ہے ہر چیز کے لیے کوئی نہ کوئی ضابطہ مقرر کیا گیا ہے۔ مثلاً ہر چیز کا ہر شخص ہاکنس ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے قبضہ اور ملک کا قانون مقرر کیا ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی حدود میں رہ کر کسی چیز کا قبضہ یا ملک ہوگا۔ کسی صاحب زمین کی موت کے بعد ہر شخص اس کی جائیداد کا حقدار نہیں ہو سکتا۔ بلکہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ اس جائیداد پر قبضہ کس کا ہے۔ وراثت کے طور پر اس کا کوئی حقدار ہے۔ عطیہ کے طور پر کسی کو ملی ہے یا نہیں۔ یا کسی اور قانون کے تحت اس کا کوئی حقدار ہے یہ سب قانون ضرورت میں موجود ہیں۔ اور انہیں کے مطابق حقوق کا تعین ہوگا۔ ہر شخص حقدار نہیں ہو سکتا اس طرح ایک عورت صرف ایک آدمی کے نکاح میں آ سکتی ہے۔ اس کی موجودگی میں کوئی دوسرا مرد و عورت نہیں ہو سکتا۔ بجز اس کے کہ خاوند کی وفات یا طلاق کی صورت میں وہ عورت کسی دوسرے شخص کے نکاح میں جا سکتی ہے لہذا اباحت کے اس کئے کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

آسمانوں کی تخلیق

زمین کی تمام اشیاء کی تخلیق کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا کہ اے انسان! میں نے تمہارے لیے صرف زمین کی چیزیں ہی پیدا نہیں کیں۔ بلکہ قَسَمَ اسْتَوٰی اِلٰی السَّمَاءِ پھر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَوٰتٍ پس برابر کر دیا ان کو سات آسمان۔ یعنی تیرے سات آسمان پیدا فرمائے۔ اور زمین سے آسمان تک ایک ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ملتے و ملتے آسمان پیدا کئے ہیں۔ یزانی تھکات کے ماہرین آسمانوں کی تعداد نو بتاتے ہیں۔ اس میں بھی کوئی اعتراض نہیں۔ سات

آسمانوں کے ساتھ عرش اور کرسی کو شامل کر لیں تو فوجیں جاتے ہیں۔ کیونکہ عرش الہی ہے۔ اور کرسی الہی ہے۔ وہ آسمانوں کے بھی وسیع ترین اور ذاتِ خداوندی ان تمام چیزوں سے دروازہ ہے۔

سدا تعالیٰ کی بجلی عرش پر واقع ہوتی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بجلی عظیم نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس بجلی سے اول سا اسزش رنگین ہوتا ہے۔ پھر تمام کائنات رنگین ہوتی ہے اس کے نیچے تمام اثرات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ تمام مراحل طے کرنے کے بعد وہ بجلی اس پلٹ جاتی ہے۔

فرہاد "وَهُوَ بَجَلٌ شَئِيْ غَلِيْبٌ" یعنی وہ ہر چیز کو جانتے والا ہے۔ اس کے علاوہ ہر چیز کو مہینے والا اور کوئی نہیں۔ لہذا عبادت بھی اُسی کی کرنی چاہیے۔ جو عظیم کل اور قادرِ مطلق ہے۔ "إِنَّ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" جو قادر ہے۔ جو خالق اور رب ہے۔ اُس کے دربارِ الہی کوئی اور نہیں برکت۔ غرضیکہ نئے نئے کو مہینے والا وہی ہے نہ محدود علم صرف نہ اتنا ہی کماست نہ جبرائیل علیہ السلام اور دیگر فرشتوں کا۔ نہ نبیوں کا نہ دیوؤں کا۔ اس لیے معجزہ برحق بھی صرف نہ اتنے تعالیٰ کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پہچان کی یہ صفات جس طرح قرآن پاک میں بیان ہوئی ہیں۔ اسی طرح قرآن اور انجیل میں بیان ہوئی ہیں۔ مگر لوگوں نے دین کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے حقیقت یہ ہے۔ کہ نافع اور ضار بھی وہی ذات ہے۔ خدا تعالیٰ کے سوا غائبانہ طور پر نہ کوئی نفع پہنچا سکتا ہے۔ اور نہ نقصان۔ نہ کوئی فریاد سن سکتا ہے۔ اور نہ کوئی جرمی بنا سکتا ہے۔ نہ کسی کو تفصیل سے علم ہے۔ کہ کسی کو کیا تکلیف یا پریشانی ہے۔ کیونکہ عظیم کل صرف ذاتِ خداوندی ہے۔ اس میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

عبارت الہی
نور ہے

"كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ" سے لے کر "وَهُوَ بَجَلٌ شَئِيْ غَلِيْبٌ" تک دو آیات کا تعلق "يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ" کے ساتھ ہے۔ یعنی اے لوگو! تم اپنے رب کی عبادت کرو۔ کہ یہ تمہارے لیے لازمی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں وجود کی نعمت بخشی۔ زندگی۔ پھر موت کا طاری کرنا اور دوبارہ زندہ کرنا اُسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ پھر اُس نے تمہیں زمین کی تمام نعمتیں میاں کیں۔ دوسری جگہ فرمایا: "وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِيْ الدُّنْيَا"۔

الان مناء لکم وذل فاعلمکم یہ سب چیزیں تمہارے اور تمہارے دوستوں کے فائدے کے لیے ہیں۔ یہ موشی بھی تمہاری ہی خدمت کے لیے پیدا کئے گئے ہیں۔ ان پر سواری کرتے ہو۔ ان سے کھیتی باڑی میں مدد لیتے ہو۔ اور پھر ان کا گوشت بھی کھاتے ہو۔ یہ سب چیزیں تمہاری خاطر پیدا کی ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ خَلَقَ الذِّیْنِ لَکُمْ وَخَلَقْتُمْ لِلْاٰخِرَةِ لے انسان ابرہاری دنیا ترسے لیے پیدا کی ہے۔ اور تو آخرت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ تم اس کی معرفت حاصل کرو۔ اور اسی کی عبادت کرو۔ وَمَخْلَقَتُ الْجَنَّةَ وَالْاَرْضَ اَلَا یَتَعْبُدُوْنَ قُرْآن پاک شاہد ہے۔ کہ انسانوں اور جنوں کی تخلیق محض عبادت الہی کے لیے ہوئی۔

قرآن پاک میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے زمین کا مادہ پیدا کیا۔ آسمان و خان (مخل) کی شکل میں تھا۔ پھر اس کو برابر کر دیا۔ زمین کا پھیلاؤ اس کے بعد عمل میں آیا۔ وَارْتَمَوْا بَعْدَ ذٰلِكَ دَخَبًا زمین کا مادہ کثیف ہے۔ اہم شاہ ولی اللہ تعالیٰ تفسیرات الیہ میں فرماتے ہیں۔ کہ جس طرح زمین مختلف عناصر کا مجموعہ ہے۔ اسی طرح آسمان بھی کئی عناصر پر مشتمل ہے۔ مگر آسمان کے عناصر زمین کی نسبت لطیف ہیں۔ اسی لیے وہاں شفافیت نظر آرہی ہے۔ اور کوئی چیز جس قدر لطیف ہوگی، اسی قدر طاقتور ہوگی۔ دیکھئے روح لطیف چیز ہے۔ اس لیے اس میں قوت بھی زیادہ ہے۔ اور جتنی کوئی چیز کثیف ہوتی ہے۔ اتنی ہی کمزور اور لودہ ضعیف ہوتی ہے۔ الغرض فرمایا وَکُوْنُ بَکُلِّ شَیْءٍ عَلَیْہُمْ ہر چیز کا جاننے والا خدا تعالیٰ ہے لہذا عبادت بھی اسی کی ہونی چاہیئے۔

الۃ

البقرة

درس پانزدہم

(آیت ۲۰)

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۰﴾

تو جبکہ اور اس وقت کو خیال میں لاؤ جب تیرے رب نے فرشتوں سے
فرمایا: تحقیق میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے عرض کیا
کیا زمین میں ایسوں کو بنائے گا جو اس میں فساد کریں گے۔ اور خون بہائیں گے اور
ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔ تیری تعریف کے ساتھ اور تیری تزیین کرتے
ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ﴿۲۰﴾

اس سے پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے چار بنیادی مسائل یعنی توحید، رسالت،
ایمان بالقرآن اور معاد (قیامت) کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کے بعد قرآن و رسالت میں شک کرنے
والے لوگوں کا رد فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ کی صفات کمال کا ذکر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن بے شمار
انعامات کا بھی تذکرہ فرمایا۔ جو اُس نے بنی نوع انسان پر کئے۔ ان میں خصوصاً مادی انعامات
کا بیان تھا۔ جس میں انسان کا اپنا وجود، زمین و آسمان کی تخلیق، زمین میں پیدا ہونے والی تمام
چیزیں شامل ہیں۔ بالخصوص زمین سے نکلنے والے پانی کا ذکر تھا۔ جس سے انسان فائدہ اٹھاتے
ہیں اسی سے نباتت پیدا ہوتے ہیں جو انسان کی روزی کا ذریعہ ہے۔

مادی انعامات کے تذکرہ کے بعد اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اُن روحانی اور نفسانی نعمتوں
کا ذکر کیا ہے۔ جو اس نے انسان کو عطا فرمائیں۔ چنانچہ اس مقام پر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق
اور خلافت ارضی کو بیان فرمایا گیا۔ تخلیق آدم ایک بنیادی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خلافت
آدم علیہ السلام کو عطا کی اور پھر یہ خلافت بنی نوع انسان میں ودیعت کر کے خلافت ارضی کے منذر
کو واضح کر دیا۔ مگر اس رکوع کا موضوع خلافت ارضی ہے۔

قرآن پاک کی آیات مبارکہ اور احادیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جو لوگ دنیا کی زندگی کے بعد حشر و نشر کی منزل طے کر کے جنت میں پہنچیں گے۔ ان میں سے ہر شخص بادشاہ ہوگا۔ اس دنیا میں تو بادشاہی کروڑوں میں سے ایک کو نصیب ہوتی ہے۔ مگر جنت کے ہر باشندے کا اعزاز دنیا کے بادشاہ سے کہیں زیادہ ہوگا۔ ہر جنتی کو آرام و راحت کے لیے ایسے مسلمان میسر ہوں گے۔ جو دنیا کے کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کو بھی حاصل نہیں ہو سکے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں جنت میں ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ بھی حاصل ہو جائے۔

تخلیق الہی سے
قبل کے ادوار

اس رکوع میں تخلیق آدم کا ذکر ہے۔ مگر پہلے کے ادوار کو ہم نہیں جانتے۔ کسی کو خواب میں بھی معلوم نہیں ہوا۔ کہ آدم علیہ السلام سے پہلے کتنے دور گزر چکے ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب تغلیبات الہیہ میں بیان کیا ہے۔ اور شاہ اسماعیل شہید

نے بھی اپنی کتاب بعثات میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ کسی حکیم انسان کا کمال یہ ہے کہ وہ صرف آدم علیہ السلام کے دور ہی کو ابتداء سے انتہا تک سمجھ لے۔ چہ جائیکہ کوئی شخص اس دور سے پہلے کے ادوار کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ حضرت مجدد الف ثانی، شاہ عبدالعزیز، شاہ اسماعیل شہید اور ان کے جہاد مجدد خود شاہ ولی اللہ اس امت کے آخری دور کے حکمہ میں سے ہیں۔ البتہ ان سے پہلے بڑے بڑے حکماء گئے۔ ان میں جنہوں نے قرآن پاک کی تفسیر اور تاریخ کی کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں امام ابن کثیر، بڑے پائے کے محدث، مفسر اور تاریخ دان ہوتے ہیں۔ آپ امام ابن تیمیہ کے شاگرد تھے آپ کا زمانہ آٹھویں صدی ہجری ہے۔ آپ کی تفسیر کی مشہور کتاب ابن کثیر ہے آپ نے بخاری شریف کی شرح اور اصول حدیث پر بھی کتابیں لکھی ہیں۔ آپ کی تاریخ کی کتب البدایہ والنہایہ نہایت مستند کتاب ہے۔ جو چودہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں انہوں نے ابتداء سے لے کر پچھنے دور تک تمام زمانوں کی تاریخ لکھی ہے۔ یہ کتاب آپ نے روایت کے اعتبار سے ترتیب دی ہے۔ صحیح اور غلط روایت کی پڑتال کی ہے۔ اگرچہ ابن خلدون اور ابن جریر جیسے بڑے مؤرخوں نے تاریخ کی کتابیں لکھی ہیں۔ ان کے علاوہ سینکڑوں اور ہزاروں تاریخ کی کتب موجود ہیں۔ مگر ان سے مستند ترین کتاب امام ابن کثیر کی ہے۔

اس کتاب کی پہلی جلد میں امام ابن کثیر، قیامت سے پہلے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے

اس زمین پر کسی دور گزر چکے تھے۔ مگر ایک قوم باافراد کو خن کستے تھے، اس کے بعد جن کا دور گزرا۔ اور پھر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل اس دنیا میں جنات کا دور دورہ تھا۔ انہوں نے زمین میں فساد برپا کیا۔ جس طرح آج کل کی دنیا میں قتل و غارتگری، ایک ماہم بدل ہے اس طرح اُس دور کے جنات میں بھی جنگ و جدل عام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جنات کی سرکوبی کے لیے فرشتوں کو بھیجا۔ چنانچہ انہوں نے جنات کو مار مار کر پھاڑوں اور جہیزروں میں بھگا دیا اور اس زمین کو صاف کیا۔ اس واقعہ کے دو ہزار سال بعد آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔

جنات کا ذکر تو قرآن پاک میں بیشتر مقامات پر آیا ہے۔ مگر ہم جن اور بن کے ادوار کا علم تاریخی روایات سے ہوتا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ موجودہ دور سے پہلے کتنے دور گزر چکے ہیں۔ لہذا۔ نے اپنی اپنی تحقیق کے مطابق اپنی کتابوں میں ان ادوار کا تذکرہ کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اللہ تعالیٰ نے انہوں، فرشتوں، جنات اور شیاطین کو مختلف ادوار سے پیدا فرمایا۔ پھر ان ادوار کے عنام بھی مختلف ہیں۔ فرشتے ایک خاص نوری مادے سے پیدا کئے گئے ہیں۔ پھر ان فرشتوں کے مختلف درجات ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ فرشتوں میں سب سے اعلیٰ درجہ اعلیٰ کا ہے۔ یہ عالمیں عرش فرشتے ہیں۔ در ستر نمبر پر حاکمین حوالہ العرش والے فرشتے ہیں۔ یہ سب غیورہ القدس کے فرشتے ہیں۔ پھر آسمانوں کے فرشتے پھر فضائی فرشتے، اس کے بعد ہوائی فرشتے اور ارضی فرشتے ہیں جو زمین پر موجود رہتے ہیں۔ درجہ فانیل کے فرشتے ہیں۔

حجۃ اللہ الباقیہ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اول درجے کے فرشتوں کا مادہ تخلیق اُس آگ کی مانند ہے جو دوران سفر طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ظاہر ہوئی۔ آپ اپنی زوجہ کے ہمراہ جا رہے تھے۔ بھیڑ بکریاں ساتھ تھیں۔ رات کا اندھیرا تھا۔ یومی حاملہ تھی۔ اُن کو در درہ شہر ہو گیا موسیٰ علیہ السلام کو دوسرے آگ نظر آئی۔ آپ اُس طرف گئے۔ تو دود آگ ایک درخت سے نکل رہی

قرآن پاک میں خلیفہ درمعا میں آتا ہے۔ پہلا معنی وہی ہے جو آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ میں آپ کو اپنا خلیفہ یعنی نائب بنانے والا ہوں۔ خَلَفَ يَخْلُفُ دوسرے کے کچھ آنے والے یعنی نیابت کرنے والے کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں یہ بھی آتا ہے هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَنِي اللَّهِ تَعَالَى کی ذات و ذات ہے۔ جس نے تمہیں ایک دوسرے کا جانشین یا خلیفہ بنایا۔ جس طرح میا اپنے باپ کا جانشین ہوتا ہے۔

خلیفہ کا دوسرا معنی جو اس مقام پر واضح ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنا خلیفہ یعنی نیابت انجام دینے والا پیدا کیا۔ انسان کے علاوہ باقی بے شمار مخلوقات بھی کس زمین پر پیدا کی گئی ہیں۔ مگر خلافت کا حق اللہ تعالیٰ نے صرف حضرت انسان کو دیا ہے۔ اور اس سے بھی مراد یہ ہے کہ زمین اور ساری کائنات کی اصل بادشاہت تو اللہ تعالیٰ کی ہے۔ آدم علیہ السلام کو صرف نیابت تفویض ہوئی ہے۔ گویا انسان دنیا میں خلافت اپنی مرضی سے انجام نہیں دے گا۔ بلکہ حکم تو اللہ تعالیٰ کا ہو گا۔ اور انسان اس حکم کو نافذ کرنے کا ذمہ دار ہو گا۔ سورۃ نور میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام سے جس خلافت کا وعدہ فرمایا اور جس کو پورا فرمایا وہ یہی خلافت ہے۔ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيُخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ

مترجم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ نظام، نظم خلافت ہے۔ دین میں ملوکیت اور ڈکٹیٹر شپ کی کوئی حیثیت نہیں۔ انسان تو اس زمین پر اللہ تعالیٰ کا نظام نافذ کرنے والا اور ہے۔ اس کی اپنی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے۔ کہ جس قسم کے احکام چاہے نافذ کرے بلکہ اُسے احکام اللہ تعالیٰ سے ہی حاصل کرنا ہوں گے۔

مسلمانوں کے تمام فرقے اس بات پر متفق ہیں کہ خلیفہ منتخب ہونا چاہیے۔ صرف ایک خارجی فرقہ ایسا ہے جو کہتا ہے کہ حکومت صرف اللہ ہی کی ہے۔ کوئی اس کا خلیفہ نہیں ہے۔ یہ انارکسٹ لوگ ہیں جو خلافت کو تسلیم نہیں کرتے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق ہی بطور خلیفہ کے کی ہے۔ اس معاملہ میں شیعہ مذہب بھی باطل ہے۔ کہ اس کے پیروکار خلیفہ یا حاکم (دام) کو محسوم اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر شدہ مانتے ہیں۔ یہ نظریہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ خلیفہ کو

منتخب کرنے والے عام لوگ ہیں۔ اور وہی اسے عزوجل بھی کر سکتے ہیں۔

اس مندرجہ اہل سنت والجماعت کا نظریہ بالکل واضح ہے۔ کہ غلیظہ کا انتخاب واجب ہے اس کو مخصوص اور مقرر نہیں کیا گیا۔ بلکہ جماعت المسلمین پر چھوڑا گیا ہے۔ کہ وہ اپنے میں سے بہتر شخص کو اس منصب پر فائز کر لیں۔ غلیظہ کے بغیر نظام ارضی کا چلانا درست نہیں ہے صحابہ کرمؓ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کی وفات پر سکہ خلافت آپ کے دہن سے پیلے طے کر گیا۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے۔ کہ اگر سکہ خلافت طے نہ کیا جاتا تو امت کے اختلافات کا ختم ہونا ممکن نہ تھا۔ خود حضور علیہ السلام کے دہن کے متعلق اختلاف رائے پیدا ہوا۔ کسی کی رائے یہ تھی کہ آپ کا جہاد پریت المقدس لے جایا جائے۔ کوئی سکہ خط لے جانے کے حق میں تھا۔ تو اس کا فیصلہ بھی حضور علیہ السلام کے ہلشیں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کیا۔ انہوں نے کہا۔ اے آپ کا اس معاملہ میں جھگڑا نہ کرو۔ میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا تھا۔ کہ جس جگہ پر آپ کا وصال مبارک ہوا۔ اُسی جگہ پر آپ کو دفن کیا جائے گا۔ اس طرح یہ اہم معاملہ طے ہو گیا۔ تاہم یہ واضح ہے۔ کہ قرآن پاک یا حضور نبی کریم علیہ السلام نے کسی کا نام لے کر خلافت کا فیصلہ نہیں کیا۔ بلکہ یہ کام جماعت المسلمین پر چھوڑا کہ جس کو مناسب سمجھیں غلیظہ مقرر کر لیں۔ البتہ نبی علیہ السلام نے اشارہ نامہ بات سمجھا دی۔ **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ وَالرَّسُولُ الْكَرِيمُ إِنَّكَ أَبَاحُكَ** یعنی میرے بعد اللہ تعالیٰ بھی انکار کرے گا اور میں بھی انکار کریں گے کہ غلیظہ ابو بکرؓ کے سوا کوئی نہیں ہونا چاہیئے۔

انتخاب غلیظہ کا ایک طریقہ تو یہ ہو گیا۔ کہ عامۃ المسلمین جس کو چاہیں اپنے میں سے غلیظہ منتخب کر لیں۔ بیاد کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا انتخاب ہوا۔ اس کے علاوہ بعض دوسرے ذرائع بھی ہیں۔ جو امت میں ملتے ہیں مثلاً حضرت ابو بکرؓ نے اپنے آخری ایام میں حضرت عمرؓ کا انتخاب بطور غلیظہ خود کر دیا تھا۔ آپ نے ایک خط لکھ دیا تھا کہ لوگوں کے سامنے پڑھ دینا۔ یہ گویا خلافت کا پروانہ تھا۔ حضرت عمرؓ

۱۔ شامل ترمذی ص ۲۷۷ ۲۔ شامل مع ترمذی ص ۲۷۷ ۳۔ مطبع نور محمد کراچی

۴۔ مسلم ص ۲۴۳ ۵۔ البدایہ والنہایہ ص ۱۸

امت میں بہترین آدمی تھے۔ ان کا انتخاب اس طرح عمل میں آیا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے بعد خلافت کا فیصلہ کرنے کے لیے چھ آدمیوں کی فہرست قائم کی اور قرآن کریم کے بعد خلافت کا فیصلہ یہ لوگ کریں گے۔ یہ چھ آدمی وہ تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہونے کے وقت ان سے بڑے راضی تھے۔ چنانچہ ان حضرات نے حضرت عثمانؓ غنیؓ کو خلیفہ منتخب کیا۔

خلافت پر فائز ہونے کی ایک چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص خود بخود خلیفہ یا حکومت حاصل کرے۔ کہتے ہیں کہ ایسا شخص بھی قابلِ اطاعت ہے۔ ہاں اگر وہ شریعت کے احکام جاری کرنے میں کوتاہی کرے۔ تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اس کے احکام نافذ کرنے کے لیے خلیفہ بنایا۔ اور پھر یہ خلافت آپ کی نسل میں باقی رکھی کہ خلافت کا حق بنی نوع انسان کو حاصل ہے۔ یہ حق کسی اور مخلوق کو نہیں پہنچتا۔ الغرض! جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنا نائب مقرر کرنے کا ارادہ فرمایا تو "فَاَوْفُرْنَا خَلْفًا لِّكَ فِيهَا" یعنی فرشتوں نے کہا اے ہمارے مولا اگر تم مقرر ہو تو دنیا میں ایسی جگہ ہو کہ خلیفہ مقرر کرنا چاہتا ہے جو زمین میں خدا کیس گئے۔ اور خود نبیوں کے معصومین کو مقرر کرنا چاہتا ہے جو زمین میں خدا کیس گئے۔ اور خود اللہ تعالیٰ نے یہ بات انیس الہام کی جو جس کی بنا پر انہوں نے بد رائے دی۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتوں نے جنات کے حالات پر قیاس کیا۔ وہ دیکھ چکے تھے کہ جنات نے زمین پر فتنہ و فساد برپا کیا۔ لہذا انہوں نے گمان کیا کہ آدم کی اولاد بھی ایسا ہی کرے گی۔ تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ فرشتوں نے خلیفہ کے لفظ سے یہ قیاس کیا کہ خلیفہ جب زمین پر حکومت کی باگ ڈور سنبھالے گا۔ تو وہاں پر لازماً فتنہ و فساد اور خونریزی بھی ہوگی۔ لہذا انہوں نے اللہ تعالیٰ کو یہ جواب دیا۔ تاہم زیادہ تر معصومین کو مقرر کرنے میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا یہ گمان جنات کے حالات کی بنا پر تھا۔

اس گمان کے اظہار کے ساتھ ساتھ فرشتوں نے بارگاہِ رب العزت میں یہ بھی عرض کیا کہ

تَسْبِيحُ يَحْمَدُكَ مَوْلَانِیْمُ! اس فتنہ و غبار پر پاک کرنے والی مخلوق کی کیا ضرورت ہے۔ ہم تیری تسبیح بیان کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ۔ وَكُنْتَ سُلْطٰنًا اَدْرِیْمُ پاكیزگی بھی بیان کرتے ہیں۔ لہذا ہم اس کام کے لیے کافی ہیں۔

تحفید کا معنی یہ کہ خوبی کی تمام باتیں اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں۔ اور تنزیہ کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات ہر قسم کے نقائص اور عیوب سے پاک ہے۔ وہ ہر قسم کی کمزوریوں اور نقائص والی چیزوں سے مبرا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ تمام شرخوں سے پاک ہے۔

فرشتوں کا یہ جواب سُن کر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: قَالَ اِنِّیْ اَهْلَمْتُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ اے فرشتو! تم اس رائے کو نہیں جانتے۔ صرف میں ہی جانتا ہوں کہ میں نے آدم میں کس قدر کمال اور شرف و ولعیت کیا ہے۔

نے جواب میں کہا: **أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا** کیا تو زمین میں ایسی ہستی کو بنائے گا جو فساد کرے گی اور خون بہائے گی۔ حالانکہ ہم تیری تسبیح بیان کرتے ہیں۔ تیری حمد کے ساتھ۔ اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ** یعنی جسکے میں جانتا ہوں، جو تم نہیں جانتے۔

خلافت کے متعلق بھی پہلے بیان ہو چکا ہے۔ مگر خلافت نیابت کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ان کی اولاد کو بطور خلیفہ بنا دیا ہے۔ تاکہ وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی نیابت کے فرائض انجام دے سکیں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر شرعی قانون انسان کے ذریعے نافذ فرمایا ہے۔ اور انہی احکام یعنی وہ احکام جو انسانوں سے متعلق نہیں ہیں وہ قدرت کے مقرر کردہ دوسرے کارندے انجام دیتے ہیں۔

تخلیق آدم پر فرشتوں کا اجماع کرنا کہ یہ زمین پر فتنہ و فساد برپا کرے گا۔ اس کا بیان بھی ہو چکا۔ فرشتوں نے خیال کیا کہ خلیفہ کی ضرورت ہی ایسی ملگ بڑتی ہے۔ جہاں قتل و غارت اور غور و زنی ہوگی۔ لہذا انہوں نے ایسا گمان کیا۔ یا پھر یہ وجہ تھی کہ انہوں نے انسانوں کو جنوں پر قیاس کیا۔ جو اس نسل سے پہلے اس زمین پر فتنہ و فساد برپا کر چکے تھے۔

آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے درمیان سوال و جواب ہونے لگا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادے کی حکمت کے اظہار کے لیے فرمایا: **وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا** اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سائے نام سکھائیے۔ ان ناموں سے کیا مراد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے کون سے نام آدم علیہ السلام کو سکھائے۔ اس سلسلے میں مفسرین کرام کے کئی اقوال ہیں۔ تفسیر السعوی مورخہ مکہ عربی زبان کی چار چار جلدوں کی مختصر تفسیر میں ہیں۔ ان کے مؤلفین حنفی اہم تھے۔ وہ اور بعض دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ **وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ** سے مراد تمام الانواع و اجناس کے نام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے سکھائے۔ اس سے مراد ہر ہر فرد کا نام سکھانا نہیں۔ کیونکہ ہر ہر فرد اور جوہر کا حلق غیب سے ہے۔ اور اسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اور کوئی نہیں جانتا۔ انواع و اجناس

آدم علیہ السلام کو
کئی چیزوں کے
نام سکھائے گئے

کا مطلب یہ ہے کہ جیسے انسان ایک نوکی نام ہے۔ اس طرح اجناس میں سے جو ان ایک جنس ہے۔ اور پھر آگے اس کی بہت سی قسمیں ہیں مثلاً گھوڑے، بھینس، لکڑے، بھیر، بچیاں، کیڑے، مکوڑے وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے نام آدم علیہ السلام کو سکھائے۔

بعض مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ عَلَّمَ اَدَمَ لَا سَمَاءَ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی قیامت تک پیدا ہونے والی اولاد کے نام بتلا دیے۔ برخلاف اس کے شیخ ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ اسما سے مراد اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ ہیں۔ نہ کہ بعض دوسری چیزوں کے نام بعض مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ اسما سے مراد جزایات ہیں جو مقام کی تمام اور ہر قسم کی جزایات نہیں بلکہ صرف وہ جزایات مراد ہیں جن کی ضرورت تھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صرف انسانی ضروریات کی تمام چیزوں کے نام بتلا دیے۔ جو چیزیں انسانی ضرورت سے باہر ہیں۔ ان کے بتانے کا نہ کوئی فائدہ تھا۔ اور نہ ہی وہ بتائیں۔ قرآن پاک میں اس کی شال سورۃ نمل میں آئی ہے کہ مَلِكًا كُوْتًا وَاُتِيَتْ رَهْنًا مَلِكًا شَيْءًا ہر چیز دی گئی تھی۔ تو کیاں پر ہر چیز سے مراد اس کی سعادت کی ضروریات ہی ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اُس زمانے میں ملک سا کے پاس فنٹیم طیارے اور راکٹ بھی موجود تھے۔ بلکہ ضرورت کی تمام اشیاء سے قیصر تھے۔ تو کیاں پر بھی اَلْاَسْمَاءُ عَلَّمَ سے مراد انہی چیزوں کے نام ہیں جو انسانی ضروریات میں شامل ہیں۔ اسی طرح سورۃ نمل میں شد کی نکھیر کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے شَعْرًا مَلِكًا مَلِكًا مَلِكًا پھر تمام پھلوں سے کھاؤ اور شہ پیدا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی عظمت میں ایک پاکیزہ چیز رکھ دی ہے۔ اور اس کے پیٹ میں ایک لطیف قسم کا وہ پیدا کر دیا ہے جس سے شہ بنتا ہے۔ تو کیاں پر مقام شہ کے پھل کھانے سے مراد یہ نہیں ہے کہ دنیا جہاں کا ہر اچھا بڑا لکڑا، کیلا پھل کھائے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس کی ضرورت اور رسائی کے مطابق جتنے پھل میں کسی اُن پریشمشی ہے۔ اور پھر اس سے اللہ تعالیٰ شہ جیسی مفید چیز پیدا کرے۔ باوام اور

۱۔ ابن کثیر ص ۳۱۲، تفسیر طبری ص ۲۱۶، ۲۔

۳۔ معالم التنزیل ص ۲۱۶، ۴۔ تفسیر ابن کثیر ص ۳۱۶

اعزوث وغیرہ ایسے پھل ہیں جن کے مغز تک رسائی ہی نہیں۔ تو ایسی چیزوں کے کھانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت اور شریعت میں یہ قانون رکھ دیا ہے کہ وہ پاکیزہ چیزوں پر بیٹھتی ہے۔ گندی جگہ پر نہیں بیٹھتی ہے۔ مثلاً اسے سے معلوم ہوا ہے کہ اگر شہد کی مکھی فلاحیت والی جگہ پر بیٹھ جائے۔ اور اس کا پتہ چل جائے۔ تو مکھیوں کی ملک کے پاس شکایت پیش ہوتی ہے۔ اور ایسی مکھی کو سزائے موت تک مرنے دی جاتی ہے۔

پھلوں میں بھی بعض کڑے پھل ہوتے ہیں۔ مگر مکھی وہاں سے اودھ مائل کرنے کی پابند نہیں ہے۔ اسی طرح بعض پھل بھی بدبودار ہوتے ہیں۔ جو شہد کے لیے ناپاکی ہوتے ہیں۔ اگرچہ ہوتے وہ بھی پھل ہی ہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ جس قسم کے پھل یا پھل سے مکھی رس چوسے گی۔ شہد کا ذائقہ بھی ویسا ہی ہوگا۔ شہد کجھور پر بیٹھنے کی تو وہ ذائقہ حاصل کرے گی اور انجور کی شاخ پر جائے گی۔ تو ویسی شہد اس حاصل کرے گی۔ مقصد یہ ہے کہ مکھی کے ہر پھل اور پھل چوسنے سے مراد صرف وہ پھل اور پھل ہیں جو اس کی شہد کی ضرورت سے مناسب سمجھتے ہیں۔ مغزین کرام فرماتے ہیں:

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا سَعَاءَ مَا دَانَ النَّاسُ فِي مَعْرُوفَاتِهَا

اشیاء کے نام مرد نہیں ہیں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: خدا تعالیٰ کو جو غیر جھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں۔ مگر جو ان کا تعلق ضرورت انسانی سے ہے۔ لہذا ان کے نام آدم علیہ السلام کو بتلا دیے گئے۔

ام ابو جبر صامیؒ اور بعض دوسرے مغزین کرام فرماتے ہیں کہ چیزوں کے نام سکھانا باطل ایسا نہیں تھا جیسے بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے۔ ب۔ ب۔ ب۔ ط۔ ط۔ ط۔ بلکہ نام کھانے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی طبیعت اور مزاج میں بطور صلاحیت ان چیزوں کے نام رکھ دیے تھے۔ اور پھر جب فرشتوں کے سامنے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تو آدم علیہ السلام نے تمام نام بتلا دیے۔ بعض مغزین کی رائے یہ ہے کہ چیزوں کے نام بطور تعلیم سکھائے گئے۔ جیسے کسی چیز کی وضاحت کی جاتی ہے کہ یہ فلاں چیز ہے اس کی خاصیت یہ ہے۔ اور اس کا فائدہ یہ ہے۔ وغیرہ وغیرہ وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

۱۔ تفسیر بخاری ص ۴۵۰ ۲۔ تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۰ ۳۔ تفسیر غزالی ص ۴۴۰ ۴۔ تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۰ ۵۔ تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۰

۱۔ تفسیر بخاری ص ۴۵۰ ۲۔ تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۰ ۳۔ تفسیر غزالی ص ۴۴۰ ۴۔ تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۰ ۵۔ تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۰

آدم علیہ السلام کو تمام ضروری اشیاء کے نام سکھانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آزمایا۔ چنانچہ وہ تمام چیزیں فرشتوں کے سامنے پیش کر دیں کہ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اور فرشتوں کو حکم دیا اَنْبِئُوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ مجھے ان تمام چیزوں کے نام بتاؤ۔ ان کشتہ صِدِّقِیْنَ اگر تم سچے ہو یعنی اے فرشتو! تمہارا دعویٰ ہے کہ ان فی مخلوق کے پیدا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ تم میری تسبیح و تہلیل بیان کرنے کے لیے کافی ہو۔ اور یہ مخلوق تو دنیا میں خوریزی کر رہے گی۔ جو تم نہیں جانتے کہ انسان کون سے کمالات کا حامل ہو گا۔ بخلاف ان کے علم و فہم کا کمال سب سے اعلیٰ ہے۔ جو اسے دیا گیا ہے۔ اور غیظہ کے لیے ان چیزوں کی مابیت اور حقیقت کا جاننا بھی ضروری ہے۔ جن پر اس نے احکام کا نفاذ کرنا ہے۔ مثلاً اگر غیظہ کو شراب کی خاصیت کا ہی علم نہ ہو کہ یہ کس طرح ان فی عقل کو موقوف کرتی ہے۔ اور یہ کن نقصان کی وجہ سے ام الجناحت سکلاتی ہے۔ تو غیظہ شراب کے ریا کو سزا کیسے دے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تمام ضروری چیزوں کے نام، ان کی حقیقت اور مابیت سے آدم علیہ السلام کو آگاہ کر دیا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی نیابت کا پورا پورا حق ادا کر سکے۔

فرشتے اللہ تعالیٰ کے فائز کردہ امتحان میں کامیاب نہ ہو سکے۔ فَاٰذَنَاصُفٰنَاۤیَ كُنْتُمْ لگے مولانا کہ ایم! تیری ذات پاک ہے لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ہمیں اعتراف ہے کہ ہمیں ان چیزوں کے اسماء ان کی خاصیت اور مابیت کا علم نہیں ہے۔ ہم اس معاملہ میں عاجز ہیں۔ ہمارا علم تو اسی قدر ہے جس قدر تو نے ہمیں سکھایا ہے۔ اس کے علاوہ ہم کچھ نہیں جانتے۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ بے شک تو ہی علم والا اور حکمت والا ہے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اہادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بتلوا دیتا تھا کہ آدم میں ہیبت اور ملکیت دونوں خواص ہوں گے۔ مگر فرشتوں کی نگاہ صرف ہیبت تک ہی پہنچی۔ آدم کی ملکیت تک نہ گئی۔ چنانچہ اس محال کو واضح کرنے کے لیے علمی صلاحیت پیش کی۔ تب فرشتوں نے عاجزی کا اظہار کیا۔ کہ ہمارے پاس یہ کمال نہیں ہے۔

ہیں تو اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے عطا کیا۔ ہاں جس ہستی کے پاس علم و فہم کا یہ خزانہ ہو گا۔ اختلاف کے لائق وہی ہوگی۔ اور وہی ہستی قانونِ خداوندی کو نافذ کر سکے گی۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک علم فرشتوں کو عطا ہی نہیں کیا تو ان کے امتحان کا کیا مطلب؟ اگر آدم علیہ السلام کی طرح فرشتوں کو بھی وہ علم سکھلایا جاتا تو وہ بھی جواب دے دیتے۔ اس کے جواب میں مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی تعلیم فرشتوں کی موجودگی میں ہی دی گئی تھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو ان چیزوں کی ضرورت تھی۔ لہذا انہوں نے ان کے نام زمین میں محفوظ کر لیے۔ مگر فرشتوں کو جو کچھ ایسی چیزوں کی ضرورت ہی نہ تھی لہذا انہوں نے یہ نام زمین نشین رکھنے کی کوشش ہی نہ کی۔

اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی استاد پڑوسی کلاس کے سامنے بچے سے سبق کی پوری پوری وضاحت کر دے۔ مگر بتا دے کہ امتحان کے وقت بعض طالب علم ٹھیک ٹھیک جواب دیتے ہیں۔ مگر بعض کو کچھ یاد نہیں ہوتا۔ حالانکہ استاد نے سب کو یک وقت ایک ہی بچہ دیا تھا۔ یہی حال آدم علیہ السلام اور فرشتوں کا ہوا۔ آدم علیہ السلام نے حسبِ حال ہونے کی بناء پر ان چیزوں کے نام یاد کر لیے اور وقت امتحان بتا دیے۔ مگر فرشتے اس سبق کو ضبط نہ کر سکے لہذا انہوں نے امتحان کے وقت عاجزی کا اظہار کر دیا۔

انفرض! جب فرشتے اس امتحان میں ناکام ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے قَالَ يٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاسْمَآئِہُمْۙ فَاِذْۢ بَاۡرِءٌۭ فَرٰۤیۡلَہُمْۙ اٰدَمُ! اِنَّ کُوۡنَ حٰیۡرُوۡنَ کے نام بتا دے۔ چنانچہ فَلَمَّآ اَنْۢبَاۡہُمْۙ بِاسْمَآئِہِمۡۙ سَبَّ اٰدَمُ عَلَیۡہِ السَّلَامُ نے ان کو ان چیزوں کے نام بتا دیے۔ کہ یہ بڑا ہے۔ اس میں سانس پکایا جاتا ہے۔ یہ تو اے اس پر بوٹی پکائی جاتی ہے۔ یہ فلاں چیز ہے۔ یہ فلاں چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس قدر امتحانی سوال کیے۔ آدم علیہ السلام نے فر فر جواب دے دیے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْۙ یٰۤاٰیُّہَا الَّذِیۡنَ لَا تَفْقَہُوۡنَ اَلَا جِئْتُکُمۡ بِاٰیٰتٍۭ وَّ اٰیٰتٍۭ کٰبِرٰتٍۭ لہذا تعزیر بیان القرآن ص ۱۸

یہاں آسمان و زمین کے غیوب کا تعلق مخلوق کے اعتبار سے ہے۔ ذکر اللہ تعالیٰ کے لیے بھی کوئی چیز غائب ہے۔ اس کے لیے تو کوئی چیز بھی پس پردہ نہیں۔ البتہ مخلوق کے لیے بعض چیزیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور بعض پوشیدہ۔ دوسری جگہ ہے: ”وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ“ تیرے رب کے تو ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ اس پر تو ہر چیز عیاں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عالم الغیب والشہادۃ اس لیے بولا جاتا ہے۔ کردہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ جو مخلوق کے اعتبار سے پوشیدہ ہے یا ظاہر ہے۔ یہاں پر بھی اِنِّیْ جَعَلْتُمْ مِّنْ السَّمَوٰتِ وَالْاَرْضِ خِزْفًا مَّسْلُوبًا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو جانتا ہوں، جو مخلوق یعنی انسان جن اور فرشتوں کے اعتبار سے خواہ پوشیدہ ہیں یا ظاہر ہیں۔ حتیٰ کہ آدم علیہ السلام کی صلاحیت اور ان کے کمال کو بھی جانتا ہوں۔ نے فرشتوں کی قدری نظر تو آدم علیہ السلام کی بہتیت۔ کم ہی پہنچی ہے اور اسی سے تم نے اعزازہ لگالیا ہے۔ کہ یہ فتنہ و فساد برپا کرے گا۔ اور غور زری کا مرتکب ہو گا۔ یا تم نے جنت پر قیاس کر کے کہہ دیا ہے کہ آدم زمین میں لڑائی سمجھوٹے کا موجب بنے گا۔ تمہاری نظر اس کے کمال تک پہنچ جاتی تو یہ گمان نہ کرتے۔

ہو سکتا ہے کہ فرشتوں کے دل میں یہ بات آئی ہو کہ اے مولا کریم! ہم تیری تسبیح و تہلیل بیان کرنے والے ہیں لہذا اگر زمین میں نیابت کی ضرورت ہے۔ تو ہم حاضر ہیں۔

اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ہر اُس چیز کو جانتا ہوں جس کو تم ظاہر کرتے ہو یا چھپاتے ہو۔ اے فرشتو! شاید تمہارا خیال ہو کہ جو صلاحیت ہم میں پائی جاتی ہے۔ وہ آدم میں نہ پائی جاتی ہو۔ مگر یاد رکھو! اللہ تعالیٰ نے آدم میں وہ کمال رکھ دیا ہے۔ جہاں تک تمہاری رسائی نہیں ہے۔ لہذا نیابت کا حقدار آدم علیہ السلام ہی ہے۔ اسی لیے فرمایا: اَعْلَمُ مَا تَبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ اے فرشتو! میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی بزرگی اور فضیلت کو عملی طور پر فرشتوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ چنانچہ اگلی آیات میں فرشتوں کو مسجد کے حکم کا بیان ہے۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبٰلٰسَ
 اٰلٰی وَاَسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ ۝۲۳ وَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ
 اَسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ
 شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الصّٰمِكِيْنَ
 ۝۲۴ فَازْلٰهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا
 فِيْهِۦ ۝۲۵ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ
 فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ اِلٰی حِيْنٍ ۝۲۶

ترجمہ: اور اس بات کو پہنے دھیان میں لاؤ جب کہا ہم نے فرشتوں سے
 سجدہ کرو آدم کے لیے۔ پس سجدہ کیا انہوں نے مگر ابلیس نے انکار کیا اور تنجر
 کیا اور وہ کفر کرنے والوں میں سے تھا ۝۲۴ اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری
 بیوی جنت میں رہو۔ اور تم دونوں اس میں سے وسعت اور کثرت دینی سے کھاؤ۔
 جہاں سے بھی چاہو۔ اور تم دونوں اس درخت کے قریب نہ جانا، پس ہو جاؤ گے
 تم دونوں ظلم کرنے والوں میں سے ۝۲۵ پس پھل یا اُن دونوں کو شیطن نے
 اُس سے۔ پس اُن کو اُس نعمت سے نکالا جس کے اندر وہ تھے اور ہم نے کہا اتر
 جاؤ بعض تمہارے بعض کے لیے دشمن ہیں۔ اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانا

ہے۔ اور ایک مدت تک فائدہ اٹھانے کی بات ہے ۝۲۶

فرشتوں کی سجدہ دینی کی تشریح: حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت عطا کرنے پر فرشتوں کو آپ کی نفیست کاظم ہو
 گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے آدم علیہ السلام کی تعظیم کرانی، تاکہ ان کی نیابت واضح ہو جائے۔
 تو فرشتوں کو حکم ہوا: وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ کَرَامَہِ عَلَیْہِ السَّلَام کے
 لیے سجدہ کرو فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبٰلٰسَ تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔

جا کر دیکھتے ہیں کہ وہاں کے لوگ اپنے بادشاہوں کو بجدہ کوستے ہیں۔ حالانکہ وہ کو باطل ہیں۔ اور آپ نبی برحق ہیں۔ تو ہم آپ کے سامنے کیوں بجدہ نہ کریں۔ حضور علیہ السلام نے منع فرما دیا اور کہا کہ دیکھو بھائی! جب میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔ تو کیا تم میری قبر پر بجدہ کرو گے۔ تو اس شخص نے کہا حضور! ہم ایسا نہیں کریں گے۔ آپ نے فرمایا جس طرح میری قبر پر بجدہ حرام ہے۔ اسی طرح میرے سامنے بجدہ گونا آج بھی حرام ہے خواہ تعظیماً ہی کیوں نہ ہو۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے قبر کو بجدہ کیا تو اس کو کفر اور شرک تو نہیں کہیں گے مگر اس کے حرام ہونے میں سب کا اتفاق ہے۔ اور اگر اس بجدہ سے مراد وہی بجدہ ہے جو نبیؐ کے سامنے کرتے ہیں۔ تو ایسا کرنے والا کافر اور مرتد ہو جائے گا۔ اور اگر محض تعظیم کے لیے قبر بادشاہ یا اساد کے سامنے کیا ہے۔ تو قدام صبحہ کریمؐ آئمہ دین۔ علمائے کرام اور سلف صالحین کا مستغفرتوئی ہے کہ اس کی حرمت میں کوئی شبہ نہیں۔ اگرچہ کفر کے درجے تک نہیں پہنچتا۔

بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام کو بجدہ بمنزلہ قبلہ کے تھا۔ یعنی حقیقت میں بجدہ تو اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا گیا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام محض حجت تھے۔ جن کی طرف منہ کر کے بجدہ کیا گیا۔ یہ بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ ہم آج بھی قبلہ کی طرف منہ کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور بجدہ ریزہ ہوتے ہیں۔ اور اس سے مراد قبلہ کو بجدہ کرنا نہیں ہوتا۔ بلکہ بجدہ تو اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح فرشتوں نے بھی آدم علیہ السلام کی طرف منہ محض قبلہ ہونے کی حیثیت سے کیا تھا۔ بجدہ آدم علیہ السلام کو نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہی تھا۔

بعض فرماتے ہیں کہ لادُم کال سبی ہے۔ یعنی حکم یہ تھا کہ حق تعالیٰ کو بجدہ کرو۔ آدم علیہ السلام کی وجہ سے اور سب سے۔ اور بعض فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اس بجدہ میں دونوں ہیں

۱۔ بورارد ۲۹۱ ۲۔ بیان القرآن ۳۔ ابن کثیر ۴۔ دہ مشرق ۵۔

۶۔ تفسیر مظہری ۷۔ ابن کثیر ۸۔ معالم التنزیل ۹۔

پائی جاتی ہیں۔ یعنی سجدہ و عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لیے تھا۔ اور عظیم و محترم آدم علیہ السلام کے لیے بھی گویا یہ خلافت کا تعلیمی سجدہ تھا۔

سجدہ و خلافت یا سجدہ و تعلیمی میں سجدہ الیرغضی یا مجازی ہوتا ہے۔ حضرت مولانا نور توئی فرماتے ہیں: کہ سجدہ و عبادت میں سجدہ الیر بالذات ہوتا ہے۔ اس ضمن میں مولانا عبید اللہ سندھی صفر قرآن کی تفسیر یہ کہتے ہیں کہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی اس زبردست نکل کو سجدہ کیا تھا۔ جو آدم علیہ السلام کے قلب پر پڑ رہی تھی۔ یہی تفسیر مولانا نور توئی نے خانہ کعبہ کے متعلق اس وقت کی تھی جب ایک ہندو دیوانہ سرسوتی نے اعتراض پیش کیا تھا۔ اس کا کنا یہ تھا کہ اگر ہندو پتھر کی مورتوں کے سامنے سجدہ کرتا ہے۔ تو مسلمان بھی پتھروں سے بنی ہوئی دیواروں والے مکان یعنی خانہ کعبہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ پھر ہندو اور سلطان میں فرق کیا ہوا؟ اس کے جواب میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے فرمایا تھا کہ سلطان اس مکان کو سجدہ نہیں کرتے بلکہ اس نکل الہی کے سامنے سجدہ دیز جوتے ہیں۔ جو اس گھر پر پڑتی ہے۔ چونکہ یہ نکل عظم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ لہذا مسلمان پتھر کی دیواروں کو سجدہ نہیں کرتے بلکہ خدا تعالیٰ کو کرتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی وقت خدا خواستہ بیست اللہ شریعت کی دیواریں منہم بھی بر جائیں اور بظاہر دلوں کو کئی چیز باقی نہ رہے تو بھی مسلمان اسی جہت میں سجدہ دیز ہوں گے۔ بر خلافت اس کے ہندو اسی طرف سجدہ کریں گے۔ جن طرف ان کا بت رکھا ہوا ہو گا۔ لہذا معلوم ہوا کہ بت کے سامنے سجدہ کرنا دو مختلف چیزیں ہیں۔

الغرض! جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا تو **سَجِدُوا** سب نے سجدہ کیا **اِنَّ اِبْلِسَ سَواکَ الیس کے**۔ یہاں یہ نکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سجدہ کرنے کا حکم تو فرشتوں کو دیا تھا۔ **وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ** الیس کے انکار کا کیا مطلب؟ تو مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ سجدہ کا حکم نہ صرف ملائکہ کو تھا، بلکہ جنات کو بھی تھا۔ اور ایس جنات میں سے ہے۔ بلکہ ابلیس جنات تھا۔ اور جب کسی بڑے کو کوئی حکم دیا جاتا ہے تو

ایسی طرح ہے۔

اس کے تحت واسے خود بخود اس حکم کے پابند ہو جاتے ہیں۔ سورۃ اعراف میں ایس کے متعلق آتا ہے کہ جب اس نے سجدہ نہ کیا، تو اللہ تعالیٰ نے دریافت کیا مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ اِذْ اُمِرْتُكَ جب میں نے تمہیں حکم دیا تو نے سجدہ کیوں نہ کیا؛ معلوم ہوا کہ سجدہ کرنے کا حکم ایس کو بھی ہوا تھا۔ اور فلی طور پر یہ جنات میں سے تھا۔ جیسا کہ سورۃ کہف میں کَانَ مِنْ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهِ وہ جنوں میں سے تھا پس اپنے رب کے حکم سے باہر ہو گیا۔ مقصد یہ کہ سجدہ کا حکم فرشتوں اور جنات دونوں الٰہ کو ہوا تھا۔ فرشتے آدم علیہ السلام کے سامنے سر بسجود ہو گئے مگر ایس اور اس کی قوم نے انکار کیا۔

حضرت یحییٰ میری خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفہ اور بڑے ہائے کے عالم اور بزرگ تھے انہوں نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ ایس نے سات لاکھ سال اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تھی مگر ایک حکم کی سرباوی پر مردود ہو گیا۔ وہ اتنے لمبے عرصے کی عبادت برباد ہو گئی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ محدث ابن ابی الدین نے اپنی کتاب مکایہ الشیطان میں ایک دعا بت بیان کی ہے۔ مکایہ الشیطان کا مطلب ہے شیطان کی مکاریاں تو وہ فرماتے ہیں کہ کسی موقع پر ایس کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہو گئی۔ ایس نے عرض کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پاس میری سفارش کریں۔ وہ میری توبہ قبول کر لے۔ موسیٰ علیہ السلام نے سفارش کا وعدہ کیا۔ اور دعا میں مشغول ہو گئے۔ اُدھر سے خدا تعالیٰ کا حکم ہوا کہ میں ایس کی توبہ اس شرط پر قبول کرنے کو تیار ہوں کہ وہ آدم علیہ السلام کی قبر کو سجدہ کرے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے ایس کو یہ شرط پیش کی تو کہنے لگا کہ زندگی میں تو میں نے آدم کو سجدہ کیا اب اُس کی قبر کو سجدہ کرنا میرے لیے ممکن نہیں۔ ایس اپنی بات پر پکا تھا۔ اس نے انکار کیا۔ اَبٰی وَاَسْتَكْبَرُ وَاَنْتَ تَعْلَمُ مَا تَكْفُرُ نہ صرف انکار کیا بلکہ تجتر بھی کیا۔ اور تھا انکار کرنے والوں میں۔

یہاں پر ایک اور مسئلہ بھی سمجھ لیں۔ آپ کے مشاہدہ میں بھی شاید آیا ہو کہ آجکل کے بعض

مرید پست پیروں کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ مشرک کا فعل ہے۔ اگر نیت عبادت کی تھی تو سجدہ کرنے والا کافر ہو گیا۔ اور اگر عبادت کی نیت نہ تھی مگر محض تعظیم مقصود تھی تو اس کے حرام ہونے میں کسی عالم کو کسی بزرگ کو اختلاف نہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ بھی شرک ہے۔ اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اور جیسا کہ تمہارے اُس کو روکنا چاہیے۔

حدیث
عبد اللہ

معمر بن کرام بیان فرماتے ہیں کہ ابن منذر نے عبادۃ بن ابی امیہ سے ایک روایت بیان کی ہے کہ اس کا نعت میں سب سے پہلا گناہ حد تھا۔ جو ابلیس نے آدم علیہ السلام پر کیا۔ اور لہذا "أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ فَمِنْ أَسْأَلُ عَنْهُ" اس سے بہتر ہوں نہ خلف بنی مین نَارُ رَوَّحُ خَلَقْتَ مِنْ طِينِ" مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے۔ لہذا میں اس سے افضل ہوں۔ میں کیوں اس کو سجدہ کروں۔ یہی ابلیس کی بھول تھی کہ اُس نے اپنی شخصیت کی طرف دیکھا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم پر کچھ نہ ڈالی۔ لہذا مردود نظر۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو کوئی بھی مذہب کے حکم کا انکار کرے گا۔ وہ ابلیس کی طرح کافر ہو جائے گا۔ ابلیس نے حد کی وجہ سے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا۔ "وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ" اور اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ گنہگار نہ رہا۔

حضرت آدم علیہ السلام
اور حضرت حوا بنت نوح

انکار ابلیس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکم دیا "وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ" اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔ حضرت حوا کی تخلیق کے متعلق دوسرے مقام پر فرمایا "وَجَعَلْنَا مِنْهَا" آدم علیہ السلام کی دشت کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انیس کی پیمبروں سے اُن کا جوڑا پیدا فرمایا۔ اور اب حدت جو تھے۔ فرس ہو گئے۔ اس لیے فرمایا کہ تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔ "وَكَلَّامُنَا رَعَدًا حَيْثُ شِئْنَا" اور تم اس میں سے کٹ دگی کے ساتھ کھاؤ۔ جہاں سے چاہو۔

اس جنت کے متعلق بھی مختلف روایتیں ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ جنت زمین پر تھی۔ جو صبح و شام فرلے ہوئے کہ جس جنت میں آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کھڑے تھے کا حکم ہوا۔ عالم بالا میں جنت العالی ہے جس کا ذکر قرآن پاک کے دوسرے مقامات پر آیا ہے۔ جو جنت

میں موجود ہے۔ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی جو کسدۃ المنتہی کے قریب ہے عِنْدَ هَاجَتَهُ الْمَادِیِّ یہ عالم بالا ہی کے متعلق ہے۔

جنت میں بحکمت اختیار کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور حوا کو یہ حکم بھی دیا۔ کہ جہاں سے جتنا جی چاہے کھاؤ مگر وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ اس درخت کے قریب نہ جانا۔ اگر ایسا کرو گے فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِیْنَ تو ظلم کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمادی۔

یہ کون سا درخت تھا جس کی مقابرت سے منع فرمایا گیا۔ اس کے متعلق مفسرین کرام کے کئی اقوال ہیں۔ بعض اے کھجور کا درخت بتاتے ہیں بعض اکجیر کا اور بعض انجور کا۔ بائبل کی روایت کے مطابق یرینچی اور بدی کی پہچان کا درخت تھا۔ اور بعض نے یہ توجیہ کی ہے کہ آدم علیہ السلام اور حوا کے طالبِ معنی مباشرت کو درخت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اس لحاظ سے پیدا ہونے والی اولاد کو بھیل کہا گیا ہے۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ٹھہر ممنوعہ گندم کا درخت تھا۔ سڑکیاں یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ گندم کا درخت نہیں بلکہ چھڑا سا پودا ہوتا ہے مفسرین نے اس اعتراض کا جواب بھی دیا ہے، فرماتے ہیں کہ شاعر لوگ لٹھے کی زبان میں کہتے ہیں۔

بحور ان حواری گر جوار اللہ می خواہی کہ گندم کرو آدم را ببردن از جنتہ المادئی اگر اللہ تعالیٰ کا قرب چاہتے ہو تو جوار کی روٹی کھاؤ۔ جو قدسے ٹھنڈی ہوتی ہے۔ گندم گرم ہوتی ہے۔ اگر اس کی روٹی کھاؤ گے تو اس نے آدم علیہ السلام کو جنت سے نکلوا دیا۔ مولانا رومی بھی فرماتے ہیں یہ عین عشق نیست این فساد گندم است۔ یہ عشق نہیں ہے بلکہ گندم کی گرمی کا اثر ہے۔ اور یہ اسی کا برپا کردہ فساد ہے۔ غرضیکہ گندم کے اس درخت کو دنیا کے گندم کے درخت پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔

اب البرادہؓ نے خود اپنا شاہد نقل کیا ہے کہ انہوں نے مصر میں آنا بڑے سنگڑہ دیکھا۔ جسے

دو بھڑے کر کے بڑی مشعل سے اونٹ پر لا دیا گیا، اگر اس دنیا میں آنا بڑا سنگڑ ہو سکتا ہے۔ تو جنت میں گندم کا درخت آنا بڑا کمزور نہیں ہو سکتا۔ اہل بودا بولنے پر بھی بیان کیا ہے کہ انہوں نے دین نالست لیا کھیر اویچھا ہے۔ یہ ترکی قسم کا کھیر جو موسم گرما میں ہوتا ہے۔ اور بڑے شوق سے کھیا جاتا ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزل کے وقت انار کے دانے نئے بڑے بڑے ہوں گے۔ کہ ایک دانے کے نصف غول سے آنا بڑا خیمہ بن سیکے گا جس کے نیچے دس دس بیس آدمی ٹھہر سکیں۔ بہر حال یہ اعتراض محض نہیں ہے۔ کہ گندم کا پودا ہوتا ہے۔ درخت نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ جنت میں گندم کا بہت بڑا درخت ہو۔ جس کے قریب جانے یا پھل کھانے سے منع کیا گیا تھا۔

شیطان دوسرے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آدم علیہ السلام اور حضرت نوح جنت میں پہنچے گئے۔ وہ بچوں کی طرح معصوم تھے۔ ابھی ان میں یہ سمجھتا تھا کہ وہ نہیں ابھرا تھا۔ کہ شیطان نے بہتہ ام بستہ دوسرے ڈان شروع کیا۔ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا ان دونوں کو شیطان نے پھسلا دیا۔ دوسری جگہ آتا ہے فَذَنَسُوا لَفَئِحَ الشَّيْطَانِ شیطان نے دونوں میں دوسرے ڈالا۔ کس چیز کے متعلق دوسرے ڈالا۔ اس میں مختلف اقوال ہیں بعض کہتے ہیں کہ درخت کا پھل کھانے کے متعلق دوسرے ڈان۔ دوسری جگہ موجود ہے کہ شیطان نے کہا کہ اس کو کھا لو گے تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میاں رہ جاؤ گے۔ اور کسی قسم کا خطرہ لاحق نہ ہو گا۔

بعض کہتے ہیں کہ ضروری نہیں کہ دوسرے دل کے اندر ہی ڈالا جائے۔ کوئی فعل سرزد کرنے سے بھی دوسرے انداز ہی ہوتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شیطان ایک جنیہ کو چلایا۔ اور جنت کے دروازے پر اس سے مباشرت کی جسے آدم علیہ السلام دیکھ رہے تھے۔ تو ان کے دل میں بھی ویسا ہی خیال پیدا ہوا۔ انہوں نے حضرت حوا کے ساتھ معاشرت کی۔ جس کا نتیجہ ہوا کہ جنت کا لباس اُڑ گیا۔ اور وہ دونوں برہنہ ہو گئے۔

شیطان کی دوسرے اندازی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس دوسرے اندازی نے فَاَخْرَجْنَاهُمَا حَقًّا كَانَا فِيْہِ
 ان دونوں کو اس جگہ میں جنت سے نکال دیا جس کے اندر وہ تھے۔ وَقُلْنَا اٰهْبِطُوْا اور
 ہم نے کہا اتر جاؤ بھٹکتے بھٹکتے بعض تمہارے بعض کے دشمن ہیں شیطان تمہارا
 دشمن ہے اور تم اس کے دشمن ہو۔ وَكَذَّبُوْا فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرًّا اور زمین میں مست
 ایسے ٹھکانا ہے۔ اب تمہاری رہائش زمین پر ہوگی۔ وَهَتَّاعَ اِلٰی حٰیثُ اور ایک مدت
 ہم نے یہ اٹھانا ہے۔ یعنی تمہاری اصل رہائش گاہ زمین ہی ہوگی۔ البتہ اگر زمین کو چھوڑ
 کر کہیں فضاؤں یا مہندروں میں جاؤ گے تو وہ عارضی قیام گاہ ہوگا مستقل قیام زمین پر ہی کرو گے
 کس کے دور میں جو پرائیگنڈا کیا جاتا ہے۔ کہ ہم زمین پر مستقل طور پر نہیں رہیں گے۔ بُد جانتا
 مرتب یا دوسرے ساروں میں پیے جائیں گے۔ قریہ محض شیطان پرائیگنڈا ہے۔ چاند ہماری زمین سے
 قریب ترین سیارہ ہے۔ اور اس کا فاصلہ اڑھائی لاکھ میل ہے۔ مرتب فو سیال سے پچیس کروڑ
 میل دور ہے۔ اور دوسرے سارے اس سے بھی دور ہیں۔ فرض کر لیا کہ چاند پر بکشت کا بندوبست
 ہو جاتا ہے۔ وہیں بولٹ قائم ہو جاتے ہیں۔ تو سائنس دانوں کا اپنا اندازہ یہ ہے کہ ایک پونڈ
 فضا کو چاند پر پہنچانے کے لیے تیس ہزار پونڈ خرچ ہوں گے۔ وہاں پہنچنے کا خصوصی لباس چار لاکھ
 روپے میں تیار ہوگا۔ یہ لباس تو راستے میں ہی جل جائے گا۔

زمین ہی منزل
 ٹھکانا ہے

چاند پر تو ایسی لباس پہنا ہوگا۔ وہاں کی گرمی
 کی مقدار تقریباً چالیس ہزار سنی ڈگری ہے۔ جہاں پر پانی تو کجا تابا بھی ٹھٹھکتا ہے۔ پانہ کے
 ایک طرف گرمی ہے۔ اور دوسری طرف اتنی سردی ہے۔ جس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔
 لہذا ایسی جگہ پر بسنے کے لیے اتنا قیمتی لباس تیار کرنا ہوگا۔ ظاہر ہے۔ خوراک اور لباس
 پر اتنی رقم کون خرچ کرے کہ رہائش پذیر ہوگا۔ اگر کوئی وہاں نہ پہنچے گا بھی۔ تو اس کا قیام
 بالکل عارضی ہوگا۔ آخر کار اُسے زمین پر ہی آنا پڑے گا۔ اسی لیے فرماتا کہ تمہارا اصل ٹھکانا زمین
 پر ہی ہوگا۔ دوسری جگہ فرماتا سِنٰہَا خَلَقْنٰکُمْ وَفِیْہَا نَفِیْذُکُمْ
 وَهِنَا غٰخِرُجُکُمْ نَارَۃٌ اُخْرِیْ لَے انسان! ہم نے تمہیں اسی
 زمین سے پیدا کیا۔ اسی میں لوٹائیں گے۔ اور پھر قیامت کو دوسری مرتبہ اسی سے نکالیں

گئے۔ اسی لیے یہاں پر فرمایا کہ اے آدمؑ اور حوا تم یہاں سے زمین پر اتر جاؤ۔ ایک خاص
 مدت تک وہی تہاڑ ٹھکانا ہوگی۔

البقرة

آیت ۲۶، ۲۷

دس ہزار مرتبہ

فَتَلَقَىٰ آدَمَ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ
 الرَّحِيمُ ﴿٢٦﴾ قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ
 مِنْ مِّنْ هَٰذِي فَمَنْ يَّبْعَ هَٰذِي فَلَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
 يَحْزَنُونَ ﴿٢٧﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ
 أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٨﴾

تَبَع

ترجمہ:۔ پس آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھے۔ پس اللہ تعالیٰ

نے رجسٹری کی آدم کی طرف مہربانی کے ساتھ۔ بے شک وہ رجوع کرنے والا ہے۔

مہربان ہے ﴿۲۶﴾ ہم نے کہ تم سب زمین پر اتر جاؤ۔ پس جب میری طرف سے

مٹلے پاس ہدایت ملے گی۔ پس جس نے میری ہدایت کی پیروی کی۔ اُن پر کوئی خوف

نہیں ہوگا۔ اور نہ وہ دکھائیں گے ﴿۲۷﴾ اور جنہوں نے کفر کیا۔ اور جاری آیتوں کو

جھٹلایا۔ وہ دوزخ واپس ہیں۔ اس میں ہمیشہ جہنم رہیں گے ﴿۲۸﴾

حکومت پورے

جب حضرت آدم علیہ السلام نے اس درخت کا پھل کھایا جس سے انہیں منع کیا گیا تھا۔

تو ان سے انعام و اکرام لے لئے گئے۔ اور انہیں حکم ہوا کہ زمین پر اتر جاؤ۔ بعض تمہارے بعض کے

دشمن ہیں۔ اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانا ہے۔ اور تمہیں ایک وقت تک فائدہ اٹھانا ہوگا۔ اب

آدم علیہ السلام کو بڑی پریشانی ہوئی کہ انہیں زمین پر اترنے کا حکم مل گیا ہے۔ بعض روتوں میں یہ

نبی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام آئے اور آدم علیہ السلام کے

سر سے قلع اتار لیا۔ اور اُن کے جسم سے بہشت کا لباس بھی اتار لیا اور انہیں برسرِ کریمہ چٹانوں

نے ستر بچھانے کے لیے جنت کے درخت کے پتے استعمال کیے کیونکہ دوسروں کے سامنے

ستر کا کھنڈ خلافِ فطرت ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام
کی قرب

اس کے بعد کیا ہوا۔ فَتَلَقَىٰ اٰدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ پس آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے
چند کلمات کیے۔ غلطی کا معنی پانا یا بگھنا ہے۔ ان کلمات کا اللہ تعالیٰ نے الہام کیا یا آدم علیہ السلام
کے دل میں ڈالا۔ ان کلمات کے ساتھ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے دعا کی۔ بیجا کر سزا موت
میں آتے ہو! قَالَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا سَآءًا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا
لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ یعنی اے پروردگار! بیشک ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ اگر تو ہمیں
نہیں کرے گا۔ ارحم پر رحم نہیں کرے گا۔ تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں جو باقی رہے۔ اس کے
علامہ حدیث میں ان دُعائے کلمات کا ذکر ہے۔ جن کے ذریعے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی
نتیجہ یہ ہوا کہ فَتَابَ عَلَيْهِ اللّٰهُ تعالیٰ نے رجوع کیا۔ آدم علیہ السلام کی طرف مہربانی کے ساتھ
تَابَ کا معنی رجوع کرنا ہے۔ جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے۔ تو اس کا
مطلب ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے رجوع کیا اپنی مہربانی کے ساتھ۔ اور جب اس لفظ کو بندے
کی طرف منسوب کیا جائے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ بندہ نے رجوع کیا اپنی عاجزی کے
اعتراف کے ساتھ اور بڑائی کے ترک کرنے کے ساتھ۔ گویا توبہ کی صفت کا تعلق فانی اور مخلوق
دونوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جب ہم کہتے ہیں تَوْبُوا اِلَى اللّٰهِ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ
میں ہوں کو چھوڑ دو اور عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔ اس سے معافی مانگو۔
اِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ یہ شک وہ رجوع کرنے والا بڑا مہربان ہے تو اللہ تعالیٰ
نے اُن کی لغزش کو معاف کر دیا۔

اہم بیعتی نے اپنی مشہور کتاب شعب الایمان میں روایت بیان کی ہے۔ کہ اپنی لغزش
پر آدم علیہ السلام اس قدر ملے کہ لَوْ ذُنَّ دُمُوْعٌ اَوْ دَمٌ يَّجْمَعُ دُمُوْعٌ وَلَكِنَّهُ لَمْ يَجْعَلْ
دُمُوْعًا عَلٰی جَمِيْعٍ دُمُوْعٌ وَلَكِنَّهُ یعنی آدم علیہ السلام نے جس قدر آنسو باریک اگر ان کا
مقابلہ ان کی قیامت تک آنے والی ساری اولاد کے ساتھ کیا جائے۔ تو آدم علیہ السلام کے
آنسو غالب آجائیں۔ اور بیعتی میں حضرت عبداللہ بن عباس سے یہ روایت بھی مروی ہے۔

لے تفسیر عزیزی فارسی ۱۵۱۱ بحوالہ بیعتی شعب الایمان ۱۵۱۱ در مشورۃ ۱۵۱۱ بحوالہ بیعتی شعب الایمان

مَا حَمَلَكَ عَلَىٰ أَنْ أَكَلْتَ مِنَ الشَّجَرَةِ لَمْ آدُمَ كُودَ اس درخت کا پھل کھانے پر کس نے
ادھ کیا۔ اَلَّتِي هَيَّيْتُكَ جِس سے میں نے منع کیا۔ قَالَ يَا رَبِّ زَكَيْتُ لِي حَقُّو دَر
لے اللہ! اس کو میرے لیے حوائج فرمایا یعنی اس درخت کا پھل کھانے کے لیے حوائج
مجھے ترغیب دی حتیٰ تا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہیں رہ جائیں گے۔ شیطان کا دوسرا نھا۔

حضرت علیہ السلام کی
حضرت آدم علیہ السلام
پر نصیحت

خطیب بغدادی نے روایت بیان کی ہے۔ اور پہلی جگہ دلائل النبوة میں اس کو نقل کیا
ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے آدم علیہ السلام پر دو باتوں میں
برتری عطا فرمائی ہے۔ اول یہ کہ آدمی کے ساتھ قرین اور شیطان مقرر ہے۔ جو مجھے بس کاٹے
محریر قرین اور شیطان کا شیطانی مُنْصِلًا وہ طبع اور نفا دے۔ صحیح روایت میں آتے۔
فَلَا يَأْمُرُنِي إِلَّا بِخَيْرٍ وہ مجھے بُرائی کا حکم نہیں دیتا بلکہ بھلائی کی دعوت ہی دیتا ہے۔
چونکہ آدم علیہ السلام کے ساتھ ابلیس تھا۔ اُس نے دوسرا انداز کی جس سے حضرت خواجہ شاذ
بزمیں۔ اور انہوں نے آدم علیہ السلام کو درخت کا پھل کھانے کی ترغیب دی۔

فرمایا آدم علیہ السلام پر مجھے دوسری نصیحت یہ ہے کہ ان کی بیوی نے بُرائی کی طرف
ترغیب دی۔ جب کہ میری ازواج دین کے معاملے میں میرے ساتھ نفاق و کد ہیں۔ اللہ تعالیٰ
نے قرآن پاک میں ازواجِ مطہرات کی تعریف فرمائی ہے۔ ایک موقع پر اُن سے محمولی لغزش
ہوئی تھی۔ جب انہوں نے زیادہ خرچ کا مطالبہ کیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی جس پر وہ
اپنے مطالبے دست بردار ہو گئیں۔ اور دنیا کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آخرت
کو اختیار کیا۔ گو یا حضور علیہ السلام کی بیویاں آپ کے امیر میں معاون تھیں۔ ویسے ہی آپ کے فرائض
کھتے کہ وہ انسان نیک بخت ہے۔ جس کی بیوی دین کے معاملے میں اس کی معاون ہو۔

دینی برتنے
نہ خند

صالح سہ کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد گزری ہے۔ لَوْ كُنَّا بَنُو آدَمَ سَبَّحْنَا
اگر نبی امیر صلی اللہ تعالیٰ کے نبی کے حکم میں خیانت نہ کرتے۔ یعنی نبی نے حکم دیا تھا کہ مَن ابلیس
کھا دے جو مگر اُسے ذیہ نہ کرنا۔ مگر انہوں نے ذیہ نہ کرنا شروع کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی

منزہ دی۔ کہ گوشت کھ سڑنا شروع ہو گیا۔ آج کل گرمی کے موسم میں تو ایک دو دن سے زیادہ گوشت نہیں رو سکتا۔ بہرہ آسنے لگتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر بنی اسرائیل اپنے نبی کے حکم کی پاسداری کرتے۔ گوشت کو ذخیرہ نہ کرتے تو یہ بھی خراب نہ ہوتا۔ خواہ کتنی ہی سرد پڑا رہتا۔

دوسری بات آپسے یہ فرمائی کہ لَا تَكُونُوا كَالْأَنْثَى ذَرْبُهَا یعنی اگر حوا اپنے خاوند کی خیانت نہ کرتی۔ تو دنیا کی کوئی عورت اپنے خاوند کے ساتھ خائف نہ ہوتی۔ حوا کی خیانت یہ تھی کہ انہوں نے آدم علیہ السلام کو درخت کا پھل کھانے کی ترغیب دی تھی۔

بہر حال جب آدم علیہ السلام نے پس کیا یہ آدم پر ہند ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا۔ قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا۔ سب زمین پر اتر جاؤ۔ یہ حکم شیطان۔ آدم علیہ السلام اور حوا کے لیے تھے۔ توبہ قبول ہو گئی۔ مگر زمین پر اتر جانے کا حکم صادر ہو گیا۔

بخشل اور بعض تاریخی روایات میں سر اور سانپ کا ذکر بھی آتا ہے کہ وہ بھی آدم علیہ السلام کو جنت سے نکلانے میں معاون ہوئے تھے۔ اور یہ کشیدھا سانپ کے ستر میں میچ کر جنت میں داخل ہو گیا تھا۔ مگر یہ روایت درست نہیں۔ یہ صحیح بات یہی ہے کہ شیطان نے جنت کے باہر دوسرا انداز ہی کی تھی۔ اس نے دروازے سے باہر جہنم سے مباشرت کی تھی۔ جسے آدم علیہ السلام دیکھ رہے تھے۔ اور اس کی بات بھی سُن رہے تھے۔ اسی بات سے آپ کو دوسرا پید ہوا۔ اور آپسے وہ کلام کر لیا۔ جس سے منع کیا گیا تھا۔ اندھا آپ کو زمین پر اترنے کا حکم ہو گیا۔

آدم علیہ السلام نے چل کہا یا ہوا تھا۔ ابھرنے پر اتار گیا۔ آپ کو لولہ مبارک کی حاجت ہوئی۔ پیٹ میں درد پیدا ہوا۔ آپ پریشان ہو گئے کہ اس سے پہلے یہ تکلیف کبھی نہیں ہوئی تھی۔ آپ کی پریشانی دیکھ کر جبرائیل علیہ السلام آئے۔ اور آپ کو بتایا کہ اس تکلیف سے نجات حاصل کرنے کے لیے اس طریقے سے فراغت حاصل کریں۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ توبہ باز سے جہنم آئے۔ آپ کو اور پریشانی ہوئی۔ رونے لگے کہ یہ کی مصیبت ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ

سرتون تک پہنچے ہیں۔ اس واقعہ کو ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ہے۔ اور امام داؤد قسطلی نے بھی کتاب الافراد میں حضرت عمرؓ سے بیان کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو اس وقت بھیجا جب حضرت خٹا کو حیض کی حاجت ہوئی جنت میں تو ہر طرح کی پاکیزگی حاصل تھی۔ زمین پر اگر یہ پریشانی لاحق ہو گئی۔ مائی خٹا نے جبرائیل علیہ السلام کو آواز دی کہ دیکھو یہ کیا معاملہ ہے مجھے وقفہ وقفہ سے خون آرہا ہے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا، اے خٹا! یہ بات تم پر اور تمہاری بیٹا پر ہمیشہ کے لیے مسلط ہے گی۔

بخاری اور مسلم کی روایت میں آتا ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو ایام حج میں حیض کی حالت لاحق ہو گئی۔ آپ نے احرام باندھا ہوا تھا۔ حیض آنے پر نکتہ السردہ ہوئیں اور روئے ٹھیک۔ حضور علیہ السلام تشریف لائے۔ تو آپ سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا۔ پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ **هَذَا شَيْءٌ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَى نِسَاءِ آدَمَ**۔ یہ ایسی چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر لازم کر دیا ہے۔

الغرض! جبرائیل علیہ السلام نے خٹا کو یہی کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری بیٹیوں پر یہ چیز لازم کر دی ہے۔ یہ تمہارے گناہوں کا کفارہ بنتے گا۔ اور تمہارے لیے پاکیزگی کا ذریعہ ہو گا۔ اس کی وجہ سے عورت جسمانی غم پر صمت حاصل کرتی ہے۔ اور اگر نیک نیت ہے۔ تو بطنی طہ پر بھی اس کو طہارت نصیب ہو گی۔

جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اترے۔ تو بعض روایات کے مطابق تیس قسم کے پھلوں کے بیج ان کے ساتھ آئے۔ بعض دوسری روایات میں ہزار قسم کا ذکر آتا ہے بعض روایات میں خوشبو کا ذکر ملتا ہے۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ خوشبو جنت کا ٹکڑا ہے اگر کوئی پھول یا کلمہ پیش کرے۔ تو اس کو وہیں کرنا پڑے۔ **فَإِنَّهُ حَكِيحٌ مِنَ الْجَنَّةِ**۔ کیونکہ یہ جنت سے آئی ہوئی ہے۔

جنت کے پتے

۱۔ تفسیر عزیزی، ج ۱، ص ۱۹۱۔ ۲۔ دہشتہ، بیاد دار، ج ۱، ص ۱۹۱۔ ۳۔ بخاری، ج ۲، ص ۱۹۱۔ ۴۔ مسلم، ج ۲، ص ۱۹۱۔

۵۔ تفسیر عزیزی، ج ۱، ص ۱۹۱۔

۶۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ منہ ان چہل دستہ بھی آدم علیہ السلام کے ساتھ نازل ہوا تاکہ دنیا میں کام کاج کر سکیں حج اسود اہمی جنت سے اترتا ہے پسہ ہسین و جبل ابو قیس پر رکھا گیا یہ درودھ کی طرح سفید تھا اور رات کو سورج کی طرح چمکتا تھا۔ آہستہ آہستہ انسانوں کے نابوں کی دیکھوں نے اس پتھر کو سیاہ کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ آدم علیہ السلام ہندوستان کی سرزمین شرق المنہ میں اترے تھے چنانچہ سبھ المرہان فی اناہ ہندوستان کے صنعت سمجھے ہیں کہ آدم علیہ السلام کا نزول شرق المنہ میں اور حضرت خواکہ نزول جہد میں ہوا بدوہ خنسی یعنی داؤدی یا آئی ہے غالباً اسی مناسبت سے اس مقام کا نام جہد آشور ہو گیا صاحب سبھ المرہان نے پائے تہذیب اور عالم تھے اور امام شاہ ولی اللہ کے ہم عصر تھے۔

حضرت آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے اور کپڑے بننے کا کام بھی سب سے متروک ہوا اور اہم اور اشرافیہ بھی حضرت آدم علیہ السلام نے نہیں دیکھ انبیاء عیسیم السلام میں سے حضرت نوح علیہ السلام نجاری یعنی برصی کا کام کرتے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام درزی کا کام کرتے تھے حضرت یوہا صاحب علیہما السلام تاجر تھے حضرت ابراہیم اولو علیہما السلام نے کھیتی باڑی کا پیشہ اختیار کیا حضرت شعیب علیہ السلام مویشی پالتے تھے اور ان کا دوسرا اور اون وغیرہ فروخت کرتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیشہ گھربانی تھا۔ زکریا علیہ السلام بڑا بناتے تھے حضرت سیمان علیہ السلام روئے زمین کی خطیر سلطنت کے بادشاہ ہونے کے باوجود اپنی گزراوقات کے لیے گڑیاں اور بیلین بناتے تھے۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت نقل کی ہے کہ جب آدم علیہ السلام سے عرض مہرز ہوئی تو وہ بہت ناہم ہوئے انہوں نے عرض پر نکاح کی تو وہاں لا الہ الا اللہ و محمد رسول اللہ لکھا پایا آپ نے خیال کیا کہ جس شخصیت کا نام اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ لکھا

سلفہ آفریہ عریانی فارسی میں سلفہ بن کثیفہ سے تغیر عریزی میں

سلفہ تغیر عریزی میں

ہو اسے۔ یہ ضرور کوئی عظیم شخصیت ہے۔ چنانچہ انہوں نے ان الفاظ کے ساتھ معافی مانگی۔
 اَسْتَلْزِمُ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اِلَّا عَفَرْتُ لِي۔ اے اللہ! میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
 کے طفیل سے دعا کرتا ہوں کہ میری لغزش کو معاف فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! تمہیں
 کیا علم کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ بولا کریم! میں اس سے زیادہ
 کچھ نہیں جانتا کہ میرے نام کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نام لکھا ہو اسے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
 اے آدم! تیری اولاد میں یہ آخری نبی ہوں گے۔ اور میری پوری مخلوق میں ان کی خفیت کو کوئی
 نہیں پہنچے گا۔ اگرچہ یہ روایات ضعیف ہیں بعض نے ان کو موضوع بھی کہا ہے۔ تاہم تشریح کی
 خاطر ان کو مستبول کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی لغزش کو معاف کر دیا۔
 بیہقی کے علاوہ یہ روایات طبرانی، حاکم اور ابونعیم میں بھی موجود ہیں۔ اور روایات میں یہ بھی آئے ہے
 کہ آدم علیہ السلام کو دنیا میں ابوالبشر کی کینیت سے پکارا جاتا ہے۔ اور قیامت کے دن حضور خلیل السلام
 کی طرف نسبت کرتے ہو ابوالمحمد کی کینیت سے پکارا جائے گا۔ گویا آپ کو ابوالبشر اور ابوالمحمد دونوں
 اعزاز حاصل ہیں۔

بخاری اور مسلم شریفین کی روایت میں آئے ہے۔ کہ قیامت کے روز جب اول آدم علیہ السلام
 کے پاس جائیں گے تو کہیں گے کہ اے آدم! انت ابوالکسیر آپ تمام نسل انسانی کے جد امجد
 ہیں۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ حساب کتاب شروع کریں۔ حضرت آدم علیہ السلام انکار کریں گے
 اور کہیں گے میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی
 روایت میں آئے ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا۔ کیا آدم علیہ السلام خدا تعالیٰ
 کے نبی تھے۔ فرمایا اے۔ نَبِیُّ رَسُوْلٍ کَلَّمَہُ اللہ آپ نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ
 سے کلام کیا۔ آپ پر وحی نازل ہوئی تھی۔ اَوَّلُ اَنْ نُّکَلِّمَہُ اَدَمُ اور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ
 صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

توہ ایک ایسا عمل ہے جس سے ان کی سابقہ کوتاہیوں کی معافی ہو جاتی ہے۔ حمزہ علیہ السلام

توہ کی تین شرطیں

میں بھی نسبت خداوندی حتی تجلیق آدم کے وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً کہ میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں۔ چنانچہ اس ارادے کی تعمیل میں خداوند ارضی کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتار گیا۔ آپ نے نیابت کے کام کی ابتداء کی اور پھر یہ فرض آپ کی آنے والی اور دین منقل ہو گیا۔ گویا زمین پر اترنے کا حکم نہ انہیں بعد ایک اعزاز تھا۔ جو آپم علیہ السلام کے حصے میں آیا کہ انہیں نیابت الہی کا فریضہ سونپا گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مزید حکم یہ دیا کہ فَاعْبَادُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ وَاعْبَادُوايَاقَوْمُ لَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ أَفَأَنْتُمْ مُشْرِكُونَ یعنی جب انبیاء علیہم السلام میرا پیغام اور ہدایت لے رہے ہیں فَكُنْ مِنْهُمْ حَقٌّ هَدْيًا تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی۔ فَلَا تَخَوْفَ عَلَيْهِمْ ان پر انجام کے لحاظ سے کوئی خوف نہیں ہوگا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ اور نہ وہ علم گھائیں گے۔

خوب محضر
کی حقیقت

یہاں پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ قیامت کے دن تو بہت زیادہ خوف ہوگا۔ عام انسانوں کا تو کیا حال ہوگا۔ خود نبیوں کے متعلق آتا ہے۔ رَدَّ قُلُوبِي قُلُوبِي پیہ پیہ کے اس کے جواب میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ظاہری طور پر تو یہ واقعی خوف ہوگا۔ مگر انجام کے اعتبار سے بالکل خوف نہیں ہوگا۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی قہری صفات کا لہو ہوگا۔ تو خوف و ہراس طاری ہوگا۔ جیسے کسی مقدم میں ملزم بڑا الجھتا ہے۔ مگر وکیل مدافع کی مثل دیکھ کر کہہ دیتا ہے کہ خطر سے کی کوئی بات نہیں۔ تسل رکھو۔ آخر کار انجام بخیر ہوگا۔ اسی طرح جو لوگ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آمہ و ہدایت کی پیروی کریں گے۔ انہیں اگرچہ قیامت کے دن وقتی طور پر خوف پیدا ہوگا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق آخر کار انہیں خوف نہیں ہوگا۔ ہدایت اصل میں دین کی روح اور حکمت کو کہا جاتا ہے۔ اور دین حق دائمی قانون کا نام ہے جو انانیت کے اصلی تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ اسی ہدایت کے مفصلات میں نبی۔ رسول۔ جنان۔ معجزات۔ کتب ساری اور شریعت وغیرہ آتے ہیں۔ ان تمام چیزوں کا ابتداء ہی ہدایت

ہدایت کے
متبعین

و اتباع ہے۔ قرآن پاک میں نینتوں کا لفظ لاتعداد معانی پر آیا ہے۔ اور ہدایت کا لفظ بھی آیا ہے۔ حکمت و ہوتے ہیں۔ جو بالکل واضح اور جہیز ہوں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننا۔ نینت میں سے ہے۔ اسی طرح صبر و شکر کرنا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا جنات میں۔ ہدایت و چیز ہوتی ہے۔ جس کی تعلیم کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً شعائر اللہ کی تعظیم احکام شریعت میں اس کا ضرورت پڑتی ہے۔ یہ چیزیں تعلیم کے بغیر حاصل نہیں ہوتی ہیں۔ چنانچہ یہ کتابیں انبیاء میں اسلام و خدیفہ ہدایت میں شامل ہیں۔ اسی لیے فرما: جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی نہ ان پر عذاب ہوگا۔ اور نہ وہ ظالمین ہوں گے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا اور جنہوں نے کفر کیا۔ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا اور ہماری آیات کو کھینچا۔ کفار و مکذبین
 الْاُولَئِكَ اصْحَابُ السَّعِيرِ وہ دوزخ والے ہیں ھُمْ فِيهَا خَالِدُونَ اس میں وہ ہمیشہ
 رہیں گے۔ مفسرین کفر فرماتے ہیں کہ انسان کی سعادت اور شقاوت کا دار و مدار ایمان اور
 کفر پر ہے۔ یہ بہت دقت پر ہے۔ اور پھر یہ ہے کہ رَفَعْنَا لَكَ اَعْمَالُ بِالْاِحْسَانِ تسمیع
 اعمال کا دار و مدار غلتے پر ہے۔ جس کا ایمان پر خاتمہ ہو گیا یعنی جو ایمان کی بدولت ساتھ لے کی۔
 دوزخ میں ہے۔ اور جس کا خاتمہ کفر پر ہوا۔ وہ کافر ہو گیا۔ اس قانون پر تھوڑا سا تبصیر و فہم
 سے نکلنے کے بعد اب دوبارہ داخل ایمان اور کفر کی بنا پر ہو گا۔ اس کے اخیر بہت میں دوبارہ
 داخلے کی کوئی صورت نہیں۔

الْبَنَاءِ

درس نوزدہم

الْبَنَاءِ

(آیت ۴۰-۴۲)

يٰۤاَيُّهَا اِسْرٰٓءِیْلُ اذْكُرُوْا فِعْمَتِیَ الَّتِیْ اٰمَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاذْكُرُوْا
 فِیْهَدٰی اَوْفِیْ بِعَهْدِكُمْ وَاٰیٰتِیْ فَارْهَبُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَا
 اَنْزَلْتُ مُّصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْا اَوَّلَ کٰفِرٍ بِهٖ
 وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۚ وَاٰیٰتِیْ فَالْتَقُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا
 تَلْبِسُوْا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری ان نعمتوں کو۔۔۔ جو میں نے

تم پر انعام کیں، اور یاد کرو میرے عہد کو۔ میں یاد کروں گا تمہارے عہد کو۔ اور

اور خاص مجھ ہی سے ڈرو ﴿۴۰﴾ اور ایمان لاؤ اس چیز پر جس کو میں نے نازل کیا ہے

اور وہ ان داصل غیر محض شدہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ جو تمہارے پاس

ہیں۔ اور نہ جو تم پہلے کفر کرنے والے اس کے ساتھ۔ اور مت فریاد میری آیاتوں

کے بدلے بخوڑی قیمت اور خاص مجھ ہی سے پس ڈرتے رہو ﴿۴۱﴾ اور نہ لاؤ

حق کو باطل کے ساتھ۔ اور تم حق کو چھپاتے ہو۔ اور تم جانتے ہو ﴿۴۲﴾

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَعْبُدُوْا نِیَّۃً تَمَامًا حَسْبِیْ نُوْرُ الْاِنْسَانِ سَعْمُوْیْ خُطَاب

ترجمہ بنی اسرائیل

میں۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور خلافت ارضی کا ذکر تھا۔ اس کے بعد

وَ اِذْ قَسَّیْ رَسُوْلًا لِّلْمَلٰٓئِکَةِ فِیْ سَمٰوٰتِیْ نَعْمَتٍ کَاذِبًا ۚ وَ جَعَلْتُ اٰدَمَ

علیہ السلام کے ذریعے تمام انسانوں کو جہل ہوئی۔ اب یہاں سے بنی اسرائیل کو ختمی خطاب

برور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں۔ اور ان معجزات کا ذکر کیا ہے۔ جو ان میں

ظاہر ہوئے۔ بنی اسرائیل کے باطل و شہوات کا ذکر بھی کیا ہے۔ اور اس قوم میں جو فریاد

پیدا ہوئی تھیں۔ ان کا کتبیل سے ذکر کیا ہے۔ یہ بیان یہاں سے شروع ہوا کہ اِذْ اَنْزَلْنَا

اِسْرٰٓءِیْلَہُمْ رَسُوْلًا یَّحْكُمُ بَیْنَهُمْ ۚ وَ اَمَّا بَیْنَہُمْ فَا۔

فلاستہ ارضی علوم کی نعمت ہے۔ جو آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کو نصیب ہوئی۔ یہ نعمات بنی اسرائیل میں سے کس قدر ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ نعمت جمیع لی ادبانی اعلمیں کو حاصل ہو گئی۔ یہاں پر بنی اسرائیل کی ان غالیوں کا ذکر ہو گا جن کی وجہ سے اس عبادت شریف اور فضیلت سے وہ محروم ہو گئے۔

اسرائیل یعقوب علیہ السلام کا رہنے۔ ان دونوں خاندانوں یعنی بنی اسرائیل اور بنی اعلیل کے بعد مجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ جن کا وطن مالوت موجودہ بغداد سے ستر میل دور بابل شہر تھا۔ آپ کی پیدائش کے وقت بابل بہت بڑا شہر اور تہذیب کا مرکز تھا۔ یہ چالیس مربع میل میں پھیلا ہوا تھا۔ اور بہت بڑی سلطنت کا پایہ تخت تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہاں سے ہجرت کی جیسا کہ فرمایا: **وَاِنَّا مُهْمِلُ حِجْرٍ اِلٰی رَکْبَةٍ مِّنْهُ** معصرتے رستے شام پہنچے۔ کچھ عرصہ وہاں قیام فرمایا۔ اور پھر جزائے اور بحر مکررم بھی گئے۔ آپ اسلوا عراقی تھے۔ پھر شامی پھر حمازی ہوئے۔ انہوں نے میں فلسطین کو کثرت سے گئے تھے۔ اور یہ شام ہی کے ماتحت تھا۔ بعد میں اس کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی ہاجرہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے ہوئے۔ آپ کے بارہ فرزند تھے۔ پھر ان کے آگے بے شمار قبیلے ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری بیوی آپ کی چچا زاد حضرت سارہ سے تھیں۔ جن کا ذکر قرآن پاک میں بھی آتا ہے۔ آپ کے بطن سے حضرت اسمعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور پھر ان سے حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے عظیم نبی ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی میں ہی بشارت سنا دی تھی۔ **وَمِنْ قَوْلِہٖ اِسْمٰحٰی یَعْقُوْبُ** یعنی تمہارے فرزند اسمحاق علیہ السلام سے ان کے بیٹے یعقوب علیہ السلام ہوں گے۔ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہوئے **اِسْتَنْیٰ عَشْرَہٗ اَسْبَاطًا** اُمّ سارہ سے تھے۔ یہ اسی بات کی طرف اشارہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک بیٹہ بنی یوسف قطور بھی تھی جس کی اولاد بنی قطور کہلاتی ہے

عزیزان میں زیادہ شرف حاصل ہے نہ جونی۔

واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت اسحق علیہ السلام کے دو بیٹے یعنی یعقوب اور یعقوب بن جبرائیل تھے۔ البتہ یعقوب اور پہلے پیدا ہوئے اور یعقوب علیہ السلام بعد میں یعقوب کا لفظ یعنی پیچھے آنے والے کے میں۔ خدا کی قدرت کہ اسحق علیہ السلام کو یعقوب کے ساتھ زیادہ محبت تھی۔ اور ان کی بیوی کو یعقوب علیہ السلام زیادہ پیار سے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام زیادہ صحت مند اور مضبوط جسم کے مالک تھے اور حضرت اسحق علیہ السلام نے انہیں یہ فریضہ سونپ رکھا تھا کہ وہ دروازے پر موجود رہیں۔ جب تک میں عبادت میں مصروف رہوں کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ دیں تاکہ عبادت میں خلل واقع نہ ہو۔ ایک موقع پر انسانی شکل میں فرشتہ آیا اور اندر جانا چاہا مگر یعقوب علیہ السلام نے روکا۔ جب اسحاق علیہ السلام باہر آئے تو دیکھ کر یعقوب علیہ السلام فرشتے کے ساتھ الجھنے لگے۔ تو انہوں نے تعجب فرمایا کہ واقعی تمہارے بیٹے ڈیوٹی پوری پوری دلا کی ہے۔ فرشتے نے آپ کا نام دریافت کیا تو انہیں یعقوب بتایا گیا۔ اس نے کہا اس کا نام اسرائیل ہے۔ سریانی یا عبرانی زبان میں اسم کا معنی بندہ اور ایل کا معنی اللہ ہے۔ گویا فرشتے نے یعقوب علیہ السلام کا نام اسرائیل یعنی اللہ تعالیٰ کا بندہ رکھا۔ چونکہ عبد اللہ کے مترادف ہے۔ یہیں سے آپ کا نام اسرائیل مشہور ہوا۔ اور آپ کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ چونکہ حضرت اسحق علیہ السلام کی محبت عیسیٰ کے ساتھ زیادہ تھی۔ اس لیے انہوں نے عیسیٰ سے فرمایا کہ میں آخری وقت میں تیرے لیے خصوصی دعا کروں گا۔ جب مال کو پتا چلا تو اس نے چاہا کہ یہ دعا یعقوب علیہ السلام کے حق میں ہو۔ چنانچہ اس نے یعقوب علیہ السلام کو عیسیٰ کا لباس پہنا کر ان کے باپ کے پاس بھیج دیا۔ اور ساتھ نصیحت کی کہ باپ کے سامنے آتے ہو تو انہیں کہو کہ تمہیں پہچان نہ سکیں۔ چونکہ اس وقت حضرت اسحق علیہ السلام کی نظر کمزور ہو چکی تھی۔ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عیسیٰ سمجھے اور ان کے حق میں دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد میں نبوت کو جاری رکھے۔ یہ خصوصی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام

سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک اللہ تعالیٰ نے یاد ہزار نبی اور رسول اس خاندان میں مبعوث فرمائے۔
 کچھ عربیہ بعد عیسیٰ نے باب کو یاد دلایا کہ آپ نے میرے حق میں دعا کا وعدہ فرمایا تھا، تو اب
 نے کیا کر دیا، مافوقین نے کر دی ہے، بغیر نے کیا کر دیا دعا تو آپ نے یعقوب علیہ السلام کے
 کے حق میں فرمائی ہے۔ تو انہوں نے کیا کیا، وہ تو اس کے لیے ہو گئی، تمہارے لیے دعا ہے
 کہ اللہ تعالیٰ تمہارے خاندان میں بادشاہت قائم رکھے، چنانچہ آپ کی دعا سے بادشاہت کا
 زیادہ تر سلسلہ عیسوی کی اولاد میں ہی رہا۔

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام اس دنیا سے رخصت ہوئے، تو ان کے سارے اولاد باب
 پر عیسوی نے قبضہ کر لیا اور یعقوب علیہ السلام کو کچھ نہ ملا، اسی حال و دولت کی وجہ سے لوگوں کا
 جوج بھی عیسوی کی طرف ہو گیا، اور یعقوب علیہ السلام کا وارث ہونے کی وجہ سے کسی شمار میں نہ آتے
 تھے۔ ان کے، ان کے کسی دوسرے بھائی نہ تھے۔ اور بڑے والد تھے، ان نے مشورہ دیا، کہ
 ان کے پاس پہلے بازار ان کے پاس مل و دولت بھی ہے۔ اور اس کی بیٹی بھی ہے جس کے
 ساتھ وہ تمہارا نکاح بھی کرے گا۔ چنانچہ آپ اپنے لایا، مامی ماموں کے پاس پہنچے۔ وہ
 آپ کو دیکھ کر بڑا خوش ہوئے۔ اور کہا کہ اپنے جانی کی بہن کو سے دل برداشتہ نہ ہونا۔ میں تمہاری
 ہر طرح سے مدد کروں گا۔ چنانچہ اس نے اپنے سارے اولاد اسباب کہ متعرف حضرت یعقوب علیہ السلام
 کو بنا دیا۔ اور اپنی بیٹی کا نکاح بھی کر دیا۔

اس بات سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو پار پیٹے عطا کئے، اور اس کے بعد یوحنا کا انتقال ہو
 گیا، ماموں نے آپ پر مزید احسان کیا کہ دوسری بیٹی کا نکاح کر دیا، اس سے دو فرزند پیدا ہوئے
 اور وہ بھی فوت ہو گئے۔ اس کے بعد ماموں نے تیسری بیٹی کی آپ کے نکاح میں شے دی، اس
 سے ایک لڑکی اور دو لڑکے پیدا ہوئے، اس کے بعد وہ بھی اللہ تعالیٰ کو ہیرو ہو گئی، پھر
 ماموں نے اپنی چوتھی لڑکی زلیخا کا نکاح کر دیا، اس وقت تک حضرت یعقوب علیہ السلام کی عمر
 چالیس برس ہو چکی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرمائی، اور حکم دیا کہ اس مقدمہ کو تیسرا

کہ کنعان پہلے جاؤ۔ اور وہاں پر تبلیغ کا فریضہ انجام دو۔ جب مومن کو پتا چلا۔ تو اس نے کہہ کر تیساری جہائی سے تکلیف کو ضرور ہوگی۔ مگر اللہ تعالیٰ کی رضا ہر چیز پر مقدم ہے۔ چنانچہ اپنے بخوشی حضرت یعقوب علیہ السلام کو کنعان پہلے جانے کی اجازت دے دی۔ اور یوحیٰ یحیوں کو بھی ساتھ بھیج دیا۔ اور اُن کی خدمت کے طور پر پانچسو گھوڑے، پانچسو اونٹ، پانچسو گائے پانچسو خچر، پانچسو بھینس اور بہت سا دیگر سامان ہمارا کر دیا۔

کنعان پہنچ کر آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ وہاں پر آپ جوحی یوحی راحیل کے بطن سے دو بیٹے یوسف اور بن یامین پیدا ہوئے۔ یوسف علیہ السلام ابھی دو سال کے تھے۔ کہ راحیل بھی فوت ہو گئی۔ جب مومن کو پتا چلا۔ تو اس نے اپنی پانچویں بیٹی بھی نکاح میں دے دی۔ اور اسے یعقوب علیہ السلام کے نکاح میں بھیج دیا۔ تاکہ یحیوں کی پرورش ہو سکے۔ اس طرح یعقوب علیہ السلام کے کل بارہ بیٹے ہوئے۔ جن سے آگے بارہ خاندان بنے۔

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو بھی اس فضیلت سے محروم نہ رکھا۔ جیسا حضرت یعقوب علیہ السلام کنعان کی طرف آئے تھے۔ تو اُسے میں عیسیٰ نے بھی آپ کا استقبال کیا۔ اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے ذریعے مجید پر فضیلت بخشی ہے۔ آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میرے خاندان میں بھی نبوت جاری فرمائے۔ آپ نے دعا فرمائی۔ تو وحی نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ کے خاندان میں ایک نبی الیہ علیہ السلام کو پیدا فرمائے گا۔ اور ایک عظیم المرتبت بادشاہ ذوالقرنین بھی آپ کے ہی خاندان میں ہوگا۔ چنانچہ آگے چل کر ایسا ہی ہوا۔

ان آیات میں ان انعامات کا تذکرہ ہے۔ جو اللہ رب العزت نے بنی اسرائیل پر کیا۔ بنی اسرائیل پر انعامات
 یٰبَنیْ اِسْرَآئِیْلَ اِذْ کُنتُمْ اَبْعَثِیْ اِلَیْکُمْ عَلَیْکُمْ لَے
 بنی اسرائیل! میرے ان انعامات کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیے۔ ان میں سے دنیاوی دی انعام تھے۔ یعنی اس قوم میں انبیاء علیہم السلام مبعوث کیے اور بادشاہت بھی عطا کی۔ یوحنا

میں موجود ہے۔ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَاً وَجَعَلَكُمْ مَّلُوْكَادَ اللہ تعالیٰ نے
 کتنا عظیم احسان اس قوم پر کیا۔ اُس وقت اس کے بڑے دینا بھر میں کوئی دوسری قوم نہیں
 تھی۔ ان کو عزت و دولت اور شہرت حاصل تھی۔ مگر آہستہ آہستہ ان میں بگاڑ پیدا ہونے لگا۔ حتیٰ
 کہ مسیح علیہ السلام کے زمانے تک ان کی ذلت انتہا کو پہنچ گئی۔ انجیل اور تورات کی کتابوں
 سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان میں بہت زیادہ خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ ہزاروں سال گزرنے
 کے بعد جب نزول قرآن کا زمانہ آیا۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے اللہ تعالیٰ
 کا آخری پیغام اور شریعت نازل ہوئے۔ اس وقت بھی بے شمار خرابیوں کے باوجود یہی لوگ
 صاحب علم سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ قرآن پاک نے اس مقام پر بنی اسرائیل کو ہی دعوتِ حق
 دی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو جنہیں تم اپنی غرابی کی وجہ سے کھو چکے ہو۔ انذاب
 بھی راہِ راست پر آجاؤ۔ نبی آخر الزمان پر ایمان لے آؤ۔ اور خدا تعالیٰ کے آخری پیغام کو
 تسلیم کر لو۔ تو تمہاری جہنمی ہوئی عزت واپس آسکتی ہے۔ اور اگر ایسا نہیں کر دو گے۔ اپنی مبتلائی
 پر قائم رہو گے۔ تو تمہارے حصے میں ذلت اور رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ چنانچہ اگلے رکوع
 میں ذکر آئے گا۔ کہ بنی اسرائیل میں کس طرح خرابیاں پیدا ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ نے انعامات کا ذکر کر کے نیٹے بعد فرمایا وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِيْ اِنِّیْ
 بنی اسرائیل میرے عہد کو پورا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ عہد تو لیا تھا۔ کہ میری اطاعت
 کرنا۔ اپنا عہد السلام کی اطاعت کرنا۔ اور فرائض کو پورا کرنا۔ فرمایا اس کے جسے میں اَوْفُوْا
 بِعَهْدِيْكُمْ میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔ تمہارا عہد یہ ہے۔ کہ تمہارے ساتھ معاہدہ کر کے
 تمہیں بخش دوں گا۔ اور جنت تک پہنچا دوں گا۔ تمام بنی نوح انسان نے جو خدا تعالیٰ سے
 کیا ہوا ہے۔ اُس کے مطالبے یعنی میثاق کا ذکر بھی آئے گا۔ بنی اسرائیل سے کیا گیا کہ وہ
 میثاق بھی پورا کروں گا۔ الَّذِيْ وَاَقْبَحَكُمْ بَلَدًا بَعَثْنَا فِيْهِ نَجْمًا يَّهْدِيْكُمْ اِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ
 بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ صحیح دین اور سچی بات کو مست چھپانا۔ مسلمانوں نے کیا کیا۔ فَتَبَيَّنَا
 وَكَرِهَتْهُمْ اَرْسَلْنَا اِسْمٰعِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنْ يَّخْبُرَهُمْ عَنْ اَبْنَائِهِمْ اَلَمْ يَكُنْ مِنْكُمْ نَفْسٌ مِّنْ قَبْلِ
 میں تمہارا اور تمہانوں کی بیماریاں پسندے عروج پر تھی۔ یہ لوگ توراہ۔ انجیل اور دیگر کتب میں موجود

آخری نبی علیہ السلام کے تعلق پیش گوئیوں کو چھپاتے تھے۔ اور اس حد میں مبتلا تھے کہ نبی آخر الزماں
 نبی اسرائیل کی بجائے بنی امیئل میں کیوں آیا ہے۔ یہ لوگ صاحب علم ہونے کے باوجود متعصب
 تھے۔ مشرکین نے تو ایمان قبول کر لیا مگر یہ لوگ اپنی ضد پر اڑے ہوئے تھے۔ یہ کہنا کہ **وَلَكِنَّ كَثِيرًا**
مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ایسی ان کی اکثریت مافرمانوں کی ہے۔ جب کہ نہایت بنی قیس تعداد
 راہ راست پر آئی ہے۔ چنانچہ ان میں سے حضرت عبداللہ بن سلام بھی چند حق پرستوں نے
 اسلام کی دعوت قبول کی۔ الغرض فرمایا تم میرا عہد پورا کرو۔ میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔ **وَإِنِّي**
كَأَنَّهُمْ يُؤْمِنُونَ اور خاص مجھ ہی سے ڈرو۔ میں ہی تمہارا خالق اور مالک ہوں۔ میں نے تم پر پست
 بھی انعام کیے۔ آئندہ بھی کروں گا۔ بشرطیکہ نجات ڈر کریدھے راستے پر آ جاؤ۔

ایمان بالحق

بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے یہ فرمایا۔ **وَلَقَدْ آتَيْنَاكُمْ آسَافًا ثَمَرًا** اور جو چیز میں
 نے نازل کی ہے۔ اس پر ایمان لاؤ۔ اور یہ چیز **مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ** اس چیز کی
 تصدیق کرتی ہے۔ جو تمہارے پاس موجود ہے۔ یعنی تورات اور دیگر سابقہ کتب میں یہ خبر
 یہ دیتے تھے کہ قرآن پاک سابقہ کتب کی ہر چھوٹی بڑی چیز کی تصدیق نہیں کرتا۔ بلکہ اصول طور پر
 بعض اہم باتوں کی تصدیق کرتا ہے۔ جس طرح ہر نبی کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ کہ وہ سابقہ
 نبی کی تصدیق کرے۔ مگر اس کی شریعت اور احکام کی بنیاد میں تصدیق نہیں کرتا۔ کیونکہ بالآخر
 دو ملتوں پہلے نبی بنی بعض چیزیں مسخ کر دیتا ہے۔ اسی طرح قرآن پاک بھی سابقہ کتب کی تصدیق
 کرتا ہے۔ لہذا تم میں قرآن پاک کو تائید کلام الہی تسلیم کر لو۔ اور اس پر عمل پیرا ہو جاؤ۔
وَمَا تَسْكَوُنَ لَهُ کا ہر سبب **أَوَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ قُرْآنٌ** پاک کے اولین معجزین نہ بن جاؤ۔

قرآن پاک کا نزول مکہ مکرمہ میں شروع ہوا۔ اور سب سے پہلے انکار کرنے والے لوگ کفار
 ہوئے۔ پھر جب حضور علیہ السلام ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو وہاں جو نے اس کا انکار کیا۔
 تو اس معاملہ سے قرآن پاک کے اولین معجزین کفار مکہ میں رہ کر یہودیہ میں۔ مگر بنی اسرائیل کو
 خطاب ہوا۔ ہے۔ کہ تم اولین معجزین نہ بن جاؤ۔ معجزین کلام اس کی توجیہ یہ بیان نہ کرتے تھے

مٹے والوں کے پاس تو کوئی کتاب نہیں تھی، کتاب یعنی تورات کو مدینہ کے یہود نے پاس نہیں لے کر اہل کتاب میں سے اولین کافرین ہی لوگ تھے، اسی لیے ان کو کہا گیا، کہ تم اولین منحرین میں سے نہ ہو جانا، اس کو وہ منہر، طب منہر بن کر امر بنی بیان فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل سے سے کہا گیا، کہ اگر تم موجودہ دینس والے، انکار کرو گے، تو تم سے بعد آنے والی نسلیں بھی تمہاری رہنمائی پر چل کر انکار کریں گی، ان عرب نے بھی آئے والی نسلیں کی گھڑی کے ذمہ دار بھی تم ہی تھے۔ اس لیے اولین منحرین نہ بن جاؤ۔

پھر فرمایا **وَلَا تَتَّبِعُوا الْبَاسِیَ ضَلَالٍ قَلِیلَةٍ** اور مت پیرو میری آیتوں کے دنیا بخت برے تھوڑی قوم، تھوڑی قیمت سے مادی دنیا کا حقیر مال ہے، جیسا کہ نصرت ملی ذہن نے ہیں، کہ دنیا کی چار چیزیں ایسی ہیں جن کے پیچھے لوگ مرتے ہیں، یعنی کھانا، پینا، پہنا اور نسل کرنا، مگر حقیقت یہ ہے کہ کھانے کا، بنی کم کدگی اور پینے کا، بنگلہ بول ہے، اچھے سے اچھا لباس بھی کچھ عرصہ بعد بھٹ جاتا ہے، اور اُسے بھینک دیا جاتا ہے، وہ نکاح، تو اس کی وجہ سے انسان طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہوتا اور اذیتیں برداشت کرتا ہے یہ چاروں چیزیں عقیدے کو فاسد اور دین کو بگاڑنے والی ہیں، مگر لوگ ان حسیہ اثرات کے حصول کے لیے قیمتی اور اعلیٰ چیز یعنی ایمان کو قربان کر لیتے ہیں،

فرمایا **وَاِیَّائِیْ فَاتَّقُوْنِ** اور مجھ ہی سے ڈرو، آخرت کی خبر لو، دنیا کے پیچھے مت چڑو آخرت میں میرے سامنے پیش ہونا پڑے گا، حساب و کتاب ہو گا، اور پھر تمہیں اپنے کئے کی جزا یا سزا بھگتنی ہوگی، لہذا مجھ سے ڈرتے رہو۔

وَاتَّقُوا الْخَوَافَ جانب اض اور حق کو، اہل کے ساتھ غلط مطلقہ کرو، **وَلَا تُكْفِرُوا** تکفیر اور نہ ہی حق کو چھپاؤ، یہ بنی اسرائیل کی عام عادت تھی کہ وہ اپنی کتاب میں موجود سچی بات چھپا لیتے تھے، آگے آئے گا کہ یہ لوگ قرآن پاک اور بنی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح پیپنتے تھے، جس طرح اپنی اولاد کو بھیپنتے تھے، مگر پھر بھی انکار کر دیتے تھے۔ یہ

بیٹھے ہیں جنہیں چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ یہ لوگ ملک پر وہ فزکی حکومت برداشت کر لیں گے
جیسا کہ پیروں اور علماء سورسے انگریز کی حمایت کی۔ مگر یہ اپنے خود ساختہ عقیدے کے خلاف
کوئی چیز برداشت کرنے کے لیے کبھی تیار نہ ہوں گے۔ ایسے ہی لوگ کمان جی کے مرتجب
ہو رہے ہیں۔

آجکل دین کے ساتھ کیا سوک ہو رہا ہے۔ کسی کو فرائض کی پروا ہے۔ اور نہ واجت
کی معمولی معمولی باتوں کو نشانہ بنا کر ان کی تشہیر ہو رہی ہے۔ پراپیگنڈا جاری ہے۔ تقرق بازی
کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ اور پھر کالی گولف تک نوبت پہنچتی ہے۔ یہ سب کیا ہے۔ بنی اسرائیل
کے شیروہ کو اپنا جارہا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا جو یہاں ہیں۔ بنی اسرائیل میں پائی باقی
بھٹیں۔ لمے میری امت۔ تم میں بھی وہی بیماریاں خود کر آئیں گی حَدِّ وَالنَّعْلِ بِالنَّعْلِ
جس طرح ایک جوتا دوسرے کے مطابق ہوتا ہے۔ اسی طرح میری امت کی خرابیاں بنی اسرائیل
کی خرابیوں کے مشابہ ہوں گی۔

فرمایا حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور نہ حق کو چھپاؤ۔ وَانْتُمُ تَعْلَمُونَ اور تم جانتے
ہو کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ غرضیکہ اس مقام پر بنی اسرائیل کی خرابیوں کا اجمالاً بیان ہوا ہے۔ اگلے
دکومات میں تفصیل کے ساتھ ایک ایک خرابی کی نشان دہی ہوگی۔ آج بھی یہ خطاب موجودہ
دور کے بنی اسرائیل کے لیے موجود ہے۔ ان کے بڑوں کی خرابیوں کو ان کے سامنے رکھا
جا رہا ہے۔ اور جو خرابیاں ان کے اندر پائی جاتی ہیں۔ ان کی نشاندہی بھی ہو رہی ہے۔ گویا یہ
دعوت الی القرائن ہے کہ "اٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلْتُ" جس چیز کو میں نے نازل کیا ہے
یعنی قرآن پاک آؤ آج بھی اس پر ایمان لے آؤ تو فلاح پا جاؤ گے۔ قرآن پاک پہلی کتابوں کی
تصدیق کرنے والا ہے۔ اور آخری نرشتہ اور صحیفہ ہے۔ اس پر ایمان لائے بغیر اور اس کے
پیچھے کر وہ پروگرام اپنل کیے بغیر فلاح نصیب نہیں ہو سکتی۔

فَاقِمُْوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَبُوا مَعَ الرَّاهِقِينَ ﴿٤٣﴾
 اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ
 تَسْأَلُوْنَ الْكُتُبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَاسْتَعِذُّوْا بِالْعَبْرِ
 وَالْمَسْكُوٰةِ وَلَنْهَآ لَكِبْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ﴿٤٥﴾
 الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلتَقَوْنَ رِبَّهُمْ وَاَنَّهُمْ يُبْعَدُ
 رَجْعُوْنَ ۙ ﴿٤٦﴾

نہ ۴۶
۵

ترجمہ : • و قائم کرو نماز کو اور زکوٰۃ اور رکوب کرو رکوع کرنے والوں کے
 ساتھ ﴿۴۳﴾ کیا تم لوگوں کو برائی کا حکم دیتے ہو۔ اور اپنی جائز کو فراموش کرتے ہو
 حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو۔ کیا تم نہیں سمجھتے ﴿۴۴﴾ اور مدد طلب کرو صبر و بردباری
 کے ساتھ۔ اور بے شک یہ نماز البتہ بھاری ہے۔ مگر ان لوگوں پر جو عاجزی
 کرنے والے ہیں ﴿۴۵﴾ وہ لوگ جو یقین رکھتے ہیں کہ بیشک وہ اپنے پروردگار
 سے ملنے والے ہیں۔ اور بیشک وہ اسی پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے
 والے ہیں ﴿۴۶﴾

اس رکوع کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کا ذکر فرمایا۔
 پھر زمین پر اترنے کا حکم دیا۔ اور ہدایت و رہنمائی کا وہ اصول بھی بتلادیا جس پر جنت میں دوبارہ
 داخلے کا دار مدار ہے۔ اس کے بعد بنی اسرائیل سے خطاب ہوا۔ دوسری قوموں کے مقابلے
 میں بنی اسرائیل کو مدت و زمانہ کیفیت حاصل رہی۔ نبوت اور حکومت ان میں رہی۔ ان
 میں بڑے بڑے غبار و زامہ لوگ پیدا ہوئے۔ مگر ایک طویل عرصہ کے بعد اس قوم میں حزقیال
 پیدا ہو گئیں۔ جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے خلافت ارضی بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل میں
 منتقل کر دی۔

گفتہ شدہ ہوتے

یس فطرۃ بڑی شدید ہے۔ دوسری جگہ فرمایا وَتُحِبُّونَ الْعَالَ حُبًّا جَمْعًا تہرمی ہرگز دل سے محبت کرنے ہو۔ جس کی وجہ سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور لوگوں کے حقوق ضائع ہوتے ہیں۔ اس قسم کی چیزیں بنی اسرائیل کے قبول حق میں ممانع تھیں۔

ان دو بیماریوں کا علاج اللہ تعالیٰ نے یہ بتوڑ کیا وَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْمَسْكُوتِ فَاذْكُرْهُ۔ وَأَتُوا الزَّكَاةَ اور زکوٰۃ ادا کرو۔ یعنی محبت جاہ کی بیماری کے لیے نماز شافی ہے۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے غرور، تجراندہ برائی کا علاج رکھا ہے۔ جو شخص نماز قائم کرے گا اس کا مطلب سمجھے گا۔ وہ محبت جاہ کی بیماری سے شکیاب ہو جائے گا۔ اسی طرح محبت مال کی بیماری کا علاج اولیٰ کی زکوٰۃ میں ہے۔ اور اس میں بہت سی حکمتیں ہیں مثلاً ان کے غلے دور کرنا بھی ہے۔ چنانچہ جب کوئی شخص ہر سال مال کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔ تو وہ غلے کی نعمت سے پاک ہو جائے گا۔ پھر یہ بھی ہے کہ صرف مقررہ مقدار میں زکوٰۃ ادا کر دینا ہی کافی نہیں بلکہ فرمایا لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ یعنی تم ہرگز نیک نہیں بن سکتے جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیز خرچ نہ کرو۔ یہی وہ جذبہ ہے۔ جو مال کی محبت کو کم کر کے بخل سے نجات دلاتا ہے۔ گویا نماز اور زکوٰۃ محبت جاہ اور محبت مال کی بیماری کا علاج ہے۔

اھم بیضادی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وَأَسْتَعِينُ بِالصَّغِيرِ وَالْعَسْلَوِ میں نماز کے ساتھ توسل پکڑنے کا اس لیے حکم دیا ہے کہ نماز تمام عبادت کی جامع ہے۔ نماز میں روحانی اور جسمانی ہر قسم کی عبادت جمع ہیں مثلاً نماز طہارت پر موقوف ہے اور طہارت اسلام میں ایک بہت بڑا اصول ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا حصہ ہے۔ اسی طرح ستر کا ڈھانپنا نماز کے لیے شرط ہے۔ ستر پوشی تو ہر حالت میں لازم ہے۔ مگر نماز کے دوران تو اور زیادہ ضروری ہے۔ انسان برائی کی حالت میں نماز ادا نہیں کر سکتا۔ عبادت کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ مال بھی صرف کرنا پڑتا ہے تو اگر انسان میں الفاق جیسی عبادت بھی شامل ہے۔ پھر نماز کے لیے قبلہ شریعت کی طرف رُخ کرنا بھی ضروری ہے۔ نماز کی حالت میں انسان متعلق ہوتا ہے۔ اور اعتکاف ایک مستقل عبادت ہے لہذا نماز میں مکوث بھی شامل ہے

ان بیماریوں
کا علاج

نماز جامع
عبادت ہے

نماز کے دوران انسان کے اعضا اور جوارح خشوع کا اظہار کرتے ہیں۔ دل سے نیت اور
 اخلاص بھی ضروری ہے۔ اگر نیت اور خلوص نہ ہو تو نماز نہیں ہوتی۔ اسی طرح نماز میں شیطان
 کے ساتھ مجاہدہ بھی شامل ہے۔ نماز میں انسان رب العزت کے سامنے مناجات کرتا ہے۔
 اور قرآن کریم کی تلاوت جیسی بہترین عبادت سے فیضیاب ہوتا ہے۔ نماز میں انسان بندہ
 کا حکم کرتا ہے۔ اُس کا ہے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ
 وَرَسُوْلُہٗ۔ یہ بہت بڑی حقیقت ہے جس کی انسان گواہی دیتا ہے۔ نماز میں انسان کھٹنے پینے
 سے بھی اجتناب کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ الغرض اہم بیضاوی فرماتے ہیں۔
 کہ نماز ایک ایسی اعلیٰ درجے کی عبادت ہے۔ کہ اس میں بہت سی دوسری عبادات بھی شامل ہیں۔
 نماز و نوافل کا حکم مینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ اور
 رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔ مطلب یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ رکوع نماز ادا
 کرو۔ اسی لیے تو نماز باجماعت جمائے مذہب میں تقریباً وجوب کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ حضور علیہ السلام
 کی ایسی سنت ہو گئی ہے۔ کہ اگر بلا عذر ترک کرے تو انسان منافقوں میں شمار ہونے لگتا ہے۔
 حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت میں ہے۔ کہ اگر تم بلا عذر نماز سے غفلت کرو گے تو پیغمبر علیہ السلام
 کی سنت کو چھوٹنے والے بن جاؤ گے۔ اور اگر ایسا کرو گے تو نَصَلْتُمْ گمراہ ہو جاؤ گے۔ صرف
 معذور افراد کو گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ وگرنہ سند مست آدمی کو بغیر جماعت کے نماز
 پڑھنے کی قطعاً اجازت نہیں۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں۔ کہ ہم لوگ جماعت میں شریک ہوتے تھے
 اور جماعت سے پیچھے وہی رہتا تھا۔ جس کا نفاق معلوم ہوتا ہے۔ یا وہ معذور رہتا تھا۔

بعض محض بن فرماتے ہیں۔ کہ یہودیوں کی نماز میں رکوع نہیں تھا۔ صرف سجدہ ہی ہوتا
 تھا۔ اس لیے حکم ہوا۔ کہ رکوع بھی کرو۔ اگرچہ یہ سجدہ سے کم درجے کا رکوع ہے۔ مگر بڑی اہمیت
 کا حامل ہے۔ جس نماز میں رکوع نہ ہو۔ وہ نماز باطل ہو جاتی ہے۔ بعض دوسرے محض بن فرماتے
 ہیں۔ کہ بیشک رکوع نماز کا ایک اہم رکن ہے۔ مگر مَعَ السَّائِکِیْنَ سے صاف واضح ہے

۱۔ مسلم ص ۲۲۱ ، ۲۔ مسند ص ۲۱۲ ، ۳۔ تفسیر عزیزی فارسی ص ۲۱۲ ، ۴۔ معالم السنن ص ۲۱۲

۵۔ تفسیر عزیزی فارسی ص ۲۱۲ ، ۶۔ تفسیر ابن کثیر ص ۸۵

اُس سے مار مارا جتا رہا ہے۔ کیونکہ اس میں انسان کے لیے بے شمار فوائد ہیں۔ اسی سے اجتماعیت کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ بہت ہی بیماریوں کا علاج ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو انعامات یاد دلائے۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ کے بخوبی پیغام پر ایمان لانے کی تلقین کی۔ پھر اُن کی خامیاں ظہر کر کے انہیں تمہیں اور کئی حق سے منع فرمایا۔ ان بیماریوں کا علاج نماز اور زکوٰۃ بتلایا۔ اور اس کے بعد بنی اسرائیل کی بہت بڑی کمزوری کی طرف توجہ دلائی۔ اور فرمایا اَنَّا فَخْرُكُمْ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ يٰۤاٰسِرٰٓيَۤا بَنِيۤ اٰدَمَ كُنْتُمْ كَوْنٌ كَاثِرٌ يَّتِيْتُمْ ہو۔ وَتَشْكُوْنَ اَفْئِسْكَوْا اور اپنی جانوں کو فراموش کر دیتے ہو۔ وَاَنْتُمْ شٰكِرُونَ اَلِکِتٰبَ عَلٰۤا تَمَکْتُوبٍ کہ جس نیک کی طرف تم دوسروں کو بددعوت دیتے ہو۔ خود جانتے بوجھتے بھی اس پر عمل نہیں کرتے ظاہر ہے۔ کیونکہ یہی قرآن کے عام حق اور وہ لوگوں کو قرآن کے حقائق سے روشناس کراتے تھے۔ ان میں اللہ تعالیٰ کے آخری کلام قرآن پاک اور آخری نبی محمد رسول اللہ کے متعلق پیش گوئیاں بھی موجود تھیں۔ جو انسانوں نے لوگوں کو بتا سکتی تھیں مگر جب یہ حقائق سامنے آگئے تو دوسروں کو دھوکا دینے والے یہودی علماء و خدوان حقائق سے نفرت ہو گئے۔ گویا انسانوں نے اپنے آپ کو فراموش کر دیا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہودی عالم اپنے مسلمان رشتہ داروں کو کسا کرتے تھے۔ کہ تمہیں شخص پر ایمان لائے ہو۔ وہ جلاشہ میا اور آخری نبی ہے۔ اس کا دامن نہ چھوڑنا۔ مگر خود اس پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ ایمان لانے سے اُن کے مالی فوائد ضائع ہوتے تھے۔ اُن کے اسی دین کے متعلق فرمایا کہ دوسروں کو تلقین کرنے میں اور خود کو فراموش کرتے ہیں۔ مجھن دنیوی مائی کے ہرے بہتر کے کدہ، تلاش بھنے ہیں۔ اُنھے سورۃ آل عمران میں ذکر آئے گا۔ کہ انصاری ایک دفعہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں آیا تھا۔ جز دنیا کے مال کی خاطر لیان سے محروم رہا سیرت کی۔ اور دوسری کتبوں میں موجود ہے کہ اس دفعہ کے لوگوں نے کہا کہ اگر ہم ایمان قبول کر میں تو جیسے ذیلیفے اور نیکو ہیں بند ہو جائیں گی۔ لہذا ہم ایمان لانے کے

میں نے تیار نہیں۔ اسی نے ذہن کو تہہ دوسروں کو توئی کی طرف دعوت دیتے ہو۔ مثنوی سے سہ پہلے
ہو یہ کہاں کا، انصاف اور عظمتی ہے۔

مثنوی عبدالمسلوۃ والسادہ نے فرمایا: کہ مہاجر کی رت میرا گذرالیے لوگوں پر تو اجنبی کے ہونٹ
جنہم کی قینچیوں سے کاٹے ہوئے تھے۔ جس نے تہرا نسل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں
انہوں نے بتایا کہ حضور! یہ آپ کی امت کے خطیب ہیں۔ جو لوگوں کو امر بالمعروف یعنی نیکی
کا حکم کرتے تھے، بھڑپنے آپ کو فراموش کر دیتے تھے۔ اہم ازنی نے جی ایک روایت بیان
کی ہے کہ جنہم میں ایک ایسا شخص بھی ہوا۔ جس کی بدولت سے جنہم والے بھی بیزار ہوں گے لوگوں
نے عرض کیا: جسٹھ! ایسا بہ بخت شخص کون ہو گا؟ آپ نے فرمایا وہ صاحب علم شخص جو اپنے
علم سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ ایک دوسری حدیث میں اس طرح آتا ہے کہ جو شخص دوسروں کو
نیکی سکھلاتا ہے۔ اور خود اس پر عمل نہیں کرتا۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے چراغ جو دوسروں
کو روشنی مہیا کرتا ہے۔ مگر خود بجتا رہتا ہے۔

بخاری اور مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ قیامت کے روز ایک شخص کو لایا جائے
گا۔ اور اسے اس حالت میں تہنم رسید کیا جائے گا۔ کہ اس کی آنتیں پیٹ سے نکل کر نیچے
کی طرف ٹھک رہی ہوں گی۔ وہ شخص انہوں کو اس طرح کھینچے گا۔ جیسا کہ حاکم اس کو کھینچتا ہے
لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو جائیں گے۔ اور پوچھیں گے کہ اے فلاں! تجھے یہ مصیبت کس طرف سے
پہنچی۔ حالانکہ تو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتا تھا۔ اور برائیوں سے منع کرتا تھا۔ وہ کہے گا۔ ہاں میں تم کو
نیکی کا حکم کرتا تھا۔ مگر خود نیکی نہیں کرتا تھا۔ تمہیں برائیوں سے منع کرتا تھا۔ مگر خود برائی نہیں کرتا
تھا۔ اس لیے آج مجھے یہ سزا مل رہی ہے۔

تو فرمایا اے بنی اسرائیل! تم لوگوں کو نیکی کی تلقین کرتے ہو۔ بڑے مسئلہ بیان کرتے
ہو۔ قرآن پاک کی حقانیت کا اقرار کرتے ہو۔ بنی آخر الزمان کے اوصاف حمیدہ بھی بتاتے

۱۔ تفسیر کبیر ج ۲، ۲۔ ابن کثیر ج ۲، ۳۔ تفسیر کبیر ج ۲، ۴۔ تفسیر کبیر ج ۲، ۵۔ ابن کثیر ج ۲

۶۔ مسلم ج ۲، ۷۔ بخاری ص ۵۵۰ تفسیر خازن ج ۵، ۸۔ مثنوی ج ۲

جو مگر خود ایمان نہیں لائے۔ اپنے آپ کو فراموش کیے بیٹھے ہو اَفَلَا تَعْقِلُونَ کیا تم میں عقل و شعور کا مادہ نہیں ہے۔ کیا تم سمجھتے نہیں۔

صبر و صلوٰۃ کی
برکات

فَرَأَى اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ یعنی مدد طلب کرو صبر اور نماز کے ساتھ۔ صبر و صلوٰۃ کو اختیار کرو گے۔ تو برائیاں دور ہو جائیں گی۔ حُبِّ اَلْمَجَاهِدِ کا علاج بھی تم صبر کے ذریعے کر سکتے ہو۔ نماز پڑھو گے تو عجز و انکاری پیدا ہوگی اور اس میں مختلف بیماریوں کی شفا ہے۔ پھر فرمایا وَ اِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ اور یہ نماز بے شک بڑی جھل اور بھاری ہے۔ اِنَّكَ عَلَى الْخَشْيَةِ مُمْحِيضٌ مگر عاجزی کرنے والوں کے لیے یہی نماز رحمت کا سامان بنتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو اِنَّا حَزَنَّا اَمْرًا فَنَزَعْنَا اِلَى الصَّلَاةِ جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی۔ تو نماز کی طرف رجوع فرماتے۔ کیونکہ نماز سے تعلق بائندگی قوت پیدا ہوتی ہے۔ اور انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ جہد مضبوط ہوگا۔ اسی قدر مشکلات کم ہو جائیں گی۔ انسان کو مصائب کا احساس اسی وقت ہوتا ہے۔ جب اس کا تعلق بائندگی ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ نماز کئی ظاہری تبدیلیوں کی شفا کا سبب بھی بنتی ہے۔ اہم ابن کثیرؒ اور ابن جریرؒ نے روایت بیان کی ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ ایک دفعہ پیٹ کے درد میں مبتلا ہو گئے۔ شدت درد کی وجہ سے آپ لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ حضور علیہ السلام کا آپ پر گزر ہوا۔ تو فارسی لہجہ میں فرمایا اَشْكَمَ درد کیا تمہارے پیٹ میں درد ہو رہا ہے شکم فدی میں پیٹ کو کہتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ نے عرض کیا فَعَسَا کہ حضور ایا ہی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ فَهُوَ فَعَسَلَ فَبَانَ الصَّلَاةُ شِفَاؤُہٗ اٹھو اور نماز پڑھو کہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے شفا رکھی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ نے نماز پڑھی۔ تو پیٹ کا درد دور ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے شفا عطا کر دی۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔

نور فرمایا یہ نماز بوجہل ہے۔ مگر عاجزی کرنے والوں پر نہیں۔ اور وہ کون لوگ ہیں الَّذِينَ رَجَعُوا اِلَى اللّٰهِ

يُطْلِقُونَ جَوَاقِبَهُمْ كَرْتِے ہيں اَنَّهُمْ مُّطْلِقُوْا رِيْقَهُمْ كرو واپس پرور : بگاڑے طلاقات
 کرنے والے ہيں لفظ ظن اصدا ومعانی ميں استعمال ہونے والا لفظ ہے۔ اس کا معنی گمان
 بھی ہوتا ہے۔ اور يقين بھی ميگر بياں پر ظن کا معنی يقين ہے۔ عربی زبان ميں بعض دوسرے
 کئی الفاظ بھی متضاد معانی رکھتے ہيں۔ جيسے خون کا معنی سیاہ بھی اور خضہ بھی۔ اسی طرح حيم کا
 کا معنی گرم اور سرد دونوں طرح ہوتا ہے۔

فرمایا یہ نماز اُن لوگوں پر راجع نہیں ہے جنہيں يقين ہے کہ انہيں ایک دن اللہ تعالیٰ
 کی بدگاہ ميں حاضر ہونا ہے۔ وہاں اعمال کی باز پرس ہوگی۔ اور نماز جيسی نعمت کی قدر وہاں جا
 کر معلوم ہوگی۔ اور انہيں یہ بھی يقين ہے وَأَنَّهُمْ لَأَنبِئُهُ رَاجِعُونَ کہ انہيں اللہ تعالیٰ
 ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا وَأِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ "متم
 چیزوں کا رجوع اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے" وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنتَهَىٰ اور ہر چیز کا انتہا
 بھی وہی ہوگی۔ چونکہ عاجزی کرنے والوں کا ان باتوں پر يقين ہے۔ اس لیے وہ نہایت خوشی
 اور ذوق و شوق کے ساتھ نماز پڑھتے ہيں۔ ان پر یہ بجا ہی نہیں ہوتی۔

الۃ

البقرة

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

(آیت ۴۰: ۵۰)

يٰۤاَيُّهَا سُرَيْيْلُ اذْكُرْ وَاِذْ عَلِمْتِ الْآتِیَّ اَفَمَتَّ عَلَیْكُمْ
وَاِنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝۴۰ وَالتَّوَّابُ یَوْمًا لَا یُجْزِئُ
نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَیْئًا وَلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَاَنْ یُّؤْخَذَ
مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ یُنصَرُونَ ۝۴۱ وَادْخُلِیْكُمْ مِنْ
اِلٰ فِرْعَوْنَ یَوْمَ مَرَضَتْكُمْ سُورَةُ الْكَذٰبِ یُدْعُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ
وَيَسْتَعِیْیُونَ فِیْكُمْ وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَاٌۢءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
عَظِیْمٌ ۝۴۲ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمْ الْبَحْرَ فَاِجْمَعِیْكُمْ
وَاعْرِفْنَا اِلٰ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ۝۴۳

ترجمہ: اے سُرَییل کی اولاد! یاد کرو میری اُس نعمت کو جو میں نے تم پر

الغمر کی ادیرہ کر میں نے تم کو فضیلت بخشی تھان وہاں کے متنبے میں ۴۰

اور ڈرو اُس دن سے کہ نہیں بچائے گا کوئی نفس دوسرے نفس سے کچھ بھی اور

نہ قبول کی جائے گی اُس سے سفارش اور نہ لیا جائے گا س سے فدیہ اور نہ ان کی

مدد کی جائے گی۔ ۴۱ اور اس وقت کرنا و کرو۔ جب ہم نے تم کو نجات دی فرعون

واہوں سے۔ وہ چمکتے تھے۔ تم کو بہت بُری نذر۔ وہ فریک کرتے تھے تمہارے

بیٹوں کو۔ اور زندہ چھوڑتے تھے۔ تمہاری عورتوں کو اور اس بات میں آزمائش

تھی تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی ۴۲ اور اس بات کو یاد کرو جب ہم نے

تمہارے بیٹے دریا کو پھاڑ دیا تھا۔ اور ہم نے تمہیں نجات دی اور اہل فرعون کو غرق کیا۔

اور تم دیکھ رہے تھے ۴۳

پہلے کو ع میں ابال تھا۔ اب یہاں سے اللہ تعالیٰ نے تفصیل کے ساتھ بنی اسرائیل

ربطیات

کا ذکر کیا ہے۔ اور انہیں وہ انعامات و معجزات یاد دلانے ہیں۔ جو ان پر ظاہر کیے گئے تھے۔

نزدیک قرآن کے زمانے کے بنی اسرائیل کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ ایمان قبول کریں۔ نیز اس

قوم میں پیدا ہوئے والی خدایوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ستر سال قبل ایمان کو مستحب کیا گیا ہے کہ وہ
بنی اسرائیل کی روش سے بچتے ہیں۔ کہیں ان کی غریبوں میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ فرعون کی غلامی
میں عرصہ دراز تک رہنے کی وجہ سے بنی اسرائیل میں بے شمار غریبیاں اور نہر کشی کا مادہ پیدا ہو گیا تھا
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جیشہار بنی اسرائیل کے تشریف لائے۔ بنی اسرائیل کا دوبارہ اس
قوم میں پیدا ہو چکا تھا۔ وہ بہتر قرار دیا۔ یہ سب باتیں ان آیات سے واضح ہوں گی۔

بنی اسرائیل
کی فضیلت

اسرائیل کا معنی خدا کا بندہ ہے۔ اور یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے۔ ارشاد ہوتا ہے
لَبِئْسَ الْاَسْمَاءُ لِلَّذِينَ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ غَافِلُونَ۔ ان کے اوصاف ان کے اوصاف میں بنی اسرائیل کی غلامی سے
آزاد کا بحیثیت قوم انہیں برتری دینا اور ان میں کثرت سے نبی بھیجنا وغیرہ شامل ہیں اور دوسری بات
یہ کہ وَاِنَّا فَضَّلْنَاكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ تمہیں جہاں والوں پر فضیلت بخشی ہو۔ یہ قادیان
میں آہستہ آہستہ بِذِكْرِ اَنْبِيَآءٍ وجعلکم مملوکاً کا ذکر کر داس
احسان کو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر بڑے بڑے بادشاہ پیدا کیے۔ اور کثرت سے انبیاء مبعوث
فرمائے۔ اور تم کو وہ چیز عطا کی جو جہاں والوں میں سے کسی دوسری قوم کو عطا نہیں کی۔

یہاں پر بنی اسرائیل کی جہاں والوں پر فضیلت سے مراد نہیں ہے۔ انہیں حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر بھی فضیلت حاصل ہے۔ قرآن پاک میں وضاحت سے بیان
کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو سب سے زیادہ فضیلت بخشی ہے۔ اور اس فضیلت
کا تحقق دینے سے بھی ہے اور آخرت سے بھی۔ گویا دونوں جہانوں میں امت محمدیہ کی فضیلت مسلمہ
ہے۔ بنی اسرائیل کی فضیلت سے مراد یہ ہے کہ انہیں پہلے دور میں دیی اور دنیوی ہر دولت
سے باقی تمام عالم پر برتری حاصل تھی۔ اُس زمانے میں اس قوم میں صلاحیت بھی پائی جاتی تھی۔
اور اُن کی علمی حیثیت بھی مستند تھی۔ ایک خاص چیز جو بنی اسرائیل میں پائی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے
کہ اس قوم نے اپنی تاریخ کو محفوظ رکھا ہے۔ چنانچہ بائبل کا ایک بڑا حصہ تاریخ بنی اسرائیل
پر مشتمل ہے۔ برخلاف اس کے ہندو قوم ہزاروں برس تک برسرِ اقتدار رہی ہے۔ مگر سوائے
چھوٹے موٹے قصے کہانیوں کے ہندوؤں کی کوئی تاریخ نہیں ہے۔ اسی یہ غامض ہندو بھی

تسلیم کرتے ہیں۔ گویا بنی اسرائیل کے دور میں جو دوسری اقوام موجود تھیں، ان میں سے کسی کی تاریخ بھی محفوظ نہیں ہے۔ بنی اسرائیل ہی ایک واحد قوم ہے جس کی تاریخ ملتی ہے۔

اسلامی تاریخ
کی حفاظت

البتہ جب حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا زمانہ آیا تو انہیں ملی ملی طاسے بھی برتری حاصل ہوئی اور انہوں نے اپنی تاریخ کو بھی محفوظ کر لیا۔ انہیں زمانے میں بڑا عروج حاصل ہوا۔ مگر جب یہ امت بھی زوال پذیر ہوئی، تو اس کی حیثیت بھی دنیا کی دیگر زوال پذیر اقوام سے مختلف نہ رہی۔ موجودہ دور کے مسلمان کو اپنی تاریخ سے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ نہ اپنی تاریخ کی حفاظت کی کوشش کرتا ہے۔ اور نہ اپنی کتاب کی تشریح اور تفسیر معلوم کرنے کی سعی کرتا ہے۔ مسلمانوں کے زمانہ عروج کی تاریخ تو آج بھی موجود ہے۔ اسلام نے بڑے بڑے تاریخ نویس پیدا کئے۔ جنہوں نے اپنے زریں دور کے ایک ایک لمحے کو اپنی کتابوں کے اوراق میں محفوظ کر لیا۔ ان تدریج میں علامہ طبری، قیسری، صدیقی، جہزی میں ہوئے ہیں۔ ابن خلدون، ابن کثیر، ابن عساکر، صدیقی کے مؤرخ ہیں۔ ابن اثیر، جنہوں نے تاریخ اور دیگر علوم کو محفوظ کیا۔ جو مؤرخ بھی ہیں۔ اور تاریخ دان بھی۔ مگر آج ہم یہیں جو اپنے اکابر کے جمع کردہ علمی ذخیرہ سے بھی غافل و غاہ مستقیم نہیں ہو پتے جیسے انگریز کی حدت پیدا ہوئی ہے۔ اس نے مسلمانوں کو ان کی اپنی تاریخ سے بے بہرہ کر دیا ہے۔ آج مسلمان اپنی تاریخ کو فراموش کر چکا ہے۔ اسے اب یورپ کے افراد پر منحصر ہے۔ ان کی تاریخ کو حفظ کرتے ہیں۔ اپنی تاریخ سے نہ تو اقصیٰ سید کی جاتی ہے۔ اور نہ اسے محفوظ کرنے کی فکر و دہموتی ہے۔

امت مسلمہ
کی برتری

بہر حال یہ چیز بنی اسرائیل کے خصال میں سے ہے۔ مگر انہوں نے اپنی تاریخ کو محفوظ کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں فضیلت بخشی اور فرمایا کہ میں نے تمہیں عظیم ترین فضیلت بخشی۔ یہ بات قابل ذکر ہے۔ کہ عالمین سے مراد اقوام عالم ہیں۔ اور اس سے صرف انسان مراد ہیں۔ کیونکہ دنیا کی باقی اشیاء تو اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت کے لیے یہ فرمائی ہیں: **لَخَلْقُكُمْ** **مَتَافِي الْأَرْضِ جَمِيعًا** زمین کی ہر چیز تمہارے لیے پیدا کی۔ لہذا برتری صرف انسان کو ہی حاصل ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کو اپنے زمانہ میں اقوام عالم پر فضیلت حاصل تھی۔ یہ فضیلت مطلقاً ہر زمانے کے لیے نہیں تھی حضور علیہ السلام نے فرمایا: کہ میری امت سب امتوں سے

بعد میں آنے والی ہے: حقیقت کے دن سب کے آگے ہوگی۔ ان کا حساب و کتاب بھی دینی امتوں سے پہلے ہوگا۔ اور بہشت میں بھی سب سے پہلے جائیں گے۔ انہیں باقی تمام امتوں پر برتری حاصل ہوگی۔

برتر و گمید
تقویٰ ہے

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان پر کیسے کئے، نعمات یاد دلانے کے بعد فرمایا: **وَالْقَوْمُ كَيْفَ مَا آتَا جَزَاءُ نَفْسٍ عَن تَقْوَىٰ شَيْئًا** اور اس دن سے دوسرے دن کر لی نفس نہ بچائے گا۔ دوسرے نفس سے کچھ بھی بہت ہی خوفناک اور خطرناک دن آئے والے ہیں۔ ہر نفس کو اپنے عقیدے اور عمل کے مطابق جگہ تک پہنچانے کا یہ ارکھو اس دن انسان کی برتری تقویٰ کے اعتبار سے ظاہر ہوگی۔ تقویٰ کے تشریح میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے یہ آیت پڑھی تھی: **إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَايَ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْعُقُوبَىٰ** یہ ہے کہ انسان عدل و احسان کا دامن تمام بے قربت داروں کے حق ادا کرے اور غش اور بے حیائی کی باتوں سے بچتا ہے۔ غنیمت اور عمل میں اپنوں اور یتیموں سے عدل لازم ہے۔ اور احسان تو بڑی منزل ہے۔ حقوق کی ادائیگی — اس سے بھی آگے ہے۔ یہ تمام چیزیں تقویٰ میں شامل ہیں۔

مشرقا

وَلَا يَقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةً ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاغِبُونَ۔ اور نہ اس شخص سے سفارش قبول کی جائیگی۔
شاہ رفیع الدین فرماتے ہیں۔ کہ اس آیت میں مطلقاً سفارش کی نفی کی گئی ہے، حالانکہ سفارش
بمقتوبہ۔ قرآن و سنت سے معلوم ہوتا ہے، کہ سفارش ہوگی۔ اس مقام پر جس سفارش کی نفی کی
گئی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے، کہ کسی کافر کے حق میں سفارش معینہ نہیں ہوگی کسی کافر سے
سفارش قبول نہیں کی جائیگی۔ حسن علیہ السلام نے فرمایا: میری سفارش بوقت ہے۔ اور یہ میری امت
کے ہر اس شخص کو پہنچے گی مَن رَزَقْنَاهُ يَاللّٰهُ شَيْنٌ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شہید
نہیں بناتا۔ مگر کافر کے حق میں یہ بالکل قبول نہیں ہوگی۔ البتہ اگر کسی کی فطرت پاک ہوگی حنیہ
صمیم ہوگا۔ مشرک اور کافر نہیں ہوگا۔ تو سفارش معینہ ہوگی۔ مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَ

رَبِّكَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر بھی کوئی سفارش نہیں ہوگی۔ سفارش کی دوسری شرط یہ ہے
مَنْ رَجَعَنِي إِلَيْهِ فَقَدْ سَفَرْتُ سِوَاكَ اللہ تعالیٰ کو پسند
ہوگی۔ خاصہ عقیدہ انسان کے ہونے میں سفارش کا کوئی مکان نہیں۔

حضرت شاہ رفیع الدین فرماتے ہیں کہ ایک وقت رباب بھی آئے گا۔ جس وقت اجل
کوئی چیز فدیہ نہیں ہوگی۔ حشر میں بڑی بڑی منزلیں آئیں گی۔ جب قمری تجلی در سے نازل ہو رہی
ہوگی۔ تو بنیادیں سراسر نہی ٹھہر جائیں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نفسی نفسی پکادیں گے اس
موقع پر سفارش کس ہوگی۔ ان شخص دوستوں کے برادرانہ کے ساتھ سفارش ہوگی کہ اللہ
تعالیٰ کی اجازت ہو اور جس کے حق میں سفارش کی جا رہی ہے اس کا عقیدہ صحیح ہو۔

فَرِیَا اُس دن سے دوسرے دن سفارش بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ وَلَا تُحْضِرُ
مِنْهَا عَذَابًا۔ دوسرے دن فدیہ بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ کہ کوئی شخص فدیہ سے کہ اپنی
جان بچھڑائے یہ بھی ممکن نہیں ہوگا۔ دوسری ملامت موجود ہے کہ اگر کوئی شخص سونے کی
بھری ہوئی پوری زمین بھی فدیہ دیکر اپنی جان بچانا چاہے گا۔ تو ایسا نہیں ہو سکے گا۔ اول تو اتنا
مال و دولت سونا، چاندی، مسیہ، ہوا، ہی ناممکن ہے۔ اللہ اگر بالفرض ایسا بھیج جائے۔ تو اتنا بڑا
فدیہ بھی کسی کا روز آئے گا۔ وَلَا هُمْ يُنْقِصُونَ اور نہ کسی طرف سے ان کی مدد ہوگی۔ دنیا
میں کسی کو چھڑانے کے یہی طریقے ہیں۔ کیس سفارش چل گئی۔ کیس فدیہ یا نذرانہ دے دیا۔ کیس چھٹا بنی
کرئی۔ مگر مین حشر میں ان میں سے کوئی چیز بھی کارگر نہیں ہوگی۔

بعض لوگوں نے سفارش کا عقیدہ بالکل ایسا بنالیا ہے۔ جیسے عیسائیوں نے کفار سے
کہ عقیدہ بنا رکھا ہے۔ یہ غلط عقیدہ ہے۔ سفارش حقیقت میں انسان کے عقیدہ سے اور اعمال
کا ہی نتیجہ ہوتا ہے۔ یہودیوں نے بھی غلط امید لگا رکھی ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام
دوزخ کے دروازے پر کھڑے ہوں گے۔ اور وہ کسی فتنہ کے ہوئے اسرائیلی کو دوزخ میں
نہیں گرنے دیں گے۔ ہر جو چاہیں کرتے رہیں۔ دوزخ میں نہیں جاسکتے۔ آگے آ رہا ہے کہتے

مردوں کے قتل اور عورتوں کے زندہ رکھنے کا نسل بنی اسرائیل کے ساتھ دروغہ پیش آیا۔ پہلی دفعہ یہ ظلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے دیا گیا۔ جب بچہ یوسف نے پیش گوئی کی کہ بنی اسرائیل میں ایک ایسا بچہ پیدا ہونے والا ہے۔ جو فرعون کی سلطنت کے زوال کا باعث بنے گا۔ اس وقت فرعون نے حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل میں جو بھی بچہ پیدا ہو۔ اسے ذبح کر دیا جائے اور اسے زندہ نہ چھوڑا جائے۔ مگر جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرعون کے گھر میں ہی ان کی پرورش کی۔ اور وہ سارے واقعات پیش آئے جو سورۃ قصص میں مذکور ہیں۔

ظلم کی اس چکی میں کتنے بچے پیسے، انکے سنی مختلف روایات آتی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس وقت قوت سے ہزار بچے ذبح کئے گئے۔ ظلم و جبر کی یہ انتہا تھی۔ ان والدین کے دل پر کیا گزرتی ہوگی۔ جس کے سامنے ان کے نومولود بچوں کو قتل کر دیا جائے۔ ایسے والدین کی پریشانی کا کیا حال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے اس احسان کو یاد کرو۔ جب میں نے تمہیں اس ظلم سے نجات دی۔

بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل کا دوسری دفعہ ظلم فرعون نے اس زمانے میں دیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی بن کر آئے اور تبلیغ کا کام شروع ہوا۔ اس وقت فرعون کو دوبارہ خطرہ پیدا ہوا کہ بنی اسرائیل کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ ایسے کسی طرح کم کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس نے حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل میں جو بچہ پیدا ہو۔ اسے قتل کر دیا جائے۔ اور اگر لڑکی پیدا ہو۔ تو اسے زندہ چھوڑ دیا جائے۔ لڑکیاں ہماری خدمت گزار رہی کے کام آسکیں گی۔

فرمایا وَفِي ذٰلِكُمْ نَبَذَ قَوْمٌ ذُرِّيَّتَهُمْ عَصِیْمًا اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑا امتحان تھا۔ بنی اسرائیل کے ایسے واقعی یہ بہت بڑی آزمائش تھی۔ کہ اپنے سامنے بچوں کو ذبح کرنا کہ وہ کس طرح اس امتحان میں کامیاب ہوئے ہیں۔ جب بنی اسرائیل اس امتحان میں کامیاب ہوئے۔ بہت اور عرصہ زندہ چھوڑا۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس ظلم سے نجات دے دی۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دوسرا بڑا احسان یہ بتلایا کہ اِذَا فَرَغْنَا مِنْكَ الْبَحْرَ فَمَنْ جِئْنَاكَ اور جب ہم نے تمہارے لیے دریا کو کچھ بڑا دیا اور تم کو نکاحات دی بنی اسرائیل جب ہجرت کر کے مصر آئے تھے۔ تو اس وقت یعقوب علیہ السلام کے خاندان کے بہتر آدمی تھے۔ چار پانچ صدیوں کے بعد جب موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلے تو اس وقت بنی اسرائیل کی تعداد تقریباً چھ لاکھ ستر ہزار ہو چکی تھی موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ میرے ان بندوں کو لے کر یہاں سے نکل چلیں آپ نے اپنی قوم سے مشورہ کیا اور سٹیہ پایا کہ بغیر اطلاع یہاں سے نکلنا درست نہیں بعد فرعون سے اجازت حاصل کر لینی چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے فرعون سے اجازت طلب کی کہ ہم باہر نسی تقریب میں جانا چاہتے ہیں اجازت مل گئی۔ انہوں نے فرعونوں سے زیورات وغیرہ بھی حاصل کر لیے۔ کہ ایک خاص تقریب میں شامل ہونا ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل سفر پر روانہ ہو گئے۔ سارا دن گزر گیا۔ اگلی رات فرعونوں کو احساس ہوا کہ کہیں بنی اسرائیل بالکل ہی نہ چلے جائیں۔ ان کا پتا کرنا چاہیے۔ فرعون نے تعاقب کا حکم دے دیا۔ ایک دن لشکر کی تیاری میں گزر گیا۔ اور دوسری رات بھی گزر گئی۔ بنی اسرائیل مسلسل چلتے رہے۔ دوسرے مشرق کی جانب بکھر قلمم آ رہے۔ اس کو سحر کرنے کے بعد صحرائے سینا آ رہے۔ یہ بارہ کوس کی مسافت ہے۔

تفسیری روایتوں میں آتا ہے کہ فرعون کا لشکر بارہ لاکھ افراد پر مشتمل تھا۔ شاہ رفیع الدینؒ فرماتے ہیں کہ لشکر اور بازاری لوگ ملا کر کل نفری ساٹھ لاکھ کے قریب تھی۔ اور جب بنی اسرائیل بکھر قلمم کے کنارے پر پہنچے تو پتا چلا کہ یہ کچھ فرعون لشکر کے آ رہے ہونے لگے کہ اب تو ہم بکھرے جائیں گے۔ اور ہم میں سے ایک شخص بھی زندہ نہیں بچے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو قسلی دی کہ گھبراؤ مت اِنَّ غَیْبِ رَبِّیْ سَیُفْهِدُ لَیْسَ بِشَیْءٍ تَزِرُ وَرَءَیْکُمْ سَیَاحُ مَیْمَرِیْ ساتھ ہے۔ وہ ضرور راہنما کی کرے گا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا اِنَّ اَصْرَکَ یَبْعَثُ الْبَحْرَ یعنی اے موسیٰ اپنی رومی سے سمندر میں بارہ لکھ غریب لگاؤ۔ بنی اسرائیل کے بارہ

قبیلہ تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بارہ مقامات پر شرب مکائی اور بارہ
 سے کمند میں بن گئے۔ بارہ کوس کے بنے رستے میں پانی کی دیواریں کھڑی ہو گئیں۔ گز پانی
 منہر ہو گیا۔ اور ان بارہ راستوں کی درمیانی دیواروں میں کھڑکیاں بھی بن گئیں۔ تاکہ وہاں شرب تک
 قبیلہ کے لوگ دواسے قبیلہ والوں کو پہنچ جاسکیں۔ یہ سب کچھ منجھڑا طوطہ پر جو احی کی تصریح قرآن
 پاک اور تفسیر میں مذکور ہے۔ مگر سرسید اور آپ بڑائی حضرت اس کو اٹھا کر تے ہیں۔

بہر حال تمام قبیلہ پہنچنے پہنچے رستوں پر روانہ ہوئے۔ نتیجے سے فرعون کا مصر بھی آن
 پہنچا۔ انہوں نے اسی کو پانی میں رستے بنے ہوئے ہیں۔ اور بنی اسرائیل ان راستوں پر چل
 والے ہیں۔ فرعون کی قوموں پر سوال ہے۔ ان کے گھروں سے پانی کی ترے کے لیے تیار نہ
 تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسرائیل علیہ السلام کو کھڑکی پر سور کر کے بھیجا۔ آپ آگے چلے کھڑکی
 کی بوسٹوں کو فرعون کا گھروں بھی پہنچے پہنچے چل پڑا۔ میکائیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فرعون کے
 سامنے لشکر کو پیچھے رو۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ دیکھو بنی اسرائیل تمہارے ہاتھوں سے نکلے
 جاتے ہیں۔ تعجب کر کے ان کو خبر ہو۔ چنانچہ سارا لشکر پانی میں بنے ہوئے راستوں پر چل نکلا
 بنی اسرائیل بارہ کوس مسافت طے کر کے کمند سے بارہ ہو گئے۔ اور فرعون کا سارا لشکر پانی میں
 بنے ہوئے راستوں کے درمیان آ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: "فَغَشَّيْنَاهُمْ مِمَّا كَانُوا"۔
 مَا عَشَّيْنَاهُمْ پھر پانی کی موجوں نے انہیں اس طرح گھیر کر کہ ان میں سے ایک بھی نہ بچا۔
 بچی۔ صرف فرعون کی ریش کو پانی نے عبرت کے لیے ہر بھینک دید اسی واقعہ کو بارہواہت
 ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَأَعْرَفْنَا لَهُمْ ذُرِّيَّتَهُمْ"۔ اہم سے تادم فرعونیں کو غنی کر دیا۔ "وَأَنشَرُوا
 مَنَاصِبَهُمْ"۔ اور یہ سب چھوڑنا۔ انہوں کے سامنے یہ ایستہ اس احسان کو یاد کرو۔ جب تمہارے
 بیٹے کمند میں سے بتائیں ان کے ذریعے تمہارے کمند کو جو کر دیا۔ اور فرعونوں سے نجات پائی۔
 منجھڑا پانی میں فرعون کے سامنے لشکر کو ہتھکڑی سے جڑ کر دیا۔ ان حسانت کو یاد دلانے کا مقصد
 یہ تھا کہ اب بھی اپنی برائیوں سے باز نہ آؤ۔ اور اس دن سے ڈرنا۔ جس دن ان کی مناش کو مارتی
 وہ کسی سے نہ ڈرے۔ بلکہ یہ کہہ دو۔ جو کچھ میں نے تمہارے اوپر کیا کیا ہے اس پر ایمان لاؤ۔

سے تغیر نہ ہو۔ بلکہ معنی یہ ہے: اور انہیں علیٰ صبر

وَاذْءَعِدْنَا مُوسَىٰ اَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ
 بَعْدِهِ وَاَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ سَفَرْنَا عَنْكُمْ مِثْرًا
 ذَلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۲﴾ وَاذْ اَتَيْنَا مُوسَىٰ الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ
 لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۵۳﴾ وَاذْ قَالُ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَقَوْمِ اِنَّكُمْ
 ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا اِلَىٰ بَارِئِكُمْ
 فَاَقْتُلُوا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ
 فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۵۴﴾

تو جمعہ ۵ اور اُس وقت کو یاد کر جب کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے چالیس
 رات کا وعدہ کیا۔ پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو معبود بنالیا۔ اور تم ظلم کرنے لگے
 تھے ﴿۵۱﴾ پھر ہم نے معاف کیا تم کو اس کے بعد تاکہ تم شکر ادا کرو ﴿۵۲﴾ اور
 اس بات کو یاد کر جب ہم نے دی موسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور فرقان تاکہ تم ہدایت
 پا جاؤ ﴿۵۳﴾ اور اس واقعہ کو یاد کر جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا ۔
 اے میری قوم کے لوگو! بے شک تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ جو جینا ہی کے
 بچھڑے کو معبود۔ پس تو بہ کرو اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے۔ پس قتل کرو
 ایک دوسرے کو۔ یہ سب جتنا ہے پیدا کرنے والے کے پاس۔ پس اُنہی نے رجوع
 کیا تمہارے اوپر بیشک وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ﴿۵۴﴾

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر جو نعمات فرمائی ان کا ذکر مسلسل کیا ہے۔ فرعون کی غلامی
 سے نجات دلانے، دریا کو چھوڑ کر صحرائے طور پر پانی میں راستے بنانا، بنی اسرائیل کو بچانا اور پھر
 فرعون اور اس کی قوم کی جلالت وغیرہ کا ذکر آچکا ہے۔ اس درس میں بعض مزید نعمات کا تذکرہ
 ہے۔ سمجھو ان کے بنی اسرائیل کو کتاب اور شریعت عطا کرنا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ۔

وَرَدَّ وَعَدًا مَوْحِيًا لِقَبِيلِ كَيْسَلَةَ اس بات کو دھیان میں لاؤ جب کہ ہمارے موسیٰ علیہ السلام سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا تھا۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ کوہ طور پر چالیس رات تک تنہائی میں اعتکاف کریں۔ قرآن پاک میں ہے کہ اصل وعدہ ایک مہینہ کا تھا۔ مگر بعد میں ہوا کہ چالیس رات کر دیا گیا۔ وعدہ یہ تھا کہ مسلسل چالیس رات کے اعتکاف کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی جائے گی۔ اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے۔ جب بنی اسرائیل فرعون کی غلامی سے نجات حاصل کر چکے تھے۔

وَعَدًا بَابِ مَنْ عَلِمَ كَصَيْغِهِ۔ اور اس کا معنی بھی وَعَدًا ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے عظیم راہبیل اللہ زنجیر تھے۔ بنی رسول اور صاحب شریعت تھے۔ خدا تعالیٰ کے خلیفہ بھی تھے۔ لفظ موسیٰ عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ جسے عربی میں دھال دیا گیا ہے۔ عبرانی زبان کا اصل لفظ هِيسْت تھا جی کا معنی پانی اور شامی درخت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اپنے بچپن میں پانی میں بیٹے چلے آئے تھے۔ جب انہیں اٹھایا گیا وہاں درخت بھی موجود تھے۔ اس بنا پر آپ کا نام میثا اور پھر عربی میں موسیٰ بن گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے سولہ سو سال پہلے ہوئے ہیں۔ آپ کی عمر بابر کی پچیس سال تھی۔ اسی عمر میں یہ سائے واقعات پیش آئے۔ آپ کے والد کا نام عمران تھا۔ آپ کا شجرہ نسب اس طرح ہے موسیٰ بن عمران بن بصیر بن فہبث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم لاہوتی یعقوب علیہ السلام کے سب سے بڑے بیٹے تھے اور عرف عام میں بڑا بیٹا بنی ریاست اور نیابت کا ذات ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے موسیٰ علیہ السلام کو دونوں حیثیتیں حاصل تھیں جھٹھکی ریاست یعنی نبوت بھی ان کو حاصل تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی اور رسول بنایا۔ اور عام ریاست یعنی نیابت بھی بڑا ہونے کی حیثیت سے آپ کو ہی حاصل تھی۔

فرعون کی غرقابی کے بعد بنی اسرائیل کو احساس ہوا کہ وہ اب آزاد ہو چکے ہیں۔ غلامی کی زنجیریں ٹوٹ چکی ہیں۔ لہذا ان کے پاس اپنا قانون بنانا چاہیے جس سے وہ رہنمائی حاصل

کریں۔ اور اس کے مطابق زندہ کی بسر کریں۔ چنانچہ قوم کی خواہش پر موسیٰ علیہ السلام نے رب العزت کی ہدایت میں عرض کی کہ ہمیں کوئی قانون عطا کیا جائے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ طور پر اگر چالیس دن کا اختلاف کرو۔ تو تمہیں کتاب دی جائے گی۔ جو تمہارے لیے مکمل قانون ہوگی۔

تفسیر معالم التنزیل اور بعض دیگر تفسیر میں یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ بنی اسرائیل بحر قلزم کو عبور کر کے صحرائے سینا میں وارد ہوئے اور انہوں نے چالیس سال میدان تیر میں گنہگار رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات بھی وہیں ہوئی۔ ہارون علیہ السلام بھی اسی مقام پر فوت ہوئے۔ تاریخ سے بھی یہ چیز ثابت ہے کہ چالیس سال تک بنی اسرائیل صحرائے سینا میں ہی صحرانوردی کرتے رہے۔ یہ لوگ ہم کی طرف نہیں گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا۔ کہ ارض مقدس پر حملہ کرو۔ وہاں پر ہمیں قبضہ دلایا جائے گا۔ مگر یہ لوگ اس کے لیے تیار نہ ہوئے۔ چالیس سال بعد بنی اسرائیل نے اس حکم پر عمل کرتے ہوئے ارض مقدس پر حملہ کیا اور کامیاب ہوئے، اُس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نائب حضرت یوشع علیہ السلام منصب نبوت پر فائز تھے۔ انیسائے بنی اسرائیل میں حضرت یوشع علیہ السلام کا ذکر آتا ہے۔ کہ ان کے زمانے میں شام اور فلسطین پر بنی اسرائیل قابض ہوئے۔ اُس زمانے میں اس علاقے میں قوم عیلامیہ کی حکومت تھی۔

معالم التنزیل کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بحر قلزم کو پار کرتے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے قوم کے کچھ آدمیوں کو نصر کی طرف بھی بھیجا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ وہاں کا انتظام کریں۔ ایسا نہ ہو کہ چور، ڈاکو، قزاق، بھند وغیرہ ملک میں بد امنی پھیلا دیں۔ یہ بات اگرچہ عام روایتوں کے خلاف ہے تاہم اس بات کا امکان ہو سکتا ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام نے بعض لوگوں کو وہاں بھیجا ہو مگر آپ خود وہاں نہیں گئے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کوہ طور پر متعین ہوئے تو وہاں سے اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن ملی۔

عمل قرار پاتا ہے تو پالیس دن تک نظر رہتا ہے۔ اس کے بعد علقہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس کے چالیس دن بعد گوشت کا لوتھڑا جاتا ہے۔ پھر چالیس دن بعد اس میں دوح النانی آتی جاتی ہے۔ اس سے پیش دوح تیوانی ہوتی ہے۔ صوفیائے کرام عام طور پر چالیس دن لا پکڑتے ہیں چالیس دن روزہ بھی رکھواتے ہیں۔ اور عبادت بھی کر دیتے ہیں جس کا خاص اثر ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک خوبصورت عورت باجماعت نماز پڑھا کرتی تھی۔ کسی فرجوان کی نظر پڑی تو اس پر عاشق ہو گیا۔ اس نے عورت کو طلاق کا بیجا نام بھیج دیا۔ وہ بھی سمجھ گئی۔ کہ یہ شخص فتنے میں مبتلا ہو گیا ہے۔ وہ عورت کو الیمان تھی۔ کہنے لگی کہ میں تجھے طاقات کا موقع اس شرط پر دیتے کہ تیار ہوں۔ کہ تم حضرت عمرؓ کے پیچھے چالیس دن تک نماز ادا کرو۔ اور یہ اس حالت میں ہو کہ تمام ہی تکجیراوی فوت نہ ہو۔ اس شخص نے لئے نہایت آسان کام سمجھتے ہوئے نماز باجماعت شروع کر دی۔ انہی بارہ روز ہی گزرتے تھے کہ اس میں تعییر آنا شروع ہو گیا۔ جب چالیس دن مکمل ہوئے تو اس شخص کی کایا ہی پت چلی گئی۔ اب اس عورت نے بیجا نام بھیجا کہ تماری شرط پوری ہو چکی ہے۔ تم اگر طاقات کر سکتے ہو۔ فرجوان نے جواب بھیجا کہ اب میری طاقات اللہ تعالیٰ سے ہو چکی ہے۔ تماری طاقات کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ چالیس دن کے پچلے کا اس فرجوان پر اثر ہوا۔ اس کے بعد اس عورت نے اس واقعہ کا ذکر اپنے خاوند سے کیا۔ اور اس نے سال واقعہ حضرت عمرؓ کو سنا دیا۔ آپؓ فرمایا صدقَ اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ نے بالکل سچ فرمایا۔ اِنَّ لِّصَلٰوَةِ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاۃِ وَالْمُنْكَرِ بے شک نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔ اور پھر نماز بھی ایسی جو امیر المؤمنینؓ کے پیچھے ادا کی گئی ہو۔ سُبْحٰنَ اللہ اس کا کیا ہی اثر ہو گا۔ بہر حال پالیس کے عدد کا یہ خاص اثر ہے۔

جب موسیٰ علیہ السلام چالیس روز کے لیے کوہ طور پر صومع ہو گئے تھے اِنَّہٗ اَخَذَ خُطْمَ الْبَعْلِ مِنْ اَبْعَدِہٖ۔ تم نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد کھجورٹ کو مجھو بنایا۔ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ۔ بنی اسرائیل کی گمراہی پرستی

اور تم بڑے ظلم کرنے والے تھے۔ تم نے کچھ خیال نہ کیا۔ تمہارے پاس ایک پیغمبر بھی موجود تھے۔
 مگر اس کے باوجود تم گوسالہ پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ شرک میں طوط ہو گئے۔ حالانکہ "إِنَّ
 الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ" شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ دوسری جگہ فرمایا: "وَالْكَافِرُونَ
 هُمُ الظَّالِمُونَ" کافر کرنے والے بہت بڑے ظلم ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حق میں دغل اندازی
 کرتے ہیں۔ اس کی صفات میں شرک کرتے ہیں۔ یا اس کی عبادت میں شریک بٹھراتے ہیں۔
 سورۃ طہ میں آنا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی سے منع کرتے
 ہیں۔ انہوں نے ہر طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن اس قوم نے کوئی بات نہ مانی۔
 شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ گوسالہ پرستی ہر قوم میں پائی جاتی ہے۔ یہ بت
 سمجھ کر صرف بکھرے کی پوجا ہی شرک کا فعل ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بھی پوجا کی بجائے
 اے۔ وہ شرک ہی ہوگا۔ ترمذی شریف میں حضور علیہ السلام کا ارشاد درج ہے: "فَعَسَىٰ عِبَادُ التَّائِبِينَ
 تَبَاهٍ وَبُورِيَاءَ كَابِدَةً وَتَبَاهٍ وَبُورِيَاءَ كَابِدَةً" اے اعلیٰ رضی وَاَنْ لَّكَ لُفْظٌ سَخِطٌ
 اگر اے دے دیا جائے تو راضی ہو جاتا ہے۔ اور اگر نہ دیا جائے تو ناراض ہوتا ہے۔ یہ دراصل
 درجہ و دنیا کی عبادت ہی تو ہے۔ اس کو بھی گوسالہ پرستی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ایک عام مسئلہ
 ہے کہ جو چیز تجھے خدا تعالیٰ کی عبادت سے غافل کر دیتی ہے۔ وہ تیرا طاغوت ہے۔
 اس مقام پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ہارون علیہ السلام جیسے نبی کی موجودگی میں
 بنی اسرائیل گوسالہ پرستی میں کیسے مبتلا ہو گئے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس کی غالب وجہ
 یہ ہے کہ مصر میں صدیوں تک یہ بتے ہوئے بنی اسرائیل نے مصریوں کے اثرات قبول کر لیے
 تھے۔ مصری لوگ سانپ کی پوجا کرتے تھے۔ لہٰذا اس کی پوجا کرتے تھے۔ اور مصر کی پوجا
 کرتے تھے۔ فرعون کا معنی ہی بڑا اولیٰ تھا۔ لہٰذا یہ مصر کے نام پر بنایا ہوا تھا۔ اس کے
 علاوہ مظاہر ندرت کی پوجا کرتے تھے۔ یہی چیز بنی اسرائیل میں بھی سرایت کر چلی تھی۔ لہٰذا
 انہوں نے بھی بکھرے کی پوجا شروع کر دی۔

مخفف ہوں
 ایک دوست
 اثرات

اقوام عالم کے ایک دوسرے پر اثرات نامی طور پر ثابت ہیں۔ برصغیر کے شکان ہندوؤں کے آثار سے بہت متاثر ہوئے۔ ہندوؤں کی بہت سی دیکھیں شکلوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مرنے والے کا نیچا، ساتواں، پالیسواں وغیرہ ہندو نامہ روتہ ہیں۔ درختوں کو ان رکھوں سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی طرح بنی اسرائیل جو پنج مہ یوں کے غلام تھے۔ لہذا انہوں نے ان کے اثرات بنی اسرائیل میں بھی سرایت کر گئے۔ موجودہ زمانے میں دیکھیں جو قومیں انگریزوں غلامی میں رہی ہیں۔ وہ سب ان کی تمذیب و تمدن سے متاثر ہیں۔ مشرقی ممالک میں سے ایرانیوں، ہندوستانیوں اور پاکستانیوں نے ان کا بڑا اثر قبول کیا ہے۔ یہی حال عربوں، مصریوں اور شامیوں کا ہے۔ یعنی مہ یوں کی عادات بنی اسرائیل میں سرایت کر چکی تھیں۔ لہذا موقع ملنے ہی انہوں نے گرامر پرستی شروع کر دی۔

بعض سربراہی مولیٰ عقیدہ رکھتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول کر جاتا ہے۔ اور اس شکل میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ جیسے ہندوؤں میں اودا کا عقیدہ ہے۔ کوانتھال فلان کی شکل میں ظاہر ہو گیا ہے۔ فلان جہ میں اس نے ظاہر کر لیا ہے۔ تو اسی قسم کے غلط عقیدہ کی بنا پر سامری بچت انہیں گمراہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ جیسا کہ قرآن میں موجود ہے۔ سامری نے کہا: **هَذَا إِلَهُكُمْ ذَلِكُمْ مَنْ سِئِمْتُمْ** یعنی تمہارا اور مونی علیہ السلام کا الہی ہے اللہ تعالیٰ اس بچہ طے میں حلول کر آیا ہے۔ لہذا اس کی پوجا شروع کر دو۔ بچہ طے نے ہون تو شروع کر ہی دیا تھا۔ جمال قسم کے بنی اسرائیل سامری کی آقا میں آگئے۔ اور انہوں نے بچہ طے کی پوجا شروع کر لی۔

باقی رہا یہ سوال کہ سامری نے یہ کونسا کیسے ظاہر کر دیا۔ تو یہ شخص سبک، سربراہی یا جادوگر تھا۔ وہ مختلف قسم کے ذبک جانتا تھا۔ چنانچہ اس نے چال بازی سے کام لیا۔ جب فرعون کا لشکر بنی اسرائیل کے تعاقب میں بحیرہ قلزم پر پہنچا اور ان کے گھوڑے محمد میں اترنے سے چپکے۔ تو اللہ تعالیٰ نے نبی جبریل علیہ السلام کو گھوڑی پر سوار کر کے یہی جو لشکر فرعون کے آگے آگے چل رہا تھا۔ سامری نے دیکھا کہ جس جگہ پر جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کا پاؤں ٹپنے والی فراسبز آگ آتا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس میں کوئی کڑی ہے۔ اس نے گھوڑی کے پاؤں کی جگہ کی گھوڑی کی نگوڑہ کر لی۔ وہ سارا تو تھا ہی۔ اس نے سونے کا بچہ بنا دیا۔ اور اس کے منہ

میں وہ مٹی رکھ دی۔ جس کی وجہ سے کچھ بڑے نے بولنا شروع کر دیا۔ چنانچہ اس نے مشہور کر دیا۔
کہ خدا تعالیٰ اس میں حلول کر آیا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام
کی واپسی

موسیٰ علیہ السلام چالیس روزہ اعتکاف کے بعد اللہ تعالیٰ کی کتاب لے کر واپس آئے
تو دیکھا کہ کئی لوگ شرک میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ آپ سخت ناراض ہوئے۔ مگر کہن کو زجر کیا۔
اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے بھی بڑے ناراض ہوئے کہ آپ نے قوم کو شرک میں مبتلا ہونے
سے کیوں نہ روکا۔ بھائی نے غصہ پیش کیا۔ کہ میرا قصور نہیں ہے۔ میں نے قرآن میں ہر چند شرک
سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر یہ تو میرے قتل کے درپے ہو گئے تھے۔ "وَكَاذِبًا يَكْتُمُونَ"۔
یہ سارا تو سورۃ اعراف میں موجود ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اگر یہ لوگ آپ کی بات
نہیں مانتے تھے۔ تو آپ ان کو چھوڑ کر الگ ہو جاتے۔ اس کے جواب میں ہارون علیہ السلام
نے کہا کہ میں نے تفریق کو پسند نہ کیا۔ کہ آپ واپس آکر اعتراض کرتے کہ قوم کو دو ٹکڑوں
میں کیوں تقسیم کر دیا۔ ان میں پارٹی بازی پیدا کر دی ہے۔ لہذا میں نے انہیں کے درمیان بستے
ہوئے انہیں سمجھانے کی کوشش کی مگر ان جہنموں نے میری بات نہ لی۔

پچھڑے کے
بجاریوں کا
قتل عام

جب موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو خوب ڈانٹا تو وہ پشیمان ہو گئے۔ انہیں احساس ہو گیا کہ
انہوں نے غلط کام کیا ہے۔ اور اپنے آپ پر عظیم کیا ہے۔ تو عرض کیا کہ ہمارے اس جرم کا انکار کس
طرح ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِمَّا فَرَغْنَا مِنْ أَجْدِثِكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُونَ" ہم نے تمہیں معاف کر دیا۔ تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔ تمہاری توبہ قبول کر لی مگر بڑے
سخت طریقے سے جیسا کہ آگے آیت میں آیا ہے۔ "وَلَاذَانِيتَا مُوسَى الْكِتَابِ وَالْعُرْقَانِ"
جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی۔ اور فرقان یعنی فیصلہ کن طاقت یا معجزات عطا کیے
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا "وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَتَقَوْمِ اسْمُكُمْ
ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ" اے میری قوم کے لوگو! تم نے اپنی جانوں پر بڑا ظلم کیا ہے۔
بِإِخْتِذَاكُمْ الْبَيْعِ کہ ایک پچھڑے کو سبورو بنا لیا ہے، فَتَوَلَّوْا إِلَى بِلَادِكُمْ
پس توبہ کر دینے پر نہ کر لے دے کے سامنے امدید توبہ صدق دل سے ہونی چاہیے۔ محض زبانی

توبہ قابل قبول نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے توبہ کا طریق کار یہ متعین فرمایا کہ فَاَقْتُلُوا اَنْفُسَكُمْ اپنی
 ہی جانوں کو قتل کرو مقصد یہ تھا کہ جن لوگوں نے شرک کا ارتکاب نہیں کیا۔ وہ مشرکوں کو قتل کر
 دیں۔ اس کے بغیر توبہ قبول نہیں ہوگی۔ فرمایا یہ بظاہر بہت بڑا امتحان ہے کہ تم خود ہی ایک دوسرے
 کو قتل کرو مگر یاد رکھو ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ بَعْدَ بَارِبِكُمْ یہ بات تمہارے
 پیدا کرنے والے کے نزدیک بہتر ہے۔

الغرض حضرت ہارون علیہ السلام اپنے ان بارہ ہزار ساتھیوں کو لے کر آگئے جنہوں نے
 پکھڑے کی پوجا سے اجتناب کیا تھا۔ اور دوسروں کو بھی منع کرتے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں
 برسنہ تواریں تھیں۔ ہارون علیہ السلام ایک اونچی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔ اور کہا يَا مَعْشَرَ بَنِي
 اِسْرَآئِيْلَ اِنَّ اِخْوَانَكُمْ اَتَوْكُمُ شَاهِرِيْنَ سَيُؤْفِكُمْ يَرْبُودُنْ
اَنْ يَغْتُلُوْكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاصْبِرُوْا۔ یعنی اے بنی اسرائیل کے گروہ یہ تمہارے
 بھائی برسنہ تواریں لیے تمہارے قتل کے لیے آئے ہیں۔ لہذا تم اللہ سے ڈرو اور صبر کرو۔ اپنے
 قتل میں مزاحمت نہ ہونا، چنانچہ ہارون علیہ السلام کے ہمراہیوں نے تواریں چلانا شروع کر دیں ان
 کے پٹنے ہی عزیز واقارب مائے گئے۔ جیسا کہ قتل ہوئے۔

فرمایا جب یہ شرط پوری ہوگئی تو مَتَّابٌ عَلَيْكُمْ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول
 کر لی اِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے توہ
 کی قبولیت کا فائدہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل قتل ہو کر آخرت کے دائمی مذاکے بچ گئے۔

البقرة
(آیت دوم)

الْقَمَرِ
درس بت

وَرَدَّ قُلُوبَهُمْ يُعْرِضُ لَنْ تَوْمَنَ لَكَ حَتَّىٰ مَتَىٰ اللَّهُ جَهَنَّمَ فَنُفِثَ لَكُمْ
الصَّبْرَ ۚ إِنَّكُمْ تَنْظُرُونَ ﴿٥٥﴾ ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ مِنْ بَعْدِ
مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٦﴾ وَظَلَمْنَا عَلَيْكُمْ
الْفَخَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّاءَ وَالسَّلْوَىٰ كَمَا مِنْ
طَبِيتٍ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسُهُمْ
يَظْلِمُونَ ﴿٥٧﴾

ترجمہ: اور جب تم نے کہا ہے موی! ہم ہرگز تیری نصیحت نہیں کریں گے بیان

تک کہ ہم دیکھ لیں اللہ کو ظاہر ہیں پھر کیا تم کو کبھی سے اور تم بکھرے تھے ﴿٥٥﴾

پھر اٹھایا ہم نے تم کو تھامی موت کے بعد تاکہ تم شکر نہ کرو۔ ﴿٥٦﴾ اور ہم نے تمہارے

اوپر بادل کا سایہ کر دیا۔ اور تمہارے اوپر تم اور سونے امانا لکھا: پائیزہ چیزیں جو ہم نے

تمہیں روزی دی ہیں۔ اور انہوں نے ہم پر ظہور نہیں کیا۔ بعد وہ اپنی جانوں پر ظہور کرتے تھے ﴿٥٧﴾

جنی اسرائیل کی خرابیوں اور ان کی سرکشی کا ذکر آچکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر جو

رابطہ آیت

انعامات کیے ان کا ذکر بھی ہو گیا ہے۔ گزشتہ درس میں بیان ہوا تھا: وَإِذَا الشَّتَاتُ مَوَّسِي

النَّجْبِ وَالْمُفْرَقَانِ یعنی اس وقت کو دھیان میں لاؤ۔ جب ہم نے موی علیہ السلام کو کتاب

اور فیصلہ کن بات عنایت کی۔ اس کے لیے خود جنی اسرائیل کے لوگوں نے خواہش ظاہر کی

تھی کہ ان کے لیے کوئی ضابطہ حیات بنوایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے موی علیہ السلام کو وہ طہ

پر احکامات جیسے کی ہدایت کی۔ اور تکمیل اشکاف پر اللہ تعالیٰ نے قرآن عطا فرمائی۔

موی علیہ السلام کتاب قرآن لے کر قوم کے پاس آئے اور انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے

روایت ہے

کی خواہش

تمہارے لیے یہ ضابطہ حیات دیا ہے۔ قوم نے کہا کہ ہمیں پڑھ کر ناسیے۔ موی علیہ السلام نے

کتاب کو پڑھا شروع کیا۔ تو وہ کہنے لگے کہ ہمارے پاس کیا ثبوت ہے۔ کہ یہ کتاب واقعی اللہ

نے آپ کو دی ہے۔ یا آپ خود بنا لائے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں اُمی واقعہ کی طرف اشارہ کئے گئے ہیں۔ اسرائیل کو خطاب ہے۔ وَإِذْ قُلْنَا لَهُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا اور اس وقت کو یاد کرو۔ جب تم نے کہا ہے۔ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ہم ہرگز آپ کی بات کی تصدیق نہیں کریں گے۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ کتاب ہے۔ حَتَّىٰ نَسْأَلَ اللَّهَ جَهَنَّمَ یہاں تک ہم خود اللہ تعالیٰ کو ظاہری طور پر نہ بخیریں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ چلو تمہاری یہ شرط بھی پوری ہوگی۔ آپ نے ستر آدمی منتخب کئے۔ کہ میرے ساتھ طور پر چلو۔ وہاں میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے براہ راست پسند اور ناکہ کر یہ کتاب اُمی نے نازل کی ہے۔ کوہ طور پر پہنچنے کے لیے تیار ہو گئی۔ آپ نے ہر قبیلے سے نوچر آدمی چنے۔ بارہ قبیلوں کے بہتر آدمی جمع ہوئے۔ ان میں دو آدمی حضرت یوشع اور قاب۔ کئے گئے۔ کہ ہمیں آپ کی بات پر یقین ہے۔ لہذا ہمیں طور پر جانے کی ضرورت نہیں۔ چوتھے ان دو آدمیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی اس لیے اللہ تعالیٰ نے بعد میں انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اور موسیٰ علیہ السلام باقی ستر آدمیوں کو لے کر طور پر پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام کیا۔ کہ ہاں یہ کتاب میں نے ہی دی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی بات سننے کے باوجود یہ لوگ ایمان نہ لائے۔

بعض مفسرین کلام کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے کچھ بڑے کی پوجا کی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے ستر آدمیوں کو منتخب کیا۔ کہ کوہ طور پر جا کر اللہ تعالیٰ سے اس نفل شیعہ کی معافی طلب کریں۔ وہاں پر اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کے بعد ان لوگوں نے یہ بے ادبی کی۔ کہ اے موسیٰ! ہم بڑے تیری تصدیق نہیں کریں گے۔ جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو ظاہر نہ دیکھیں۔ اس یادداشت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا دی۔ جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

آخری روایات اور بائبل کے روایات کے مطابق جب ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام بلا مشاذ سننے کے بعد بھی توراہ کو کتاب الہی تسلیم نہ کیا۔ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِصُلْبِهِمْ تو انہیں بجلی نے چڑھایا۔ ان کی سرکشی کی یہ سزا دی گئی۔ کہ کوہ طور پر چلی جائے اور سب کو فنا کر دے۔ کہ

بھلی دراصل عالم مثال کا حجاب نوری یا مادی تھا جس کی چمک ظاہر ہوئی تھی۔ اور جو ان لوگوں کی
نباہی کا باعث بنی۔ بنی اسرائیل کو یاد دلایا گیا کہ یہ سارا واقعہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہوا۔
وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُونَ۔

روایت الہی اس
جہان میں ممکن نہیں

بنی اسرائیل کی رویت الہی کی شرط قابل قبول نہیں تھی۔ کیونکہ اس جہاں میں کسی شخص کے
پاس یہ صلاحیت موجود نہیں ہے جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کر سکے اس مادی جہان
کے بعد جب اگلے جہان میں پہنچیں گے۔ تو وہاں پر یہی نگاہیں اتنی طاقتور ہو جائیں گی کہ ان میں
اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔ حضور علیہ السلام کا فرما ہے اِنَّكُمْ لَنْ
تَعْبُدُوْا بَعْدَكُمْ عَزْوَجَیْ حَقِّ تَعْبُوْدِکُمْ لَمْ یَعْبُدُوْا رَبَّ کُمْ نَبِیِّیْنَ دیکھ سکتے۔ چنانچہ قیامت کے بعد
جنت میں پہنچ کر اللہ تعالیٰ کی رویت تمام محدثین اور فقہار کے نزدیک بالاتفاق ثابت ہے۔
وہاں پر اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو گا۔ قرآن پاک میں موجود دسبے وَجُوْہٌ یَّوْجِبُہَا تَاْمِیْنَةُ ۝
اِلٰی رَیْقِہَا نَاظِرَةٌ ۝ اَلَمْ یَكُنْیَ حِیْرَی اس دن تردد آزارہ ہوں گے۔ اور دسبے رب کا دیدار کرنے والے
ہوں گے۔ مگر یہ سب اگلے جہان کی بات ہے۔ اس جہاں کے کثیف اعضاء میں یہ طاقت
نہیں ہے کہ وہ زیارت الہی سے مشرف ہوں۔ بلکہ اگلے جہاں کے لطیف اعضاء میں اللہ تعالیٰ
یہ صلاحیت پیدا فرما دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی رویت کا انکار بعض گمراہ فرقے مثلاً رافضی، معتزلہ اور خارجی وغیرہ کرتے
ہیں۔ جن کا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ اس دنیا میں ممکن ہے۔ اور نہ اگلے جہان میں
دلیل ان کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لامکان ہے۔ جہت اور سمت سے بھی پاک ہے۔ اور رویت
کسی مکان اور سمت میں ہی ممکن ہے۔ دائیں۔ بائیں۔ اوپر۔ نیچے وغیرہ لہذا اللہ تعالیٰ کا دیدار
ممکن نہیں۔ محدثین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رویت قرآن و سنت سے ثابت ہے
مگر اس رویت کی کیفیت کوئی نہیں بتا سکتا۔ یہ بے کیف رویت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس بات
پر قادر ہے کہ انسان میں ایسی صلاحیت پیدا کر دے کہ اسے بے کیف رویت الہی نصیب

جو ہوائے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ روایت تو یقیناً ہوئی مگر لا تَدْرِكُهُ
الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُكَ الْإِبْصَارُ۔ انسان کی آنکھیں اس کو نہیں پا سکتیں۔ مگر وہ
آنکھوں کو پا لیتا ہے۔ یہاں یہ کیفیت ہے۔ مگر وہاں کیا ہوگا۔ وہاں تو حقیقت ہوں گی۔ اور
علی قدر المراتب ہوں گی۔ وہاں ذاتی اور صفاتی دونوں قسم کی تجلیات ہوں گی۔ جن میں انسان دیکھے گا
خدا تعالیٰ کی رویت اس طریقے سے ہوگی مگر یہ اس جہاں میں ممکن نہیں۔

آگے سورۃ اعراف میں مومن علیہ السلام کا واقعہ آتا ہے۔ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کلام
کیا تو انہیں رویت کا اشتیاق بھی پیدا ہوا۔ عرض کیا رَبِّ ارْنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْكَ مَوْلَاکِیْمِ میں تجھے
ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔ حکم ہوا۔ لَنْ تُرَیْہٗ اَنْ تَمُنَّ بِرَیْہٖ سَیِّئًا لِّکُمْ۔ اگر یہ پکارا پائی جگہ پر قائم رہ گیا تو پھر شائد تم
بھی مجھے دیکھ سکو! فَلَمَّا تَحَوَّلَ رُبُّہٗ لِلْجَبَلِ جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر متحول ہوئی تھی ڈالی۔
مَحَلَّہٗ دُجَّیْ۔ پہاڑ ریزے ریزے ہو گیا۔ وَخَسَّ مَوْسٰی صَعِقًا اور موسیٰ علیہ السلام ہوش
ہو کر گر پڑے۔ پھر جب ہوش میں آئے تو کہنے لگے ثَبَّتْ اِلَیْكَ مَوْلَاکِیْمِ میں تو رہ کر رہا ہوں
میرے در خواست درست نہیں تھی۔ فَرَاخُضْنَا هَآ اَتَيْتُكَ۔ اے موسیٰ! جو میں تیس سے
دوں اسی پر انگڑائی دے گا۔ وَکُنْ مِّنَ الشَّکِرِیْنَ اور شکر گزار بن جاؤ۔ مقصد یہ کہ رویت الہی اس
جہاں میں ممکن نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اہل فیصلہ ہے۔ جسے جہلا نہیں جاسکتا۔

حضور علیہ السلام نے معراج کے موقع پر اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تھا یا نہیں۔ اس میں مختلف آراء
ہیں مگر صحیح بات یہ ہے کہ دیدار کیا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور قاضی شہار اللہ ہانی جی
فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیدار کیا۔ مگر عالم بالا میں کیا۔ اس ملک جہاں
ہیں نہیں کیا۔ _____ عالم بالا میں رویت کے وقت تو حضور
علیہ السلام حظیرۃ القدس میں پہنچے ہوئے تھے۔ وہاں تو رویت یقیناً ہوگی۔

الغرض جب بنی اسرائیل نے یہ بے ادبی کہ ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھے بغیر اس کتاب پر ایمان
نہیں لائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کا قہر نازل ہوا۔ بجلی پڑی اور سترے سر آدمی ہلاک ہو گئے۔ اب

یعنی اسرائیل کو ہلاک کرنا
اور دوبارہ زندہ کرنا

موسیٰ علیہ السلام کو ایک اور پریشانی لاحق ہو گئی۔ جیسا کہ سورۃ اعراف میں آتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے نہایت عاجزی کے ساتھ باگاہ رب العزت میں دعا کی۔ مولا کریم! اگر تو چاہتا تو مجھے بھی ہلاک کر دیتا۔ تو ان اسزبسیوں کو اس سے پہلے بھی ہلاک کر سکتا تھا۔ یہ بیوقوف ہیں۔ ان کی دوسری میری ذات پر کوئی حجت نہ آئے اگر میں واپس قوم میں اکیلا جاؤں گا۔ تو وہ کہیں گئے۔ کہ ہمارے آدمی سے جا کر مرادھیے۔ اے مولا کریم! میری فرمائیتجربہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ اور فرمایا۔ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ اور فرمایا۔ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ہم نے تمہاری موت کے بعد تمہیں اٹھایا۔ صریح لفظ موجود ہے۔ وہ لوگ مر چکے تھے۔ موت کے بعد انہیں زندہ کیا۔ بعض فریاد کرتے ہیں کہ مرے نہیں تھے۔ بلکہ سوتے رہ گئے تھے۔ پھر برزخ میں آگئے۔ یہ بات درست نہیں۔ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ سے واضح ہے۔ کہ ان لوگوں کی موت واقع ہو گئی تھی۔ اور پھر نصیری روایتوں میں یہ بھی آتا ہے۔ کہ ان کی زندگی سر کی طرف سے شروع ہوئی۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ ان کے جسم کا باقی حصہ رکھ جو پہلے ہے۔ پھر اس میں زندگی کے آثار پیدا ہونے شروع ہوئے۔ اور پھر وہ لوگوں کے ہوسے زندہ ہو گئے۔ یہ سب کچھ ان کی آنکھوں کے سامنے ہوا۔ فرمایا یہ اس واسطے کیا فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔ قرآن پاک میں حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ بھی اسی قسم کا ہے۔ جب عزیر علیہ السلام سوال کے بعد اٹھ کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ كَمْ لَبِثْتَ تم کتنے دن سوئے ہو۔ عرض کیا۔ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ایک دن یا اس کا کچھ حصہ سو یا ہوں فرمایا۔ كَمْ لَبِثْتَ چنانچہ عاویہ تم تو سو سال تک سوئے ہوئے۔ اتنا عمر گزر گئی۔ اس دوران تمنا رہا کہ حافا ہو گیا۔ اس کی مہیاں چڑھا چڑھا ہو گئیں۔ اب دیکھو اس کی بیویوں کو کہہ کیے اٹھ کر سنے میں پھر انہیں گوشت پہنا دیا۔ اور زندگی بخش دی۔ یہ خلاف اس کے تھا، مگر خراب ہو جانے والی چیز ہے۔ بخود بالکل تازہ پاس پڑا ہے۔ لَسَوْفَ يَكْفُرُ بَشَرًا انہیں۔ آخر میں فرمایا أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے۔

ہے۔ وہ جس طرح چاہے اور جب چاہے کر سکتا ہے۔

الغرض! اُن ستر آدمیوں کو اللہ تعالیٰ نے موت کے بعد دوبارہ زندہ کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ ان لوگوں نے دوبارہ زندہ ہو کر اقرار کیا کہ ہم جی غلطی پر تھے۔ ہمیں ایسی نئی نئی باتیں نہیں کرنی چاہیے تھیں، اگر اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا مطالبہ کرتے۔ اس کے بعد انہوں نے قوم میں اُکڑ گواہی دی کہ بے شک ہم نے خدا تعالیٰ کا حکم منسوب کیا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا کی ہے۔ اُسے بنی اسرائیل! اس پر عمل پیرا ہو جاؤ۔

اس کے علاوہ دوسری بات یہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو یاد دلایا کہ تیرا نسطین تمہارے جدا مجتہد تہمت ابراہیم اور اسحق علیہما السلام کی وراثت ہے۔ لہذا اپنی وراثت دوبارہ حاصل کرو۔ اللہ تعالیٰ نے بحقوب علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ ان کا ٹھکانا یہی ہے اب اس علاقے پر عمائد فرما کا قبضہ ہے۔ تم اُن کے خلاف جہاد کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارا وطن واپس دلا دیں گے۔ وہی وطن جہاں تمہارے آباء اجداد آباد تھے۔ اور جن کی قبریں بھی وہیں ہیں۔ تم محمودی کی محبت کرو۔ اللہ تعالیٰ فتح عطا کریں گے۔

بنی اسرائیل مسلسل غلامی کی دھم سے بزدل ہو چکے تھے۔ اُن میں طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ اُن کے خیر مردہ ہو چکے تھے۔ اسی لیے وہ جہاد پر آمادہ نہیں تھے۔ یہ غلامی کا اثر تھا۔ آج ہمارا حال بھی یہی ہے انگریز کی سو سالہ غلامی کے نتیجے میں اخلاق خراب ہو چکے ہیں جنہوں نے انگریز کا دودھ پیا ہے۔ ان کے اخلاق کی درستگی کا کوئی مکان نہیں۔ البتہ نئی نسل آئے گی۔ نئے حالات پیدا ہوں گے۔ تو جہاد کے بعد اخلاق کی درستگی کی توقع کی جا سکتی ہے۔

قوم عمائد بڑے سخت لوگ تھے۔ جب بنی اسرائیل نے ان کی جرات و شجاعت کے کڑا سامے نئے قوانین کے حوصلے مزید ہست ہو گئے۔ کہنے لگے ہم جہاد نہیں کر سکتے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بڑا کھجکا کہ تم صرف کمر بستہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ضرور فتح عطا فرمائیں گے۔ یہ قول عمدہ میں تفصیلات موجود ہیں۔ یہ قوم کسی طرح جہاد پر آمادہ نہ ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مزہ نہیں مبتلا کیا۔ چالیس سال تک صحرا میں سفر بند رہے۔ *يَتَّبِعُهُمْ فِي الْاَرْضِ*

من ترنجبین کی قسم کے دانے تھے۔ جیسے دھنیا کے دانے ہوتے ہیں۔ یہ سناریت شیریں
 مادہ تھا۔ جو رات کو بتی اسرائیل کے غصوں یا دوسری رہائش گاہوں کے ارد گرد برس جاتا تھا۔ اور
 اس کی مقدار اس قدر کافی ہوتی تھی۔ کہ ہر فرد کو ایک ایک سیر کے غریب میسر آ جاتا تھا۔ جسے اُٹتے
 تھے۔ اور یہ دانے اکٹھے کر لیتے تھے۔ یہ ان کی چوبیس ٹھنڈی خرداک کے لیے کافی ہوا تھا۔
 چونکہ ہفتے کے روز چھٹی ہوتی تھی۔ اس لیے جمعہ کے دن دو دن کی خرداک مل جاتی تھی۔

من کے دنوں میں خاص قسم کی شہزادوں تھی جو کہ حیاتِ انسانی کے لیے بڑی ضروری ہے۔
 انسانی جسم کی حیات کو برقرار رکھنے کے لیے شکر کا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ انسان کا جسم ٹھنڈا ہو کر
 ختم ہو جانے کا۔ قدرت نے انسان کے جسم میں ایسا نظام پیدا کر دیا ہے۔ کہ انسان جو بھی غذا
 استعمال کرتا ہے۔ یہ چیزیں پہنچ کر شکر بن جاتی ہے۔ یہ شکر ہر قسم کے امان اور چیلوں وغیرہ سے
 حاصل ہوتا ہے۔ اگر جسم پر حملی شکر نہ بھی کیا ہو۔ تو بھی انسانی جسم غذا کے دیگر اجزاء سے شکر
 حاصل کر لیتا ہے۔ اگر انسانی جسم کو کوئی بیماری نہ آتی ہو تو ہے۔ جو اللہ تعالیٰ ایشائے خورہ و نوش
 سے جگر میں پیدا کرتا ہے۔ اور پھر وہ جسم کے باقی حصوں میں منقسم ہو جاتی ہے۔ اس طرح انسانی جسم
 کو نشتر، پردہ بین البلیات کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو دالوں وغیرہ سے بھی حاصل ہوتے ہیں۔ الغرض
 بنی اسرائیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے من کے دانے مہیا کر کے ان کی یہ ضرورت پوری کر دی۔

حصو علیہ السلام نے اپنے ایک شاگرد میں عجب نامی کھجور اور من کی تعریف فرمائی ہے۔
 حدیث میں آتا ہے: **الْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ وَفِيهَا شِفَاءٌ مِّنَ الشَّجَرِ عَجْوَةٍ**۔
 جنت کی کھجور ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے زہر اور سحر کا علاج رکھا ہے۔ اسی طرح **فَاِنَّ الْكَلْبَةَ**
مِنَ الصَّنِ وَمَا وَهَا شِفَاءٌ لِّلْعَيْنِ یعنی کھجور من میں سے ہیں اور ان کے پانی میں اللہ تعالیٰ
 نے آنکھوں کے لیے شفا رکھی ہے۔ یہ پھوٹی مٹی زندہ و سفید کھجور خود رو بہزی ہے۔ بڑی لذیذ
 چیز ہے۔ انسانی جسم کے لیے گوشت کا اثر کمزوری ہے۔ ان کا کوئی رنج نہ ہو سکتا۔ اور نہ ان
 کی کوئی مخالفت کرتا ہے۔ خود بخود انہی میں اور لوگوں کے کام آتی ہیں۔ حصو علیہ السلام نے فرمایا

ان کے پانی میں اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کے لیے شفا رکھی ہے۔ اس کا پانی سرور میں جاکر لگایا جائے یا ویسے ہی سوائی اس کے پانی میں جھوگر آنکھوں میں دھانی جائے۔ تو آنکھوں کی گئی بیماریوں کے لیے شفا کا حکم رکھتی ہے فرمایا یہ کھینیاں حسن ہی کی ایک قسم ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے تو کھینوں کی قسم کے اس مادہ کو بنی اسرائیل کے لیے خوراک کا ذریعہ بنایا۔

سلاوی سلوان کے مادہ ہے۔ یہ بٹیر کی قسم کا جانور تھا۔ ہر ہفتے ان جانوروں کے غول کے غول دیا جاتے تھے کہ حرث سے اُڑا کر آتے تھے۔ مادہ بنی اسرائیل کے غولوں کے قریب آکر بیٹھ جلتے تھے۔ انہیں وہ آسانی سے پکڑ لیتے تھے۔ انہیں پکڑنے کے لیے درمے شکار کی طرح ان کو محنت نہیں کرنی پڑتی تھی۔ بلکہ جو مٹی ذرا اذیہا ہوتا تھا۔ بنی اسرائیل ان جانوروں کو آسانی کے ساتھ اپنی اپنی ضرورت کے مطابق پکڑ لیتے تھے۔ چرواہوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت پکاتے تھے۔ اور کباب بناتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نہایت اعلیٰ درجے کی خوراک مہیا کی تھی۔

اپنے آپ پر غل

بادل کے سامنے اور خوراک کی ہم رسانی کے عہدہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ایک اور نعمت عطا کی تھی۔ تغیری راتوں میں آتا ہے۔ کہ ایک بہت بڑا ستون اُڑتا تھا جس سے بنی اسرائیل پریشانی محسوس کرتے تھے۔ رات کے وقت یہ بڑا ٹپک اٹھتا تھا جس سے اس قدر روشنی مہیا ہوتی تھی۔ جو بنی اسرائیل کی ضروریات کے لیے کافی تھی۔

فرمایا فَلَا تَكُونُوا مِثْلَ الَّذِينَ كَانُوا بنی اسرائیل کھاد پاک پھیریں جو ہم نے تم کو روزی دی ہیں وَمَا ظَلَمُونَا اور انہوں نے ہم پر کوئی زیادتی نہیں کی وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ بلکہ انہوں نے اپنی ہی جانوں پر ظلم کیا۔ بنی اسرائیل کو حکم یہ تھا کہ کھانے پینے کی چیزیں ہمارے خدا کی ہیں۔ انہیں خوب کھاؤ پو۔ مگر ان کا ذخیرہ نہ کرو۔ لیکن انہوں نے ذخیرہ کرنا شروع کر دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گوشت گلنے سڑنے لگا۔ مسلم شریعت کی روایت میں آتا ہے۔ كَانُوا يَجْمَعُونَ لِكُلِّ يَوْمٍ یعنی اگر بنی اسرائیل ذخیرہ افندی کا ارتکاب کرتے تو روزت انہیں آتا سڑا۔ خواہ مہینوں پڑا رہتا۔ مگر ان کی اس نافرمانی کی وجہ سے گوشت سڑنے لگا اس

طرح گویا انہوں نے خود اپنا نقصان کیا۔ ہم پر کوئی ظلم نہ کیا۔ بلکہ خود اپنی جانوں پر ظلم کے مرتب ہوئے
 اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر بڑے انعام کئے۔ ان کی نافرمانی اور مصیبت کی وجہ سے
 شرح طرح کی آزمائشیں بھی آتی تھیں۔ اس کے باوجود یہ لوگ سرکشی میں مبتلا ہونے۔ جہاد کا انکار
 کیا۔ نبی کی تکذیب کی۔ اس کو ستایا۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کی توراہ کا غیر معمولی منتظم
 فرمایا۔ پانی کی ضرورت پیش آئی تو میسا کہ آگے آئے گا وہ بھی میسا فرمایا۔

الْاَلَاءِ

البقرة

درس بہت وجہاً

رأیت ۵۸: ۵۹

وَاذْكُلْنَا اَدْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ
 شِئْتُمْ رَغَدًا وَاَدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ
 نَقِّرْكُمْ عَنْ خَطِيئَتِكُمْ وَكُنْزِ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٨﴾
 فَبِذَلِكَ الَّذِينَ ظَلَمُوا تُولَّوْا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ
 فَانْزِلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ لَعَلَّ
 كَانُوا يَفْقَهُونَ ﴿٥٩﴾

ع

فوج جمعہ: اس وقت کو یاد کر وجہ کر بہرے کا داخل ہو جاؤ اس ہستی میں اور
 کھاؤ اس میں سے جہاں بھی تم چاہو کھاؤ گی سے۔ اور داخل ہو دو دروازے میں سجدہ
 کرتے ہوئے۔ اور کونخوشش۔ ہم بخش دیں گے تمہاری غلطیوں کو۔ اور زیادہ دیں گے
 ہم نیک کرنے والوں کو ﴿٥٨﴾ پس تبدیل کر دیا ان لوگوں نے جنہوں نے ظلم کیا بات
 کو۔ سوائے اس کے جو ان کو کوئی گئی تھی۔ پس نازل کیا ہم نے ان لوگوں پر جنہوں نے
 ظلم کیا عذاب آسمان کی طرت سے۔ اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے ﴿٥٩﴾

تلاوت

جس طرح ابتداء رکوع میں بنی اسرائیل سے خطاب تھا۔ یسعیٰ زکریاٰ یسٰی اذکرنا
 نَقِّرْکُمْ عَنْ خَطِیْئَتِکُمْ اسی طرح ان آیات کے مخاطب بھی بنی اسرائیل
 ہی ہیں۔ جہاں اس قوم پر اللہ تعالیٰ نے انعامات کا تذکرہ ہو رہا ہے اس کے ساتھ ساتھ بنی اسرائیل
 کے توبہ۔ سرکشی اور نافرمانی کا حال بھی بیان ہو رہا ہے۔ انعامات میں سے فرعون کی نجات سے
 آزادانہ کتب توبہ کا حصول اور من و سلویٰ کا ذکر ہوا۔ پھر ان کی نافرمانی کا ذکر ہوا۔ انہوں نے
 اللہ تعالیٰ کی بنیادوں کی جس پر انہیں سزا بھی ملی۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اللہ
 تعالیٰ نے معاف بھی کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم جہاد کی تیاری کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں
 شام و فلسطین کا وہ علاقہ دے گا جس میں وہاں کے بادشاہوں کا ملکہ ہے۔ موسیٰ بنی اسرائیل

نے انکار کر دیا۔ کہنے لگے۔ وہاں پہ بڑے سخت لوگ ہیں۔ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ البتہ اگر وہ خود بخود اس بستی سے نکل جائیں۔ تو ہم وہاں جانے کو تیار ہیں۔ اس کی مکمل تفصیلات تو سورۃ مدہ میں ہیں۔ تاہم کچھ باتیں سورۃ بقرہ میں بھی آ رہی ہیں۔ ان کی نافرمانی کا نتیجہ ہوا کہ نبی کریم ﷺ شتر سال تک تیسہ کے بیابان میں سرگردان پھرتے رہے۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے تہذیب و تمدن اور سرکشی کا حال بیان فرما کر دوسرے لوگوں کو متنبہ کر دیا ہے کہ سرکشی کا نتیجہ ہمیشہ بُرا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت آتی ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو من و سلویٰ کھاتے ہوئے کئی سال گزر گئے۔ بعض روایات میں اٹھارہ سال کا ذکر آتا ہے۔ تو انہوں نے بعض دوسری چیزوں کا مطالبہ شروع کر دیا۔ جس کا ذکر اگلے کوخ میں آئے گا۔ کہ ہم ایک ہی طرح کا کھانا کھا کر تنگ آ گئے ہیں۔ من و سلویٰ کی بجائے سبزیاں اور دال وغیرہ کھانے کو ہی چاہتا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اگر تم ایسا ہی چاہتے ہو۔ تو اس بستی میں چلے جاؤ۔ وہاں پہ یہ چیزیں تمہیں سیر آجائیں گی۔

وہ کون سی بستی تھی۔ جس میں بنی اسرائیل کو داخلے کا حکم ہوا تھا۔ اس کے متعلق مفسرین کی مختلف آراء ہیں۔ بعض مفسرین نے بیت المقدس سے منسوب کرتے ہیں بخیرہ درست نہیں۔ زیادہ قرین قیاس یہ ہے۔ کہ وہ اریحا نامی بستی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس بستی کے لوگوں سے جہاد کرو۔ تو اللہ تعالیٰ غلبہ کرے گا۔

اس معاملہ میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ کہ مذکورہ بستی میں داخل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں واقع ہوا۔ ان کے بعد۔ تاہم صحیح بات یہی ہے۔ کہ وہ بستی موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد فتح ہوئی۔ حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کی نئی نسل جہاد پر آمادہ ہوئی۔ ترائیں شام اور فلسطین پر غلبہ حاصل ہوا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ من و سلویٰ کی بجائے دوسری خوراک کی طلب ہے۔ تو اس اریحا نامی بستی میں داخل ہو جاؤ۔ وہاں تمہیں تمہاری مطلوبہ چیزیں میسر آئیں گی۔

نقل ادا کرنی چاہیے۔ تاہم صرف سجدہ کر لینا بھی درست ہے۔

استغفار
بیموت

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دو احکام دیے تھے۔ ایک تو یہ کہ اُن بنی میں سجدہ شکر ادا کرتے ہوئے داخل ہوں۔ اور دوسرا یہ کہ وَقُولُوا حِطَّةً اور زبان سے یوں کہیں کہ اے اللہ! ہماری غلطیوں کو معاف فرما دے۔ حِطَّ کا غلط معنی گرا دینا ہے۔ ہماری غلطوں کو گرا دے۔ لفظ حِطَّ دراصل اَحْطَطَ عَنَّا حِطًّا کا مخفف ہے۔ یعنی ہماری غلطیوں کو گرا دیں اور غلطوں کو مٹائے معاف کر دے یا رگہ رگہ فرما۔ اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو سجدہ اور استغفار کی تینوں کی اور فرمایا کہ اگر تم اپنی خواہش کے مطابق خوراک حاصل کرنا چاہتے ہو۔ تو ان دو شرائط کے ساتھ بستی اریحامیں داخل ہو جاؤ۔

بزرگ فرماتے ہیں کہ ہر چیز کی کوئی ابتداء ہوتی ہے۔ وَأَوَّلُ الْحَيَاةِ الْإِنْسَانُ يَسْتَغْفِرُ اور خیر کی ابتداء استغفار سے ہوتی ہے۔ یعنی انسان اپنی غلطیوں کی معافی طلب کرے۔ ابن ماجہ اور ترمذی شریف کی حدیث میں آتا ہے۔ وَحَيُّوْا الْحَطَّاءَ مِنْ أَثْوَابِنَ بِرْ شَخْصِ نَظَاكَرِے غلطیاں سرزد ہوتی رہتی ہیں بڑے بہترین خطاکار وہ ہیں جو توبہ کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ الشَّابُّ مِنَ الذَّنْبِ لَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ لَكِنَّہ سے توبہ کر لینے والا ایسا ہی ہے جیسا اس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔

فرمایا جب تم استغفار کرو گے۔ مجھ سے معافی مانگ لو گے۔ تو پھر میں اس کا صلہ دوں گا۔ كَفِّرْنَا لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ جبرمتان غلطوں اور لغزشوں کو بخش دیں گے۔ معاف کر دیں گے۔ اور صرف معاف ہی نہیں کریں گے بلكَ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ بخیر کاروں کو مزید اجر عطا فرمائیں گے۔

عمر فاروقی
بیموت

بنی اسرائیل کی طبیعتوں میں قہر اور سرکشی کچھ کچھ بھی وہ معمولی سے معمولی حکم بھی ماننے کو تیار تھے۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ قَسَدَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنِيسَ تہلیل کر دی ان لوگوں نے جنوں نے ظلم کیا قَوْزًا عَظِيمًا تَذَنِّي فَتِلْ لَهَا شَحْرُ وہ بات جبرائیل کسی گئی تھی۔ یعنی انہیں حکم نازل ہوا

اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا دی۔ اگر کج بھی کوئی اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کا مرتکب ہوگا۔ تو وہ خدا تعالیٰ کے عذاب کی زد میں ہے۔ اللہ تعالیٰ جہلت سے مجھے توبہ کی حکمت ہے۔ وہ نہ اس کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا۔

اہم مضمون فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی زمین کی آبادی نیکی اور اطاعت سے ہوتی ہے اور مخلوق کی برائیوں کی وجہ سے اس کی بربادی ہوتی ہے۔ فسق و فجور کو آپ بیشک ترقی کا نام دیں مگر حقیقت یہ ہے کہ کھیل تماشہ الموت و العجب و بدکاری، فحاشی، زنا، سود و خوری وغیرہ سب بگاڑ کی مختلف شکلیں ہیں۔ یہ زمین میں فساد پھیلاتا ہے۔ آبادی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ کیونکہ زمین کی آبادی تو ہر حال نیکی اور خدا تعالیٰ کی اطاعت سے ہوگی۔ جس قدر کچھ بین نصیب ہوگا۔ اسی قدر آبادی ہوگی۔ جس قدر گناہوں میں اضافہ ہوگا۔ اتنی ہی بے چینی بڑھے گی۔ لوگ اضطراب اور طرح طرح کے مسائل کا شکار ہوں گے۔ لہذا معلوم ہوا کہ نافرمانی بہت بُری چیز ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔ ان آیات میں بنی اسرائیل کو خطاب کر کے ہم سب کے لیے تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے کہ نیکی اور بڑی میں تمیز کریں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں، نافرمانی سے پرہیز کریں۔

زمین کی آبادی
اور بربادی

الْقَا
درس بت ۲۵

البقرة ۲
(آیت ۶۰)

وَإِذَا سَأَلَكَ الْمَلَائِكَةُ فَقَالَ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ لَكُمْ رَسُولًا مِمَّنْ لَمْ يَلِكُمْ عَاقْلٌ لِّتَمُنَّ بِهِمْ وَتَقُولُوا هُوَ نَحْنُ الْمَرْفُوعُونَ ۚ ۝۶۰

ترجمہ: اور اس وقت کو یاد کرو جب کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے بانی طلب کیا۔ پس ہم نے کہا کہ اپنی راجی کے ساتھ پتھر کو مارو۔ پس اس میں سے بارہ چٹے پھوٹ پڑے۔ تحقیق جان یا سب لوگوں سے اپنا اپنا گھاٹ۔ اللہ کی دی ہوئی روزی سے کھاد اور چیرہ اور زمین میں فساد کرتا ہوئے رچلہ ۶۰

گذشتہ آیات میں اُن الغامات کا ذکر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر کیے۔ منجملہ ان کے دشمن سے راجی اور ذلت تک غذاب اور غلامی سے نجات کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ایک خلیل انسان کتاب عطا فرمائی۔ صحرائے سینا میں وہو پ سے بچاؤ کے لیے سر پہ بادل کا سایہ کیا۔ خود اُن کے لیے مَن اور سونے فرما کر کیا۔ جب بنی اسرائیل نے بنی سہری اور نیکواری کا مطالبہ کیا۔ تو انہیں ایک دوسری بستی میں اترنے کا حکم دیا جہاں ہر چیز میسر تھی مگر ساتھ یہ نصیحت بھی کر دی کہ اس بستی میں مسجد شکر ادا کرتے ہوئے اور اپنی غلطیوں کی معافی مانگتے ہوئے داخل ہونا۔ جو بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کو تبدیل کر دیا۔ مسجد شکر ادا کرنے کی بجائے اکر اکر بستی میں داخل ہوئے۔ اور زبان سے استغفار کرنے کی بجائے بعض یہود یہ باتیں کہتے ہوئے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سرکشی اور تمرد کی یہ سزا دی کہ آسمان سے طاغون کی صورت میں غذاب نازل ہوا۔ ہزاروں کی تعداد میں بنی اسرائیل ہلاک ہوئے۔ وجہ یہ تھی کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔ انہوں نے صحرائے سینا میں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت اور موسیٰ علیہ السلام کی بات کو ٹھکرا دیا۔

قرآن اور بعض اسرائیلی روایتوں میں ذکر آتا ہے کہ بنی اسرائیل وادی سکات سے قریب

بنی اسرائیل
وادی غلبان

کئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور حکم دیا فَقُلْنَا أَصْنِبْ لَنَا لَحْمًا كَلْبَنِي
 وَاثْنِي اس پتھر پر بارہ موی علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی۔ جو مٹی لاشی پتھر پر بارہ موی
 اُثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا اس میں سے بارہ چشمے بھوٹ پڑے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے
 بنی اسرائیل کے لیے پانی کا انتظام فرمادیا۔

اس ہائے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ دو کون سا پتھر تھا جس پر لاشی مارنے سے پانی
 جاری ہو گیا تھا بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ وہ پتھر موسیٰ علیہ السلام کے تھیلے میں جو وہ تھیلہ تفسیری
 روایات کے مطابق یہ پتھر حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعے دنیا میں آیا تھا۔ اور سدا بعد نسل موسیٰ
 علیہ السلام تک پہنچا تاہم کسی صحیح روایت سے ایسا ثابت نہیں ہے۔ بخاری اور مسلم شریف کی
 بعض روایات سے موسیٰ علیہ السلام کے ایک دوسرے واقعہ کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ اُس
 زمانے میں بنی اسرائیل کے لوگ پرے کا خاص خیال نہیں کرتے تھے۔ نہایت وقت بھی ایک
 دوسرے کے سامنے کپڑے اندر کرنا شروع کر دیتے تھے۔ بر خلاف اس کے حضرت موسیٰ علیہ السلام
 بڑے زیادہ تھے غسل کرتے وقت سر پوٹی کا خاص خیال رکھتے اور پرے میں نہاتے۔ دین کا
 اصول بھی یہی ہے کہ بول و براہ غسل کرتے وقت دوسرے شخص کی نظر نہیں پڑنی چاہیے۔
 ایسے اوقات میں پردہ واجب ہے بخیر بنی اسرائیل الٹی ذہنیت کے ملک تھے۔ موسیٰ
 علیہ السلام کو پرے میں غسل کرتے دیکھا تو سمجھا کہ ان کے جسم میں کوئی عیب ہے جسے چھپانا
 چاہتے ہیں بعض نے کہا کہ آپ کو اوردہ کی بیماری لاحق ہے جس میں خفیہ مہول ہوتے ہیں۔
 اللہ تعالیٰ کی قدرت ایک روز ایسا واقعہ پیش آیا کہ موسیٰ علیہ السلام کسی بڑے پتھر کی
 اوٹ میں اس پتھر پر کپڑے رکھ کر پرے میں غسل فرما رہے تھے کہ وہ پتھر آپ کے کپڑوں
 سمیت بھاگ کھڑ ہوا۔ آپ نے یہ جہاد دیکھا تو سخت پریشان ہوئے تو کئی حَجَّاجٌ وَ
 تَوْبِي حَجَّاجٌ یعنی پتھر میرے کپڑے۔ پتھر میرے کپڑے کہتے ہوئے۔ پتھر کے پیچھے بھاگے

۱۔ معالم التنزیل ۲/۱۶۰ ابن کثیر ص ۱۶۰ تفسیر عزیزی فارسی ص ۲۶۰

۲۔ بخاری ص ۳۸۳، مسلم ص ۱۵۵، معالم التنزیل ص ۱۶۰

اور اسی حالت میں اپنی قوم کے پاس پہنچ گئے۔ لوگوں نے آپ کو برہنہ حالت میں دیکھا مگر جسم میں کوئی عیب نہ پایا تو کہنے لگے **مَا جِئْتُمُوهُنَّ مِنْ بَنَاتٍ لَعْنِ مَوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ** کہ تو کوئی بیمار لائق نہیں۔ ہم تو غلط سمجھ رہے تھے۔ بہر حال جب موسیٰ علیہ السلام اس جھگڑے ہوئے پتھر تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ تو اپنی جلالتِ طبیعت کے مطابق اُس پتھر کو اپنے ڈنڈے سے خوب پیٹا جس کی وجہ سے اُس پتھر پر لامعنی کے پانچ سات نشان پڑ گئے۔ تفسیری روایات میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ بڑا مبارک پتھر ہے۔ ایک طرف اس نے میرے حکم کی تعمیل کی کہ کپڑے لے کر بھاگ نکلا اور دوسری طرف موسیٰ علیہ السلام کے ادب کو بھی ملحوظ رکھا یعنی اتنا نرم ہو گیا کہ اس پر لامعنی کے نشان پڑ گئے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اس پتھر کو اپنے پاس رکھ لو۔ اس میں بڑی حکمت ہے۔ کہتے ہیں: یہ وہی پتھر تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے میں تھا۔ اور جب بنی اسرائیل نے پانی طلب کیا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی پتھر پر لامعنی مادی دربارہ چستے چھوٹ پڑے۔ بہر حال یہ تفسیری روایات میں کسی آیت یا صحیح حدیث سے ثابت نہیں

بعض تاریخی روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ دودی حریب میں جو پہاڑی سلسلہ اور چٹانیں ہیں۔ وہیں زمین پر پڑی ہوئی ایک چٹان پر موسیٰ علیہ السلام نے لامعنی مادی بھی اور اس میں سے پانی برآمد ہوا تھا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ اس پتھر میں اب پانی تو نہیں ہے۔ مگر پانی کے نکلنے کے نشانات اب تک موجود ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان سوراخوں سے کسی وقت پانی نکلتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ پانی بنی اسرائیل کی عذرت پوری کرنے کے لیے نکالا تھا۔ جب وہ لوگ وہاں سے چلے گئے۔ پانی کی عذرت باقی نہ رہی۔ تو وہ بھی ختم ہو گیا۔

پانی کے بارہ چستے چھوٹنے کی حکمت یہ تھی کہ بنی اسرائیل بارہ قبیلوں پر مشتمل تھے۔ ان کی تعداد چھ لاکھ سے زیادہ تھی۔ ان کے آپس کے کسی موقع جھگڑے کے بیش نظر اللہ تعالیٰ

تے ہر قبیلے کے لیے علیحدہ علیحدہ چتر مقرر کر دیا۔ جنہوں کا نہیں ہر قبیلے کی تعداد کے لحاظ سے کیا گیا تھا۔ بڑے قبیلے کے لیے بڑا چتر مقرر ہوا۔ اور چھوٹے قبیلے کے لیے چھوٹا چتر۔ اس طرح گویا بانی تقسیم کر دیا۔ فرمایا فَذَٰلِكَ عَلَیْہِمْ کُلٌّ اَمَّا بِنِمْشَہِمْ ہر ایک نے اپنا اپنا گناہ معصوم کر لیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہر قبیلے میں ایک ایک چتر تقسیم کر دیا۔ ہر قبیلے نے اپنی ضرورت کے مطابق نمایاں کھو دیں۔ اور بانی کو دور تک لے گئے۔

اس تقسیم سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ شتر کہ سفاد کی امتیاز کی تقسیم عدل و انصاف پر مبنی چاہیے۔ تاکہ کسی قسم کا تنازعہ پیدا نہ ہو۔ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی دسے معاملہ میں بھی بانی تقسیم کیا گیا تھا۔ لَکُم مِّنْ شِثْ یَوْمَ مَعْلُومٌ۔ وہ صالح علیہ السلام سے فرمایا کہ پانی پینے کی ایک روز تم ساری بادی سوگی۔ اور ایک روز اونٹنی کی۔ قوم نے مقررہ مدت تجاوز کیا۔ جس کا نتیجہ ہوا کہ ساری قوم تباہ ہو گئی۔

ایک اعتراض کہ اس جواب

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ چتر سے پانی کیسے آیا۔ یہ خلاف عقل معلوم ہوتا ہے یہ اعتراض درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت کی چیزوں کو اپنی ناقص عقل سے قیاس کرنا مناسب نہیں۔ ایسا کام ناقص عقل لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ موجودہ زمانے کے مائیس دان، ریاضی دان، جغرافیہ دان سب کے سب ناقص عقل ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی حکمت یا تخلیق کی کوئی خبر نہیں۔ وہ تو محض اپنی دھند میں مگن رہتے ہیں۔

اہم بیضاوی فرماتے ہیں کہ چتر سے پانی نکالنا کون سی بعید العقل بات ہے۔ یہ تو عام شہدے کی بات ہے۔ مقامات میں بھی ایک چتر ہی ہے۔ جو لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں ایسی تاثیر پیدا کر دی ہے۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کسی چتر میں پانی کو اپنی طرف کھینچنے کی تاثیر پیدا کرے۔ تو یہ کون سی ایسی بات ہے جو عقل میں نہ آتی ہو۔ ہاں سرسید کو کچھ میں آ سکتی۔ پانی تو چتر کے نیچے موجود تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے چتر کو دھکا دیا تو پانی کو دھکا دیا۔ سرسید بچا رہا۔ تو بچہ بہت کا اہم تھا۔ اور عجرات کو منکوح تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ پانی کا بھرا محض اللہ تعالیٰ

کے حکم سے ہوا۔ یہ معجزہ تھا، جو موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہوا۔ بحیرہ قمرم میں کیا ہوا، موسیٰ علیہ السلام نے لاشی چٹائی اور بارہ راستے بن گئے۔ پانی کناراں کے ساتھ بند ہو کر رہ گیا، وہاں لاشی مارنے کا حکم ہوا۔ تو پانی میں راستے بن گئے اور سیاں لاشی ماری تو خشک ہو کر پتھر سے پانی کے چشے بھرت پڑے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا۔ پانی نکالنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ لاشی مارنا متنا کا کام ہے۔

نبی کا معجزہ ہو یا ولی کی کرامت ہو، اصل حکم تو اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے۔ بجا کر کرنے والی معجزہ اور کرامت وہی ذات ہے۔ اسی مقام پر اگر لوگ غور کر لیا جاتے۔ نبی کے معجزے بولی کی کرامت کو ان کا ذاتی فعل سمجھتے ہیں۔ اور شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو ان کا ذاتی فعل سمجھا۔ وہ شرک میں مبتلا ہو گئے۔ حالانکہ وہ تو یہاں ذی اللہ تعالیٰ فرمایا: **وَأَنبِرِئِیْ اَزْکُفِّہٖ وَاَزَا بَرَصَہٗ وَانْجِیْ الْعَوْنِیْ بِیَا ذِیْنَ اللّٰہِ** میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مادہ زائد امدھ اور ابرص کو ٹھیک کر تا ہوں، اور مڑے میں جان ڈال دیتا ہوں۔ اسی طرح اولید اللہ کی جو کرامات صحیح طریقے سے ثابت ہیں۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہوتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ عزت بخشتے ہیں اس کے ہاتھ پر کرامت ظاہر ہو جاتی ہے اپنی مرضی سے تو کوئی نبی بھی معجزہ پیش نہیں کر سکتا، قرآن پاک میں تصریح موجود ہے: **وَمَا کَانَ لِرَسُولٍ اَنْ یَّاتِیَ بِاٰیٰتِہٖ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ** فعل تو اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے، مگر نبی کے ہاتھ پر ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ ہاں وہی عظیم علیہ السلام کی زندگی میں بے شمار معجزات پیش آئے۔ بہتوں سے پانی بھٹکا تو عام شامہ کی بات ہے، جگلوں اور پیادوں سے چشے نکلنے میں۔ مگر جہاں نبی، رحمت علیہ السلام کا معجزہ ملاحظہ فرمائیے کہ ہاتھ کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ لشکر اسلامی جہاد کے لیے سفر پر تھا۔ راستے میں پانی کی قلت پیدا ہو گئی، حضور علیہ السلام نے فرمایا: کسی کے پاس تھوڑا سا پانی ہے تو ہمیشہ کیا جائے۔ چنانچہ ایک لڑکے میں تھوڑا سا پانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ نے اس پانی سے حضور

پھر وہ پانی پیالے میں ڈال کر اپنا ہاتھ مبارک اس پیالے میں رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے انگلیوں مبارک کے پنجھے سے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ آپ نے فرمایا یہ بابرکت پانی ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے نکالا ہے۔ آؤ پانی پی لو اور اس سے وضو کرو۔ لوگوں نے پانی حاصل کیا۔ اس سے وضو کیا اس میں سے پیا اور دوسری ضروریات پوری کیں۔ جب سارا لشکر سیراب ہو گیا۔ تو آپ نے اپنا ہاتھ مبارک اٹھایا اور پانی ٹھکانا بند ہو گیا۔ اسی لیے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دینار بنیاد علیہم السلام کو جو معجزات عطا کیے وہ اس کا کمال ہے جو معجزات حضور علیہ السلام کو عنایت کیے وہ کمالوں سے بھی بڑے کر کمال ہے۔ معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بویا جائے رسول عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو۔ اصل میں کمال اللہ تعالیٰ کا ہی ہے۔

برکت بر
اللہ تعالیٰ کا شکر

بنی اسرائیل کے کھانے کے لیے من و سلویٰ کا بندوبست ہو گیا۔ اور پیسے کے لیے بارہ چشمے جاری ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **كُلُوا وَشَرِبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ** اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روزی سے کھاؤ اور پیو۔ بنی اسرائیل کو خطاب کر کے ساری ذریعہ انسانی کو یہ بات سمجھا دی گئی ہے کہ ہر قسم کی روزی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے۔ اسے کھاؤ اور پیو اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ شیخ سنوٹ نے بڑی اچھی بات کہی ہے۔

ابرو باد و مریخ و خورشید و فلک در کلامہ تا قرآن نے بخت آدمی و بنفعلت مخوری
ہمہ از بہر تو سر گشتہ و فداں بردار شرط انصاف نہایت کہ تو مسرہ مان نہری
فرماتے ہیں کہ زمین و آسمان کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے گردش کر رہی ہیں۔ تاکہ تو رزق کو ہاتھ میں لائے اور غفلت سے نہ کھائے۔ روٹی کھاتے وقت انسان کو غور کرنا چاہیے کہ روٹی کا یہ ٹکڑا کتنے مراحل طے کر کے آپ کے ہاتھ میں پہنچتا ہے۔ کارخانہ قدرت میں لاکھوں مشینیں اور کرڈروں ہاتھ کام کر رہے ہیں۔ جب ایک روٹی اللہ تعالیٰ تہہ سے ہاتھ میں دیتا ہے، پانی کا ایک گلاس جو آپ کے ہونٹوں تک پہنچتا ہے۔ یہ کن کن مشینوں سے گذر کر آتا ہے۔ اسی طرح لباس کی تیار میں کتنی مشینیں۔ کتنا خام مال کتنے انسانی دماغ اور ہاتھ کام کرتے ہیں۔ تب جا کر

ذینیت اور سربوشتی کے لیے کچھ اصرار ہوتا ہے۔ یہ تمام چیزیں انسان کو غور و فکر کی دعوت دیتی ہیں کہ جس ملک الملک نے انسان کو اس قدر انعامات سے نوازا ہے۔ اس کی روزی و ستمالی کر کے کیا اس کا شکر یہ ادا کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ اسی لیے فرمایا کہ کس قدر انعاماتی کی بات ہوگی۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں استعمال کرنے کے بعد اس کی فرمانبرداری نہ کرو۔

قرآن پاک میں دوسرے مقام پر آتا ہے: **كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ** حلال اور طیب چیزیں کھاؤ جو تمہارے لیے اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں **وَالشُّكْرُ لِلَّهِ** ان کثمتو ایضاً **تَعْبُدُونَهُ** اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اگر تم اسی کے بند نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ناداروں کو محروم نہ رکھو۔ تم سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کے تم ہاک ہو مگر اس بات کی طرف غور نہیں کرتے کہ یہ نعمت آتی کہاں سے ہے۔ یہ کس کی عنایت ہے۔ یاد رکھو۔ اگر غریبوں، مسکینوں اور محتاجوں کو محروم رکھو گے۔ ان کا حق ایسا نہیں کر دو گے تو یہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور مستحقین پر نیا دتی ہوگی۔ ہر صاحب استطاعت کا فرض ہے کہ وہ ناداروں کا خیال رکھے۔ اُسے دیکھنا چاہیے کہ کس کو سہولتیں کوئی ہو گا یا نہ ہو گا۔ خاص طور پر سربراہان مملکت کا یہ فرض منجسی ہے کہ اپنے اپنے ملک میں عاجت مندوں کی خبر گیری کریں۔

صیۃ العین بنی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ بادشاہ یا حاکم حقیقت میں وہ ہے جس کی سلطنت میں کوئی شخص مجبور کا رخ نہ کرے۔ اور سلطنت اس طریق پر سر انجام دینے چاہیے کہ ہر شخص کو اس کی بنیادی ضروریات مہیا ہوں۔ بے شک اعلیٰ درجے کی ضروریات زنجی حاصل ہو سکیں۔ تو کم از کم ادنیٰ شعبے کی توہین چاہیے۔ ہر شخص کے کھانے پینے، پہننے اور رہنے کے لیے انتظام ہونا چاہیے۔ لہذا انہوں کا اجتماعی فریضہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روزی و ستمالی کریں۔ اور اس کا شکر یہ بھی ادا کریں۔

انوس کی بات یہ ہے کہ اس زمانے میں نیکی کا تصور ہی ختم ہو گیا ہے، جس کے پاس دولت آتی ہے وہ اسے اپنے ہوا کی سمجھتا ہے۔ نہ خدا کا حق نہ رسول کا حق اور نہ انیسیت کا حق کسی چیز کی پرہیز نہیں کرتا۔ مستحقین پر خرچ کرنے کی بجائے رسم و رواج پر خرچ ہوتا ہے۔ مشرکانہ افعال پر خرچ ہوتا ہے۔ بے حیائی اور فحاشی پر خرچ ہوتا ہے یہ ساری ناشکرازی کی

الہ

نبیۃ

دریبت پوش

(آیت ۶۱)

وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰى كُنْ فَعَصٰى عَلٰى اَمْرٍ رَّاجِدٍ فَادْعْ لَنَا ذَبٰثَ
مُخْرِجَ لَكَ مِمَّا قَتَلْتُمْ اَلْاَرْضُ مِنْ بَقَايَها وَقَتْلَہَا وَفَرَمَہَا
وَعَدَہَا وَبَصَلَمَہَا قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ
هُوَ خَیْرٌ اِصْبَحُوا مَصْرًا فَاِنَّ لَکُمْ مَآسَا لَشَوْا وَخُرِبَتْ
عَلَيْہِمْ الدَّلٰلَةُ وَالْمَسْکَنَةُ وَبَآءُ وَبَغَضَیْ مِنَ اللّٰهِ ذٰلِکَ
بِاَنَّهُمْ کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ بِآیٰتِ اللّٰهِ وَیَسْتَلُوْنَ الشَّجْنَ بِسُغْرِ الْحَقِّ
ذٰلِکَ بِمَا عَمَوْا وَکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾

ترجمہ: اور جب کہ تم نے اے موسیٰ! ہم پر گڑھ نہیں کریں گے ایک ہی قسم
کے کھانے پر پس پینے پر در و گار سے ہمارے لیے دعا کر دو ہمارے لیے وہ
چیز جس سے تم نے زمین اگاتی ہے۔ اپنی ترکاریوں سے اور اپنی کھجوروں سے
اور پینے کے گندے سے اور پینے کے سردے اور پینے کے پیاز سے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیا
تم بل میں بیٹے جو اس چیز کو جو ادنیٰ ہے اس سے جو بہتر ہے کسی شے میں
جاء۔ بے شک تمہارے لیے وہی کچھ ہو گا۔ جو تم نے مانگا۔ اور ان پر ذلت اور
مسکنت مسلط کی گئی۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا نواب نہ ہو گئے اس وجہ سے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ
کا آیاتوں کے ساتھ کفر کرتے تھے۔ اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ بات
اس وجہ سے ہوئی کہ انہوں نے نافرمانی کی۔ اور وہ مد سے گئے نکل جاتے تھے ﴿۶۱﴾

اللہ تعالیٰ کے بنی اسرائیل پر انعامات، ان کی سرکشی و نغور اور چہرائی پر اللہ تعالیٰ کے
قہر و غضب کا تذکرہ گذشتہ دو س سے چلا کر رہا ہے۔ فرعون کے مظالم، بنی اسرائیل کا سر سے
خروج، پھر چالیس سال تک صحرائے سینا میں سرگردانی، شام و فلسطین میں داخلہ، من و سحر اور
پانی کی فراہمی کے تمام واقعات تفصیلاً آپ کے میں۔ اب اس آیت میں جس واقعہ کی طرف

اشارہ ہے۔ دو بھی بنی اسرائیل کو صحرائے سینا میں ہی پیش آیا۔

دراصل مسلسل غلامی کی وجہ سے بنی اسرائیل کی اخلاقی قدریں بالکل ختم ہو چکی تھیں۔ ان میں طرح طرح کی کمزوریاں پیدا ہو چکی تھیں۔ اسی غلامی کے متعلق ڈاکٹر اقبال مرحوم نے کہا تھا: *غلامی میں بدل جاتا ہے۔ قوم کا ضمیر*

مقصود یہ کہ جب کوئی قوم کسی دوسری قوم کی غلام بن جاتی ہے۔ تو پھر نہ ان کا جسم اپنا ہوتا ہے۔ اور نہ ان کا ذہن اپنا ذہن ہوتا ہے۔ بلکہ یہ دونوں چیزیں غالب قوم کی تابع ہو جاتی ہیں۔ قرآن پاک میں بھی موجود ہے: *عَبْدًا أَفْعَلُ مَا لَا يَشَاءُ رُغْلًا شَيْءًا* غلام مملوک کسی چیز کا ملک نہیں ہوتا۔ اس کا ضمیر تک بدل جاتا ہے۔ اس کی رائے اپنی رائے نہیں رہتی۔ اس کے اخلاق کا جوازہ کل جاتا ہے۔ چونکہ بنی اسرائیل لمبے عرصے تک فرعون کے غلام رہ چکے تھے۔ لہذا مذکورہ ساری کمزوریاں ان میں پائی جاتی تھیں۔

بنی اسرائیل کو صحرائے سینا میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی، کہ وہاں رہ کر ان میں جفاکشی پیدا ہو۔ بھوک پیاس اور مشقت برداشت کرنے کی قوت پیدا ہو۔ اور غلامی کے دور کی کمزوریاں دور ہو جائیں۔ تاکہ یہ لوگ آئندہ زمانے میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔ کسی ملک کے وارث بن کر نظم و نسق چلانے کے اہل بن سکیں۔ پھر سنٹر مال ملک بہ لوگ غلامی کے اثرات میں گرفتار نہ رہیں۔ اپنے اصلی مقام سے غافل نہ رہیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے بار بار کہنے کے باوجود ذہنی غلامی کے خول سے باہر نہ نکل سکے۔

جب پرانی نسل ختم ہوئی تو نئی نسل نے کروٹ لی۔ خواب غفلت سے بیدار ہوئے۔ موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع علیہ السلام نبی ہوئے۔ قرآن کی قیادت میں بنی اسرائیل کی نئی نسل نے شام و فلسطین کو فتح کیا۔ *مَشَرَقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَ جَهَنَّمَ* مشرق اور مغرب کے سارے علاقے اللہ تعالیٰ نے ان کو دلا دیے۔

طحاوی کی تفسیر

ارشاد ہوتا ہے: *وَأَنذَرْتُكُمْ لَئِنْ لَّمْ تَنصِبُوا عَلَيَّ طَعَامًا وَأَجِدَ بَنِي إِسْرَءِيلَ أَسْوَاقًا كَرِيمًا*۔ جب تم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ جو ایک ہی قسم کے کھانے پر مہربان نہیں کر سکتے۔ صحرائے سینا میں بلا مشقت من و ملوکی کھلتے کھاتے بنی اسرائیل کے مزاج جو

کھلایا کہ اگر تم یہ چیزیں چاہتے ہو۔ اِهْبِطُوا مِصْرَ تو کسی شہر میں اتر جاؤ۔ وہاں جا کر کھیتی بانی کرو۔ بَلْ جَلَّوْا آپاٹنی کرو۔ اور اپنے لیے اپنی مرضی کی چیزیں کاشت کرو۔ فَإِنْ لَّكُم مِّنْ مَّا تَسْتَعْتِقُونَ پس جو کچھ تم چاہتے ہو ہمیں مل جائے گا۔ البتہ ذرا محنت و مشقت کرنی پڑے گی۔ بعض فرماتے ہیں کہ اَلْعَمَلُ فِي قِرَاءَةِ مِصْرَ میں اِهْبِطُوا مِصْرَ واپس مصر چلے جاؤ۔ وہاں جا کر احمی طرح کھیتی باڑی کرو جس طرح فرعون کرتے تھے۔ اور سبزیاں وغیرہ حاصل کرو۔ مگر دوسری قراءۃ یعنی مِصْرَ کی تہنوں کے ساتھ زیادہ دلچ ہے۔ یعنی کسی شہر یا قبیلے میں اتر جاؤ۔ اور کاشتکاری کرو۔ تم اپنی مطلوب چیزیں حاصل کرو گے۔ تم ایک مٹی چیر چھوڑ کر اس کے بدلے میں معمولی چیزیں چاہتے ہو۔ یہ چیزیں تمیں محنت و مشقت کے بعد حاصل ہوں گی۔

پیشہ نماز
فضیلت

حضرت ابوالہامہ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے کسی گھر میں لپکا پھل دیکھا تو فرمایا: یہ جہاں بھی ہو وہاں ذلت کا دور دورہ ہوتا ہے کاشتکاری بذات خود ایک مشقت طلب کام ہے۔ اس کے علاوہ دیر انداز آبیانہ وغیرہ بھی دلا کر پڑتا ہے۔ شہری تہذیب سے مومن انسان بہت سی اچھی چیزیں دل سے محروم رہتا ہے۔

کاشتکاری ایک اچھا پیشہ بھی شمار ہوتا ہے۔ اس کی تعریف بھی آئی ہے۔ اس پیشے کو فضیلت کے لحاظ سے تیسرے نمبر پر شمار کیا جاتا ہے۔ بہترین پیشہ جہاد ہے۔ اس کے ذیلے حاصل ہونے والا مال پاکیزہ ترین ہوتا ہے۔ دوسرے نمبر پر تجارت کا پیشہ ہے۔ رزق کا زیادہ تر حصہ اللہ تعالیٰ نے تجارت میں ہی رکھا ہے۔ اس کے بعد کاشتکاری کا کھیتی باڑی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی شخص کوئی فصل کاشت کرے۔ کوئی دال بوتا ہے یا پودا یا درخت لگا دے۔ اس کے پھل میں سے اگر کوئی جائزہ وغیرہ کھائے گا۔ تو بونے والے کو صدقہ کا ثواب ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے کاشتکاری کو فضیلت بخشی ہے۔ اس طرح فرمایا چوتھے نمبر پر صنعت و حرفت کا پیشہ ہے۔ دینی نقطہ نگاہ سے مختلف پیشوں کی یہ درجہ بندی ہے۔

یہودیوں کی
ذلت و برائی

بنی اسرائیل کے جتنے بھی واقعات ذکر کئے جہے ہیں۔ یہ مضر ہی نہیں کہ یہ اسی طریقے

ساتھ واقع ہوئے ہوں جس ترتیب کے ساتھ انہیں بیان کیا گیا ہے۔ بلکہ ان کا بیان محض عبرت اور تنبیہ کے لیے ہے۔ کہ فرع انسانی ان واقعات سے سبق حاصل کرے۔ اور برائیوں سے اجتناب کرے۔ ان کے ضمن میں یہودیوں کو بار بار خطاب کیا جا رہا ہے کہ دیکھ تمہارے آباؤ اجداد میں یہ یہ خرابیاں پائی جاتی تھیں۔ ان سے عبرت حاصل کرو۔ اور ایسی برائیوں سے باز آ جاؤ۔ انہی نافرمانیوں کی وجہ سے وَهُمْ يَتَّخِذُ الْآيَاتِ وَالْعِلْمَ كَذِبًا وَالْعَسْكَتُ پر ذلت اور محتاجی مسلط کر دی گئی۔ مسکنت مال کی کمی کو کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ذلت دروہائی کی لعنت ان پر اس وقت مسلط کی گئی جب وہ بحیثیت قوم عادی مجرم بن گئے۔

یہ عام مشہور بات ہے کہ یہودی دنیا میں امیر ترین قوم ہیں مگر یہ درست نہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہودیوں میں بھی مال و دولت پھولنے لگوں کے پاس ہوتی ہے۔ درندہ کشیت ان کی بھی محتاج ہی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اگر یہودی والدہ بھی ہوں تو پھر بھی ان کی حالت خستہ ہی ہوتی ہے۔ اور وہ اپنے آپ کو مسکین ہی ظاہر کرتے ہیں۔

حکومت سے محرومی بھی ذلت دروہائی کی نشانی ہے۔ یہ قوم دو تین ہزار سال تک حکومت سے محروم رہی۔ دنیا میں کسی جگہ ان کی سلطنت نہیں تھی۔ یہ لوگ اتنے لمبے عرصہ تک در بدر رہے۔ اُسے پھرتے رہے۔ ان کو کسی دوسری حکومت نے بھی بڑشت نہ کیا۔ جہنمی واسے ان کے دشمن۔ اہل واسے ان کے دشمن۔ یہ سازشی ذہن کے لوگ ہیں۔ انہیں کوئی بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔

آج اعتراض ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا دعوئے تھا کہ دنیا میں یہودیوں کو کبھی اقتدار نصیب نہیں ہوگا۔ ان کا کوئی ملک نہیں ہوگا۔ مگر ان کی سلطنت قائم ہو چکی ہے۔ معاذ اللہ قرآن پاک کا دعویٰ غلط ہو گیا ہے۔ ہرگز نہیں۔ چوتھے پاسے میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس قوم کو کبھی اقتدار نصیب نہیں ہوگا۔ مگر دو شرطوں کے ساتھ إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ یعنی یا تو اللہ تعالیٰ کی رسی کو پکڑ لینے سے یا پھر لوگوں کی رسی کو تھام لینے کی وجہ

سے۔ ہاں قریب قیامت میں دجال کے ظہور کے وقت اُن کو عروج حاصل ہو گا۔ تو اس وقت صورت حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رسی کے قریب قریب بھی نہیں جاتے۔ البتہ انسانوں نے لوگوں کی رسی کو پکڑ رکھا ہے۔ امریکہ، برطانیہ، فرانس وغیرہ کے دامن سے چمٹے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے ان کو وطن بھی حاصل ہو گیا ہے۔ اور باقی دنیا کو آنکھیں بھی دکھانے لگے ہیں۔ ان کی سلطنت کا قیام محض امریکہ کی بے ایمانی کا نتیجہ ہے۔ آج امریکہ اگر اپنا ہاتھ اٹھائے تو یہودی سلطنت دو دن بھی قائم نہیں رہ سکتی۔ الغرض! اگر آج یہودیوں کو کسی خط زمین پر عروج حاصل ہے تو وہ بھی قرآن پاک کے بیان کردہ اصول کے مطابق ہی ہے۔ ورنہ اس قوم کی حقیقت یہی ہے۔ وَبَاءُوا ذُرِّيَّتَهُمْ مِنَ اللَّهِ كَرَاهٍ وَهُوَ اللَّهُ تَعَالَى كَاغْرَابٍ بِئْسَ لَكُم مَّوَدُّعٌ۔

آیات النور
کا انکار

فَرَأَىٰ ذَٰلِكَ بَآئِهِمْ كَاذِبًا كَفَرُوا يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ ذِلَّةَ رُسُلِكَ
کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔ جب کوئی انسان نافرمانی کرنا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی ہے۔ امیس کا بھی یہی حال ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "إِنِّي أَسْأَلُكَ لَعْنَتِي إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ"۔ جاؤ تم پر قیامت تک میری لعنت برستی ہے گل اسی طرح کافروں کے متعلق فرمایا کہ جو کفر کی حالت میں مر گیا اُولَٰئِكَ عَلَيْهِمُ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْعَالَمِينَ وَالنَّاسُ أَجْمَعُونَ۔ ان پر اللہ تعالیٰ۔ اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت مسلط ہو گئی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ کے احکام کو ٹھکراتے تھے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ ذلت و رسوائی کے سوا اور کیا ہو گا۔

انبیاء علیہم السلام
کا قتل

بنی اسرائیل پر لعنت مسلط ہونے کی دوسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ وَكَفَرُوا بِآيَاتِنَا بِعَسْكَرِ الْخِزْيَانِ کہ وہ انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے۔ بنی اسرائیل کی تاریخ میں حساب ہے۔ کہ انہوں نے پرمیا بنی شیبانی، حضرت یحییٰ اور حضرت زکریا علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ کے دیگر سینکڑوں نبیوں کو قتل کیا۔ ایک دوسری روایت میں آتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے ایک دن میں خدا تعالیٰ کے تین سوا نبی علیہم السلام کو شہید کیا۔ جب اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں نے الیا کرنے

سے منع کیا اور انہیں طعن و ملامت کی قرآن کو بھی شدید کر دیا گیا۔ یہ تو ہم اس قسم کی عادی مجرم بن چکی تھی جس کی وجہ سے یہ مغضوب اور ملعون مٹھری۔

یہاں پر فَتَنِي بِالْخَنَازِيرِ پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ نبیوں کے ناحق قتل کا کیا مطلب ہے؟ جبکہ نبی کا قتل تر جیسا ہے ناحق ہی ہوگا۔ نبی کا قتل برحق تو ہو ہی نہیں سکتا۔ تو مفسرین کرم اسس اشکال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہاں پر ناحق کا لفظ اس لیے استعمال ہوا ہے کہ قاتل خود سمجھتے تھے کہ وہ غلط کام کر رہے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ سخت عذاب روز قیامت اس شخص کو ہوگا جس نے کسی نبی کو قتل کیا ہوگا یا جس کو کسی نبی نے قتل کیا ہوگا۔ دونوں قسم کے اشخاص سخت ترین سزا کے مستحق ہوں گے۔ امیر بن خلف کی مثال موجود ہے کہ حضور علیہ السلام نے خود اپنے نذر سے اس ملعون کو رہا تھا بشر کہ میں سے یہ بڑا خراٹہ قسم کا کا فر تھا؟

نازدیکی اور
سے بچاؤ

فخر بن اسحاق بن اسحاق بن اسحاق اور ان کی سزائیں بیان کر کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے نبی اسرائیل کو سمجھا جا رہا ہے کہ اب بھی سمجھ جاؤ۔ خدا کا آخری نبی آگیا ہے۔ اَمْشُوا بِمَا آتَيْنَاكُمْ جو کچھ میں نے نازل کیا ہے۔ اس پر ایمان لے آؤ۔ معافی کا دروازہ اب بھی کھلا ہے۔ اگر تم ٹھیک ہو جاؤ۔ اپنے اخلاق و اعمال درست کر لو۔ تو تم آج بھی عروج حاصل کر سکتے ہو مگر وہ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی کو تسلیم کرنے والے نہیں تھے۔ جس کا نتیجہ ہوا کہ ان پر ہمیشہ کے لیے لعنت مسلط کر دی گئی۔ انکار آیات اہل قتل انبیاء کے بعد تیسری وجہ یہ بیان فرمائی۔ ذَلَّتْ بِمَا عَصَوْا کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔ عصیان کا معنی اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ضائع کرنا ہے۔ وہ لوگ حقوق اللہ کی بالکل پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اس کے کسی حکم کی تعمیل کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے۔ نیز یہ کہ كَانُوا يَكْفُرُونَ وہ حد سے نکل جاتے تھے۔ تعدی کا معنی انسانوں کی جانوں اور مالوں کا تلف کرنا ہے۔ نبی اسرائیل کا ذوق ہی بدل چکا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ صحیح مومن کی پہچان یہ ہے کہ وہ نبی اور

لے از مسعود ص ۸۵، دارک ص ۵۲، مظہری ص ۱۶

لے منہ احمد ص ۴۰، ابن کثیر ص ۱۰۳، تفسیر عزیزی فارسی ص ۲۰۶

بدی میں تمیز کرتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔ **ذُئِرْتُمْ حَسْبُكُمْ وَكَأَنَّكُمْ** سَيِّئَاتُكُمْ جب تمہاری نیکی تمہیں یہی ملے گی۔ اور بُرائی سے نفرت ہو۔ تو کچھ لو کہ تم مومن ہو اور اگر کئی اور بدی میں تمیز پاتی نہیں رہی تو کچھ لو کہ تمہیں دو معافی بیماری لاحق ہو گئی ہے۔

اس کی مثال انسانی جسم کے ساتھ دوی ہو سکتی ہے۔ جب آدمی تندرست ہوتا ہے۔ تو اس کی زبان کا ذائقہ درست ہوتا ہے۔ اسے سمیٹی چیز بھی مل سکتی ہے۔ اور کڑوی چیز کڑوی لگتی ہے مگر جب جسم بیمار ہو جاتا ہے۔ تو اس کی زبان کا ذائقہ بھی بدل جاتا ہے۔ اسے سمیٹی چیز بھی کڑوی محسوس ہوتی ہے۔ مقصد یہ کہ اگر کوئی شخص اپنی اور بدی میں تمیز نہ کرے۔ تو وہ صحیح مومن ہے۔
ورنہ وہ بیمار ہے۔

بنی اسرائیل کے لوگ بیمار تھے۔ وہ تعدی کی بیماری میں مبتلا تھے۔ واللہ تعالیٰ کے حقوق کا پاس رکھتے تھے۔ اور زندوں کے حقوق کا خیال کرنے سے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے محسوس نمبروں کو قتل کیا جو خدا تعالیٰ کی رحمت اور انسانوں کے لیے نمونہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی کھلی خلاف ورزی، اس کے احکام کو حیلوں، بہانوں یا تاویلوں کے ذریعے ٹھکانا ان کا محبوب شغل تھا۔ ان کی بڑائیوں کی تفصیلات سورۃ بقرہ، سورۃ آل عمران، سورۃ نسا، اور مادہ وغیرہ میں آ رہی ہیں۔ ان کی بڑائیاں بیان کر کے مسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے۔ کہ کہیں تم بھی اسی قسم کی خرابیوں میں مبتلا نہ ہو جانا۔ **وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَتَلُوا سَيِّفَتْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ** تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے کہا کہ ہم نے سہ لیا۔ حالانکہ وہ انکار ہی کرتے رہے۔ اے مسلمانو! اگر تم بھی انہیں لوگوں کی مددش پر چلو گے تو تباہ ہو جاؤ گے۔ تمہاری صحت ایمانی بھی جاتی ہے گی۔ اور ذائقہ ایمانی بھی تبدیل ہو جائے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّالِحِينَ وَالصَّابِرِينَ مَنْ
آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ
رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

میں جمعہ یا جو لوگ مسلمان ہوئے اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے اور جو نصرانی ہوئے
اور صابی، چشتی بھی۔ میان لایا۔ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر
اور اچھے نام کیے۔ پس ان کے لیے ان کا اجر ہے۔ ان کے رب کے پاس امن پر
پھر خوف نہیں ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ﴿۶۲﴾

اس سے پہلے آیت میں بنی اسرائیل کی نافرمانیوں، فساد فی الارض، اس کے نتیجے میں ان
پر سزا دی جانے والی ذلت اور محنت کا ذکر تھا۔ آیت زیر درس کے بعد بنی اسرائیل کی ایک بڑی
غزائیوں کا ذکر ہوگا۔ اس درسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے وہ قانون بتا دیا ہے۔ جس کی پابندی
بقیہ کے اور جس پر عمل پیرا ہو کر انسان کو نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ قانون کسی خاص فرقے
یا گروہ کے لیے نجات مختص نہیں کرتا، بلکہ جو بھی شخص اس میں دیے گئے اصول کی پابندی کرے
گا۔ وہ نجات پا جائے گا۔ خواہ وہ کسی خاندان کی نسل یا کسی فرقے سے تعلق رکھتا ہو۔ یہ اصل
بنی اسرائیل کے نسبی تفاخر اور مذہبی فرقت کی تردید ہے۔ جس میں وہ مبتلا تھے۔ اور اسی نام
بزدلی کی وجہ سے اپنے آپ کو نجات یافتہ سمجھتے تھے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چار گروہوں یعنی عوامین، یہود، نصاریٰ اور صابین
کا ذکر فرمایا ہے۔ البتہ سورۃ حج میں پانچویں گروہ جو مسیحیوں کا ذکر بھی آیا ہے۔ نزول قرآن کے
وقت جو فرقے پائے جاتے تھے۔ ان میں مشرکین، یہود، نصاریٰ اور صابی ہیں۔ حضرت
مولانا شیخ الاسلامؒ اپنی تفسیر کے حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ یہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت

کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کو کہتے ہیں البتہ صابی ایک ایسا فرقہ ہے جس نے مختلف ادیان سے بعض ایسی چیزوں کو اختیار کر لیا ہے جنہیں وہ اچھا سمجھتے ہیں۔ اس فرقہ کے پیروکار حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے ہیں۔ فرشتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ ذلیلہ پڑھتے اور کبے کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ لوگ بہت سی جائز باتوں میں اختلاف بھی کرتے ہیں۔

ابراہیم

اس آیت میں جن مذاہب کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ ان میں سرفہرست اہل ایمان ہیں۔ ارشد ہوتا ہے۔ اِنَّ الْاٰمِنِيْنَ اَمْسُوْا بِكُمْ وَهَلْ يَكُنْ لَكُمْ اٰمِنٌ اِلَّا اللّٰهُ تَعَالٰی۔ ان میں منافقین بھی شامل ہیں۔ کیونکہ بظاہر تو وہ بھی کلمہ پڑھتے تھے۔ مسلمانوں کے ساتھ نمازیں بھی ادا کرتے تھے۔ نبی علیہ السلام کی مجلس میں بھی بیٹھتے تھے۔ اور پھر آپ کی اطاعت کا دعویٰ بھی کرتے تھے مگر حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ اَمْسُوْا کی فہرست میں داخل نہیں ہو سکتے۔ یہاں اَمْسُوْا سے مراد وہ اہل ایمان ہیں۔ جو صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسولوں پر اس کی کتابوں پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس خطاب کے مصداق ایسے ہی لوگ ہیں۔ محض زبانی حوالے ایمان سے نجات ممکن نہیں ہے۔

ہکادوا
ہامسوم

دوسرے گروہ فرمایا۔ وَالَّذِيْنَ هَكَدُوْا اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے۔ یہاں پر مطلقاً یہودی نہیں فرمایا، بلکہ فرمایا جو یہودی ہوئے۔ اس میں امتیاز یہ ہے۔ کہ یہود ایک نسل مذہب سے یہ تبلیغی مذہب نہیں ہے۔ یہودی وہ ہیں جو نسلی طور پر بنی اسرائیل ہیں۔ لہٰذا یہودی ہونے سے مراد وہ لوگ بھی ہیں جو اگرچہ نسلی طور پر یہودی نہیں ہیں مگر انہوں نے یہودی مذہب قبول کر لیا۔ نزول قرآن کے وقت مہینے کے گرد و لائن میں بنی علی وغیرہ ایسے قابل تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور یا اس سے بھی پہلے جب بڑے بڑے حوادث پیش آئے۔ تو یہ لوگ اپنے اس وطن سے ہجرت کر کے یہاں آباد ہو گئے تھے۔ یہاں پر ان کے قتلے اور آبادیاں تھیں یہ لوگ صاحب علم کلمات تھے۔ یہ لوگ اصل یہودی تھے۔ مگر بعض لوگ ایسے بھی تھے جو اصلاً عربی نسل تھے۔ مگر یہودیوں سے متاثر ہو کر اس مذہب میں داخل ہو گئے تھے۔ انہیں کے

تعلق کیا گیا ہے کہ جو یہودی ہوئے۔

یہودیوں کو یہودی کہنے کی درودجہات بیان کی جاتی ہیں مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ نام حضرت یعقوب علیہ السلام کے چوتھے بیٹے یودا کے نام پر ہے۔ اس نام کی درستی تو جیسے یہ بیان کی جاتی ہے کہ سورۃ اعراف میں آیت: ﴿وَنَا هَذَا نَارَ الْيَكْنَ هَادٍ هُوَ﴾ لاکھنی ہو تا ہے۔ رجوع کرنا۔ بزنی علیہ السلام کا دہانہ کھڑے ہے۔ جب بنی اسرائیل نے سخت گستاخی کی۔ اور کہا کہ ہم ہرگز اس کتاب کو نہیں مانیں گے۔ جب تک اللہ تعالیٰ خود ہم سے ہم کلام ہو کر اس کتاب کی تصدیق نہ کرے۔ تو موسیٰ علیہ السلام قوم کے شر آدمیوں کو ساتھ لے کر کوہ طور پر گئے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے ان کا مطالبہ پڑھ کر دیا مگر یہ پھر بھی ایمان نہ لائے۔ تو اللہ تعالیٰ کا قہر بجلی کی صورت میں نازل ہوا۔ اور وہ شر آدمی ہلک ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام سخت رنجیدہ خاطر ہوئے۔ کہ مولا کریم! میں قوم کو جاکر کیا بتاؤں گا۔ وہ کیسے گئے کہ ہمارے آدمی وہاں سے جا کر مروا بیٹے۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت عاجزی کے ساتھ دعا کی تھی۔ اور عرض کیا تھا: ﴿يَا هَذَا نَارَ الْيَكْنَ﴾ مولا کریم! ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا تھا۔ تو بعض فرماتے ہیں کہ یہودیوں کو یہود لقب اس ہَذَا کے ملنے سے دیا گیا تھا۔

اس وقت پر ہی دنیا میں یہودیوں کی تعداد دو کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ برخلاف اس کے نصاریٰ کم و بیش دو ارب کی تعداد میں ہیں۔ یہودی اپنے آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر کاربند کہتے ہیں۔ مگر ان میں ابتدائے زمانہ ہی میں بہت سی ضرایاں پیدا ہو گئیں۔ ان میں سرکشی کا مادہ وافر مقدار میں موجود تھا۔ بعد میں یہ عادی مجرم بن گئے۔ عیسایان ان کی شریعت میں داخل ہو گیا۔ اور یہ لوگ حقوق اعداء کو ضائع کرنے لگے۔ حتیٰ کہ انبیا علیہم السلام کو قتل کیا۔ یہ لوگ اپنے آبائے اجداد کے شمع افعال پر نام نہونے کی بجائے ان پر فخر کرتے تھے۔ کہ وہ بہت اچھا کام کرتے رہے ہیں۔ ان کے مذہب اعمال اور اخلاق میں بے شمار قبائح ہیں جو بکے تھے۔ اور آج تک موجود ہیں۔

تفسیر ابن کثیرؒ: ۱۔ تفسیر خازنؒ: ۲۔ تفسیر ابن کثیرؒ: ۳۔

یہودیوں کا ایک عقیدہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جسمانی صورت کے مستحق ہیں۔ اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کو جسمانیت سے متبرک سمجھتے ہیں۔ مگر کہتے ہیں کہ اس کا تعلق جسم کے ساتھ بھی ہے۔ اس جسم کو وہ مثالی اور نورانی مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی جسمانیت شعاع کی طرح ہے۔ جو پھیل جاتی ہے۔ اور سکڑ جاتی ہے۔ اسی لیے انہوں نے رویت الہی کا مطالبہ پیش کر دیا۔ لکن ﴿تَوَّصَّنَا لَكَ حَتَّىٰ نَنزِلَ إِلَيْكَ جَهَنَّمَ﴾ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کو ظہری طور پر نہ دیکھ لیں۔ اس کے علاوہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر گروہ، ہنسی، حزن اور عظم کا بھی اطلاق کرتے ہیں:

یہودی انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بھی بڑی بدگمانی رکھتے ہیں۔ بلکہ ان پر ستمیں لگاتے ہیں۔ قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام پر کیا کیا سببان باغیہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ستم لگائی۔ کہ آپ ہارون علیہ السلام سے حد کرتے تھے اس لیے آپ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو قتل کیا۔ (العیاذ باللہ) حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو حضرت ہارون علیہ السلام کے بارے میں سفارشی تھے کہ: ﴿وَأَشْرِكْ لَهُ فِي أُمْنِيٍّ﴾ (۳۳) کی: ﴿فَسَبَّحْتَ كَثِيرًا لِّسَانِي﴾ پروردگار! میرے بھائی کو میرے ساتھ تبلیغ میں شریک فرما۔ آپ نے یہی تو دعا کی تھی: ﴿هُوَ أَفْضَلُ مِنِّي لِسَانًا﴾ وہ مجھ سے زبان میں زیادہ فاضل ہے۔ اے اللہ میری زبان میں نکت ہے: ﴿وَذَا يُصَدِّقُنِي﴾ اے میرا معاون بنائے جو میری تصدیق کرے۔ کہیں فرمایا اے میرا وزیر بنائے۔ ہم مل کر تیرے دین کی تبلیغ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَتَبَيَّنَتْ سُنُوفُكَ يَعْصُونَكَ﴾ اے موسیٰ تیرا سوال پورا کر دیا گیا ہے۔ اصل بات تو یہ ہے مگر یہ بد بخت یہودی کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو قتل کر دیا تھا۔

یہودیوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبی نہیں مانتے بلکہ ولی مانتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ نبی تو محض اچھی ہوتا ہے۔ مگر ولی نبی سے زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ اس میں تقرب الی اللہ کا وہ زیادہ مقدار میں پایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ عقیدہ بالکل باطل ہے۔

نامرہ تھا۔ چنانچہ اس سب کی نسبت سے اس گروہ کو نصرانی کے لقب سے لقب کیا گیا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح دین کی نسبت کر کے منیٰ کہ جاتا ہے۔ یا کسی کو سنی یا شامی وغیرہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

نصاری کے
عقائد باطلہ

نصاری بھی عجیب و غریب عقائد رکھتے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان کا عقیدہ بالکل جڑا چکا ہے۔ آج کل کے کسی پولس نامی ایک شخص کے جھاڑے ہوئے ہیں۔ یہ شخص مسیحیت کا مبلغ تھا۔ اس نے دین سنی کا بالکل حلیرہ بگاڑ دیا۔ پولس نے بھی عیسائیت کو اس طرح خراب کیا جس طرح عمر بن لُحی نے دین ابراہیم کو بگاڑ دیا تھا۔ عرب اقوام تقریباً دو ہزار سال تک حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے مذہب پر قائم رہے۔ اتنے عرصہ تک یہ توحید پرست رہے مگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تقریباً ساڑھے چار سو سال قبل اس شخص نے عربوں میں بت پرستی کا طریقہ ایجاد کیا۔ نتیجہ ہوا کہ نزول قرآن کے وقت سارا عرب شرک میں غرق ہو چکا تھا۔ حتیٰ کہ فاذکبر کے اندر تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔

پولس نے مسیحیت کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بندہ اور رسول بننے والے لوگ آج سے آج سے ختم ہو گئے۔ اور ٹیلیٹ کا سکہ ان میں روانہ پا گیا۔ آگے سورۃ فائدہ میں آکر ہے کہ انہوں نے "إِنَّ اللَّهَ تَالَتْ ثَلَاثَةً" کا عقیدہ بنالیا اور اس طرح گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔ اُس وقت انہوں نے چار گروہ بنائے۔ مگر اس وقت کے کچھ لوگ اور بدعتیہ دونوں گروہ شرک میں۔ دونوں میں سے کوئی بھی توحید پر قائم نہیں رہا۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا یا مسر خدا یا ابن اللہ کہا۔ انہوں نے یہ عقیدہ بھی قائم کر لیا کہ خدا عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کر گیا ہے۔ یہودیوں نے بھی یہی کہا تھا کہ خدا کچھڑے میں حلول کر گیا ہے۔ اس طرح کا باطل عقیدہ عیسائیوں نے وضع کر لیا۔

سید علی ہجویری صاحب کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ صوفیائے کرام کے بارہ فریقے ہیں۔ ان میں سے دو فریقے سرود میں۔ اور باقی دس فریقے مقبول ہیں۔ دو مروجہ فریقے بنی حلول

و اے فتنے ہیں۔ محدث الوجود کا عقیدہ بھی انہی لوگوں کا ہے۔ جو کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ
بنہ سے کے اندر داخل ہو گیا ہے (العیاذ باللہ) تو بہ بنال یہ لوگ بھی اس قسم کی بدعتیہ گئی کا
برپے ہیں وَالصَّابِغِينَ اور صابی۔

مضمرین کرام فرماتے ہیں کہ صابی کا عام فہم حنی ہے دن ہے یعنی اگر کوئی شخص ایک
دین چھوڑ کر دوسرے دین میں داخل ہو جائے تو اسے صابی کہتے ہیں۔ اسی بنا پر عرب کے مشرکین
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صابی کہتے تھے۔ یعنی انہوں نے پانا دین چھوڑ کر نیا دین اختیار کر لیا ہے
نامہ جس مقام پر جس صابی فرقہ کا تذکرہ ہے مضمرین نے اس کی بہت سی تفصیلات بیان کی
ہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اس فرقہ کے پیروکاروں کا عقیدہ ہے کہ
نیک نیتی اور سعادت حاصل کرنے کے لیے انسان کسی نبی کا اتباع نہیں ہے۔ بلکہ اگر وہ
روحانیت اور فرشتوں کے ساتھ رابطہ قائم کرے تو اس کے لیے یہی کافی ہے۔ انہیں سے
انسان فیض حاصل کر سکتا ہے۔ یہ لوگ مختلف قسم کے سیکل بنائے ہیں۔ مثلاً آفتاب، باباب
ساروں اور ملائکہ کے نام کے سیکل بنائے جاتے ہیں جس طرح ہم لوگ قبل کی طرف منکر کے سجدہ کرتے
ہیں۔ یہ لوگ ساروں کو سجدہ دیتے ہیں۔ اور انہیں قبل تصور کرتے ہیں۔

اس فرقہ کے تعلق یہ بھی محل ہے کہ یہ تین نمازیں پڑھتے تھے۔ اس زمانہ میں صابیوں کے
جانشین پروردی اور چلوئی ہیں۔ پچوٹوئی بھی تین نمازوں کے قائل ہیں۔ ان کے بعض لوگ دو نمازیں
پڑھتے ہیں اور بعض صرف ایک۔ یہ سب گمراہ فرقے ہیں اسی طرح پروردہ کا عقیدہ یہ ہے کہ موجودہ
نماز کی کوئی حقیقت نہیں۔ صحیح نماز وہ ہوگی جو حکومت معز کرے گی۔

صابیوں کی اور بھی بہت سی تفصیلات ملتی ہیں مثلاً ان کا عقیدہ ہے کہ مرنے کو کوئی شخص
باتھ لگائے۔ تو اس کے لیے غسل ضروری ہو جاتا ہے یہ لوگ گھر سے اور کٹے کے گوشت کو تو
نہیں کھاتے مگر اس کے ساتھ ساتھ اونٹ اور بچہ دار جانور کے گوشت کو بھی پیوریوں کی طرح
حرام سمجھتے ہیں۔ یہ پیاز اور باقلی کو بھی حرام سمجھتے ہیں۔ دہاوی، یا، پھل یعنی سانپ کی مانند پھل
بھی ان کے ہاں حرام ہے۔ یہ لوگ شراب کو حلال اور جائز سمجھتے ہیں۔ مگر نئے کو حرام گردانتے

ہیں۔ طلاق کے متعلق ان کا شرعی مسئلہ یہ ہے کہ عالم وقت کی اجازت کے بغیر طلاق واقع نہیں ہوتی۔ ان کے ہاں ایک سے زیادہ نکاح بھی جائز نہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک وقت میں صرف ایک عورت سے ہی نکاح ہو سکتا ہے۔

شاہ عبدالعزیز دہلوی نے صابیوں کے مختلف بیسکوں کی شکل و صورت کا بھی تذکرہ کیا ہے مثلاً وہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ملت اولیٰ (FIRST CRUCE) یعنی تخلیق پر بھی بیسکل بندتے ہیں۔ عقل کا بیسکل الگ ہوتا ہے۔ سیاست کا الگ۔ اسی طرح صورت کا بیسکل بندتے ہیں۔ اور پھر نفس کا بیسکل گول شکل کا بناتے ہیں۔ زحل سیارے کا بیسکل مدس شکل کا ہوتا ہے۔ اور مشتری کا بیسکل مثلث شکل کا۔ آفتاب کا بیسکل مربع شکل کا ہوتا ہے۔ اور مریخ کا بیسکل مٹھن یعنی آٹھ پہلو کا ہوتا ہے۔ یہ لوگ قیامت کا باسکل انکار کرتے ہیں۔ اس کی بجائے ان کا عقیدہ یہ ہے کہ چھتیس ہزار چار سو پچیس سال کا ایک دور ہوتا ہے۔ جب ایک دور ختم ہو جاتا ہے۔ تو پھر ہر ذی روح کا ایک ایک جڑا پیدا ہوتا ہے مثلاً انسان، چرند، پتہ، کیڑے مکوڑے وغیرہ ہر ایک کا ایک جڑا پیدا ہوتا ہے جس سے آئندہ نسل ملتی ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ موجودہ دور جب تک موجود ہے یہ سلسلہ اسی طرح چلتا ہے گا۔ اس کے بعد یہ ناسخ کی شکل میں تبدیل ہو جائے گا۔ اور پھر دوسرا دور شروع ہو جائے گا۔ علیٰ ذہا العیاس۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں کلدانیوں کی ایک بہت بڑی تہذیب گندی ہے اس کا مرکز بابل شہر تھا۔ جو کہ ہم ویشس ایک سویل کے رقبے میں پھیلا ہوا تھا۔ یہ شہر بعد ازاں سے قریباً ستر یا سو میل دور تھا۔ اس سے پہلے آشوریوں کی تہذیب کا دور دورہ تھا۔ وہ ختم ہوئی ہو تو کلدانی تہذیب کو عروج و صل ہوا۔ انہیں کے مقابلے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھیجا تھا۔ آپ وہاں تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے ہوئے مگر مجبور ہو کر وہاں سے ہجرت کی اور شام و فلسطین کو مرکز بنایا۔ پھر خانہ کعبہ کی تعمیر کے لیے مکہ مکرمہ آئے۔ تو صابیوں کی طرح یہ کلدانی بھی ستاروں اور روحانیت کے قائل تھے۔ اور ان کو قبلہ بنا کر ان کی طرف سجدہ کرتے تھے

منیفی بقدر صابی

حضرت مولانا عبد اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ دنیا میں دو قسم کے مذاہب ہیں۔ ایک حنفی اور دوسرا صابی۔ حضرت فوج علیہ السلام سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تک صابی دور تھا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد دور حنیفیت شروع ہو چکا ہے اب حنیفیت کی آگے تین شاخیں ہیں۔ یعنی مسلمان، یہود اور نصاریٰ۔ ان میں سے صرف مسلمان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین (حق) پر قائم ہیں۔ باقی دونوں گروہ اصل دین سے ہٹ چکے ہیں۔

دور ابراہیمی سے پہلے جو صابی گروہ تھا۔ وہ اب بھی موجود ہے آگے اس کی بھی تین شاخیں ہیں۔ یعنی مجوس، برہمن اور بدھ۔ مجوسیوں کو زیادہ تر خروج ایران میں ہوا۔ وہاں ان کی نیکو حقیقت مسلم ہے۔ تاریخ کی ایک مشہور کتاب ایران مجسمہ ساسانیوں میں موجود ہے۔ کہ مجوس کی بھی دو قومیں ہیں ایک کا نام ایرج ہے۔ اور دوسری کا طور۔ قدیم زمانے میں ایران کے بادشاہ فریدون کے دو بیٹے ایرج اور طور تھے۔ انہیں کے نام پر مجوس کی دو شاخیں پھیل گئیں۔ مجوسی بھی دراصل ایک نیکو تھے مگر ہندوؤں کی طرح انہوں نے بھی مذہب کو بگاڑ دیا۔

حضرت علیؓ کی روایت میں آتا ہے کہ مجوسیوں کے کسی بادشاہ نے اپنی بہن کے ساتھ زنا کیا۔ اور پھر اسے جائز قرار دینے کے لیے وقت کے علماء کو ساتھ لایا۔ خود غرض شخصیتوں اور عالموں نے بادشاہ کے حق میں فتویٰ دے دیا کہ ایسا کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ کیونکہ آدم علیہ السلام کی شریعت میں بھی تو بہن کے ساتھ نکاح جائز تھا۔ گویا مجوسیت میں اس قسم کی بے حیائی بھی روا تھی حتیٰ کہ ان کے ساتھ علیؓ بھی جائز سمجھتے ہیں۔ مجوسیوں کی دوسری شاخ برہمن ہے۔ جو ہندوؤں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور تیسرے بدھ ہیں۔ جو چین اور جاپان میں آباد ہیں۔ یہ سب کی سب صابی امتیں ہیں۔

ان چار گروہوں یعنی اہل ایمان، یہود، نصاریٰ اور صابی کا تذکرہ کر کے اب وہ اصول ایمان بادشہ بتائے جا رہے ہیں۔ جن پر عمل پیرا ہو کر نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ تو فرمایا ان چاروں گروہوں میں سے مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَشَخْصِہِی الْاِشْرَہِی عَلٰیہِی الْاِیْمَانُ لَیَا۔ یعنی کوئی شخص کسی بھی گروہ سے تعلق رکھتا ہو۔ کتنا بڑا کافر اور مجرم ہو۔ بدترین قسم کا غلام ہو۔ اگر اس نے صدقِ دل سے توبہ کر لی۔ اور

اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لے آیا۔ تو اس کی قبر قبول ہو جائے گی۔ اور وہ نجات حاصل کر لے گا۔
 ایمان میں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانا کافی نہیں۔ بلکہ اس کی صفات، اس کی تقدیر
 و حدائیت، اس کے انبیاء علیہم السلام اور اس کے فرشتوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ اس کے
 بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ
 خدا ہی نہیں بھیتا یا حکم جاری نہیں کرتا، تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص اگر بغیر قبر کے مر گیا، تو وہ
 جہنمی ہے۔ نبی بھیجا، حکم جاری کرنا، شریعت دینا یہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے۔
 اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کا انکار بھی دوسرے معنوں میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار ہے۔ فرشتے
 اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیض پہنچانے والی مخلوق ہے۔ یہ لطیف اجسام والی نورانی، پاک اور منزہ
 مخلوق ہے۔ ان پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔

ایمان بالآخرۃ

فرمایا ایمان حاصل کرنے کا دوسرا قانون ایمان بالآخرۃ ہے۔ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
 یہ دہی دن ہے جو اس جہان کا آخری دن (LAST DAY OF THIS WORLD) ہو گا۔ پچاس سال
 کے اس دن میں تمام انسانوں کا حساب کتاب ہو گا۔ اور اس کے بعد دوسرا دور شروع
 ہو جائے گا۔ گویا قیامت کے دن کو ماننا بھی آنا بھی لازم ہے۔ جتنا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، جو
 شخص روز جزا کا انکار کرے گا۔ وہ بھی کفر میں داخل ہو جائے گا۔

اعمال مرد

ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کے بعد تیسرا قانون وَعَمَلِ صَالِحٍ ہے۔ یعنی نجات
 کا حق دار وہ شخص ہو گا جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ اعمال
 صالحہ بھی انجام دیتا ہو۔ مجد والعت ثانی شیخ احمد سرہندی فرماتے ہیں کہ بنیادی طور پر اعمال صالحہ نماز،
 روزہ، زکوٰۃ اور حج ہیں۔ خدائے کریم اللہ جہاد کو بھی بنیادی اعمال میں شمار کرتے ہیں۔ تو جو لوگ ایمان
 اور ایمان بالآخرت کے ساتھ ان بنیادی اعمال کو بھی انجام دیں گے۔ ان کے متعلق فرمایا فَكُنْ
 مِنْهُمْ وَعِنْدَ رَبِّهِمْ اَنْ كُرَانِ كَے رب کے پاس بدلے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہو گا وَلَا يَخْشَوْنَ
 عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ان پر مستقبل میں کوئی خوف نہیں ہو گا۔ اور نہ وہ سابعہ اعمال

پڑھیں ہوں گے، جیسا کہ روایات میں آیا ہے، کہ قیامت کے دن سب لوگ خوفزدہ ہوں گے۔ مگر یہ طبعی اور عارضی ہو گا۔ بلاخود ہر قسم کے خوف سے بچ جائیں گے۔ بعض اوقات دنیا میں بھی بعض نیک لوگوں کو مصائب برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ اور وہ طلال و عزن سے بوجہ ہوتے ہیں مگر یہ عارضی چیز ہے۔ نتیجے کے اعتبار سے ایسے لوگوں کو خوف نہیں ہو گا۔ حتیٰ کہ حضور اے دن کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ بڑے دن کی گھبراہٹ بھی انہیں خوفزدہ نہیں کرے گی۔ اللہ ان کے دل کو سکون کی دولت سے مالا مال کرے گا۔ وَتَلْقَاهُمْ أَلْفًا كَذًا فرشتے ملاقات کریں گے تو انہیں تسلی دیں گے، کہ گھبراہٹ اب تمہارے لیے امن ہی امن ہے، اور آئندہ بھی کوئی خوف نہیں ہو گا۔ کہ ہم سے کسی وقت کوئی نعمت چھین جائے گی، یا کوئی تکلیف پہنچے گی، وہ لوگ دنیا میں انجام دیے گئے اپنے کسی عمل پر بھی غمگین نہیں ہوں گے۔

الفرغ! اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نجات کا یہ قانون سمجھا دیا کہ نجات کسی خاص فرقہ یا گروہ کے لیے مختص نہیں ہے، ایمان کا دعویٰ رہو یا یہودیت کا، کوئی عیسائی مذہب رکھتا ہو یا صابی، نجات کے لیے واحد قانون یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے۔ آخرت کے دن پر ایمان لائے اللہ تعالیٰ کے پیروں کتابوں اور فرشتوں پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ انجام دیے۔ اس کے بغیر نجات نہیں ہے، ہر گروہ اپنے ہی فرقے کو افضل اور حق پر سمجھتا ہے مگر نجات کا دار و مدار اسی قانون پر ہے، جو اللہ تعالیٰ نے بتلادیا، آگے قانون کی مزید تشریح کر رہی ہے۔

آلۃ
درست و درست

السقۃ
(آیت ۶۳ تا ۶۴)

وَإِذَا أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ
بِقُوَّةٍ وَادْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ تِلْكَ آيَاتُ الْقُرْآنِ
الَّتِي نُنَزِّلُ بِالْقُدْرَةِ الْعَظِيمَةِ وَرَحْمَتِهِ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٦٤﴾

ترجمہ: یہ اور اس واقعہ کو یاد کرو جب ہم نے تم سے پختہ عہد کیا۔ اور ہم نے تمہارے
اوپر طور کو بلند کیا۔ جو کچھ ہم نے دیا ہے اسے مضبوطی سے پکڑ لو۔ اور یاد کرو جو کچھ اس میں
ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ ﴿۶۳﴾ پھر تم اس کے بعد پھر گئے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور
اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم نقصان اٹھانے والوں میں ہو جاتے ﴿۶۴﴾

ان آیات میں بھی بنی اسرائیل کی خرابیوں کا ہی ذکر ہے۔ اس سے پہلے آیت میں قانون
نجات کی تفصیل بیان کی گئی تھی کہ نجات کسی خاص فرقہ کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کا
دروہ ایمان باللہ، ایمان بالآخرۃ اور اعمال صالحہ سب ہے۔ آیات ذیل دس میں بنی اسرائیل کی توجہ
اس واقعہ کی طرف دلائی جاتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ جو کتاب میں
تمہیں شے دے گا وہ اس کے احکام کی پابندی کر دے گا۔ مگر وہ کئے گئے کہ یہ احکام تو بڑے مشکل
ہیں ہم سے عمل نہیں ہو سکے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ڈرانے کے لیے ان کے سروں پر کوہ طہ
کو کھرا کر دیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَإِذَا أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ
ہم نے تم سے پختہ عہد کیا۔

مصرین کو رام فرماتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات حاصل ہو گئی۔ فرعون اور
اس کے تمام لشکر ہلاک ہو گئے۔ تو بنی اسرائیل نے خود ہی موسیٰ علیہ السلام سے فرمائش کی کہ جاسے
یہ کوئی شریعت مقرر کر دے جس کی ہم پابندی کریں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ان کو

بنی اسرائیل
کا عہد

قزات عطا فرمائی، مگر وہ طرح عمر کے بیٹے بہانوں سے اس کے احکام کو ماننے کی کوشش کرنے لگے۔ اور انہوں نے قزات کے منزل من اللہ ہونے پر شک و شبہ کا اظہار کیا۔ اور اعتراض یہ کیا کہ ہم اس کتاب پر ایمان لے کر آئے ہیں، جب تک خود اللہ تعالیٰ اس کی تصدیق نہ کرے۔ مگر یہ اس کی عطا کردہ کتاب ہے، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام ستر آدمیوں کو لے کر کوہ طور پر گئے۔ ان لوگوں نے اپنے کانوں سے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا، مگر اس کے باوجود گتہ شی کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا دی، بجلی آئی اور سب کو خاکستر کر گئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے پھر انہیں زندہ کی عطا کی۔

مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود طور سے واپس آنے والے لوگوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہم سے جکلام ہوا ہے، اور اس نے کہا ہے کہ یہ کتاب میں نے ہی دی ہے، مگر اس کے تمام احکام پر عمل کرنا ضروری نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ جس قدر ممکن ہو اس پر عمل کرنا اور باقی کو چھوڑ دینا، چنانچہ انہوں نے خود ہی فصل کر لیا۔ کہ قرآن کے جملہ احکام تو بہت مشکل ہیں، لہذا ہمیں ساری قرآن پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور انہوں نے صریح حکام کی خلاف ورزی شروع کر دی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے اس کتاب پر عمل کرنے کا پختہ عہد کر لیا تھا، چنانچہ اسی کو فرمایا گیا ہے۔ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ فرمایا وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمْ الطُّورَ اور ہم نے تمہارے اوپر طور کو بلند کیا جیسا کہ ارتفاع طہ

الفاظ سے ظاہر ہے، مطلب واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طور پار کو اٹھا کر ان کے سروں پر سائے کی طرح کھڑا کر دیا تھا، اتنی خوفناک صورت حال تھی کہ پار کسی وقت بھی اُن پر گر کر اُن کو چمکنا چور کر سکتا تھا۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے پوچھا کہ تم قزات کے احکام پر عمل کرو گے یا نہیں، تو انہوں نے عہد کیا کہ مولا کریم! ہم سے یہ مصیبت ہال مے۔ ہم دہرہ کرتے ہیں کہ تیرے احکام پر عمل پیرا ہوں گے۔

معبرات کے بعض منکرین رَفَعْنَا کی مختلف تاویلیں کرتے ہیں۔ دو کہتے ہیں۔

کسی غیر مسلم کو اسلام میں داخل کرنے کے لیے قطعاً جبر و آمینیں۔ البتہ فی الجملہ اسلام میں جبر ہے۔ جو قانون طحیٰ کامر تکب ہو گا۔ اس پر جبر بھی ہو گا۔ بنی اسرائیل پر یہاں معلق کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ جو عہد کیا تھا اس کی پابندی کرو۔ ورنہ یہ یہاں تمہارے لوگ ڈرا دیا جائے گا۔
تورہ میں تو یہ الفاظ آتے ہیں کہ اگر تم نے عہد کی پابندی نہ کی تو تمہارا مرن میں سے ہو گا۔

اگر قانون کی پابندی کے لیے جبر کو جبر فی الدین سمجھنا چاہئے۔ تو سارا معاملہ ہی دہم برہم ہو جائے گا۔ حدود اور تعزیرات کا سلسلہ بند کرنا پڑے گا جب کسی ملزم کو سزا دی جائے گی۔ تودہ جبر جبر کی دہائی میں لگے گا کہ اس پر زیادتی ہو رہی ہے۔ اسے جبر کو ٹھٹھکے جلیبے میں یا اسے جبر قید میں ڈالا جا رہا ہے۔ حالانکہ یہ اس پر جبر نہیں ہو گا۔ بلکہ قانون کی خلاف ورزی پر تعزیر ہوگی۔ الغرض اسلام میں داخل کرنے کے لیے کسی پر جبر نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ قانون کی پابندی کرانے کے لیے جبر سزا دی جاسکتی ہے۔

مسلمانوں کے انحطاط کے زمانہ میں سلطان سلیم ترک نے مسیحیوں کی سازشوں سے تنگ آکر حکم دے دیا کہ ترکی کی عسکری میں تمام مسیحیوں کو جبراً مسلمان بنایا جائے۔ اس زمانے کے شیخ الاسلام کو اس حکم کی خبر ملی۔ تو فوراً سلطان کے پاس پہنچے اور اس سے اس حکم کے متعلق دریافت کیا۔ سلطان نے تسلیم کیا کہ اس نے مسیحیوں کی سازشوں سے تنگ آکر یہ حکم صادر کیا ہے۔ تو شیخ الاسلام نے درازک الفاظ میں سلطان سے کہا کہ آپ کو یہ حکم اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ کہ دین میں جبر نہیں ہے۔ بخیر آپ غیر مسلموں پر جبر کر سکتے ہیں کہ وہ اسلام میں داخل ہوں۔ سلطان بات کو سمجھ گیا اور اپنا حکم واپس لے لیا یہ تاریخی واقعہ ساری دنیا کو معلوم ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ اور انہوں نے اس کی پابندی کا اقرار کیا تو استسکان لکھا۔
لہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا سَائِرَ النَّاسِ ۚ هُوَ الَّذِي يَرْفَعُ الصَّوْتَ لِلْعَالَمِينَ ۚ
پھر سورہ استسکان کا مکتب کا مطلب یہ ہے کہ اسے تسلیم کرو۔ اس پر ایمان لؤ۔ اور پھر اسی کے مطابق عمل کرو۔ مضبوطی کرام فرماتے ہیں کہ پوری کوشش اور جانفشانی کے ساتھ اس کا

پڑھنا پڑھنا، لیکن سچا۔ اس میں مندرج قوانین کی پابندی کرنا انسان کی ترقی اور حظیرۃ القدس کا مجرب بننے اور علیین تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے۔ غرض کتاب کو مغھلی سے پکڑنے کا مطلب مضبوط ہاتھوں سے پکڑنا نہیں۔ بلکہ اس کے قوانین پر سختی کے ساتھ عمل کرنا ہے۔ محض خالی جواں وعدوں سے کام نہیں بنے گا۔

قوانین کی پابندی

استمساک بالکتاب کے بعد دوسرے نمبر پر فرمایا وَأَذْكُرُوا مَعِيَ اور جو کچھ اس میں ہے اُسے یاد کرو۔ یعنی اس کو پڑھتے پڑھاتے۔ یہ قرآن پاک قانون خداوندی ہے۔ سنت رسول اس کی شرح ہے۔ مگر آج کتنے لوگ ہیں۔ جو قرآن و سنت سے فیض ہوسے ہیں۔ اس آیت میں بنی اسرائیل کو خطاب کر کے بات ہمیں سمجائی جا رہی ہے۔ کہ جو کچھ قرآن پاک میں قانون نازل ہوا ہے۔ اُسے یاد کرو۔ اس کو خود پڑھو اور دوسروں کو پڑھاؤ۔ اس کی تشریح کرو۔ تاکہ قانون کی تفصیلات عوام الناس تک پہنچ سکیں۔ جس طرح ایک عام دنیوی حکومت کے قانون کی تفسیر ضروری سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے قانون قرآن پاک کو عام کرنا بھی ہمارے فرائض میں داخل ہے۔

شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ حاکم وقت کو اپنی رعایا پر اس طرح مہربان ہونا چاہیئے۔ جیسے کوئی باپ اپنی اولاد پر ہوتا ہے۔ ایک باپ کی یہ انتہائی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کی اچھی تربیت کرے۔ ہر شریف النفس باپ ایسا ہی چاہے گا۔ بلکہ باپ تو رہنمائی کرے گا۔ کہ اس کا بیٹا اس سے زیادہ ترقی کرے۔ اسی طرح حاکم کو بھی اپنی رعایا کی تربیت اور ادب و اطاعت کرنی چاہیئے۔ اور اپنے قانون کی خوب تشریح کرنی چاہیئے۔ تاکہ رعایا کا کوئی فرد اس سے ناواقف نہ رہے۔ اور قانون پر عمل پیرا ہو جائے۔ اب اگر حاکم خود اپنے قانون کی پابندی کرے گا۔ تو رعایا بھی اس پر کاربند ہوگی۔ اور اگر وہ خود پابندی نہیں کرتا تو وہ دوسروں سے کیسے پابندی کروائے گا۔ جو شخص خود فاسق و فاجر ہو رہا ہے وہ دوسروں کو نیکی اور بھلائی کا کیا درس دے گا۔ جو خود جوار کھیتا ہے۔ وہ دوسرے جواروں کو کیسے سزا دے گا۔ شرابی حاکم شہریوں سے کیسے

جس کو امتیاز کرنے سے شریعت کے احکام کی تعمیل انسان کے لیے آسان ہو جاتی ہے۔ اسی لیے قرآن پاک کو هُدًی لِّلْمُتَّقِینَ کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے۔

محمد رسول کی عہد شکنی

فرمایا ہے بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ سے پختہ عہد کرنے کے بعد ذُحْرٌ ذُوکُنُسُ میں بَعْدَ ذَٰلِكَ تم اس کے بعد اس عہد سے پھر گئے۔ اسے پورا نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر بھی تم پر مہربانی کی اور تمہیں موقع دینا دیا کہ تم اپنے عہد کی پاسداری کر سؤ۔ حتیٰ کہ یہ آخری موقع بھی دیا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن پاک بھی نازل ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا آخری نبی علیہ السلام بھی آچکا ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ ایفائے عہد کرتے ہوئے وَابْتَغُوا بِنَاءَ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ اس چیز پر ایمان لے آؤ جو میں نے نازل کی ہے یعنی قرآن پاک جو کہ اس چیز کی تصدیق کرتا ہے۔ جو پیٹے سے تمہارے پاس ہے۔ یعنی تِوَارَہ اور دیگر کتب سماویہ۔ لہذا اب بھی موقع ہے کہ ایمان لے آؤ وَلَا تَكْفُرُوا اَوْ لَیْ کُفْرٌ بِہٖ اور اس کے ساتھ اولین کفر کرنے والے نہ بنو اگر ایسا کرو گے تو آنے والی لعین بھی تمہارے ہی نقش قدم پر چل کر رہو رست سے ہٹ چکی۔ یہی گی۔

فرمایا اس کے باوجود فَلَا تَكْفُرُوْا فَلَیْ کُفْرٌ لِّلَّذِیْنَ عٰبَدُوْکُمْ وَاِنْ رَّحِمْتُہُمْ اِذَا رَکِبْتُمْ اِلَیْہِمْ کا فضل اور اس کی رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی لَکُنْتُ لِمَنِ الْخَسِرَۃُ رقم نقصان اٹھانے والوں میں ہوتے۔ فوراً ہلاک ہو جاتے اور تمہیں دوبارہ موقع بھی نہ ملتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ وہ تمہیں بار بار موقع دے رہا ہے۔ کہ اب بھی سمجھ جاؤ اور راستہ پر آ جاؤ۔ ورنہ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری کوتاہیوں اور غلطیوں کی طرف دیکھے تو فوراً ہلاک کر دے اور تو بہ کا موقع بھی نہ مل سکے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدُوا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿٦٥﴾ جَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٦٦﴾

تو سچتہ رہا : اور البتہ یقین تم جانتے ہو۔ ان لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے سب کے دن رات کی نفی پس ہم نے ان کو کوا کر ڈیل بندہ بنی جاؤ ﴿۶۵﴾ اور بنا دیا ہم نے ان کی لوگوں کو عبرت ان کے لیے جو اس وقت موجود تھے۔ اور جو پیچھے آنے والے تھے۔ اور متقیوں کے لیے نصیحت بنا دیا ﴿۶۶﴾

یہود کا مقدس دن سبوت

کندہ آیت میں اُس عندہ وہ بیان کا ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے لیا تھا۔ کہ وہ تورات پر عمل پیرا ہوں گے۔ اب ان آیتوں میں خداوند تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا وہ واقعہ یاد دلایا ہے۔ جس میں ان منافقوں کو سزا دی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدُوا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ یعنی بنی اسرائیل جو تم ان لوگوں کو جانتے ہو جنہوں نے سب کے دن تعدی اور زیادتی کی نفی بننے کے دن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے تورات میں حکم نازل فرمایا تھا۔ کہ اس دن کوئی شخص کوئی کام نہ کرے۔ نہ تجارت کرے نہ زراعت کرے۔ نہ مزدوری کرے اور نہ کوئی دوسرا کام انجام دے حتیٰ کہ گھر میں کھانے پھانے کی بھی ممانعت کر دی۔ اور حکم دیا کہ اس روز صرف عبادت کی جائے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہ کیا جائے۔ اور اس بات کو قیہ کر دی۔ کہ جو کوئی ہفتے کے روز اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرے ہوئے۔ کوئی کاروبار کرے گا۔ وہ جک ہو جائے گا۔

جہوہ نصیحت

یہودیوں کے لیے ہفتہ اور نصیحتی کے لیے تورات کا دن مقدس ہے بلکہ اہل اسلام کے لیے مہو کا دن مبارک ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی

امتوں کو ہلکا دیا کہ وہ جمعہ کا دن نہ پاسکیں۔ بلکہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے آخری امت کے لیے مخصوص کر رکھی تھی۔ کیونکہ جمعہ تمام ائمہ سے زبرد و فضیلت والا دن ہے۔ آپ نے منہ دیا اَلْیَوْمُ عَدُوٌّ یَعْنِیَ یومِ دُشمن سے اگر دن اختیار کیا وَالتَّصْوِیُّ بَعْدُ عَدُوٌّ اور نصاریٰ نے اس کے بعد یعنی اتوار کا دن منتخب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انیسویں صدی تک اختیار نہ دیا تھا کہ وہ اپنے لیے بہتر دن منتخب کر لیں۔ اور انہوں نے یہ آیام پسند کیے۔ اور جمعہ کو منتخب نہ کیا۔ جو کہ مسلمانوں کے عقیدہ میں تھا۔ یہودیوں نے جھٹتے کا دن اس لیے اختیار کیا کہ کائنات کی تخلیق ہفتہ کے روز شروع ہوئی تھی۔ اس لیے ان کے ہاں یہ سب متبرک دن سمجھا گیا۔

یہودی قانون
مشکنی

جیسا کہ بیان ہو چکا۔ اللہ تعالیٰ نے ہفتے کا دن خالص عبادت کے لیے مقرر کیا تھا۔ اور روز دیگر ہر قسم کے کام کی ممانعت کر دی تھی مگر یہود نے اس حکم کی خلاف ورزی شروع کر دی۔ اس خلاف ورزی کی تفصیل قرآن پاک میں کئی ایک مقامات پر آئی ہے۔ تاہم سورۃ اعراف میں ایک پورا کوع اسی موضوع پر ہے۔ وہاں پر ہفتے کے روز تعدی کرنے والوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ کہ یہ لوگ بحیرہ طرم کے کنارے واقع بستی میں بسے تھے۔ قرآن کے مطابق اسی بستی کا نام طرم تھا۔ جسے آج کل عقبہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ چونکہ یہ ساحلی لوگ تھے۔ ان کا پیشہ عام طور پر مہی گیری تھا۔ تاہم انہیں ہفتہ کے علاوہ باقی چھ دنوں میں مچھلیاں پکڑنے کی عام اجازت تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا امتحان لینا چاہا۔ کہ یہ لوگ کس حد تک میرے حکم کی پابندی کرتے ہیں۔ لوگوں نے مشاہدہ کیا۔ کہ ہفتہ کے روز بہت زیادہ مچھلیاں نظر آتی تھیں۔ جب کہ باقی دنوں میں خال خال ہی پکڑی جاتی تھیں۔ تو انہوں نے زیادہ تعداد میں مچھلیاں حاصل کرنے کے لیے یہ تدبیر اختیار کی۔ کہ سمندر کے کنارے حوض بنائے۔ جن میں ہفتے کے روز سمندر کا پانی چھوڑ دیتے۔ جب بہت سی مچھلیاں ان حوضوں میں جمع ہو جاتیں۔ تو تھکے بند لگاتے تاکہ یہ مچھلیاں واپس سمندر میں نہ چلی جائیں۔ چنانچہ وہ لوگ ہفتہ کے روز واقعہ مچھلیوں کو نہ پکڑتے بلکہ انہیں حوض میں جمع کر کے اگلے روز یعنی اتوار کو پکڑ دیتے۔ گویا اس طرح وہ حیلہ سازی سے احکام الہی کی خلاف ورزی کرتے جب ان سے کہا گیا کہ بھائی! اللہ تعالیٰ نے ہفتے کے روز مچھلیاں پکڑنے سے منع کر

دکھا ہے۔ تم ایسا کیوں کرتے ہو۔ تو وہ کہتے کہ ہم بیعت کے روز شکار نہیں کرتے بلکہ اگلے روز کرتے ہیں۔ لہذا یہ کوئی خلاف ورزی نہیں ہے۔

شاہ عبدالعزیز اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ لوگ کافی غصہ تک یہی جلد استعمال کرتے رہے۔ حتیٰ کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام کا نہ آیا۔ تو انہوں نے لوگوں کو کھیتی سے منع کیا اور بتایا کہ اس روز شکار کرنا حرام ہے۔ یہ جلد سازی بہت بُری بات ہے۔ وہ کہنے لگے کہ یہ کام تو ہم اپنے آباؤ اجداد سے کرتے چلے آئے ہیں۔ اس میں کوئی بُرائی کی بات نہیں ہے۔ کفار مکہ بھی یہی کہتے تھے کہ جس چیز کو تم شرک بتاتے ہو۔ یہ کام تو ہم منذ بعد نسل کرتے چلے آئے ہیں۔ اگر یہ واقعی بُرائی کا کام ہو، تو اللہ تعالیٰ ضرور ہمیں روکنے کے لیے ہمارے ہاتھ بند کر دیتا۔ چونکہ آج تک ایسا نہیں ہوا۔ لہذا یہ کوئی بُرا کام نہیں۔

الغرض! حضرت داؤد علیہ السلام نے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا۔ انہیں نیکی کی نصیحتیں کی اور باتوں سے منع کیا۔ انہوں نے اچھی طرح تنبیہ کی۔ کہ اگر تم اپنی بُری خصلتوں سے باز نہیں آؤ گے۔ تو اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آ جاؤ گے۔ آپ کی اس تبلیغ سے غریب و بھاری ہر لوگ نہ صرف خود اس غلط کام سے باز آ گئے۔ بلکہ انہوں نے دوسروں کو بھی روکنا شروع کر دیا۔ اس کے باوجود بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی تھی۔ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آنے کے لیے تیار نہ تھے۔ جو اب ایک گروہ فاسقین کا تھا۔ تو ان کے متعصبے میں صالحین کا ایک گروہ بھی یہاں ہو گیا۔ ان کے علاوہ ایک تیسرا گروہ ایسا تھا۔ جو خود تو بُرائی کا ارتکاب نہ کرتا تھا۔ مگر دوسروں کو روکتا بھی نہ تھا۔ آگے قرآن پاک میں آتا ہے۔ کہ یہ گروہ بُرائی سے منع کرنے والوں کو کشت تھا۔ کہ تم انہیں کیوں روکتے ہو۔ کیوں اپنا وقت ضائع کرتے ہو۔ انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو۔ مگر صالحین کا گروہ انہیں جواب دیتا "مَعَذَرَاتٌ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ وَلَٰكِنَّهُمْ لَا يَتَّقُونَ" کہ بھائی! اللہ تعالیٰ کے سامنے مذہب کیلئے انہیں مدد کتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے پوچھ لیا۔ کہ تم نے انہیں بُرائی سے کیوں نہ روکا تو ہمارا کیا جواب ہو گا۔ قیامت کے روز مذمت اٹھانی پڑے گی۔

اہل علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان اور اس کی عطا کردہ شریعت

لوگوں تک پہنچائیں۔ اور تبلیغ کا حق ادا کریں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کی تبلیغ سے کوئی شخص راہِ راست پر آجائے
 اسی واسطے بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ
 کو جھنڈا عطا کیا اور جہاد کے لیے روانہ کیا تو فرمایا لَآ اِنَّ فِیْہِ دِیَ اللّٰہِ بِکَ رَجُلًا وَّاجِدًا خَیْرًا لِّکَ
 مِنْ اَنْ یَّکُوْنَنَّ لَکَ حُمْرَ النَّعَمِ اگر ایک آدمی نے بھی تمہاری وجہ سے ایمان
 قبول کر لیا۔ تو یہ تمہارے لیے دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت سے بھی بہتر ہوگا جہاد کا اصل مقصد
 جنگ و جدال نہیں بلکہ اس کا مقصد فتنہ و فساد کو مٹانا اور درندہ صفت لوگوں کو راستے سے ہٹانا ہے
 وقت گزرتا گیا۔ اور یہ تینوں گروہ اپنی اپنی بات پر اڑے ہوئے۔ آخر کار صحابین نے سوچا
 کہ ہم ان نافرمانوں کے ساتھ کب تک گزارا کریں گے۔ کیوں نہ ہم ان سے الگ ہو جائیں۔
 کہیں ایسا نہ ہو کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے اور ہم بھی اس میں مبتلا ہو جائیں۔ چنانچہ انہوں نے
 باقی دو گروہوں کا ہینکاٹ کر دیا اور قریب ہی اپنے علیحدہ علاقے میں منتقل ہو گئے۔ ان دونوں
 علاقوں کے درمیان دیوار یا کوئی اور آڑ تھی جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔
 البتہ ایک دوسرے کی آوازیں سن سکتے تھے۔

انسان بندہ
 بن گئے

ایک دن ایسا ہوا کہ صحابین کے گروہ نے دوسرے گروہ کے کئی آدمی کی آواز سنی۔ اور
 نہ ہی ان کی کوئی حرکت وغیرہ محسوس کی۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد جب انہوں نے تعب تک کر دیکھا۔
 تو اللہ تعالیٰ کا حکم آچکا تھا فَقُلْتُ لَہُمْ کُوْنُوْا قَرْدًا خَاسِبِیْنَ یہ سب نے کہا کہ تم سب
 ذلیل بند رہیں جاؤ۔ چنانچہ صحابین نے دیکھا کہ اس گروہ کے بڑے بڑے خنزیروں کی شکل میں اور
 زخمان طبقہ بندوں کی صورت میں تبدیل ہو چکا ہے۔ غلٹیں تبدیل ہو چکی ہیں مگر شور باقی ہے۔ اپنے
 کیے پر نام ہیں اور زار و قطار دو رہے ہیں۔ ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں کہ یہ ہمارے فلاں رشتہ دار
 ہیں۔ اور یہ فلاں رشتہ دار ہیں۔ اس مقام پر صرف بندوں کا ذکر ہے۔ ہم دوسرے مقام خنزیر بھی آتا
 ہے۔ فَجَعَلَ مِنْہُمْ الْقَرْدَ وَالْخَنَازِیْرَ کہتے ہیں کہ یہ لوگ اس شکل و صورت
 میں تین دن تک زندہ رہے۔ اس کے بعد ہلاک ہو گئے۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ انسان بندہ اور خنزیر کیسے بن گئے۔ حالانکہ اس زمانے میں ذروں کی خیمہ زنی کا بھی عام چرچا ہے۔ جو کہ تہ ہے کہ موجودہ انسان بندروں کی ترقی یافتہ نسل ہے۔ پہلے سب بندہ ہی تھے مگر ترقی کرتے کرتے انسان بن گئے۔ اس کا دعویٰ اس دلیل پر مبنی ہے کہ بندہ کی شکل انسانی شکل کے مشابہ ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان بندہ یا خنزیر کی نسل نہیں ہے۔ اب نہ بندہ انسان کی نسل سے ہیں۔ بلکہ یہ ہمیشہ ساتھ ساتھ رہے ہیں۔ بندہ اور انسان پہلے ہی علیحدہ علیحدہ نسلیں تھیں اور آج بھی ویسی ہی ہیں۔ لطیف کی بات یہ ہے کہ معتز ضیق ڈیون کی تیسویں کو تسلیم کرنے میں تو کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے مگر جب قرآن پاک کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان انسانوں کو بندوں کی شکلوں میں تبدیل کر دیا۔ تو انہیں بغیر نہیں آتا۔

بخاری رحمہ اللہ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا لَقَدْ اَلَلَّہُ الْیَہُودَ وَالنَّصَارَیَ۔ یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو منع کیا تھا کہ تم اپنے لیے چربی کا استعمال جائز نہیں۔ خواہ حلال جائز ہی کی ہو۔ مگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم میں اس طرح حید سازی کی کہ چربی خود تو نہیں کھاتے تھے۔ مٹڑے لے چکلا کر فروخت کر دیتے تھے۔ اور اس کی قیمت کھا جاتے تھے۔ جب ان سے کہا جاتا کہ تمناؤں کے لیے چربی حرام ہے تم سے کیوں کھاتے ہو۔ تو وہ کہنے لگے کہ ہم چربی تو نہیں کھاتے۔ بلکہ اُسے فروخت کر دیتے ہیں۔ اسی لیے حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے لَآ تَرْسَلُوْا مَآ اُرْسَلْتُمْ اِلَیْہِ فَاَنْتُمْ اِلَیْہِ اِمَانٌ وَاُولَٰئِہِ اِسْمُ الْاَرْسَالِ کَا تَرْسَلُوْا مَآ اُرْسَلْتُمْ اِلَیْہِ فَاَنْتُمْ اِلَیْہِ اِمَانٌ۔ فَتَسْلَحُوْا بِحَارِمٍ مِّنَ اللّٰہِ بِاَذْنِ الْخِیْلِ کہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو جیسے بمانے سے حلال کر دیتے تھے۔ کہیں تم ہی ان کی بیرونی کھکے غضوب علیہ نہ بن جانا۔

یہود بعض برائیاں کھینے عام کرتے تھے مثلاً سود علی الاعلان کھاتے تھے اسی طرح دوسروں کا مال ناجح کھا جاتے تھے۔ مگر ان برائیوں پر اللہ تعالیٰ نے اُن کی شکلیں مسخ نہیں کیں۔ ایسا کیا ہے۔ اُن کا جرم پہنچا کر ان کا ارتکاب انہوں نے جیسے بمانے سے کیا۔ معلوم ہوا کہ ناجائز

حیدر ساری بست بڑی خصلت اور بست بڑا جرم ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں خنزیروں اور بندوں کی صورت میں تبدیل کر دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم حیدر ساری سے خدا تعالیٰ کے قانون کو نہ توڑنا یہ بڑا سخت جرم ہے ایسا کرنے والوں کی اگرچہ اب غمگین تو تبدیل نہیں ہوں گی مگر ان کا باطن بالکل ایسا ہی ہوگا۔ اب کیا کچھ نہیں ہوتا۔ زکوٰۃ سے بچنے کے لیے حیدر ساری کی ماتی ہے۔ سود اور رشت کی تاویس کی جاتی ہیں۔ اور اس کے جواز کا فتویٰ لیا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ حیدر ساری اہل علم ہے۔

عبارت حیدر ساری

اگر نیت نیک ہو اور حیدر ساری حرام سے بچنے کے لیے کی جائے تو یہ جائز ہے۔ حضور علیہ السلام نے بعض امور میں خود حیدر ساری کا طریقہ بتلایا ہے۔ مثلاً حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بعض دوسرے صحابہؓ وغیرہ سے بست اعلیٰ قسم کی کھجوریں لائے۔ آپؐ نے دیانت فرمایا اَلْکُلُّ حَمَیْرٌ خَسِیْبٌ هَكَذَا کِیْنِیْمِ سَبْ کُھجوریں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضور! بعض گھٹیا اہل ناقص قسم کی کھجوریں بھی وہاں پائی جاتی ہیں۔ آپؐ کے مزید دریافت کرنے پر صحابہؓ نے بتایا کہ ہم اہل ناقص قسم کی دو صاع کھجوروں کے عوض اعلیٰ قسم کی ایک صاع کھجوریں لے لیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ذَلِیْلٌ اَلْمَرْکُوبِیْرِ تو سود ہو گیا۔ ایک ہی جنس کا لین دین تو بڑا بری کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔ ذکر کم و بیش۔ ایسا نہ کرو۔ یہ حرام ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم اسے منہ کا حل یہ ہے۔ کہ پہلے اہل ناقص قسم کی کھجوروں کو کسی دوسری جنس مثلاً گندم، جو کے عوض بیچ ڈالو۔ یا ان کی نقد قیمت وصول کرو۔ اور پھر اس سے اعلیٰ درجے کی کھجوریں خریدو۔ یہ حیدر جائز ہے۔

اس قسم کی مثالیں قرآن پاک میں بھی ملتی ہیں۔ حضرت ابوب علیہ السلام کسی معمولی نیت پر ناراض ہو گئے۔ تو قسم کھائی کہ تندرست ہو گیا۔ تو بیوی کو سولائشیاں یا کوڑے ماروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تمہاری بیوی نیک خاتون ہے۔ اس کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرو۔ جلد اپنی قسم پوری کرنے کے لیے تجھ پر لڑوں گا ایک گٹھائے لو۔ اور ایک ہی دفعہ بیوی کو ضرب لگا دو یہ کافی ہے۔ گویا سو کٹڈوں کی مزا سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ حیدر ساری بتلائی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں جیل سازی کا ذکر آتا ہے۔ کہ آپ نے بھائی بنیامین کو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے۔ مگر اس ملک کے قانون کے مطابق وہ انہیں نہیں روک سکتے تھے۔ اور اسرائیلی قانون کے مطابق جو شخص چوری کا ارتکاب کرے اُسے سال بھر غلامی کرنا پڑتی تھی۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائی کو روکنے کے لیے اسرائیلی قانون کا سہارا لیا۔ اور اس کے لیے جیل یہ بنایا۔ کہ اس کے سامان سے بیانیہ برآمد کر دیا۔ اسی جیل سازی کو قرآن پاک نے اس طرح بیان فرمایا: **كَذَلِكَ نَكْفِيكَ الْيُوسُفَ** ہم نے یوسف علیہ السلام کو ایسا کرنے کی تہیہ بنائی تھی۔ البتہ ناجائز جیل سازی بہر حال حرام ہے۔ مثلاً زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لیے زکوٰۃ دینا۔ یا کسی کے نام بہرہ کر دیا۔ جب اس کے پاس سال پورا ہونے لگا۔ تو یہی وہی نے خاندان کے نام بہرہ کر دیا۔ گو یا نہ کسی کے ہاں زکوٰۃ پورا سال گزرتے اور نہ اُس کی زکوٰۃ دینی پڑے۔ یہ جیل سازی ناجائز ہے اسی طرح کسی بھی فرض، روزہ، امانہ، جہاد وغیرہ سے بچنے کے لیے کوئی جیل سازی کرے گا تو مجرم محسوس ہوگا۔

بنیاد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان افراد کو جانوروں کی شکل میں اور خاص طور پر خنزیروں اور بندروں کی شکل میں کیوں تبدیل کیا۔ جب اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایک قانون مقرر کیا تھا۔ کہ ہفتے کے دن سوائے عبادت کے کوئی کاروبار نہیں کریں گے۔ مگر انہوں نے حکم نہ مانا کہ توڑ کر مچھلی کا شکار شروع کر دیا۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا کے طور پر خنزیر اور بندر بنادیا۔

محققین فرماتے ہیں کہ اس ضمن میں پہلی بات تو یہ ہے کہ انسان اور جانور میں یہی فرق ہے کہ انسان قانون کی پابندی کرتا ہے۔ اور جانور اس سے ششی ہے۔ اب اگر انسان بھی قانون کی خلاف ورزی شروع کرے تو ظاہر ہے کہ وہ انسانیت کے درجے سے لگ کر حیوانیت کے درجے پر آگیا۔ اور ظاہری شکل جسمورت کے اعتبار سے انسان بندر سے زیادہ مشابہ ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے انہیں بندر کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ شکل و صورت کے علاوہ بندر جس اور شخص میں

بھی انسان سے مشابہ ہوتا ہے۔ یہ بڑا فعال جانور ہے۔ جس طرح انسان کو کرتے ہوئے دیکھتے
اسی طرح کرنے لگتا ہے۔ تو گویا اللہ تعالیٰ نے اُن نافرمانوں کو جانوروں کی اس قسم میں تبدیل
کیا جو ان سے زیادہ مشابہ ہیں۔

مفسرین فرماتے ہیں: کہ جب ایسا آدمی کسی ضبط کی پابندی کرتا ہے۔ تو اسے خلاق کا نام
دیا جاتا ہے۔ اور جب کوئی دو افراد آپس کوئی معاملہ کرتے ہیں۔ تو اسے قانون کہا جاتا ہے۔ قانون
کی انی ترین صورت میاں بیوی کے درمیان نکاح کا ضابطہ ہے۔ جس کی پابندی دونوں فریقوں پر
لازم ہے۔ اگر کوئی فریق اس قانون کو توڑے گا۔ تو وہ انانیت کے درجے سے گزر کر حیوانیت
کے درجے میں شامل ہو جائے گا۔ اس کی مزید وضاحت یوں سمجھیں کہ عقد نکاح کے قانون کے
مطابق کوئی عورت ایک ہی مرد کے ساتھ مختص ہوتی ہے۔ یہ ایک معاملہ (AGREEMENT)

_____ ہوتا ہے۔ جسکی پابندی ضروری ہے۔ اگر اسی ضبط کی خلاف ورزی
کرتے ہوئے عورت ایک مخصوص مرد کی بجائے کسی دوسرے مرد کی غفلت میں بھی چلی جائے۔ تو
ظاہر ہے۔ کہ وہ جانور کی سطح پر آجائے گی۔ جس پر کسی ایسے قانون کی پابندی لازم نہیں۔ اسی
طرح مرد اگر اپنی منوحد عورت کی علاوہ کسی دوسرے عورت کی طرف نظر پڑے دیکھتا ہے۔ تو
وہ قانون کی خلاف ورزی کر کے انانیت کے درجے سے گزر جائے گا۔

اب نکاح کی بھی شرائط ہیں۔ نکاح ایسے مرد و عورت کے درمیان ہو سکتا ہے۔ جو
آپس میں محرمات میں سے نہ ہوں۔ اگر محرم ہوں گے۔ تو نکاح جائز نہیں ہوگا۔ اگر ایسا کریں گے
تو قانون کی خلاف ورزی ہوگی۔ امیر شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں: کہ ان تمام شرائط کے ساتھ جو
کام ہوگا وہ درست ہوگا۔ ورنہ قانون شکنی کی زد میں آجائے گا۔ اسی طرح باشرکت کے لیے
بھی بعض شرائط ہیں۔ کہ کوئی شخص اپنی عورت کے ساتھ ایسا کر سکتا ہے۔ کسی دوسرے مرد کے
ساتھ جائز نہیں۔ جب مرد و عورت آپس میں ملیں گے۔ وہ بھی فطری طریقے سے بغیر فطری
راستے سے اختلاص بھی خلاف قانون ہے۔ جو کسی طرح جائز نہیں۔

قانون شکنی پر خنزیر اور بندر کی منرا اللہ تعالیٰ نے اس واسطے دی ہے۔ کہ یہ دونوں جانور اخلاقی طور پر دوسرے جانوروں کی نسبت زیادہ گرسے ہوئے ہیں۔ خنزیر ایک ایسا جانور ہے۔ کہ اس کی دہ کے ساتھ کئی کئی نریک وقت چمکتے ہیں۔ یہ اس قسم کا بے غیرت جانور ہے۔

اور بندہ کی ایک بہت بڑی خصلت یہ ہے۔ کہ یہ اپنے ہی ہم جنس بندر کے ساتھ بھی قصائے شہوت کرتا ہے۔ خنزیر قانون کی ایک شکن کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ تو بندہ دوسری شکن کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ سور کا گوشت کھانے والے لوگ بے غیرت بن جاتے ہیں۔ انگریز اور کچھ جو خنزیر کا گوشت کھاتے ہیں۔ ان میں بے غیرتی کا وہ کثرت سے پیدا جاتا ہے۔ الغرض جب یہود نے اللہ تعالیٰ کے قانون کو توڑ ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی شکلیں ان جانوروں میں تبدیل کر دیں۔ جو خود قانون شکن ہے۔

غذا کا ایک اہم قانون ہے۔ کہ مقتدی اہم سے آگے نہ نکلے۔ کہ کوغ۔ بحد۔ قوم۔ قحہ۔ برحق۔ اس پر اہم کی اقتدار میں ہے۔ اور اگر کوئی مذہبی اہم سے آگے نکلے گی کوشش کرے گا تو اس کی مثال گدھے کے ساتھ دی گئی ہے۔ جو کہ بڑا بوقوت جانور ہے۔ گویا جو شخص غذا کے قانون کو توڑتا ہے۔ وہ گدھے کی مانند ہے۔ یہ تو اس کی باطنی صورت ہے۔ فرمایا اہم سے آگے نہ نکلے۔ **يَا زَبْرَجَعَلُ اللّٰهُ صُورَتَهُ صُورَةً خَبَابَ كَرِ اللّٰهُ تَعَالٰی** اس کی شکل گدھے کی بنائے یعنی کہیں ظاہری طور پر بھی قانون شکن گدھا ہی نہیں جائے قانون شکنی پر سخت وعید آئی ہے۔

فرمایا ہے بنی اسرائیل! تم جانتے ہو ان لوگوں کو جنہوں نے مجھے کے بن تعدی کی اور **لَا يَنْبَغِي** حکم بجا نہ لائے۔ بلکہ جلد سادی سے اس کی حرمت کو توڑا۔ تو ہم نے انہیں کہا۔ کہ ذلیل و خوار بندہ بن جاؤ۔ پھر جب وہ بندروں کی شکلوں میں تبدیل ہو گئے۔ تو باقی دنیا کے لیے وہ نشان عبرت بن گئے۔ **فَجَعَلْنَاهُمْ زَبْرَجًا بَيْنَ يَدَيْهِمْ زَمَانًا** ہم نے انہیں موجودہ اور آئندہ آنے والے لوگوں کے لیے عبرت کا نشان بنادیا۔ ان لوگوں کی باطن پر اور تہ تیغ کی کتابوں میں محفوظ ہو گیا۔ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں خنزیر اور بندر

بنا دیا۔ یہ اس لیے کہ اس واقعہ کو یاد کر کے آئندہ تیس اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچیں۔
 فرما: تبدیل اشکال محض عبرت کے لیے ہی نہیں بلکہ وَمَوْعِظَةٍ لِّلْعَشَقَةِ بھی
 بنا دیا۔ کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے اس واقعہ میں نصیحت ہے۔ کہ اگر آئندہ
 کسی نے اللہ تعالیٰ کے قانون کو توڑا۔ تو اس کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ
 نے متقیوں کے لیے اس واقعہ کو نصیحت بنا دیا۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبُحُوا بَنِيكُمْ
فَقَالُوا اتَّخَذْنَا هَٰذَا عَهْدًا بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْغَافِلِينَ ﴿٦٩﴾

ترجمہ: اور جب کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے بیٹے اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیا
ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو۔ تو انہوں نے کہا۔ کیا تو بنا تا ہے ہم کو ٹٹھکالیا ہوا موسیٰ
علیہ السلام نے کہا۔ چنا و بھلا۔ اس بات سے کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں ﴿۶۹﴾

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی جلد سازی کا تذکرہ بیان فرمایا تھا۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ
کے قانون کو کس طرح توڑتے تھے۔ اس جرم کی پاداش میں ان کی شکلوں کو تبدیل کر دیا گیا۔ اور بالآخر وہ
ہلاک ہو گئے۔ آیت زیر دس میں بنی اسرائیل کے ایک اور واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس میں اس
قوم کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔ مگر انہوں نے اس حکم کو مان چاہا۔ اور اس ضمن میں طرح طرح
کے سوال کئے۔ گویا بال کھال اتار بیٹھے ہیں۔ من حیث القوم یہ غرابی بھی بنی اسرائیل میں موجود تھی۔
اس آیت میں اسی بات کا ذکر کیا گیا ہے۔

در اصل گائے ذبح کرنے کا حکم ایک خاص مقصد کے تحت دیا گیا تھا۔ جس کا ذکر آگے دیکھا
کی پہلی آیت میں ہے: وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَآذَرْتُمْ فِيهَا جَبْتُمْ لَهَا
شَفْعًا كَقَتْلِ كُرْدَالَا۔ اور الزام ایک دوسرے کے سر نہ پونے لئے وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ
تَكْتُمُونَ۔ اور اللہ تعالیٰ ظاہر کرے والا ہے۔ جس کو تم چھپاتے ہو۔ قتل تو ہو گیا۔ مگر قاتل
کو پتہ نہیں چلتا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ کہ تم ایک گائے ذبح کرو اور اس کا ایک ٹکڑا
مقتول کے جسم پر مارو، تو وہ زندہ ہو کر خود بتائے گا۔ کہ اس کا قاتل کون ہے، چنانچہ قاتل
کا پتہ چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا۔ جس کا تذکرہ آیت زیر میں
میں ہو رہا ہے۔

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس مقصد کی خاطر گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا۔

اس کو تو بعد میں بیان کیا ہے۔ مگر اس حکم کا تذکرہ پہلے کر دیا گیا ہے۔ گویا واقعات کے تقدم و تاخر کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ اس کے متعلق مغتفرین کلام بیان کرتے ہیں کہ قرآن پاک کا اسلوب بیان یہ ہے کہ جو چیز زیادہ ضروری ہوتی ہے اُسے پہلے بیان کیا جاتا ہے۔

اس واقعہ کے دو اہم زاویے ہیں۔ ایک اصل قتل جس میں مقتول کا حق ضائع ہوا۔ اور دوسرا جزو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَعْتَرَةً اللّٰهُ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ گھسنے ذبح کرو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا ختم بعدوں کے حق پر مقدم ہے اس لیے گائے ذبح کرنے کے واقعہ کو مقدم رکھا۔ اور اصل واقعہ قتل کو مؤخر کر دیا تاکہ قرآن پاک میں بعض دوسری مثالیں بھی ملتی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے حق کو بندوں پر مقدم رکھا گیا ہے ﴿لَقَدْ نَفَخْنَا بِالْهَبْطِ وَالْاَلَةِ اَيَّاهُ وَيَبْلُو الْاَبْدَانِ اِحْسَانًا﴾ تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے ہمیشہ آؤ۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنا حق پہلے بیان کیا اور والدین یعنی بندوں کا بعد میں بیان کیا ہے۔ اسی طرح سورۃ لقمان میں آتے ہیں ﴿وَاَنْ جَاهِدْكَ عَلَىٰ اَنْ تَسُرَّكَ فَاِنَّكَ لَمِنَ الْكَاثِبِيْنَ﴾ یہ علم فائدہ پہنچھٹھ کر رہا ہے اب اللہ تعالیٰ کے حقوق ضائع نہ کرنا چاہیں یعنی تمہیں شرک پر آمادہ کریں تو ان کی اطاعت مت کرو۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کو والدین کے حق پر مقدم رکھا اس واقعہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے ذبح گائے کو مقدم رکھا۔ کہ یہ اس کا اپنا حق ہے اور مقتول کے حق یعنی ویت یا قصاص وغیرہ کو مؤخر کر دیا۔

اس واقعہ سے حیات بعد الممات کا مسئلہ بھی حل ہوتا ہے۔ ﴿كَذٰلِكَ يُخَيِّمُ اللّٰهُ الْمَوْتٰی﴾ کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر اُس مردہ کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ اور اس نے اپنے قاتل کی نشاندہی کر دی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تمام مردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ اور پھر حساب کتاب اور جزا و سزا کے تمام واقعات ہمیشہ آئیں گے۔

علامہ قاضی قاضی صدیقی کے بڑے پائے کے محدث گذرے ہیں آپ کا اصل وطن ہرات تھا۔ مگر مکہ میں آباد ہو گئے تھے۔ انہوں نے عربی میں مرقات کے نام سے مشکوٰۃ شریف کی ہندویش شرح بھی ہے۔ اپنی اس کتاب میں وہ لکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ میں ایک بڑا دودھ

درج قتل

کثرے سوال
سے بچو

اس کی گردن توڑ دیں۔ اور پھر لادھی خاندان کے کاہن اس پر کچھ پڑھیں پڑھائیں۔ یہ لوگ اس
نذی پر اپنے ہاتھ دھوئیں اور یوں کہیں کہ لے پروردگار ہم اس خون سے بری ہیں۔ نہ ہم کو مل
ہے کہ یہ خون کس نے کیا ہے۔ جب وہ ایسا کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے گا۔
بعض دوسرے مغربین فرماتے ہیں کہ جس وقت قتل کا یہ واقعہ پیش آیا اس وقت تک
قرآن نازل ہی نہیں ہوئی تھی۔ چونکہ ان کے پاس اس مسئلہ کا حل موجود نہیں تھا۔ اس لیے وہ مکی علیہ السلام
کے پاس آئے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نبی بھی تھے اور ظاہری طور پر حکومت بھی موسیٰ علیہ السلام کی تھی۔
چنانچہ آپ نے ان لوگوں کو فرمایا کہ بھائی! ایک گائے ذبح کرو تو نہ اسے مسئلہ کا حل نکل آئے گا۔ صحیح
حدیث میں آتا ہے کہ اگر بنی اسرائیل اس وقت بیت وعل نہ کرتے بلکہ کوئی بھی گائے ذبح کر دیتے
تو بات بن جاتی۔ مگر ان کی طبیعتوں میں تعمق تھا۔ وہ بال کی کھال اتارنا جانتے تھے۔ انہوں نے غیر
کا حکم ماننے کی بجائے طرح طرح کے سوالات کرنے شروع کر دیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جوں جوں سوال
کرتے گئے۔ تو ان سختی بڑھتی گئی حتیٰ کہ بیچ نکلے کا کوئی راستہ باقی نہ رہا۔ اور وہ مجبور ہو گئے۔ مگر
اس حیلہ سازی میں کافی عرصہ گزر گیا۔ اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم پر عمل نہ کیا۔ اسی
لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ تعمق اچھا نہیں ہر بات میں بال کی کھال نہ
اتارو بلکہ حکم پر عمل کرو۔ جس قدر زیادہ باریکی میں جاؤ گے۔ اسی قدر سختی میں مبتلا ہو گے۔ اور آخر
مجبور ہو جاؤ گے۔

قاتل کی تلاش کے لیے موسیٰ علیہ السلام نے ایک مبارک اختیار کیا کہ اس طرح گائے ذبح
کرنا اور پھر اس کے جسم کا ایک ٹکڑا مقتول کی لاش پر درود تو وہ خود اپنے قاتل کا نام بتا دے گا۔ حالانکہ
موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے۔ انہیں بذریعہ وحی بھی قاتل کی خبر مل سکتی تھی اور وہ ان کو بتا سکتے
تھے۔ اس کے متعلق مغربین کہہ فرماتے ہیں کہ اسرائیلیوں کے دماغوں میں تعمق خراب ہوا تھا۔ اگر
حضرت موسیٰ علیہ السلام براہ راست قاتل کی نشان دہی کر دیتے تو قوم بگڑ جاتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام
ان کی عادات کو خوب سمجھتے تھے۔ جب وہ توروہ لے کر آئے تھے۔ تو اس وقت بھی اسرائیلیوں

نے سے اللہ تعالیٰ کی کتاب اسنے سے انکار کر دیا تھا۔ آخر مجبور ہو کر انہوں نے اسے تسلیم کیا۔ پھر انہوں نے عہد و پیمان کو بھی توڑا۔ اور جب ان پر جبر کیا گیا کہ وہ طور ان کے سروں پر معنی کر دیا گیا۔ پھر وہ راہ درست پر آئے۔ اور توبہ پر عمل کرنے کا وعدہ کیا۔

۱۔ ام شاد ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اس قسم کی بیڑیاں نبی کے طہ عمل سے طہ عمل کی بنا پر پیدا ہوتی ہیں۔ اور نبی سے تعلق تین وجوہ سے ہوتی ہے۔ اول بے خبری یعنی امتی کو اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ نبی کا عمل اور عہد کیا ہے۔
ثانیاً یہ کہ طہ عمل میں بہرہ پیدا ہوتا ہے۔ امتی اصل راستے سے ہٹ جاتا ہے تو بھی نبی سے تعلق نادر۔
پڑ جاتا ہے۔

تیسری وجہ ماحول کا اثر ہے۔ جب لوگ معاشرے کے دیگر لوگوں سے متاثر ہو کر ان کا طریقہ اختیار کر لیں۔ تو پھر بھی اپنے نبی سے قطع تعلق پیدا ہو جاتی ہے۔ بنی اسرائیل میں یہ یمنوں بیماریاں موجود تھیں جن کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بات بات میں تخریب کرتے تھے۔ حجت بنانی اور جلیلہ ہانی کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو ماننے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ بیماریاں آج امت محمدیہ میں بھی موجود ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا لَنْ يَنْجُوَنَّ مَنْ كَانَ جَبَلًا كَعَمَلِيْنِ سِوَا سِرِّي مَت ! ایک وقت آئے گا۔ جب تم بھی پہلی قوموں کی طرح ہی ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ ان کمزوریوں سے محفوظ رکھے۔ اور نبی علیہ السلام کی صحیح اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔

ارشاد ہوتا ہے وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ اِنَّ اللّٰهَ يَٰمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَعِضَہُمْۢ بِدَمِہٖۚ اِس واقعہ کو یاد کر جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں مجبور کیا ہے کہ کانے ذبح کرو۔ بقولہ کا لفظ عربی زبان میں عام طور پر کانے پر ہوتا ہے۔ مگر یہ لفظ اس معنی کے طور پر بھی اختیار کیا جاتا ہے۔ یعنی زار و مارہ یا کانے اور بیل دونوں پر استعمال ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جس جانور کو اللہ تعالیٰ نے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا۔ وہ کانے نہیں بلکہ بیل تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

نے قوم کو کھجیا، کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیکر تمہارے مسئلہ کا حل فرمایا ہے۔ تم حکم کے مطابق گائے یا بیل
ذبح کر کے اس کے گوشت کا ٹکڑا مقتول کے جسم پر لگاؤ۔ تو زندہ ہو کر خود اپنے قاتل کا نام بتائے
گا۔ بخود غلام تو تم تعین حکم کی بجائے کہنے لگی۔ لَمْ يَكُنْ عَلَيَّ السَّلَامُ قَالُوا اَتَشْفَعُ نَا هَرُونَ
کیا آپ ہمارے ساتھ ٹھٹھا مذاق کرتے ہیں۔ بھلا ایسا بھی کہی ہو اسے۔ کہ مردہ دوبارہ زندہ ہو جائے
اور اپنے قاتل کی نشاندہی کرے۔ یہ تو آپ ہمارے ساتھ مذاق کر رہے ہیں۔

هَذَا مَصْدَرُ مَنِ الْمَعْمُولُ بِهِ غلطی معنی یہ ہے کہ کیا تو ہمیں ٹھٹھا کیا ہوا بتاتا ہے۔ دیکھو!
حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا عظیم اور صاحب کتاب نبی ہے۔ مگر قوم اس قدر بھٹی ہوئی ہے۔
کہ معجزہ کا انکار کر رہی ہے۔ حالانکہ تھوڑا عرصہ قبل ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر کی ایک
معجزات کا مشاہدہ کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انیس فرعون کی غلامی سے نجات دلائی پھر یہ
چالیس سال تک صحرائیں سرگرداں پھرتے رہے۔ من و سلویٰ کھاتے رہے۔ پانی کے لیے بارہ چشے
جاری ہوئے۔ اس کے باوجود مزاج فاسد ہیں۔ صاف کہہ دیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی توہم سے ٹھٹھا کرنا
ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس بات پر سخت غصہ آیا قَالَ فَرَنْتُمْ اَعُوذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ
الْجَاهِلِيْنَ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہت ہوں۔ اس بات سے کہ جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔ نے
نمازوں، تم کسی باتیں کر رہے ہو۔ میں خدا تعالیٰ کا نبی ہو کر خدا تعالیٰ کا حکم سنارہا ہوں۔ تم کہتے ہو
کہ محمول کر رہا ہوں۔ یہ تو جاہلوں کا کام ہے۔ اسی لیے ہماری شریعت میں ٹھٹھا حرام ہے۔ سورۃ حجرات
میں آتا ہے لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ کوئی قوم کسی قوم سے ٹھٹھا نہ کرے۔ یہ سننی مذاق
جس سے دوستی کی تحقیر ہوتی ہو۔ سمجھت منع ہے۔ ہاں ایسا مذاق جس سے دوستی کی تحقیر کا پہلو نہ
نکلتا ہو جائز ہے۔ آہم اس کی زیادتی بھی مناسب نہیں۔

خوش طبعی
جائز ہے

صاحب کرم فرماتے ہیں کہ بعض اوقات تصور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ خوش طبعی بھی فرمایا
کرتے تھے۔ ہم نے عرض کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہو کر خوش طبعی کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا
ہاں میں خوش طبعی کرتا ہوں۔ پھر میری خوش طبعی اور عام لوگوں کی خوش طبعی میں بنیادی طور پر فرق ہے۔
اِنَّ لِّاَكْمَلِ الْاَحْقَافِ میں حق کے بغیر کچھ نہیں کہتا۔ خواہ خوش طبعی ہی ہو۔ حدیث شریف میں موجود ہے

کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: حضور! میں جہاد میں شریک ہونا چاہتا ہوں۔ میرے پاس سواری نہیں ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: تمہیں اونٹ کے بچے پر سوار کر دیں گے۔ اُس نے سمجھا کہ شاید حضور: اونٹ کا کوئی چھوٹا بچہ عنایت فرمائیں گے۔ کسے لگا کر میں اس پر سواری کیا کروں گا۔ اُس کی توقعات کرنی پڑتی گی: نامعلوم کتنے سال بعد وہ بچہ سواری کے قابل ہو گا۔ اُس کی یہ بات سن کر حضور علیہ السلام صبر فرمایا کہ تم نے اونٹ کے بچے کو بالکل چھوٹا بچہ کیوں سمجھ لیا۔ بڑا اونٹ بھی تو کسی اونٹ کا بچہ ہی ہوتا ہے۔ میں تمہیں اونٹ کا وہ بچہ دوں گا جو سواری کے قابل ہو گا۔

اسی طرح ایک بڑھیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: اللہ عزوجل نے مجھے نبی! میرے لیے جنت کی دعا فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اے اُمّ فلاں! کوئی بڑھیا جنت میں داخل نہیں ہو سکتی۔ وہ بچہ ہی پریشان ہو گئی۔ جب وہ روتی ہوئی جانے لگی۔ تو حضور علیہ السلام نے اُسے دُپٹے ڈال دیا اور فرمایا کہ میں نے سچ بات کی ہے۔ جنت میں بڑھی عورت نہیں جائیگی۔ بلکہ جو بھی جائے گی۔ جوانی کے عالم میں جائے گی۔ جتنی مرد اور عورتیں سب نیک پختہ سال کے پینے میں ہوں گے۔ جب وہ جنت میں جائیں گے۔

انفرض! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پناہ بخدا کہ میں ٹھٹھا کر کے جاہل بن جاؤں۔ یہ شانِ نبوت کے خلاف ہے۔ میں تو تمہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا رہا ہوں۔ اس کا حکم سنا رہا ہوں اور تم اُسے ٹھٹھا کر رہے ہو۔ اب وہ سمجھے کہ یہ تو سنجیدہ بات ہے۔ چنانچہ انہوں نے سوالات کرنے سے شرم کر لیا۔ جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

البقرة

آیت ۶۸ تا ۷۵

الْقَوْمِ

مدرسہ کی دینی

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَلِكَ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿٦٨﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْ هِيَ قَالِ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفَرَاءُ فَاقِ لَوْنَهَا تَكْرُ النَّظِيرَيْنِ ﴿٦٩﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشْبَهُ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَكَاهِنُونَ ﴿٧٠﴾ قَالِ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَا شَرِيَةَ فِيهَا قَالُوا لَنَنجُوَنَّ بِالْحَقِّ فَعَجْبُوهُمْ مَا كَادُوا يَعْقِلُونَ ﴿٧١﴾ وَذُقْتُمْ نَفْسًا فَادْرَأُكُمْ فِيهَا وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٧٢﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا كَذَلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَى وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٧٣﴾

تو جبرہ و بنی اسرائیل نے کہا کہ اپنے پروردگار سے دعا کرو۔ ہمارے لیے بیان کرے کہ وہ گائے کیسی ہے (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے زعفران و سرخ و زرد (و موسیٰ علیہ السلام نے) کہا بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ زرد و زنگی کی گائے ہے۔ اس کا رنگ گھرا ہے۔ جو دیکھنے والوں کو غش کرتی ہے۔ ﴿۶۹﴾ ان لوگوں نے کہا کہ ہمارے لیے اپنے پروردگار سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لیے بیان کرے کہ وہ گائے کیسی ہے۔ بیشک وہ نے ہم پر

مشتبہ ہو گئی ہے۔ اور بیشک اگر اللہ نے چاہا تو ہم راہ پالیں گے ⑤ (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا کہ بیشک اللہ تعالیٰ فرما دے گا کہ وہ ایسی لائے ست۔ جو کہ نہ محنت کرنے والی ہو جو جوئی دنیا داری، برہمن کو اور نہ میرا ب کرتی جو کھیتی کو۔ صحیح سلامت ہو۔ اور اس میں کوئی داغ نہ ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ اب آپ ٹھیک بات لائے ہیں۔ پس انہوں نے اس لائے کو ذبح کیا۔ اور وہ ایسا کرنے کے قہر بنیں تھے ⑥ (وہ) (سے بنی اسرائیل) اس واقعہ کو وہاں میں لاؤ جب تم نے ایک جان کو قتل کر ڈالا۔ اس میں تم مجھنا اچھے لگے۔ (اب) دوستہ کے سر پر دھرنے لگے، اور اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے، اس چیز کو جس کو تم چھپاتے تھے ⑦ پس ہم نے کہا کہ مارو اس مردہ کو گلے کے بعض حصے کے ساتھ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا۔ اور اسی طرح وہ تم کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے۔ تاکہ تم سمجھو اور غور و فکر کرو) ⑧

گذشتہ درس میں بنی اسرائیل کی جلد سازی کا ذکر ہو چکا ہے۔ انہوں نے احکام الہی جیسے بدنہ سے منے کی کوشش کی۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا، تو انہوں نے تعمق اختیار کیا۔ اور طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔ پھر جوں جوں سوالات کرتے گئے۔ تو ان کی سختیاں بڑھتی گئیں۔ آخر انہوں نے مجبور ہو کر گائے کو ذبح کیا۔ اور اس کا ایک ٹکڑا مردہ کے جسم کے ساتھ لگایا۔ نوہ زندہ ہو گیا۔ پھر اس نے بتایا کہ میں اس کے بھتیجوں نے دولت پر قبضہ کرنے کے لیے قتل کیا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی مخفی بات کو ظاہر کر دیا۔

قابل کا یہ بھی ارادہ تھا کہ وہ مقتول چچا کی لڑکی کو حاصل کرے گا۔ کیونکہ اس کی جائیداد کی وارثت تو وہی تھی۔ نیز وہ اس لالچ میں تھا کہ مقتول کی لاش کو جس علاقے میں پھینکا گیا ہے۔ اس کی قریبی بستی کے لوگوں سے مقتول کی میت بھی وصول کرے گا۔ یہ تمام باطل خیالات اس کے دل میں جاگزیں تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس چیز کو تم چھپاتے ہو اس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے۔ چنانچہ ان کی ساری تدبیر ناکام ہو گئی۔ جب وہ قتل کا یہی مقدمہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لے کر گئے۔ تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے۔ کہ گائے ذبح کر۔ یہ من کر پہلے تو وہ بھڑکے۔ کہنے موسیٰ علیہ السلام کیا آپ ہم سے نوا کرتے ہیں۔ بخیر اللہ تعالیٰ نے نبی نے کہا کہ میں ٹھٹھا نہیں کرتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ جو تمہیں سنجیدہ رہاؤں بٹھکا کرنا تو

ہا ہوں وہ ہے اس کے بعد انوں نے اس بات کو بخیرگی سے لیا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر کسی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمائش کر لیتے اور بولی بھی گائے نہ کر سکتے تو ان کا منہ مل بوجہ، مگر ان کے مزاج میں نہ آچہا تھا۔ وہ ریت دھس کر نہ لگے چنانچہ سوال پچھا کہ سدا شریع ہوگی اور وہ خود بھی پابندیوں میں جکڑے گئے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے سوا کسی کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے جس قسم کی گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا، اس کی توحشیں ہونی وقت نہ گزریا۔ تاہم اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی خاص صفت یہ تھی کہ اس طریقہ سے ایک غریب آدمی کی پرورش حق تعالیٰ دیتی۔ روایات میں آتا ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک پرہیزگار آدمی ذات ہو گیا۔ اس نے نیچے بیوہ، ایک بچہ اور ایک بچہ بچہ لیا۔ اس کے مددہ اس کی کوئی جائیداد نہیں تھی۔ مرنے سے قبل اس شخص نے دعا کی تھی کہ میری قبر میرے بچے کے سینے میں بکھرے میں برکت ڈال دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کو ثبوت قبولیت بخشا۔

اس بچے کی نیک نیتی اور سعادت مندی کے متعلق دو روایات آتی ہیں۔ ۱۔ ابن کثیرؒ نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ اس کا باپ بیمار ہوا تھا۔ سننے میں دہرے کوئی آجڑا یا بیمار فروخت کرنا چاہتا تھا۔ اس نے بچے کو اتنی ہزا میں بیع فروخت کرنے کی پیش کش کی۔ مگر بچے نے جواب دیا کہ میں اپنے باپ کی عبادت کے بغیر تم سے سود نہیں کر سکتا۔ جب وہ اٹھنے کا قوت کریں گے، تاہم میرے کما کر باپ کو بچاؤں۔ میں کو قیمت پر بھی بیع مزاجی دوں گا۔ مگر لڑکا باپ کے آرام میں مغل ہوئے پر رضا مند نہ ہوا۔ تاہم کہے کہ قیمت لینے پر بھی تیار ہوا۔ مگر لڑکے نے کہا کہ میں نئی ہزارہ کی بجائے ایک لاکھ روپیہ دیا پسند کروں گا۔ مگر باپ کو بے زور نہیں کر دیا۔ مفسرین عوام فرماتے ہیں کہ اس لڑکے کی نیک نیتی کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اسے برکت سے نوازا۔

بعض دوسری روایتوں میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرشتہ ان فی شعل میں اس بچے کے پاس

۱۔ تفسیر درمنثور ج ۱، تفسیر ابن کثیر ج ۱، ۲۔ تفسیر غریزی قاری ج ۲، ۳۔ تفسیر غریزی قاری ج ۲

۴۔ تفسیر ابن کثیر ج ۱، ۵۔ تفسیر غریزی قاری ج ۲، ۶۔ معالم التنزیل ج ۲

آبا اور بچہ ہمت کی قیمت دریافت کی۔ اور پھر دو دنیا کی پیش کش بھی کر دی۔ دیکھ کے نے کہا کہ میں اپنی والدہ سے پوچھے بغیر قیمت طے نہیں کروں گا۔ جب والدہ سے دریافت کیا تو وہ اتنی قیمت پر رضامند ہوئی، فرشتے نے زیادہ قیمت مانگی۔ نیکے نے بھڑک کر کہا کہ میں اپنی والدہ سے پوچھ کر بتاؤں گا۔ مگر والدہ نے پھر انسہ کر دیا۔ ماضی افرشہ قیمت بڑھا دیا، اور بار بار والدہ سے مشورہ کرتا رہا۔ منجہ والدہ کسی قیمت پر کچھ زیادہ نہیں پر راضی نہ ہوئی، اسلئے بچے نے آپ کو حلقہ حجاب وید باب فرشتے نے کہا کہ تو بڑے سادہ منہ بیٹے ہو، جو اپنی والدہ کی شے کے بغیر آپ کا قدم نہیں چمے۔ تو منجہ اس شخصیت کو غزوہ کے لئے مہمان پاس لوگ آئیں گے، منجہ غزوہ کی قیمت پر کچھ زیادہ دست نہ کرنا یہ تمہیں مالدار کر دے گا۔

ادھر بنی اسرائیل کو ایسے کچھ سے کی تلاش ہوئی، جب اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا تو انہوں نے پوچھا پھر تم پہلے انہیں یہی کچھ مل گیا جس میں بیان کر دیا تھا وہ صفات پائی جاتی تھیں۔ جب انہوں نے قیمت پچھا، چاہی، نو سو ذہن سمجھا، چنانچہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آکر بتایا کہ علویہ کچھ قبول کیا ہے، مگر اس کا ایک من سب قیمت پر نیتے کو تیار نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس شخص کو جہیجی "اور کچھ نہ لینے کی وجہ دریافت کی، اس نے عرض کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، آپ جی بتائیں، جب کہ میں اس کا ایک منوں بکایا جس اپنی مہنتی کے مطابق اس کو قیمت میں لائے گا مجھ کو نہیں ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ذرا بیشک تجھے اپنی مہنتی کے مطابق قیمت کی عبادت ہے، تو اس نے کہا کہ میں اس کچھ سے کہہ بنے اس کا ہر وزن سنا، میں کا، اس سے کہ قیمت پر یہ مہنتی نہیں ہوتا، بعض دوسری راتوں میں تب سے کہ اس نے کچھ سے کی مہنتی سے دس گنا زیادہ قیمت طلب کی، تاہم ہر وزن سونے والی روایت زیادہ مشہور ہے چنانچہ بنی اسرائیل نے وہ کچھ اس کے وزن کے برابر سونا لے کر حاصل کیا، اور پھر جسے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ذبح کیا۔

الغرض بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں فونی سمجھ کر کون ہائے دیجھ اس کے کر لائے کی کتابیں

ذبح نہ کیا۔ بلکہ اس کے متعلق سوالات کرنے شروع کر دیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں سوال و جواب کی تفصیل بتائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ جب انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا۔ تو کہنے لگے قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ۔ اے موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہمیں تفصیل سے بتائے کہ جس گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ وہ کیسی ہو۔ وَالَّذِي أَنْتَ فَعُولٌ۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہے۔ إِنْ هِيَ إِلَّا نَجَسٌ فَلَا فِيهَا مَقْتٌ۔ وہ گائے نہ تو برائی ہے۔ اور نہ عمر بیکار عورتوں کی طرح دونوں ٹانگوں کے درمیان ہو۔ فَاعْمَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ۔ پس کرو اوجہس چیز کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ معتقد یہ تھا کہ اب بھی زیادہ سوال و جواب کے چکر میں نہ پڑو۔ بلکہ درمیان ٹکر کی کوئی گنتی نہ کرنا شروع کر دو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ جس کی فوری تعمیل ہونی چاہیے۔ مجھ کو بد بخت تو میری بھی تعمیل حکم پر آدھ نہ ہوئی۔ بلکہ دوسرا سوال کر دیا قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ یعنی اے موسیٰ علیہ السلام ہمیں اپنے رب سے یہ پوچھ دیں يُبَيِّنْ لَنَا وہ ہمیں واضح طور پر بتائے مَا كُنْهِيَ کی اس گائے کا راز کیا ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے پھر اللہ تعالیٰ سے دریافت کر کے انہیں بتایا قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَغِيرٌ فَاقْبَلُوهَا وہ گائے نہ تو نمک کی صفت ہے۔ کہ وہ ذرو بھی ہو اور گڑ بھی تو یہ دونوں کے مختلف نام ہیں۔ اور پھر گائے ان کی صفت ہیں۔ مَعِيَةٌ ذَكَاةٌ اور سرخ کو مَعِيَةٌ کو مَعِيَةٌ کہتے ہیں تو اس گائے کے رنگ کے متعلق فرمایا کہ وہ گمراہ دیو تَشْكُرُ السَّاطِرِينَ جو لوگوں کو دلی بھلنے والا ہو۔ جسے دیکھ کر لوگ خوش ہو جائیں۔

پہلی امریکہ کے دل و دماغ میں تعمیل کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے قمر سوال کر دیا۔ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ اے موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے دعا کریں يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ وہ کیا ہے یہ بیان کرے کہ وہ گائے کیسی ہو۔ إِنْ الْبَقَرُ خَسْبَةٌ عَلَيْكَ بیشک گائے ہم پر مشتبہ ہو گئی ہے۔ یعنی ہم بھی تمک اس کی ٹھیک ٹھیک نشانیاں نہیں جانتے۔ اگر ہمیں اس کی پوری تفصیل سے آگاہ کر دیا جاتے وَأَنْتَ أَمْرٌ شَاءَ اللَّهُ لَمْ هَذَا وَأَنْتَ تو بے شک اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم زراہ پا سکتے۔ اس دفعہ انہوں نے اپنے مطالبہ کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ منسلک کیا تو یارِ آسمانی بات بھی جو جنوں نے دریافت کی۔ عام قانون بھی ہے کہ وَمَا تَقُولُ إِلَّا حَقٌّ

فخول رسالت میں کیا ہو۔ ہے۔ جوں جون لوگ بُری ہمیں پہنے اور یہ عید گھسے ہیں۔ ان میں جنڑے جاسے ہیں۔ نہ راضی اور نہ اس کا رسول راضی اور نہ خود ہی دشمنی رہ سکتے ہیں۔ یہی جہیز کی دھوکا دے ہیں۔ اس نے کس مدّت طول پڑا ہے۔ فلاں چیز چاہتے۔ فلاں چیز چاہیے۔ لوگ دالے خود طلب کر رہے ہیں۔ کبھی تیویشن کی ذمہ نش کچھ فیئر پڑ چاہتے۔ کبھی کوٹھی اور کمر کا مطالبہ یہ سب کچھ کیسے۔ ایک ایک کر کے اشاریں اضافہ ہو گیا۔ حتیٰ کہ ایک آدمی کی دسترس سے باہر ہو گیا۔ یہ سب اپنی ہی عام کردہ دہندگیوں کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

واقعه قتل

فریدؔ واذا قُتِلْتُمْ فَقتلوا ذُرِّيَّتَكُمْ قَاتِلْهَا جَبْتُمْ لَهَا اَيْسَ جَانِ كُفْلًا كَيْفَ اِيَّاكُمْ دُوسَرُ
کے سر ہوتے تھے۔ یہ ہے وہ اصل واقعہ جس کی وجہ سے بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم
ہوا۔ اور جسے بغاوت مقدمہ آنا چاہیے تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم کو پسے رکھا گیا اور اس واقعہ کو غور کیا گیا
یہ واقعہ بھی میں نے عرض کر دیا ہے، کہ بنی اسرائیل کے ایک دو متحدہ علیل نامی آدمی کہ اس
کے پیغمبروں نے مل و دولت اور اس کی بنی کے حصول کی خاطر قتل کر دیا۔ اور پھر خود دیت و مال
کرنے کے لیے قریبی سب کے لوگوں پر قتل مت کا مقدمہ دائر کر دیا۔ بخود اپنے مقصد میں کامیاب نہ
ہونے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو تمام ہر آدمی کی چیزوں کو جانتا ہے۔ اس پروردگار نے ان کا زلفا کش کر دیا
عمر یہ طریقہ بتایا کہ گائے ذبح کر کے اس کے جسم کا ایک ٹکڑا غنیمتوں کو ملکا تو وہ زندہ ہو کر خود اپنے قاتل
کو زندہ بنائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی چیز کو بیان فرمادے ہیں، کہ تو تو حقیقت کو پسیت تھے۔
وَاللّٰهُ مُخْبِرٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ مگر اللہ تعالیٰ غاہر نہیں ہے۔ اس چیز کو جو
تو چھپاتے ہو۔

نورِ حق اور نہی کی بے غلو، ہستہ اور قیام و عافیت ہر زمانے میں مومنوں کو رہے اور نہ ہی موجود ہے، بلکہ ہر چیز ہر خوش ہمتوں کو روزانہ سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے کہ وہ کسی کو کس طرح دعا کرے۔ یہاں تو بہت ہی بڑی محنتوں میں مجھ رہ رہ جاتے ہیں، اور بڑی بڑی تسلیات اٹھاتے ہیں مگر یہ بھی آدمی زہر و جوہات سے کیمل رہا کرتے۔ یہ تو شے سے یزنی ہے کسی مخلوق کے بس کی بات نہیں۔

ایضاً مونی
سنگھار

الغرض اقل کا پتا چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے گاتے ذبح کرنے کا حکم دیا اور فرمایا

فَقُلْتُ خُذُوا مِنْهُ بِقَبْضَتَيْ يَدَيْكُمْ كُلُّ مَكْرَهٍ فَامْرَأَةٌ خَالِدَةٌ فِي حَرِّهِمْ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَدَيْكَ يَكْفُرُونَ
 قیصر ہوا گزشتہ یحییٰ اللہ نسوئی اس طریق سے اللہ تعالیٰ اس نے اس کو زندہ کر کے کھڑا
 اور وہ وہیں باقی رہا کہ اس کے قتل کون ہیں۔ چنانچہ یہی ہوا اور مردہ زندہ ہوا۔

اس چیز میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ کون سا حصہ تھا جو مردہ پر نہ گیا۔ بعض روایات
 میں کہہ آتے ہیں کہ بعض میں نہ ان بیان کیا گیا ہے۔ بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کا حکم
 تھا۔ اور مجروحہ عورت پر یہ ہوا تھا کہ اس کے گوشت میں کسی کوئی تاثیر نہیں تھی جس سے مردہ زندہ ہو
 جاتا ہے۔ اگر ایسا ہو تو قصاص ہزاروں ہزار مردہ ذبح کرتے ہیں۔ وہ تو عام مردہ زندہ کر لیں۔
 اصل میں وہ تو اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ اس طریق سے مردہ زندہ ہو کر ان کی پوشیدہ بات کی ظاہر کرے گا۔
 اچانکے موتی بالکل اسی طرح کا مجروحہ تھا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تھمرا؟ فَقُلْتُ
 اخْرِبْ بِقَبْضَتِكَ الْخَبْرَ؟ اور اس پتھر پر اپنی لاشیہ مردہ تو اس سے بارہ پتھرے جہاں ہی ہو گئے۔ اچھا
 ہمارے پاس بھی ہیں۔ اور پتھر بھی بے شمار ہیں۔ مگر پانی نہیں تھا۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے
 پانی میں اس نے کا حکم دیا تو بارہ پتھر آستہ بن گئے۔ یہ سب خبرات تھیں۔

بہر حال ہمارے کا ایک حق ہے کہ اس سے مجروحہ مردہ زندہ ہو گیا۔ اس سے
 پوچھا کہ تمہیں اس نے قتل کیا تھا۔ تو اس نے صاف بتا دیا کہ اس کے قتل اس کے بھتیجے ہیں اور
 یہ مذبح عام میں گھنڈا لوگوں کو حقیقت کا علم ہو گیا۔ اس کے بعد وہ مردہ پھر اپنی مردہ حالت میں
 تبدیل ہو گیا۔ اس واقعہ پر یہ سبق یاد دہا ہے کہ جو ایک ملک اپنے حق سے ایک مردہ کو زندہ کر
 سکتا ہے۔ وہ قیامت کے روز تمام مردوں کو قبروں سے زندہ نکالتا ہے چنانچہ قدرت ہے اور اس قسم
 کے واقعات کو مشاہدہ اس لیے کرنا چاہیے۔ تو یسیر نیکنہ ایسا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں
 اپنی نشانیاں دکھائے جس سے تم بہت مایل ہو۔ اَلْعَمَلُ لَكُمْ لَتَفْقَهُوْا اَنَّكُمْ تَعْمَلُوْنَ۔
 اللہ تعالیٰ کی ان آیت کے پریشاں کرنے کے لیے، غایت کی راہ متعین کر سکو۔

قَالَ
 بَشَرًا

بھتیجوں نے چاہا کہ اس لیے قتل کیا تھا کہ وہ اس کی وراثت میں اس بھائی کا حصہ لے کر چاہتے

تھے مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ قاتل نہ صرف دراشت سے محروم ہو گئے، بلکہ انا انہیں مقتول کی دیت ادا کرنا پڑی۔

ہماری شریعت میں بھی قاتل دراشت سے محروم ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے
اَلْقَاتِلُ لَا يَكْرِهُتُ قَاتِلَ وَرَاشَتِ كَا حَتَّارٍ نِّمِں ہوتا، اُس نے مجرم ہی ایسا بڑا کیا ہے، کہ وہ اپنے
جائز حصے سے بھی محروم ہو گیا، اہم مالک کا ملک یہ ہے، کہ اگر قاتل غلہ اکیا ہو تو قاتل مقتول کی دیت
سے محروم ہو گا، اور اگر غلہ قاتل ہو ا ہے، تو دراشت کا حقدار ہے، باقی اگر اس بات کے قاتل
ہیں، کہ قاتل خواہ عمدہ ہو یا غلطی سے، ہر حالت میں قاتل اپنے مقتول کی دیت سے محروم ہو
جائے گا۔ اسی طرح مسلمان غیر مسلم کا اور غیر مسلم مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا
 فرمان ہے۔ لَا يَبِیْثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ مَثَلًا اَلْغَرِیْمَا رِیَاقِ ہو
جائے، تو وہ دشمنان باپ کی دراشت سے محروم ہو جائے گا، اسی طرح اگر باپ مذہب تبدیل کر
ے، تو وہ بیٹے کی دراشت سے حصہ نہیں پائے گا۔

البقرة

(آیت ۷۴)

ال

درس ۲۲

ثُمَّ قَتَّ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَيَسَّ لَكُمْ الْحَجَرَةَ أَوْ أَشَدَّ
قَسْوَةً ۚ وَإِنَّ مِنَ الْحَجَرَةِ لَمَّا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ أَلْهَامٌ وَإِنَّ مِنْهَا
لَمَّا يَشْقُوقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَّا يَلْهَبُ مِنْ
خَشْيَةِ اللَّهِ ۚ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۷۴﴾

ترجمہ: پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے۔ پس وہ حجروں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے
بہتر یہ اور سخت ہیں اور یہ ایک معجزہ ہے جس سے پانی جاری ہوتا ہے اور یہ ایک
ان پتروں میں سے بعض ایسے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں ان سے پانی نکلتا ہے اور یہ ایک ان پتروں میں
سے بعض ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے نیچے گر پڑتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان

کاموں سے غافل نہیں ہے جو تم کرتے ہو ﴿۷۴﴾

بنی اسرائیل کی بہت سی باتوں کا ذکر گذشتہ آیات میں آچکا ہے۔ اور بعض کا ذکر آگے
بھی آئے گا۔ آیت ذیل میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام تر باتوں کو نتیجہ بیان فرمایا ہے بنی اسرائیل
کی طرف سے کتان حق، بکھرے کی پستش، قانون کی عذت و رزنی، قتل انبیاء علیہم السلام وغیرہ
یہ تمام ایسی بیماریاں تھیں جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل کے دل سخت ہو گئے۔ سورۃ مائدہ میں
بنی اسرائیل کی قیامت قیامی کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے فَبِمَا نَقْضُہُمْ مِثْلًا نَقْضُہُمْ
لَعْنَتُہُمْ وَجَعَلَتْ قُلُوبُہُمْ قَسِیَّةً ۚ یعنی بنی اسرائیل کے عہد و پیمان توڑنے کی وجہ
سے ہم نے ان پر لعنت بھیجی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ اس
قسم کے کام کرتے تھے کہ ”یُحْکِرُ قُلُوبَہُمْ عَنْ مَوَٰجِعِ اللّٰہِ“ اللہ تعالیٰ کے کام کو
اپنے مقام سے تبدیل کر دیتے۔ گویا آسمانی کتاب میں تحریرات کے متعجب ہوتے تھے۔ جس کی وجہ
سے قیامت قیامی لعنت میں گرفتار ہوئے۔ بلکہ ان کے فہم بھی اٹھ گئے۔ ان میں ضعف و کمزوری
کی بیماری بھی پیدا ہوئی جس کی وجہ سے وہ جہاد کے لیے بھی آمادہ نہ ہوئے۔ بلکہ کہنے لگے کہ

الْمَبْدُ مِنْ رَبِّهِ فَهُوَ سَاجِدٌ لِّعَلَىٰ جَنِّ مَالَتُوں میں اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب حاصل ہوتا ہے۔ ان میں حالت سجدہ سب سے اولیٰ ہے، اس حالت میں جس قدر عجز و انکساری ہوگی اسی قدر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا۔ اسی چیز کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اتصال سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسی اتصال کی بدولت انسان کی حالت درست رہ سکتی ہے۔

مائل کلام یہ کہ جو شخص پتھروں جیسے اوصاف کا حامل بھی نہیں ہے۔ یعنی نہ تو اس سے مخلوق کو عام فائدہ پہنچتا ہے۔ نہ وہ شخص محدود ہیئت پر مغنیہ ہے۔ اور نہ ہی اس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اتصال ہے۔ تو پھر ایسا انسان بلاشبہ بد بخت الٰہی ہے۔ جس لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ انہیں قدرتِ خداوندی کی نشانیاں نظر آتی ہیں۔ بلکہ جو ان کے ساتھ چلنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ وہ بھی اس نعمت سے محروم نہیں رہتے البتہ ان کی وجہ سے بڑی بڑی باتوں کا ظہور ہوتا ہے۔

ہمارے بعض ایسے اکابر قریبی زمانہ میں ہوئے ہیں جو یقیناً مقرب بن الہی سے ہیں بیرونِ مملکت برطانیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بیعت کی اور علم حاصل کیا۔ شاہ صاحب نے مزید تربیت کے لیے اپنے بیٹے بادشاہِ شاہ عبدالقادر کے سپرد کر دیا، انہوں نے تین سال تک میر احمد شہید بریلوی کی تربیت کی۔ یہ وہی شاہ عبدالقادر ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قرآن پاک کا اردو ترجمہ کیا۔ صاحبِ کشفِ بزرگ تھے ہر وقت عبادت میں مشغول رہتے۔

شاہ عبدالعزیز کی عین نظروں نے جانچ لیا کہ میر احمد شہید بریلوی عظیم صلاحیت کے مالک ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے ہی لوگوں سے بہت اہم کام لیتا ہے۔ چنانچہ تین سال تربیت تکھل کر لیتے کے بعد شاہ صاحب نے میر احمد شہید کو لوگوں کے فوجی تربیت حاصل کرنے کا حکم دیا۔ لہذا آپ نے چھ سال تک فوجی تربیت بھی حاصل کی۔ گویا میر احمد شہید، شاہ عبدالعزیز کے تربیت یافتہ اور ان کے محاذ تھے۔

خود شاہ عبدالعزیز برصغیر میں اپنے باپ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بعد بہت بڑے عالمِ اہل فیتہ تھے۔ آپ محدث اور مفسرِ قرآن تھے۔ آپ کے داماد مولانا عبدالحی بھی بڑے پائے

ابنِ کابر
دین

کے بزرگ تھے۔ آپ سید صاحب سے زیادہ عالم تھے۔

شاہ اسماعیل شہید، شاہ عبدالغنی کے بیٹے اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پوتے تھے قرآن پاک کے علاوہ تفسیر ہزار معریش، زبانِ یاقوتیں، بیج کی نماز پڑھ کر قرآن پاک کی تلاوت شروع کرتے اور سورج نکلنے تک نہ کر لیتے، اور صبح کے بعد شروع کرتے تو مغرب کی اذان کے ساتھ ختم کر لیتے، اللہ تعالیٰ نے اس قدر انعام فرمایا تھا۔

ایک مرتبہ آپ کے ہاتھ میں شیخ عبدالغنی محدث کا وہ سال آگیا جس میں نماز کی ترکیب لکھی ہوئی تھی، چنانچہ اس طریقے کے مطابق ہی نماز پڑھنے کی کوشش کرتے تھے، آپ کی خواہش تھی کہ رات کے وقت دو رکعت ایسی نماز پڑھنے کی توفیق میسر آجائے جس کے دو دن کوئی دوسرا نہ آئے، ایسی کوشش میں رات بھر میں تنویرات نماز ادا کی، مگر مقصد حاصل نہ ہوا، اس بات کا ذکر آپ نے سید احمد شہید دہلوی سے کیا، کہ شیخ عبدالغنی محدث کے زمانہ میں مذکور طریقہ سے نماز پڑھنے کی کوشش کرتے ہوں، مگر کامیابی نہیں ہو رہی ہے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ محض کتاب میں طریقہ پڑھ کر مقصد حاصل نہیں ہوگا، آؤ میرے ساتھ دو رکعت نماز ادا کرو پنا کچھ جب سید صاحب کی اقتدار میں نماز پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے حضور قلب عطا کیا اور مطلوب کیفیت حاصل ہو گئی، اس واقعہ کا ذکر آپ نے حضرت مولانا عبدالحی کے پاس بھی کیا، کہ حضور قلب کیلئے انسان نے کتنی کوشش کی مگر یہ چیز سید احمد شہید کے ساتھ نماز پڑھنے سے حاصل ہوئی، یہ سن کر مولانا عبدالحیؒ کو بھی اشتیاق پیدا ہوا۔ سید صاحب سے عرض کیا تو انہوں نے انہیں بھی اپنے چمکے نماز پڑھائی، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی وہی کیفیت عطا کر دی، یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں صاحبان یعنی شاہ اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحی ہمیشہ سید احمد دہلوی کے ہمراہ رہے، شاہ اسماعیل کو تو اللہ تعالیٰ نے شہادت کا مرتبہ عطا کیا، مولانا عبدالحی کی شہادت ادا نہ ہو سکے، مگر شیخ، مابین جاکر جیسا کہ بڑے اور میں پرانی باتیں کیا، بالکل کھلی تاریخ میں شاہ اسماعیل شہید فوج کے ساتھ تھے اور مولانا عبدالحی سید احمد شہید کے لشکر میں عہدہ قضا پر فائز تھے، اس اسلامی فوج کے امیر سید احمد شہید دہلوی تھے، ہر میں ان کی قائم کردہ اسلامی حکومت تین سال تک رہی، اس کے بعد شملانوں کی نالافتخانی وجہ سے آگے نہ چل سکی، اسی دوران مولانا عبدالحی بیمار ہوئے جب ان کی زندگی کی امید باقی نہ رہی تو سید صاحب

نے پوچھا کوئی خواہش ہو قربانی کئے گئے خواہش کر شہادت کی موت کی تھی، جو پوری نہیں ہوئی۔ اب چاہتا ہوں کہ اس آخری وقت میں آپ کا قدم میرے سینے پر ہو۔ یہ صدمہ سب نے ان کی غور سے کر پڑا کیا، اور آپ نے اس کے بعد اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

مسلمانوں کی ناکامی کی بڑی وجہ ان کی اپنی غلامی ہے۔ یہ غلامی ابن علی کے دور کے بعد ساتویں صدی میں شروع ہوئی، اسی وجہ سے سطین تباہ ہوئیں، اور عثمان مدبرِ زمانہ ہی بنے۔ پھر اپنے قدموں پر تہ نہ گئے۔

تو ہر حال میں عرض کر کر دیتا، کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا اتصال نصیب ہوتا ہے، جتنا مسلمانوں میں وہی کامیاب ہوتے ہیں۔ اور جن لوگوں میں پتھروں والی تین سخت جہی نہیں ہوتی وہ بہ بخت اور شقی ہوتے ہیں۔ ان کے دل سخت ہو جاتے ہیں، مگر پتھروں سے بھی زیادہ مکنہ بنی اسرائیل کی مثال واضح ہے۔ یہ پتھروں سے بھی گئے گزسے ہیں، ان کا وجود غیر غنیہ مگر بنی انسان کے لیے ٹھہر ہے گویا یہ سارا اسرائیلیوں کی خرابیوں کا ذکر ہے۔

فَرِّمُوا لِلَّهِ عَمَلًا فَبِذَلِكَ يُقَدَّرُ لَكُمْ سَعَاتُكُمْ يَوْمَ تَكُونُ السَّاعَةُ يَوْمَ تَكُونُ السَّاعَةُ يَوْمَ تَكُونُ السَّاعَةُ غافل نہیں ہے۔ تمہاری تمام برکتیں اس کی نگاہ میں ہیں، ایک وقت آنے والا ہے، جب اللہ میں شانہ تمہارے اعمال کا انجام تمہارے سامنے رکھ دے گا۔ یہ سارا بنی اسرائیل کو خطا ہے، کہ اب بھی سمجھنا اور راہِ راست پر آجاؤ، تو اچھے انجام کو پہنچ جاؤ گے۔ ورنہ تم اللہ کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے۔

تَقْصُمُونَ كَيْفَ يُؤْمِنُكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ
 كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يَنْتَرِفُونَ مِنْ بَيْنِ مَا عَقِلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ
 (۵۵) وَرَدُّنَا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَذَا اخْلَا بَعْضُهُمْ إِلَى
 بَعْضٍ قَالُوا أَتُخَذُ الَّذِينَ يَمُنُ بِمَا فَرَّغَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِحَا جُؤْكُمْ بِهِ
 عِنْدَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (۵۶) أَوْ لَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ
 مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ (۵۷) وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ
 الْكِتَابَ إِذَا آمَنُوا وَلَا يَنْظُرُونَ (۵۸) فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُمُونَ
 الْكَيْبَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيُشْرَوْا
 بِهِ ثَمَنٌ فَلْيَدَّ فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ
 وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ (۵۹)

ترجمہ: وہ اہل ایمان کیا توقع رکھتے ہو کہ اہل کتاب ایمان لائیں گے تمہاری
 بات پر۔ حالانکہ ان میں سے ایک گروہ ایسا تھا جو اللہ کا کلام سننے سے تنہا
 برہنہ لے لیتے تھے۔ بعد اس کے کہ انہوں نے اسے سمجھ لیا تھا۔ اور وہ جانتے بھی ہیں
 (۵۵) اور جب وہ اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں، ہم بھی ایمان لائے۔ اور جب
 انہیں ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض بعض کے پاس تو کہتے ہیں کیا تم ان (مٹاؤں)
 کے پاس ایسی چیزیں بیان کرتے ہو جو اللہ نے تم پر ظاہر کی ہیں تاکہ وہ ان کے ذریعے
 تمہارے ساتھ منائے رب کے ہاں تمہارا کریں کیا تم سمجھتے نہیں (۵۶) کیا یہ
 لوگ اس بات کو نہیں جانتے کہ جبکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جس چیز کو یہ چاہتے ہیں
 اور جس کو ظاہر کرتے ہیں (۵۷) اور ان میں سے بعض ان پر ایمان جو نہیں جانتے
 کتاب کو مٹا دینے جیسا کہ انہوں نے اور نہیں ہیں وہ مٹا دیں گے (۵۸) پس ہلاکت

یہ لوگوں کے لیے جو سمجھتے ہیں کہ اب وہ اپنے ہاتھوں سے پھر کئے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، تاکہ خریدیں اس کے ذریعے عظیم قیمت، پس ہلاکت ہے ان کے لیے جو سمجھتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں نے، سو، جانتے ہیں ان کے لیے جو کیا ہے، انہوں نے (۴۹)

گذشتہ آیات میں بنی اسرائیل کی بہت سی باتوں کا تذکرہ ہو چکا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بہت سی نشانیں دیکھنے کے بعد بنی اسرائیل کے دل سخت ہو گئے، بلکہ پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو گئے، پس اللہ تعالیٰ کے بعض پیغمبر بھی مضیہ ہوتے ہیں، جو یہ قوم تو ان پیغمبروں سے بھی بدتر ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے غافل ہیں، مگر اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے غافل نہیں ہے، ان کے سب کام اس کے علم میں ہیں، آیاتِ زبور میں بھی یہودیوں کی بعض دوسری غزالیوں کا ذکر ہے، مگر یہاں روئے سخن مسلمانوں کی طرف ہے۔

ربانیات

ارشاد ہوتا ہے اَفْطَحُوْا اَنْجُوْمُ سَوَالِكُمْ یعنی اے اہل ایمان! ایک دم توقع کرتے ہو کہ یہود و نصاریٰ سے کہنے پر ایمان لے آئیں گے، فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہوگا، یہ بڑی بد بخت قوم ہے۔ یہ تمہاری بات کی ہرگز تصدیق نہیں کریں گے۔ یہ لوگ دین اسلام کو قبول کرنے کے لیے کبھی تیار نہیں ہو گئے، گویا اللہ تعالیٰ نے انہوں کو یہ بات سمجھا دی کہ تم ان سے کہو کہ یہ تمہارے ساتھ شریک ہو جائیں گے، کیونکہ شرکت و دوجہ کی بنا پر ہر کسی سے ہے، یا تو کوئی شخص دوسرے کا معتقد رہے کہ ساتھ چلے یا اس کا تابع ہو جائے، جب تک ان دونوں سے کوئی ایک چیز متعلق نہ ہو، بل کہ چنانچہ محال ہوتا ہے، مگر حقیقت حال یہ ہے کہ یہودیوں میں نہ معتقد بننے کی اہلیت ہے اور نہ تابع بننے کی صلاحیت، یہ لوگ معتقد اس لیے نہیں بن سکتے کہ ان کی فوخرانہ ہونچ ہے ذہنیت بڑھ چکی ہے، ان کا دین تبدیل ہو چکا ہے اسی طرح تابع وہ شخص ہو سکتا ہے جو منفعہ مزاج اور بے لوث ہو، مگر یہودی ان تمام صلاحیتوں سے محروم ہیں، اس لیے ان کی شرکت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اے ایمان والو! تم ان کے پیچھے نہ پڑو، بلکہ ان کو وہ راستہ پر لانے کی اگر کوئی امید نہ رہے، بل میں ابھی تک وجود ہے، تو اسے منقطع کر دو، یہ لوگ انتہائی درجے کے متعصب، غصہ سی اور عنادی ہیں، جیلہ ساز اور فریب دہندہ لوگ ہیں، دنیا کی خاطر دین کو بھڑکانا کام مشغول ہے، لہذا ان سے کسی بھی عہد شکنی کی توقع نہ رکھو۔

یہودیوں کی طرف سے
ناامیدی

فرمایا ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ وَقَدْ كَانَ قَرِيبٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ان میں سے بعض لوگ اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے تھے۔ شَوْءٌ يَخْتَفُونَ مِنْهُ بے ہوش ہو کر گھومتے تھے۔ اور وہ جانتے تھے کہ کیا کثرت کر رہے ہیں۔ گویا وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب تورات میں جان بوجھ کر تحریف کرتے تھے۔

بعض مفسرین کا اور قریب یہ ہے کہ یہاں پر تحریف سے اس واقعہ کی طرف اشارہ کرنا مراد ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ستر آدمیوں کو سامنے لے کر کوہ طور پر گئے تھے۔ تاکہ وہ خود اللہ تعالیٰ کا کلام سن سکیں۔ کہ یہ کتاب واقعی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی۔ یحیٰی ان لوگوں نے تحریف ہی کی کہ کبیشک یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ مگر اس کے احکام پر سختی سے عمل کرنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ کہا ہے کہ جب قدر آسانی سے عمل ہو سکے کرنا۔ باقی کو چھوڑ دینا۔ اللہ تعالیٰ نے ان ستر آدمیوں کو بجلی کے ذریعے خاکستر کر دیا تھا۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے انہیں پھر زندگی عطا کی۔ مختصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے ان لوگوں نے وہ دلائل و شواہد اللہ تعالیٰ کے حکم کو بدل دیا۔

حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے کے اہل کتاب خصوصاً یہودیوں کی تحریف کی بھی واضح مثالیں موجود ہیں۔ آج کے آئے گا کہ یہودیوں کا دھڑا یہ تھا کہ يَتَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ الْخَلْقُ وہ جانتے تھے کہ بنی آخر الزمان کا دین سچا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جڑ پھین گویاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تورات میں بیان کی ہیں۔ وہ سب کی سب آپ پر پورا اترتی ہیں۔ مگر اس کے باوجود لوگوں کو صحیح بات بتانے کے لیے تیار نہ تھے۔ بلکہ تورات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیان کردہ شایوں کو چھپاتے تھے۔ اور لوگوں کو اپنی بدیہی باتوں پر ایمان دلانے سے روکتے تھے۔ سورۃ مادہ میں آئے گا کہ ان لوگوں نے تورات کے احکام میں بھی تحریف کی۔ تورات میں جو حکم کا حکم موجود تھا کہ شادی شدہ زانی کو سنگسار کیا جائے۔ مگر یہودیوں نے یہ حکم چھپایا۔ تورات میں حضور علیہ السلام کا حکم مباد کہ موجود تھا کہ آپ خوش شکل ہوں گے۔ آپ کے بال گھنٹہ لے لے اور

آنکھیں یاد ہوں گی۔ قدر بیان اور۔ جب گندی ہو گا۔ مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لے آئے۔ اور آپ نے اپنی نبوت کا اعلان فرادیا۔ تو یہودیوں نے قرآن میں آپ کے بیان کردہ جیسے کو بدل دیا۔ اور لوگوں سے یہ کہنے لگے۔ کہ نبی آخر الزمان (علیہ السلام) جیسے قدر دے ہوں گے آپ کی آنکھیں بند ہوں گی۔ اور بال سیدھے ہوں گے۔ اس طرح انہوں نے لوگوں کو آپ پر ایمان لانے سے روکنے کی کوشش کی۔

یہودی کی بددھرمی

الغرض! اہل ایمان کو گھمایا جا رہا ہے۔ کہ یہود سے یہ توقع نہ رکھو۔ کہ تمہاری تبلیغ سے یہ لوگ ایمان سے آئیں گے۔ یہ کس نعمت قسم کے ہٹ دھرم لوگ ہیں۔ جانتے ہو جتے ہوئے بھی یہ راہِ راست سے دور ہی رہیں گے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت یہودیوں کے دس بڑے عالم موجود ہیں۔ اگر یہ دس آدمی ایمان قبول کر لیں تو کوئی بھی یہودی باقی نہیں بچے گا۔ سب ایمان لے آئیں گے۔ مگر یہ عالم اپنی ہٹ دھرمی پر قائم ہے۔ ان میں سے صرف ایک آدمی نے ایمان قبول کیا۔ باقی سب اپنی ضد پر اڑے ہے۔ نصاریٰ کو بھی یہی حال ہے حضور علیہ السلام کو چودہ سو سال گزرنے کے بعد میں مگر انہوں نے آج تک انہیں تسلیم نہیں کیا۔ آپ ارشاد ہے تلک نصاریٰ اسی طرح دنیا میں موجود رہیں گے۔ حتیٰ کہ جب مسیح علیہ السلام قرب قیامت میں نازل ہوں تو اس وقت ان کی سرکوبی ہوگی۔ اور پھر یہ دنیا سے ختم ہو جائیں گے۔

یہود کے ساتھ
موافقت اور
ان کی مخالفت

ابتداء سے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے ساتھ موافقت کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ انہیں ترغیب ہو۔ اور یہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں اس قسم کے احکام ملتے ہیں آگے دیکھیں بارے میں قرآن پاک میں بھی آئے گا کہ بیت المقدس کی طرف منکر کے غار پڑھنے کا حکم یہودیوں کی ترغیب کے لیے ہی تھا۔ خود حضور علیہ السلام نے سر کے بالوں کے بنانے میں اہل مکہ کا طریقہ اختیار کیا۔ اس زمانے میں منکر کین سر میں ہانگ نکالا کرتے تھے۔ مگر یہود ہانگ نہیں نکالتے تھے۔ بلکہ ویسے ہی بالوں کو پیچھے کی طرف ڈال دیتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے موافقت کی خاطر ان کا طریقہ اپنایا۔ لہٰذا آپ ہانگ نہیں نکالا کرتے تھے۔

یہودی سخت متعصب تھے۔ ان پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ لہذا بعد میں آپ نے ایک سنانا شروع کر دیا۔ آپ نے دیکھ لیا کہ یہ لوگ کسی طرح راد راست پر آنے کے لیے تیار نہیں۔

اس کے بعد آپ نے دوسرے طریقے اختیار فرمایا۔ اور انکار انحال میں اہل کتاب کی مخالفت شروع کر دی۔ چنانچہ ایسے کئی ایک مائل ہیں۔ جن میں اہل کتاب خصوصاً یہودیوں کی مخالفت کا حکم ہے۔ یہود محمد بنحام کی دسویں تاریخ کا روزہ رکھتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: ختم ان کی مخالفت کرو اور دسویں تاریخ کے ساتھ نویں تاریخ کا روزہ بھی رکھا کرو۔ اسی طرح یہود حیض والی عورت کو گھر میں نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ علیحدہ کر دیتے تھے۔ آپ نے فرمایا: تم عورت کو مہمانت میں اپنے گھر میں رکھو۔ فرمایا: حیض والی عورت گھر کے سامنے کام انجام دے سکتی ہے۔ سوائے اس کے کہ اس کے ساتھ مباشرت جائز نہیں۔ میاں بیوی اکٹھے بیٹھ سکتے ہیں ایک برتن میں کھا نکھا کھتے ہیں تاہم مباشرت نہیں کر سکتے۔

اہل کتاب ہالوں کو رکھنا ناجائز سمجھتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے اس کام کی اجازت مرحمت فرمائی۔ یہ اہل حق سے مخالفت کی بنا پر تھا۔ اسی طرح یہود تہ بنہ نہیں بنا دیتے تھے۔ آپ نے شہور پہننے اور تہ بند بنانے کا حکم دیا۔ مقصد یہ کہ شروع شروع میں مہینہ کے یہودیوں کی خاطر ان کی مخالفت میں بعض امور انجام دیئے۔ مگر جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ بڑے منہدی اور مبٹ و حرم لوگ ہیں۔ تو آپ نے ان کے بعض امور کی مخالفت کا حکم دیا۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ اسی بات کو بیان فرماتا ہے۔
 کہ اے اہل ایمان! تم اہل کتاب سے کسی موافقت کی امید نہ رکھو۔ بلکہ تو سخت عداوت لوگ ہیں۔ یہ کبھی تمہاری بات ماننے پر تیار نہیں ہوں گے۔ بلکہ ان کا طریقہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کے بعد اس پر عمل نہ کیا۔ بلکہ اس میں تحریک شروع کر دی۔

اہل کتاب میں سے تو ایک گروہ ایسا تھا۔ جو علیٰ زید علیہ السلام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آجہ کر آتا تھا۔ اور آپ کی مخالفت کرتا تھا۔ البتہ ایک مختصر گروہ۔ یہ بھی تھا۔ جو بظاہر تو دائرہ اسلام میں داخل ہو چکا تھا۔ مگر وہ پردہ ان کی بعد۔ دیاں یہودیوں کے ساتھ تھیں۔ اسی آیت میں ایسے ہی لوگوں کی ذمہ داری

کہ بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَإِذْ أَلْفُوا الَّذِينَ آمَنُوا فَأَلْفُواهُمْ یعنی ایسے لوگ جب اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں میں وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ لَئِیْ لَیْسَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّشْرِكُ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَیْكُمْ کہتے ہیں کیا تم مسلمانوں کو ایسی باتیں کہتے ہو۔ جو اللہ تعالیٰ نے تم پر ظاہر کی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا۔ لَیْسَ أَجْرُكُمْ بِمَدْعُومٍ کہ تم کو یہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے ہاں اس بات میں تمنا سے ساتھ مجبور کریں گے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ تم مسلمانوں کو تو رافکے احکام سے بھول آگاہ کرتے ہو جن میں محابہ کہ بھی آخر الزمان کی یہ نشانیاں ہیں اور یہ کہ تورات و قرآن پاک کی تصدیق کرتی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ایسی باتیں اہل ایمان کو نہ بتاؤ یہ آخرت میں اسی سے تمنا سے خلافت دلیل قائم کریں گے۔ کہتے تھے کہ یہ ایسی گہری بات ہے جو ہم سے خلافت جاتی ہے أَفَلَا تَعْقِلُونَ کیا تم نہیں سمجھتے۔ یعنی تمہیں اس حکم کی کوئی سمجھ نہیں آتی کہ یہ چیزیں ہمارے حق میں نہیں ہیں۔

اہل کتاب کی ان تمام تر چالاکوں کے متعلق ارشاد خداوندی ہے کہ ان کی ہوشیاری کی کام نہیں آئے گی۔ أَلَا یَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّونَ وَمَا یُعْلِنُونَ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کی ہر اس بات کو جانتا ہے جو یہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ یہ ظاہر کرتے ہیں وہ سمجھتے تھے کہ منافقت کا یہ چکر چلا کر وہ اہل کتاب اور اہل ایمان دونوں کے ساتھ تعلقات برقرار رکھ سکیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کا پردہ فاش کر دیا۔ اور فرمایا کہ یہ لوگ جو بے ایمانی کر رہے ہیں۔ احکام کی غلط تفسیر کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔ ان کی کوئی چال کاہلیاب نہیں ہوگی۔

یہودیوں کی
موجہ آزمیزی

فرمایا کہ عین کور اور منافقت تو عام لوگوں کی بیماریاں تھیں۔ یعنی یہ نصائل ان لوگوں کے تھے جو حق پر است علم رکھتے تھے۔ ان کے عذرہ بعض لوگ ایسے بھی تھے وَمِنْهُمْ مَّنْ یُّقْبِلُونَ لَا یَعْلَمُونَ الکتبہ جو بالکل ان پر مرتے انہیں کتاب کا بالکل علم نہیں تھا۔ فرمایا ایسے لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ کچھ نہیں جانتے اور امانی سوائے چند خود ساختہ آرزوؤں کے جن کا ذکر آئے پہلے بھی بارگشت صرف یہودیوں کے سینہ وقف ہے۔ یا یہ کہ سخت ہر ایمان علیہ السلام

دوزخ کے دروازے پر پھرنے ہوں گے، اور قیامت کے دن کسی یودی کو جس نے خطنہ کی ہوگی اس میں نہیں گرنے دیں گے۔ یا اگلی ہی سہیل دوزخ میں پٹے جی گئے، فوجہ دسے شے ایتام کے لیے جتنے دن ان کے آباء اجداد نے پھڑے کی پوجا کی تھی۔ اس کے بعد پھر جنت میں داخل ہو جائیں گے، بنی اسرائیل کے بابل اور ان پر اس قسم کی آزمائشیں لیے بستے تھے۔ مگر ان کا عہدہ یہاں تک تھا، کہ عربوں کا دل بضم کر کے میں کوئی نہ نہیں ہے۔ سود کو بدل کرنے کے لیے طرح طرح کی آویں کرتے تھے شہرت کو باندھ کر شہرت تھے، وَأَن فَعَمَ الزَّالِظُ اور زمین پر یہ مرد وہ نکاح کرتے۔

تورہ میں
تحریریت

تحریریت فی الکتاب کے تعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل کا حال یہ ہے کہ اس جرم کی بنا پر فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُمُونَ الْكُتُبَ یا ایدہ ہجو کا حکم ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو اپنے احمق سے کتاب یعنی تورہ لکھتے ہیں ثُمَّ يَكْفُرُونَ لہذا جن عِنْدَ اللَّهِ پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ گویا اپنی تحریر کو اللہ تعالیٰ کی تحریر کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس قدر غلام لوگ ہیں۔ اور یہ تحریر اس لیے کرتے ہیں لیکن تُؤَدِّبُهُمْ لہذا کہ اس کے ذریعے حقیر معاوضہ بدل کر میں مثلاً جب کسی زانی کو جرم کی سزا ہے، پھر معصود ہو کر کشت تھے۔ کہ تورہ کا حکم یہ ہے کہ ایسے شخص کا منہ کالا کر دو اور گتے پر سوار کر کے شہر بھر دو یا زیادہ سے زیادہ کوئی جہاد کر دو۔ اس طرح زانی کی جان بچا لیتے۔ اس کے علاوہ ان کے ادب میں بے شمار من گھڑت مبالغے تھے جنہیں تورہ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ تحریریت کی دونوں صورتیں ان میں پائی جاتی تھیں۔ یا تو الفاظ ہی بدل دیتے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔ یا پھر الفاظ تو نہیں بدلتے تھے، مگر ان کی تادیل غلط کر کے اپنا مقصد پورا کر لیتے تھے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی یہ قیامت بھی بیان کر دی کہ وہ کتاب الہی میں تحریریت جیسی قبیح حرکت کے مرتکب ہوتے تھے۔

تحریریت کا دائرہ مٹاؤں تک وسیع ہو چکا ہے۔ آج کے دور میں انصاف کی نظر سے دیکھیں گے تو پتا چلے گا کہ اکثریت کے عقیدے خراب ہو چکے ہیں۔ کہتے خود خدا اور جوتے عقیدے ہیں جنہیں آج کل کے نام نہاد علماء قرآن و سنت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ تحریریت فی الکتاب درست نہیں تو ادا کیا ہے آج کے داخل قبر پرستی، رسومات، اور دیگر

بھی طلاق عادی کہتا، کسی صاحبِ لڑائی عادی سے مشورہ یہ ہوتا، طلاق دینے اور پھر اس کے اثرات کے متعلق پوچھا جاتا، سر رہنے، معاشرے کا اصول یہ ہے، کہ طلاق دینے کے بعد اس کے اثرات کے لیے فتنی حاصل کرنے آتے ہیں کہ جو غلطی ہوگئی ہے، ٹکے نہ ٹکے میں اس کو طلاق دے دی ہے۔ اب اس کا کوئی مل بتائیں، ہر چوبیس سال سے یہی کچھ دیکھ رہے ہیں اتنے عرصے میں صرف ایک آدمی نے طلاق دینے سے پہلے مشورہ کیا ہے، کہ میرا بیٹا اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہے، بھڑکی کو کشش کے باوجود نباہ کی صورت نظر نہیں آتی، آپ ہمیں طلاق دینے کا صحیح طریقہ بتائیں، ورنہ باقی سب طلاق دینے کے بعد ہی آئے ہیں، کہ اب کسی طرح حلال کر دو، یہ دین میں تحریر نہیں اور کیا ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تحریف کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرمایا فَوَيْلٌ لِّهٖم مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيہُمْ پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے سچ یعنی خود کچھ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا اور تحریف کے مرتکب ہوئے وَدَرَبِلَ لِّهٖم مِثْقَالَ ذَرَّةٍ اور ہلاکت ہے ان کے لیے جو انہوں نے کیا ہے یعنی غلط فہمیت دیکر اور تحریف کر کے جو دنیا انہوں نے کما لی وہ ان کے لیے باعثِ ہلاکت ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر حلال کی بجائے حرام کیا ہے، اور حرام کیا ہے تو اس کی قیمت میں تا ہی ہی آئے گی اسی بات کو دوسرے مقام پر یوں بیان فرمادیا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ظَنَّ بِاَنَّہُمْ اَمَّا بَدُوْلًا فَاَسْبَغُوْا یعنی اس سے پہلے ہی پیرا دہ عالم میں جو لوگوں کا مال باطل طریقے سے کما جاتے ہیں، یہ باطل طریقے ہی ہیں، جو شہر کرے اور بدعتہ رسوم کو اپنا کر اختیار کئے جاتے ہیں، جھوٹی کمائیاں سنا کر اور باطل عقیدے پھیل کر لوگوں کا مال بھگم کیا جاتا ہے، اور ان کے ایمان ضائع کئے جاتے ہیں، تو فرمایا اس قسم کی کما لی پر بھی لعنت، تا ہی اور بربادی ہے۔

اس کے بعد یعنی اسرائیل کے بطل عقائد کی تفصیل آ رہی ہے، اور قانونِ نجات کا درجہ تذکرہ ہو گا، جیسا کہ پہلے ہی ہو چکا ہے۔

وَقَالُوا لَنْ نَمُتَ السَّارِ إِلَّا آيَاتُنَا مَعَهُ وَدَعَا قُلُوبَهُمْ لِيَتَكَلَّمُوا بِغَيْرِ
 اللَّهِ عَهْدَ أَفَلَنْ يَخْلُفَ اللَّهُ عَهْدَهُ أَمْ قَوْلُكَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا
 تَقْلُمُونَ ﴿٨٠﴾ بَلَى مَنْ كَبَّ سَيْئَةً فَأَخَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ
 فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨١﴾ وَالَّذِينَ
 آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ
 فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨٢﴾

بِقَوْلِهِ

عَنْ

ترجمہ اور (یہودی) کہتے ہیں کہ ہرگز نہیں مجھوتے گی ہم کو (دوزخ کی آگ
 مگر چند دن کے لیے۔ اسے پیغمبر) آپ فرما دیجئے کیا تم نے پڑھا ہے اللہ تعالیٰ کے
 پاس کوئی عہد پس ہرگز نہیں غفلت کرے گا اللہ تعالیٰ اپنے عہد کا — بلکہ تم اللہ تعالیٰ
 پر وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے ﴿۸۰﴾ کیوں نہیں جس شخص نے بڑائی کا فی اور گھبرا
 اس کو اس کے گناہوں نے وہی لوگ دوزخ واسے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے
 ﴿۸۱﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے۔ وہی لوگ جنت واسے

ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۸۲﴾

اس رکوع میں اہل کتاب کی خدایوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ
 نے کافروں سے امید قطع کرنے کا حکم دیا کہ وہ بڑے متعصب لوگ ہیں۔ آپ ان سے
 ایسا نہ لائے کہ امید رکھیں۔ اس کے بعد ان کے دو طبقوں یعنی اہل علم اور اہل پرستش
 لوگوں کا ذکر ہوا کہ ان جابلوؤں سے پاس دین نہیں۔ بلکہ چند چھوٹی آرزوئیں ہیں مثلاً کہ طہر
 پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی ایک نبی آرزو ہے کہ وَقَالُوا لَنْ نَمُتَ السَّارِ
 وہ کہتے ہیں کہ ہم دوزخ میں نہیں جائیں گے إِلَّا آيَاتُنَا مَعَهُ وَدَعَا قُلُوبَهُمْ لِيَتَكَلَّمُوا بِغَيْرِ
 جنت تو ہمارے لیے مقدر ہو چکی ہے۔ دوسری جگہ ان کی بات کہ لوگوں بان فرمایا لَنْ يَدْخُلَ

یہودیوں کے
 باطل عقائد

الْجَنَّةِ اَلْاَمْنُ كَانَ هُوَذَا اَوْ لَصَوٰی اُسکے اسی سورۃ میں آ رہا ہے۔ کہ رُود کا ادعا ہے کہ جنت میں صرف وہ جائیں گے۔ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ جنت صرف ان کے لیے ہے۔ اس قسم کی اد بھی باتیں ان کے اعتقاد میں داخل ہیں مثلاً توبہ کی شرح اور ان کی دیگر دینی کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دوزخ کے دروازے پر کھڑے ہوں گے۔ اور وہ کسی مخزنِ اسرار کی کو دوزخ میں نہیں جانے دیں گے۔ فقہ کی ابتدا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہی ہوئی تھی۔ ابراہیمؑ کو ان میں بعض کرتے ہیں اور بعض نہیں کرتے۔ وہ کہتے تھے۔ کہ بالغرض اگر ہم دوزخ میں پہنچے بھی گئے تو چند دن سے زیادہ وہاں نہیں رہیں گے۔ بلکہ جنت میں پہنچے جائیں گے۔ اِنْ كُنَّا كَايَاكُمَا هَعْدُ وَوَدَّعَے کیا مراد ہے۔ اس میں مختلف آثار ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بڑوں کا اعتقاد یہ ہے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے۔ اور ہر ہزار سال کے بعد ایک دن یسوی دوزخ میں رہیں گے۔ گویا زیادہ سے زیادہ سات دن انہیں دوزخ میں رہنا پڑے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ کتنے دن دوزخ میں رہیں گے۔ جتنے دن کوئی علیہ السلام طہرِ اعکاف میٹھتے تھے اور انہوں نے کچھ طے کی پروا کی تھی۔ یعنی چالیس دن ایک تیسرے گروہ کا خیال ہے۔ کہ جتنی عمر انہوں نے اس دنیا میں گزاری ہے۔ اتنے سال۔ یعنی۔ دن دوزخ میں گذار کر پھر بہشت میں پہنچ جائیں گے۔ الغرض اس سلسلے میں مختلف قیاس آرائیاں ہیں۔ جو یہودیوں نے پیدا رکھی ہیں۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جب ان کی خام خیالیاں ہیں۔ جنت اور دوزخ میں جانے کا یہ اصول برگز نہیں جو نبیؐ نے خود بنا رکھی ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلامؐ کو یہ پیغام دیا قُلْ اَتَّخَذْتُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا اَنْ اَنْتُمْ سے فرما دیں کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد پکا رکھا ہے۔ کہ تم ضرور جنت میں جاؤ گے اور یہ کہ تم چند دن سے زائدہ دوزخ میں نہیں رہو گے۔ وہ کوئی عہد ہے۔ جس کی پابندی اللہ تعالیٰ ضرور کرے گا۔

۱۱۔ تعزیر عزیزی نامی پندرہویں تفسیر ابن کثیرؒ، ۱۲۔ تعزیر عزیزی نامی چھٹی تفسیر ابن کثیرؒ، ۱۳۔ تعزیر عزیزی نامی چھٹی تفسیر ابن کثیرؒ، ۱۴۔ تعزیر ابن کثیرؒ

فَلَنْ يَخْلُفَ اللَّهُ عَهْدَهُ اور اللہ تعالیٰ اپنے عہد کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی وعدہ تم سے نہیں کر رکھا ہے۔ اَمَّا تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ بلکہ تم اللہ تعالیٰ پر وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔ البتہ ایمانداروں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کر رکھا ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں سکھایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح کہا کرو: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعٰهَدُ اِلَيْكَ فِیْ هَذِهِ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مَعِیْ اے اللہ! میں تیرے سامنے اس دنیا کی زندگی میں عہد کرتا ہوں۔ بِاَنْتَ وَحْدَکَ لَا شَکَیْرَ لَکَ لَنْ یَکُوْنُ لَکَ وَکَیْلٌ اور تیرا کوئی شریک نہیں دَانَ مُحْصَدًا عِبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ اور بے شک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں وَ اِنِّیْ اَتَّقِیْ اَلْاَیْمَةَ حَتِّیْکَ اور مجھے مرنے پر ہی رحمت پر ہی جھروا رہے۔ رَنْ یَّکْفِیْ اِلَیّیْ نَفْسِیْ اگر تو مجھے میرے نفس کی طرف سوچ دے گا۔ فَتَقْبِلَ مِنِّیْ مِنَ الشَّیْءِ تَوْبَیْ شَرِّیْ قَرِیْبَ کَرَمَیْ۔ وَ یَجْعَلَ لِّیْ مِنَ الْخَیْرِ وَرَثَیْ اور بھلائی سے دوز کر دے گا۔ فَاجْعَلْ فِیْ عَهْدِکَ عَهْدًا تَوْفِیْقِیْدَ یَوْمِ الْقِیَمَةِ پس ترمیم سے عہد بنا دے گا اس کو قیامت واسطے دن پر اگر سے۔ وَاَنْتَ لَا تَخْلُفُ اَنِیْعًا ذَبَّ شَکَّ تَوَدَّعَ کَوَ خِلَافَیْ نِیْسَ کَرَمًا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص اس دعا کو دنیا میں پڑھے گا۔ تو اس کو قیامت واسطے دن اس کا بدلہ ملے گا۔ اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی عہد کرنا ہو تو وہ ایمان کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے ایمان کے بغیر کوئی عہد نہیں ہو سکتا جو انسان کے لیے دوزخ سے نجات کا ذریعہ بن سکے۔ اے بنی اسرائیل تمہارے پاس تو ایمان موجود نہیں۔ لہذا تم یہ دعویٰ کیے گئے کہ تمہارا دل تو دوزخ میں جا چکا ہے نہیں۔ اور اگر گئے بھی تو چند روز سے زیادہ وہیں ٹھہریں گے۔ بلکہ جنت میں آجائیں گے۔ یہ تو تمہارا عقیدہ بالکل فاسد ہے

فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں بنی اسرائیل کے عہد باطلہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے جنت میں پہنچنے اور دوزخ سے نجات کا قانون تو آگے رہا ہے۔ جس چیز کو بنی اسرائیل

باطل عہد
کی بنیاد

بیان کر رہے ہیں۔ اس کی حقیقت کچھ نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جب امت کا رشتہ علم و عمل نبی سے منقطع ہو جاتا ہے۔ تو آرزوئیں اور خواہشات عتیدہ سے بن جاتے ہیں۔ یہی حال یہودیوں کا تھا۔ ان کے تمام افعال نبی سے قطع تعلق پر دلالت کرتے ہیں۔ انہوں نے نبی کی تعلیم کو پس پشت ڈال کر اپنی مرضی کے عقیدہ سے وضع کئے ہوئے ہیں۔ اور انہیں من گھڑت عتیدوں بدلہ خواہشات کی بنا پر وہ اس زعم میں مبتلا ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں دوزخ سے بچالیں گے۔

سناؤں کے
باعل عقائد

اس قسم کے غلط عقیدوں کا دائرہ یہودیوں تک ہی محدود نہیں، بلکہ مسلمانوں تک وسیع ہو چکا ہے۔ شفاعت کا مسئلہ بھی اسی میں۔ نبیوں پر یا شَفِيعُ الْمُذْنِبِینَ کے نواسے جاتے ہیں۔ کہ ہر جو چاہتے کرتے پھر حضرت علیہ السلام ہماری شفاعت کروں گے اور ہم نجات پا جائیں گے۔ حالانکہ شفاعت کا مسئلہ قرآن پاک نے بالکل واضح کر دیا ہے کہ شفاعت لوگوں کی خواہش پر نہیں ہوگی، بلکہ یہ تو اللہ جل جلالہ کی مرضی پر موقوف ہے۔ لَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ اِذْنُوْهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کی مرضی کے بغیر تو کئی بھی سفارش نہیں کر سکا۔ تم کس زعم میں مبتلا ہو یہ عقیدہ کہ فلاں ضرور ہماری سفارش کریں گے، اور اللہ تعالیٰ اُسے ضرور ہی قبول فرمائے گا، یہ تو یہودیوں والا عقیدہ ہے۔ محض میلاد مغفرت کر لیا، جو اس نکال دینا یا گیارہویں مائینا کافی سمجھ رکھا ہے۔ بس شفاعت کے حقدار ہو گئے، شیعوں میں یہ کہتے ہیں حضرت حسین کا نام سے لوہا تم پوپا کرو، بس بخشے جاؤ گے، کسی نماز روزے کی ضرورت نہیں، اس قسم کے باطل عقیدے اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب علم و عمل کا تعلق نبی سے کٹ جاتا ہے، پھر خواہشات عتیدہ سے بن جاتے ہیں، اور ساری عمر لوگ اسی اصول کو پیش کرتے ہیں۔ یہ یہودیوں والے عقائد ہیں، سفارش کا یہ مطلب ہرگز نہیں، جو لوگوں نے سمجھ لیا ہے، کہ خدا پا ہے، رضی ہو یا، مرض نبی، ولی، جبری سفارش کریں گے، اور ہمیں بچالیں گے یہودیوں نے بھی یہی غلط کر رکھا، اور ہم بھی اسی راستے پر چل نکلتے ہیں، ان میں اور ہم میں کیا فرق؟

قانون نجات

فرماتے ہیں اسرائیل ابن تائیب کا قانون، وہ نہیں ہے، جو تم نے بنا رکھا ہے، کہ جنت میں پہنچنے کے لیے صرف یہودی ہونا کافی ہے، سبلی بلکہ قانون نجات یہ ہے کہ مَنْ كَسَبَتْ سَيِّئَةً وَّ اَخَاصَتْ بِهِ خَطِيئَتَهُ مِمَّنْ شَخْصٌ نَّهَى عَنْهُ كَمَا، اور اس کے گناہوں نے اُسے گھیر لیا، فَادْبَكَ مَحَبَّ الشَّارِبِیْ لَوْكَ دَوْنِیْ، هُمْ فُتِحَتْ خَلْدُوْنَ، جو

ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ وہی گناہ انسان کو گنہگار نہیں کرتا۔ جب تک بڑا ہو گا۔ اور چاروں طرف چھایا ہو گا۔ اور یہ گناہ کفر و شرک کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ آدمی بہت سے گنہگار ہو کر انتساب کرتا ہے۔ مگر وہ گنہگاروں سے گھرا ہوا نہیں ہوتا۔ جب تک کفر و شرک کا انتساب نہ کرے۔ قرآن پاک میں آتا ہے: "وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ"۔ سب سے بڑے ظالم کافر ہیں۔ نیز فرمایا: "إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ"۔ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وضاحت کے ساتھ فیصلہ کر دیا: "إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ"۔ شرک کے لیے معافی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ البتہ "وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ"۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے، معاف فرماتے۔ وہ قادر مطلق ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو بغیر توبہ کے بھی کسی کو معاف فرمادے۔ وہ مالک ہے۔ مگر شرک اور کفر جیسے عظیم گنہگاروں کو معاف نہیں کرے گا۔ یہ اس کا اہل فیصلہ ہے۔ ہاں اگر سزا بہت طاری ہونے سے پہلے پستہ اُس نے توبہ کر لی۔ تو وہ معاف کر دے گا۔ کیونکہ توبہ کا دروازہ اس وقت تک کھلا ہے۔ جب تک کسی پر موت کے آثار ظاہر نہ ہو جائیں۔ فرمایا: "إِنَّ اللَّهَ يَهْدِي لَتُوبِكُمْ"۔ اَلْقَبْدِ مَا لَمْ يُعْزِزْ عَذَابُ النَّاسِ"۔ انسان کی توبہ غرغره طاری ہونے سے پہلے پہلے مقبول ہے اس کے بعد نہیں۔

اسی لیے فرمایا: "وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمِلَّةِ كَيْفِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ"۔ جس شخص نے اللہ تعالیٰ اُس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور آخرت کے دن کا انکار کیا، فَقَدْ ضَلَّ صُلَاتًا يَعْصِدُ، ایسا شخص غمراہ ہو کر وہ جا پڑا۔ اور اب وہ توبہ سے ہٹ کر یلے دوزخ سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں۔

یہ ایسے شخص کی مثال ہے۔ جسے ایمان کی دولت نصیب نہیں ہوئی۔ بلکہ کلمہ کھلا کفر پر اڑا رہا۔ البتہ ایک دوسری صورت یہ بھی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ پر اور دوسری چیزوں پر یقین لائے۔ اور ساتھ ساتھ شرک کا ارتکاب بھی کرتا جائے۔ جیسی اُس نے اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ ملا لیا ہے۔ اور اپنے ایمان کو خراب کر لیا ہے۔ قرآن پاک نے اس مضمون کو بڑی تاکید کے ساتھ

بیان کیا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام دی کرتے تھے۔ اے لوگو! خوب اچھی طرح سن لو! اُمِّ عَبْدِ اللَّهِ رُبِّي وَرَبُّكَ اللَّهُ تَعَالٰی کی عبارت کرو جو میرا بھی رب ہے، اور تمہارا بھی رب ہے اپنی حاجتوں میں غیر اللہ کو مت پکارو، اور نہ ان کی ایسی تعظیم کرو، جو اللہ تعالیٰ کو سزاوارد ہے، ورنہ شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے، اور نجات سے محروم ہو جاؤ گے اِنَّكَ مِنْ شَرِّ لَوْ بِاللَّهِ فَتَدَّ حَرَمَ اللَّهِ عَلَيْكَ الْجَنَّةَ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا، اللہ تعالیٰ نے اُس پر جنت حرام کر دی ہے۔ وَمَا دُلُّوا لَنَا ذَا اور اس کا ٹھکانا اور رخ میں ہوگا۔

اسی طرح کافروں کے متعلق فرمادہ کہ ان کے لیے آسمانوں کے دروازے نہیں کھلیں گے۔ لَا تَفْتَحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلْبِغَ الْجَمَلُ فِي سَمَوِ الْجَنَّةِ یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے نمکے میں گزر جائے نہ دانت سوئی کے نمکے میں گزرے اور نہ کفار کے لیے جنت کے دروازے کھلیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر جنت حرام کر دی ہے۔

جس طرح کفار اور شرکِ عظیم گناہ میں، اسی طرح ایمانِ عظیم ترین نیکیاں، حدیثِ شریف میں آئی جنت کی چابی ہے کہ صحابہ نے عرض کیا اِنِّیْ اَفْضَلُ اَوْ اَفْضَلُ بِحُضُورِ اَبْنِ مَلِ الْفَضْلِ تَرِینِ ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، یہ تمام اعمال کی عطا اور بنیاد ہے۔ سی لیے فرمایا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا سَوْ رُکِ اِیْمَانِ لَاسَ وَتَحَلُّوا الْعَصَلِیَّتِ اور نیک اعمال کئے، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج ادا کیا۔ اس کے بعد جہاد و نبی کے دیگر کام انجام دیئے، ان کے متعلق فرمایا اُولَئِکَ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ ذِی السَّوِیِ لوگ جنت واسط ہیں، جنت کی چابی ان کے پاس ہے، اور یہ کوئی عارضی مقام نہیں ہوگا، بلکہ قَدْرُ فِیْہَا خٰلِدُوْنَ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں سے کبھی بھی نکلے نہیں جائیں گے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا قٰلُوْنَ نَجَاتِ ہمارے پاس ہے، تم کفار اور شرک کا ارتکاب کرتے ہو، دنیا کی دیگر برائیوں میں غوث ہوتے ہو، اس کے باوجود اس خوش خیمی میں مبتلا ہو کر حضرت ابوبکر علیہ السلام تمہیں دوزخ میں نہیں گرنے دیں گے۔ یہ باطل و بطل خیال ہے۔

الْمَاءِ

البقرة

دس سی و بیچ ۲۵

(آیت ۸۳)

وَلَا تَأْخُذْ بَعِثَاتِ بَنِي إِسْرَءِيلَ لَا تَقْبِضُونَ أَلَمَ اللَّهُ بِمَا لَكُمْ بِهِ زُلْفَىٰ
 إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا ۚ
 أَتَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ
 وَأنْتُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿٨٣﴾

ترجمہ: اور اس واقعہ کو یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا کہ تم اللہ کے
 کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔ اور ان باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور قرابت دلوں
 کے ساتھ۔ اور یتیموں کے ساتھ اور مسکین کے ساتھ۔ اور کمزوروں کے لیے نیک بات
 اور نماز کو قائم رکھو۔ اور زکوٰۃ دیتے ہو۔ پھر پھر گئے تم (بنی اسرائیل) بہت عجز سے

تم میں سے اور تم اعراس کرنے والے ہو ﴿۸۳﴾

رابطہ آیت

ان آیات میں بنی اسرائیل کی مختلف طرزیاں بیان ہو رہی ہیں۔ پہلے دس میں ان کے ان
 غلط عقائد کا رد تھا کہ یہودیوں اور نصاریٰ کے علاوہ کوئی دوسرا شخص جنت میں نہیں جاسکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ
 پر افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے ایسا کوئی عہد نہیں کیا۔ البتہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو عہد
 بنی اسرائیل سے لیا تھا۔ اس کا ذکر ہے۔ اور وہ ایسا عہد تھا۔ جو کہ نہ صرف قرآن میں تھا۔ بلکہ عہد میں
 نبی و عظیم السلام کی شریعتوں میں بھی موجود تھا اور اس کی تمام باتیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت
 میں بھی ملتی ہیں۔

توجہ کے
دو پہلو

اس آیت میں جس عہد کا ذکر آیا ہے۔ وہ عہد تو یہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَا تَأْخُذْ
 بِعِثَاتِ بَنِي إِسْرَءِيلَ اس واقعہ کو یاد کرو۔ جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا
 پختہ عہد کہتے ہیں۔ جو بڑا مضبوط اور پچھرا ہوا۔ اور وہ عہد یہ تھا۔ کہ لَا تَقْبِضُونَ أَلَمَ اللَّهُ
 کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔ لَا تَقْبِضُونَ کا لفظی معنی تو یہ ہے کہ تم عبادت نہیں کرو گے
 اور یہ خبر کی صورت ہے۔ مگر حقیقت میں یہ حکم ہے۔ یعنی لَا تَقْبِضُوا إِلَّا اللَّهَ۔ اللہ تعالیٰ

کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ ایسی بات کو خبر کی شکل میں ذکر کرنے کا مقصد اس میں زور پیدا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دو پہلو ہیں۔ مثبت پہلو تو پہلے گذر چکا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اَعْبُدُوا رَبَّكُمْ یعنی اپنے رب کی عبادت کرو۔ اس کی توجید کو تسلیم کرو۔ وحدانیت کا دوسرا پہلو منفی ہے۔ یعنی لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ جہاں تک پہلے حصے کا تعلق ہے، وہ تو واضح ہے۔ اور اس میں اختلاف بھی پیدا نہیں ہوتا کہ کبھی اپنے رب کی عبادت کرو۔ مگر توحید کے دوسرے حصے میں جا کر اکثر ٹوٹ پڑ پیدا ہوتی ہے۔ اور لوگ شرک یا معتاد ہو جاتے ہیں۔ اور یہ صورت حال اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب لوگ حقیقی رب کی عبادت کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کی عبادت بھی کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ بالکل میں اگرچہ بہت کچھ تحریف ہو چکی ہے مگر توحید کا مسئلہ آج بھی اس میں موجود ہے۔ اور وہ اس طرح ہے کہ آسمان کے نیچے ارضین کے اوپر خدا کے غیر کی عبادت نہ کرو۔ مجدد نہ کرو۔ صرف خداوند جو بنی اسرائیل کا خدا ہے۔ اس کی عبادت کرو۔ مقصد یہ کہ توحید الہیہ مسئلہ ہے۔ جو تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعت میں قدر مشترک کے طور پر موجود رہا ہے۔ آیت زیر درس میں بھی یہی مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے مختلف اوقات میں مختلف عہد لیے۔ بمغلائی کے قرآنہ بنی اسرائیل کے میں یہ عہد تھا۔ جسے قرآن پاک نے بیان کیا۔ وَلَئِذَا أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ یعنی اے بنی اسرائیل اس بات کو یاد کرو۔ جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا تھا۔ اور تمہارا سروں پر کوہ طور کو معلق کر دیا تھا۔ تیرے بھی کہ اَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ بَعَثُوا فِيكُمْ عَشْرًا کہ اس کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ اور اس کے مطابق عمل کرو۔

اور پھر یہ بھی کیا تھا۔ وَلَئِذَا كُنَّا أَهْلَ مَدْيَنَ جاکچہ ہم نے توراہ میں نازل کیا ہے اس کو یاد کرو۔ توراہ میں یہ عہد بھی لیا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب لوگوں کے سامنے ظاہر کر دو گے چھپاؤ گے نہیں۔ یہ لوگ اصل احکام کو چھپا دیتے تھے۔ اور ان کی جگہ خود ساختہ مافوق لوگوں کو بتاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم لَتَبَيِّنَنَّ لَكُم مَّا كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهُ تیرے عمل نہیں کرتے تھے۔

الغرض اس مقام پر ہمیں عہد کا ذکر ہے وہ یہ تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ بلکہ صرف اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کرنا۔ عبادت کے لیے ضروری ہے۔

ہے۔ کہ جسکی عبادت کرتا ہے۔ اس کی صحیح پہچان بھی ہو۔ اسی لیے سب سے پہلے رب تعالیٰ کی پہچان کرانی گئی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ① الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ②
 مِلْدَتِ یَوْمِ الدِّیْنِ ③ یہ سب اللہ تعالیٰ کی پہچان ہی تو ہے۔ یعنی رب وہ ہے جو اوج خفا کا مالک ہے: اَلَّذِیْ خَلَقَ کُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ وہی تمہارا بھی خالق ہے۔ اور تم سے پہلے آنے والے لوگوں کا بھی وہی مالک ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات کا جاننا بھی ضروری ہے۔ مثلاً خدا تعالیٰ علم محیط کا مالک ہے۔ اُسے فتنے دے کا علم ہے۔ اِنَّکُمْ عَلٰی شَیْءٍ مُّحِیْطٌ اُس صفت کی پہچان ہو گئی تو توحید کجھ میں آجائے گی۔ اسی طرح قادر مطلق تو نا بھی اللہ تعالیٰ کی صفات خاصہ میں سے ہے اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وہ قادر مطلق ہے۔ جو چاہے کرتا ہے۔ اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی صفت یہ ہے کہ وہ واجب الوجود ہے۔ اُس کا وجود اپنی ذات سے ہے۔ باقی تمام چیزوں کا وجود مستعار ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ وہ خالق ہے۔ کسی چیز کا حکم دینا یا کسی چیز سے منع کرنا بھی اس کی صفت ہے۔

اس کے علاوہ اُن چیزوں کی پہچان بھی ضروری ہے۔ جن کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز نہیں مثلاً اللہ تعالیٰ عاجزی اور جہالت سے پاک ہے۔ رافضیوں کا عقیدہ باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس کمزوری ہے۔ یعنی پہلے وہ کام کر لیتا ہے، بعد میں پتہ چلتا ہے کہ یہ کام نہیں کرنا چاہئے تھا۔ یا جس طرح یہودیوں کا باطل عقیدہ ہے۔ کہ بعض کام کر کے اللہ تعالیٰ نادم ہو جاتا ہے۔ تورات کے پہلے باب میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے خود پرکھتا تھا۔ تو ایسی بیہودہ باتوں کا جاننا بھی ضروری ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو مین کا گورنر بنا کر بھیجا۔ تو دست بردار ہو کر آئے۔ سب سے پہلے ان لوگوں کو توحید اور رسالت کی دعوت دینا فَادْعُوْا اِلَی اللّٰہِ۔ یعنی جب وہ اللہ تعالیٰ کا بھی طرح سے پہچان لیں، تو پھر انہیں خدا تعالیٰ کے احکام یعنی نماز، روزہ

ذکوٰۃ اور حج وغیرہ کے احکام بتلانا، کہ اُس خدا تعالیٰ نے تم پر یہ فرائض عائد کیے ہیں۔ انہیں انجام دینا لازم ہے۔

بہر حال عید کا پہلا حصہ یہ تھا، کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اور اُس کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کرو۔ عید کا دوسرا حصہ فرمایا، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا احْسَنُوا ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ والدین کے ساتھ نیکی کرنا صرف بنی اسرائیل کی شریعت میں ہی ضروری نہیں تھا۔ کعبہ پر تو شریعت محمدیہ کا بھی ایک لازمی جزو ہے: وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا احْسَنُوا یعنی خدا تعالیٰ کا یہ اہل فیصلہ ہے، کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ گویا اللہ تعالیٰ کے حق کا ذکر کیا۔ اور پھر ساری مخلوق میں والدین کو سب سے اول نمبر شمار کیا۔ یہ احکام تمام امیہ عصر اسلام کے شرائع میں موجود رہے ہیں۔ توراۃ اور قرآن پاک میں بھی موجود ہیں۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے حسن سلوک کے سلسلے میں والدین کو کیوں مقدم رکھا ہے۔ مفسرین کلام بیان کرتے ہیں، کہ جس طرح اللہ تعالیٰ خالق اور حقیقی مربی ہے اسی طرح والدین بھی اس اوی دنیا میں اولاد کی پرورش میں حصہ لیتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا حق مقدم رکھا ہے۔ والدین جو احسان اولاد کے ساتھ کرتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ساتھ ملتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کسی پر مہربانی فرما کر اس سے معاوضہ طلب نہیں کرتا اسی طرح والدین کے اپنی اولاد پر بے مثال احسان ہوتے ہیں۔ لہذا ماں باپ کے حقوق کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے لوگوں پر فوقیت دی ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ ماں اور باپ میں سے کون مقدم ہے۔ تو اس کے متعلق حدیث پاک میں آتا ہے، کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت مقدس میں حاضر ہوا، اور عرض کیا، یا رسول اللہ میں کس کے ساتھ اچھا سلوک کروں۔ آپ نے فرمایا أَهْلَكَ یعنی اپنی ماں کے ساتھ، اس شخص کے تین بار کے سوال کے جواب میں آپ نے ماں کا ذکر کیا، حتیٰ کہ چوتھی دفعہ پوچھنے پر آپ نے فرمایا

اَبَاكَ یعنی اپنے باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ گویا خدمت کے سلسلے میں ماں کو باپ سے بھی مقدم رکھا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بچے کی پیدائش اور پرورش میں ماں زیادہ توانیعت برداشت کرتی ہے۔ لہذا خدمت کی زیادہ حقدار بھی وہی ہے۔ قرآن پاک نے ماں کے تعلق فرمایا: **وَحَمَلَتْهُ اُمُّهُ وَهَمًا عَلٰی وَهْنٍ** یعنی ماں نے تکلیف پر تکلیف اٹھا کر بچے کو پیٹ میں رکھا۔ اسی لیے محدثین عظام فرماتے ہیں: کہ اگر ماں اور باپ دونوں کو بیاس مٹی ہوئی ہو۔ تو پہلے ماں کو بانی چاہو۔ کہ خدمت میں اس کا حق فائق ہے۔ مگر جہاں ادب و احترام مقصود ہوگا تو وہاں باپ مقدم ہوگا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی ایک صورت ترک کرنا ہے۔ ماں باپ کو قول سے یا فعل سے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ کیونکہ یہ احسان کے خلاف ہے۔ بلکہ اولاد کا فرض ہے کہ اپنے جسم اور مال کے ساتھ ماں باپ کی خدمت کرے۔ مگر والدین مالی طور پر ضرر و فتنہ ہیں۔ تو ان کی ضروریات پوری کی جائیں۔ ورنہ جسمانی طور پر تو لڑنا ان کو راحت پہنچائیں۔ مثلاً ان کی کھٹی چائی کریں۔ ان کو کھلائیں پلائیں۔ ان کو نسلانی و صلائی وغیرہ وغیرہ۔ ماں باپ کی فوریگی کے بعد ان کے لیے بخشش کی دعا کرنا بھی ان کی خدمت کے مترادف ہے۔ ان کے لیے استغفار کرو۔ صدقہ و خیرات کرو۔ تاکہ ان کے لیے آخرت میں راحت کا سبب بنے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے: کہ اگر ماں باپ نے کوئی وصیت کی ہے۔ تو اولاد کو چاہیے کہ اُسے پورا کریں۔ جتنی کہ ماں باپ کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک بھی ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سمجھا جائے گا۔

مسلم اور ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا: میں نے سزا کس جانیے تھی۔ راستے میں ایک بڑا ملا۔ آپ نے اپنا گدھا اس بڑے کو کھڑے دیا۔ آپ کے سر پر چڑھائی تھی۔ وہ بھی بڑے کو سر پر رکھ دی۔ ساتھیوں نے عرض کیا: حضرت! آپ کے پاس یہی ایک گدھا تھا۔ جو سواری کے کام آتا تھا۔ مگر آپ نے اس دینیاتی کو کھڑے دیا۔ دینیاتی لوگ

لے کر کب الہری ص ۱۱۱

لے تعزیر عزیزی فارسی ص ۱۱۱

لے ابو داؤد ص ۲۲۴ ابن ماجہ ص ۲۹۱ لے مسلم ص ۲۱۱ جمع الغوائد ص ۱۶۹ لے بحوالہ مسلم ترمذی لے ابو داؤد

تو سہولی چیز پر بھی راضی ہو جاتے ہیں۔ آپ نے اپنی قیمتی سواری تکسٹے دی۔ تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ بھائی! اس کا باپ میرے والد کا دوست تھا۔ اور حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ باپ کے دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا باپ کے ساتھ بخیر میں شریک ہے۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کی بعض حدود بھی تعین ہیں۔ سورۃ لقمان میں واضح ہے: **وَإِنْ جَاهِدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْكَ لَكَ بِمَا عَصَوْا قَدْ أَفْلَحَ فَمَآ تَطْلُحُهُمَا وَصَاحِبُهَا فِي الدُّنْيَا مَعْشُرُؤُنَا** اگر ماں باپ تمہیں شرک پر آمادہ کریں تو پھر ان کی اطاعت نہیں کرنی البتہ دنیا میں اُن سے اچھا سلوک کرو۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اگر والدین ترکِ فرض پر مجبور کریں، تو ان کی بات نہیں ماننی چاہیئے، مثلاً کسی پر حج فرض ہو گیا ہے۔ مگر ماں باپ روکتے ہیں۔ تو ان کی بات کی پروا نہیں کی جائے گی۔ قرآنی واجب ہے۔ اگر والدین اس سے روکیں تو نہیں کرنا۔ البتہ اگر سنتِ مکرّمہ کی ادائیگی میں رکاوٹ ڈالیں۔ تو ان کے کہنے پر ایک دو دفعہ مانا جاسکتا ہے تاہم سنتِ مکرّمہ کی ادائیگی کرنی بڑی نفلِ عبادت کے متعلق مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اگر ماں باپ روکتے ہیں۔ تو قطعاً طہر پر رک جاؤ۔ ماں باپ کی بات مانو۔ اسی طرح اگر کوئی شخص مجھ میں جا کر نفل پڑھنا چاہتا ہے۔ اور والدین کہتے ہیں کہ ان کو تنہائی میں وحشت ہوتی ہے۔ لہذا نوافل کے لیے سجدہ میں نہ جاؤ۔ تو ماں باپ کی خدمت مقدم ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہے کہ ضرر و شرک پر آمادگی تو کسی صورت میں بھی قابلِ قبول نہیں۔ اس کے علاوہ اگر ماں باپ بہ عادت پر آمادہ کریں۔ تو ان کی اطاعت نہیں کرنا ہوگی۔ مثلاً وہ کہیں کہ قبر پر سجدہ کرو۔ یا داتا صاحب بڑا چڑھنا زور فداں جگر نیا نہ مٹے کر آؤ۔ تو ایسی باتوں کو نہیں ماننا۔ بلکہ ایسی چیزوں کی مخالفت ضروری ہو جاتی ہے۔ تاہم ان تمام تردد و دو شبہ کے وجود والدین سے حسن سلوک ہر حالت میں لازم ہے۔ **وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا** کو ایسی مطلب ہے۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بعد فرمایا **وَذِي الْقُرْبَىٰ** یعنی قرابتداروں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو۔ قرابتداروں کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم محرم قرابتداروں کی ہے۔ یعنی وہ قرابتدار

جو آپس میں محرم ہوں اور جس کو آپس میں نکلج بیٹھنے کے لیے حرام ہے۔ مثلاً بھائی، بہن، چچا، بھتیجی، پھوپھی، بھتیجی وغیرہ۔ قرابت داری کی دوسری قسم غیر محرموں کی۔ جیسے، اموں، زاد، خالہ زاد، چچا زاد وغیرہ۔ فرمایا ان سب کے ساتھ اچھا سلوک کرو کسی کو ایذا نہ پہنچاؤ۔ رضاعی ماں کی خدمت نہ کرو۔ دودھ والے رشتہ داروں کی مالی خدمت زیادہ موزوں ہے۔ ایک مالدار شخص اپنے محتج غریزوں کی خبر گیری نہیں کرے گا۔ تو مجرم محرم ہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئے گا۔ فرمایا: **وَأَتَىٰ ذَا النُّفُسَيْنِ حَتَّىٰ** قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے۔ تو ان کی امداد کرو۔ یہ ان کا حق ہے۔ اس کے بعد فرمایا **وَالْمَسْكِينِ** یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی نیک سلوک کرو۔ یتیم وہ نابالغ بچہ ہوتا ہے جس کے سرپر والدین کا سایہ نہ ہو۔ اس کی پرورش کرنے والا کوئی نہ ہو۔ اس کے ساتھ نیک کرنے کا حکم ہے۔ تاکہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔

یتیم، مسکین
اور فقیر

کہتے ہیں کہ جالوروں میں یتیم وہ سمجھا جاتا ہے جس کی ماں موجود نہ ہو۔ باقی چیزوں میں یتیم وہ چیز ہے جس کی نظیر نہ ہو۔ اور وہ مادر چیز ہو۔ جیسے در یتیم۔ مادہ قیم کا عمدہ ہیشمال ہوتی۔ مسکینوں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ مسکین اس شخص کو کہتے ہیں جس کا خرچ اس کی آمدنی سے پرانہ ہوتا ہو۔ بجا رہ کثیر العیال، محنت، مشقت کر رہا ہے جو کچھ کماتا ہے۔ اس میں گذر اوقات نہیں ہوتی۔ ایسا شخص بھی حسن سلوک کا مستحق ہے۔ اس کی مدد کرنی چاہیے۔ محتاجوں میں ایک قسم غریب کی بھی ہے۔ اور فقیر ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو بالکل ہی نڈار ہو، اور جس کے پاس در وقت کا کھانا بھی میسر نہ ہو۔ ایسا شخص بھی محتاج ہے۔ اس کی ضروریات کا خیال رکھنا چاہیے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **لے بنی اسرائیل!** اس وقت کو یاد کرو: جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ مال باپ کے سبب حسن سلوک سے ہمیشہ آؤ۔ قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

الْمَوَدَّةِ

البقرة

درس ہی رخصت

آیت ۱۲، ۱۳

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ تَعَالَى
وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَقُولُوا
لِلنَّاسِ حُسْنًا وَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ
إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنتُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۳﴾

ترجمہ: اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد کیا کہ تم اللہ تعالیٰ
کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔ اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ اور قربہ داروں
کے ساتھ اور یتیموں کے ساتھ اور مسکینوں کے ساتھ اور کو لوگوں سے نیک بات
اور نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ پھر جس کے تہا بنی اسرائیل مقرر ہو
تھوڑے قلم میں سے۔ اور تم اعضاء کیے دے ہو ﴿۳﴾

ان آیات میں بنی اسرائیل کی خرابیوں کا تذکرہ ہوا ہے۔ اس سے پہلے ان کی جلد سازی
کے ذریعے احکام شریعت سے اعضاء کا ذکر ہو چکا ہے۔ ان کی مصلحتوں اور انبیاء علیہم السلام
کی ایذا رسانی کا ذکر بھی آیا ہے۔ بنی اسرائیل نے آزادی حاصل کرنے کے بعد عہد شریعت کا مطالبہ کیا
تو اللہ تعالیٰ نے قرآنہ عنایت فرمائی۔ پھر خود ہی کہنے لگے کہ تم اس پر عمل نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ
نے اُن سے عہد لیا تھا۔ جب انہوں نے عہد توڑ دیا۔ تو اُن کے سروں پر کوہ طوبیٰ کے آئینے
ڈرا لگایا۔ اس عہد کی تفصیلات سورۃ اخلاف میں آئی ہیں۔

جیسا کہ گذشتہ درس میں عرض کیا تھا۔ کہ یہ دوسرا عہد ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے قذات کے
ذریعے بنی اسرائیل سے لیا۔ اور وہ یہ تھا کہ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا
کبھی کی عبادت نہ کرنا۔ اور ماں باپ اور قربہ داروں۔ یتیموں اور مسکینوں سے حسن سلوک سے پیش
آنا۔ اس سلسلے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: حضرت!

کُنْ اَوْ عَمَلٍ اَفْضَلُ زیادہ بہتر عمل کو نہ ہے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا اَلْعَمَلُ لَوْ قُتِبَہَ
یہی نماز پُشتہ وقت پر ادا کرتا۔ اس شخص نے دوبارہ عرض کیا۔ حضور! اس کے بعد کون سا عمل افضل
ہے۔ تو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بِشَرِّ الْوَالِدَیْنِ یعنی والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔
کہ یہ بنیادی چیز ہے۔ اُس شخص نے سربارہ پوچھا کہ اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے۔ تو آپ نے
فرمایا جبار فی سبیل اللہ۔

تہذیبِ اخلاق

اصل بات یہ ہے کہ علم سے دو چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ تہذیبِ اخلاق اور اجتماعی حقوق۔
اخلاق میں آگے دو چیزیں پائی جاتی ہیں۔ یعنی اصلاحِ عقیدہ اور اعمالِ صالحہ، جب تک عقیدے کی
اصلاح نہیں ہوگی کوئی بھی عمل مقبول نہیں ہوگا۔ لہذا سب سے پہلے اصلاحِ عقیدہ ضروری ہے۔ اور
اس میں بنیادی چیز توحید ہے۔ جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے۔ لَا تَقْبَلُوا دِیْنَ اِلَّا مِنَ اللّٰہِ اَشْفَعَا
کے بغیر کسی کی عبادت نہ کرو۔ جب عقیدہ درست ہو جائے تو پھر اعمالِ صالحہ بھی مقبول ہوں گے۔
تہذیبِ اخلاق کا دوسرا جزو اجتماعی حقوق ہیں۔ ان کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اور اس میں
والدین کے ساتھ حسن سلوک کو اولیت حاصل ہے۔ ۱۰ باب کو اپنے بچوں کی اچھی تربیت کا صلہ
دینا چاہیے۔ اولاد کی پرورش کے لیے والدین کو ٹریس مکالیف برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ اس کی بکافت
یہ ہے۔ کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ قرآن پاک کی بیشتر سورتوں میں والدین کے ساتھ
حسن سلوک کے احکام موجود ہیں۔

اجتماعی حقوق میں قرابتداروں کا حق بھی ہے۔ اس کے بعد یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ
حسن سلوک کی تاکید ہے۔ یہ لوگ اپنے گھر کے ہوں۔ گلی محلے یا شہر بانگ کے۔ سب کے سب
اجتماعی حقوق میں آتے ہیں۔ چونکہ یہ بھی انسان کے ساتھ احسان کرتے ہیں۔ اس لیے اجتماعی طمہ
پر اس کا بدلہ دینا بھی ضروری ہے اس کو بدل کئے ہیں۔ عدل اور احسان تقوے کے دو اجزاء ہیں
لہذا یہ سب چیزیں تہذیبِ اخلاق میں آ جاتی ہیں۔ یہ ایک بنیادی تعلیم ہے۔ جو محض بنی اسرائیل
کے لیے خاص نہیں ہے۔ بلکہ ہماری امت کے لیے بھی یہی چالِ طور پر قابلِ عمل ہے۔

حسنِ کلام

الغرض! آیت زبیرہ کے پہلے حصے کی تشریح گذشتہ درس میں پیش کر دی تھی جس میں
دو چیزوں کا ذکر کیا گیا تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ والدین، قرابتداروں،

ہوئی بات نہیں ہونی چاہیے۔ نرمی کالی مکتوب نمبر نہایت پہنچی چاہیے۔ بلکہ نہایت احسن طریقہ سے گفتگو ہونی چاہیے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد کراہی ہے مَا دَخَلَ الرَّجُلُ فِي شَيْءٍ إِلَّا ذُكِرَتْ بِهِ خَيْرَاتٌ جس چیز میں نرمی آجائے گی، وہ نئے زینت نکلتے گی۔ اور جس چیز میں سختی آئے گی، وہ لمبے عیب وار کر دیگی۔ (مَا دَخَلَ الرَّجُلُ فِي شَيْءٍ إِلَّا ذُكِرَتْ بِهِ خَيْرَاتٌ)

فرمایا ہر جگہ نرمی ہی سے ورنہ نہیں چلے گا۔ بلکہ بعض مقامات پر سختی کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ مثلاً تمیز کے طور پر یہ مطلب جو یہاں کفار سے مقابلہ ہو تو وہاں پر سختی کرنا پڑے گی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو عَلِيمٌ دَايِمًا جَاهِدِ الْكَفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ آپ کافروں کے ساتھ جہاد کریں، وَخُلُوعًا عَلَيْهِمْ اور ان پر سختی کریں، کفار کے ساتھ جہاد غور کرنے سے یہ ہوگا اور منافقوں کے ساتھ زبانی طور پر۔ یعنی ان کے نفاق کو کھول کر بیان کریں تاکہ دوسرے مسلمان ان سے بچ سکیں۔ یہ درزن طریقے سختی کے ہیں۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ نرمی ملحوظ رکھتے ہوئے شریعت کی حدود کا بھی خیال رکھا جائے۔ نرمی بھی اس وقت تک ہی گوارا ہے جب تک شریعت کی حدود کے اندر ہو۔ اگر ایسی نرمی برتنے سے شریعت کے اتباع میں فرق آتا ہو۔ تو ایسی نرمی جائز نہیں۔ اگر ایسا کرنے تک جائیں گے تو شریعت کے احکام پر عمل ناممکن ہو جائے گا۔ ایسی نرمی جس سے دین میں ہدایت پیدا ہوتی ہو تو وہ حلیم ہے

اُم محمد باقرہ قزوینی اللہ سے حُسنِ لاسخنی یہ کہتے ہیں کہ لوگوں سے ایسی ہی بات کرو۔ جو تمہیں خود بھی پسند ہے۔ جو بخود پسند نہیں کرتے وہ بات دوسروں کو کیوں کہتے ہو۔ قرآن میں ہے کہ اچھی بات میں دعوت الی اللہ، دعوت الی التوحید، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر شامل ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد الہی ہے: وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ مَسْلَمًا وَقَالَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے۔ جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہے۔ خود نیک عمل کرتا ہے اور زبان سے یوں کہتا ہے کہ

اللہ تعالیٰ کا صلح اور فرمانبردار ہوں۔ گویا یہ سب آپس بات ہے۔ اسی کو فرمایا فَقُولُوا لِلّٰہِ اِسْحٰنًا
 جب بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر میں مجتہد حضرت علی کریم اللہ وجہہ کے ہاتھ میں
 دیا تو فرمایا: فَقَوْلُ اللّٰہِ اَنْ یَّہْدِیَ اللّٰہُ بَیْنَ رَجُلًا وَاحِدًا حَیْثُ مَلَکَ مِنْ اَنْ یَّکُوْنَ لَکَ
خُمْرُ النَّعَسِ۔ یعنی اے علی! اگر قتاری وجہ سے ایک آدمی کو بھی ہایت نصیب ہو جائے
 تو یہ بات تمہارے لیے عمدہ قسم کے اونٹوں سے بہتر ہے۔ مقصد یہ کہ اگر انہیں صلح مقصود نہیں بلکہ
 اس کے ذریعے اسلام کے راستے میں درپیش رکاوٹوں کو دور کرتا ہے۔ یعنی مَوْفِقٌ لِّکَوْمِکُمْ
حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِیْکُمْ فِشْکَةٌ تمہارے اس وقت تک جنگ کرو۔ جب تک تمام فتنے فخر مذہب و ممالک
 گویا لوگوں کو ایمان کی نعمت دینا بھی فَقُولُوا لِلّٰہِ اِسْحٰنًا میں داخل ہے۔

نماز اور زکوٰۃ
 بنی اسرائیل کے عہد کا اگلا حصہ تھا وَرَفِیْمُو الصَّلٰوۃَ وَتِلْوَ الزَّکٰوۃَ یعنی
 نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ نماز بہ بنی عبادت ہے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ نماز اُمر العبادات
تُعْقِبُ بَیْنَہُمْ ہے۔ یعنی جو عبادات انسان کو اللہ تعالیٰ سے قریب تر کرنے والی ہیں۔ ان
 کی فیا و اور جو نماز ہے۔ نماز کے ذریعے تعلق باللہ استوار ہوتا ہے۔ انسان دن میں پانچ مرتبہ اپنا
 تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم کرتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ نماز کو قائم کرو۔ اس میں کوتاہی نہیں کی جاسکتی
 مالی عبادتوں میں زکوٰۃ کو مرکز حیثیت حاصل ہے۔ اس میں پاکیزگی اور طہارت کا مضمون
 پایا جاتا ہے۔ زکوٰۃ بخل کو دور کر کے غریب اور مسکین سے جبر روی کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ جو کہ
 تہذیب اخلاق کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ اتفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت قرآن پاک کی اس آیت
 سے واضح ہوتی ہے لَکِنْ سَأَلُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوا مِمَّا جَعَلُوْنَ یعنی تم اس
 وقت تک نیکی کو نہیں پہنچ سکتے۔ جب تک اپنی محبوب چیز خرچ نہ کرو۔ اور یہ مقصد زکوٰۃ سے
 بھی حاصل ہوتا ہے۔ بشرطیکہ مال کمانے اور اس کے خرچ کرنے میں ملال و حرام کی تیز روا
 رکھی جائے۔ مگر یہ تیز ٹھٹھ جائے۔ تو ردعایت کیسے آئے گی۔ ہمارے ملک میں سارا معاشی نظام
 سرمایہ دار ہے۔ جس میں سود کو مرکز حیثیت حاصل ہے۔ سود کی موجودگی میں تقویٰ کیسے حاصل

ہوگا۔ اور پاکیزگی کیسے پیدا ہوگی۔

دوسری طرف کفر والی دہ ہے جس کی بنیاد انتہاء پر ہے۔ ہر دو نظام ہائے معاش کا مقصد حصول دولت، عیاشی اور فحاشی ہے۔ سب کی سوچ دنیا تک محدود ہے۔ صنعت و حرفت، بائیں اور دیکھا لوجی غرض، مادی ترقی منہ منہ ہے۔ لہذا انیس انسانیت کی ترقی کا کوئی علم نہیں کہ وہ کیسے حاصل کی جاسکتی ہے۔ جس پر آخرت اور دائمی زندگی کا دار و مدار ہے۔

بہر حال یہاں پر نماز اور زکوٰۃ دونوں عبادات کا ذکر ہے۔ ایک جسمانی عبادت ہے اور دوسری مالی عبادت۔ قرآن پاک میں ان دونوں کا کھنڈ کر نہیں کرتا ہے۔ بنی اسرائیل کو بھی تاکید تھی کہ ہر حالت میں نماز پڑھو اور اگر مال نصاب تک پہنچ جائے۔ تو اس کی زکوٰۃ بھی ادا کرو۔ نماز کی اس قدر تاکید ہے کہ کسی حالت میں بھی معاف نہیں ہے۔ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا۔ پس اگر کسی قسم کا خوف ہو تو بھی نماز معاف نہیں ہے۔ تم پیدل ہو یا سواری پر ہو۔ نماز بہر حال پڑھنی پڑے گی۔ سورہ مدہ میں بنی اسرائیل سے یہی فرمایا کہ اَقِمُّوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَآمِنُوا بِسُلُطَانِكُمْ وَهُوَ زَكَاةٌ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَرْجِعُونَ۔ یعنی اگر تم نماز قائم کرو گے اور ہو گے، زکوٰۃ ادا کرتے رہو گے۔ اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے۔ تو میری مہربانیاں تمہارے شامل حال رہیں گی۔ مگر بنی اسرائیل نے اس کی کچھ پروا نہ کی۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی نہ کی۔ بَلْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَهُمْ سَاهُونَ۔ پھر بنی اسرائیل! تم میرے گنہگار اور قلیلہ ہنستہ مگر تم میں سے بہت تھوڑے ایسے تھے جو اس عہد پر قائم تھے۔ وَأَنْتُمْ مَعْصِرُونَ اور تم اعراض کرنے والے ہو۔ تم نے اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کے احکام سے اعراض کیا۔ اور آج بھی یہاں ہی کھڑے ہو۔ تمہیں علم نہیں کہ اس کا نتیجہ کتنا بُرا نکلتے گا۔ اور تمہارا حشر کتنا عبرتناک ہوئے گا۔

سے بے خبر نہیں ہے۔ جو تم کرتے ہو (۵۵) یہی لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے میں خرید لیا ہے۔ پس ان سے عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی (۵۶)

بنی اسرائیل کی غمخیزیوں کا ذکر آ رہا ہے۔ اس سے پیشتر اس عہد کو بیان ہو چکا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اجتماعی حقوق اور انسانی حقوق سے متعلق بنی اسرائیل سے بذریعہ تورات یا حد مقررہ کر کے اس عہد کو پورا بھی نہ کیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر چند آدمیوں کے سوا تم سب اس عہد سے بچھڑ گئے۔ اور تم قواعد احسن کرنے والے ہی ہو۔

خون ناحق اور جلا وطنی بڑے گناہوں میں سے ہیں۔ ان دو برائیوں سے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے تورات میں عہد لیا تھا۔ کہ ان گناہوں کا ارتکاب نہیں کریں گے۔ مگر یہ قوم اس عہد پر بھی قائم نہ رہی۔ ارشاد ہوتا ہے: كَذٰلِكَ اَخَذْنَا مِنْكُمْ اَظْفَارًا جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا کہ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَ كُمُ کہ تم ایک دوسرے کا خون نہیں بہاؤ گے۔ یعنی اپنے ہی بھائی بندوں اور اپنے ہم مذہب اور اپنی ہی ملت والوں کا قتل ناحق نہیں کرو گے، جس طرح یہ حکم آج تک بائبل میں موجود ہے۔ یہی حکم قرآن پاک میں موجود ہے۔ آگے سورۃ نسا۔ سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ فرقان میں آئے گا کہ ایک دوسرے کا خون نہ بہاؤ۔ یہ قطعی حکم ہے اور اکبر الکبار یعنی سب سے بڑے گناہوں میں شمار ہوتا ہے۔

تورات میں دوسرا حکم یہ تھا لَا تَحْبِسُوْا اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ یعنی تم اپنے ہم ملک لوگوں کو ان کے گھروں سے نہیں نکالو گے۔ مگر تم نے اس عہد کا بھی پاس نہ کیا۔ فرمایا اَفْزَقْتُمْ یہ الفاظ تورات میں موجود ہیں۔ کہ اے بنی اسرائیل! تم نے افر کیا کہ وعدہ کو الیاء کریں گے۔ اور تورات کے حکم کی پابندی نہ کریں گے۔ وَاَنْتُمْ شَقِيْعُوْنَ اور تم خود اس بات کے گواہ ہو کہ ایسا ہی ہوا تھا۔ تم نے اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ افر کیا تھا کہ تم اپنے بھائیو کا خون نہیں بہاؤ گے اور نہ ہی انہیں جلا وطن کر دو گے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے بنی اسرائیل! تم ان تعلم تروعدوں کے باوجود اَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ اَقْتَسَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ یہ تمہیں ہی ہوا جو ایک دوسرے کو قتل کرتے ہو۔

بنی اسرائیل
کی غمخیزی

ناحق خون بہاتے ہو۔ وَخُذُوا حُيُوتَ قَتَلْتُمْ مَن دِيَارِهِمْ اور ایک گروہ کو ان کے گھروں سے بھی نکالتے ہو۔ یہی نہیں بلکہ قَتَلْتُمْ مَن دِيَارِهِمْ بِالْأَشْوَاعِ وَالْعُذُوبَاتِ تَمِيزِ پیر چھائی کرتے ہو گناہ اور تعدی کے ساتھ کسی پر حملہ کرنا انیس جالی اور مالی نقصان پہنچانا گناہ بھی ہے۔ اور مظلوموں کے ساتھ زیادتی بھی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کے حکم کی افزائی کر کے گناہ کے مرتکب ہوئے۔ اور خلق خدا کے حقوق ضائع کر کے زیادتی کا ارتکاب کیا۔ یہ اُمم اور مردان ہیں آتمے۔

فَرَأَاهُمَا رَی عَجِیْبٌ ذَبْنِیْتُمْ ۚ کَرَجْنُ لُکْرٍ کَرَمٌ جَلَّادِطْنُ کَرْتُمْ بَوْدَانُ یَا قَتْلُکُمْ اسلوسی جب یہی لوگ تمہارے پاس قیدی بن کر آتے ہیں فَتَدُوهُمْ اُنْیَسُ فِیْهِ دِیْکَرٌ چھڑائیے ہو۔ پہلے خود ہی انہیں گھروں سے نکال کر اور پھر اُن کا معاوضہ دیکر انہیں واپس لیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَهُوَ مَحْصَرٌ عَلَیْکُمْ اٰخِرُ اَحْیَیْنِ اَنْ کَانَ جَلَّادِطْنُ کَرَمًا یَمْیِرُ جَرْمٌ تھا تمہیں ایسا کام کرنا ہی نہ چاہیے تھا جس کی وجہ سے تمہیں فدیہ کا مالی بوجھ بھی برداشت کرنا پڑا۔ دراصل بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرتے تھے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے نہیں قیدیوں کی رہائی کی تمہیں کی تھی۔ اور یہ اچھی بات تھی مگر جہاں یہ لوگ اس حکم پر عمل کرتے تھے وہاں دوسرے دو احکام یعنی قتل ناحق اور جلاوطنی کے معاملہ میں عمل نہیں کرتے تھے۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اَفْکُتُوا مِمَّنْ سَبَّحُضَ الْکُتِیْبُ وَکُفُّوا فَاِنَّ بَعْضَہٗمَا کِیَا تَمِ تَابُ کُے بعض احکام پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کر دیتے ہو؟

فَرَأَاهُمَا رَی عَجِیْبٌ ذَبْنِیْتُمْ ۚ کَرَجْنُ لُکْرٍ کَرَمٌ جَلَّادِطْنُ کَرْتُمْ بَوْدَانُ یَا قَتْلُکُمْ اسلوسی جب یہی لوگ تمہارے پاس قیدی بن کر آتے ہیں فَتَدُوهُمْ اُنْیَسُ فِیْهِ دِیْکَرٌ چھڑائیے ہو۔ پہلے خود ہی انہیں گھروں سے نکال کر اور پھر اُن کا معاوضہ دیکر انہیں واپس لیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَهُوَ مَحْصَرٌ عَلَیْکُمْ اٰخِرُ اَحْیَیْنِ اَنْ کَانَ جَلَّادِطْنُ کَرَمًا یَمْیِرُ جَرْمٌ تھا تمہیں ایسا کام کرنا ہی نہ چاہیے تھا جس کی وجہ سے تمہیں فدیہ کا مالی بوجھ بھی برداشت کرنا پڑا۔ دراصل بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرتے تھے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے نہیں قیدیوں کی رہائی کی تمہیں کی تھی۔ اور یہ اچھی بات تھی مگر جہاں یہ لوگ اس حکم پر عمل کرتے تھے وہاں دوسرے دو احکام یعنی قتل ناحق اور جلاوطنی کے معاملہ میں عمل نہیں کرتے تھے۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اَفْکُتُوا مِمَّنْ سَبَّحُضَ الْکُتِیْبُ وَکُفُّوا فَاِنَّ بَعْضَہٗمَا کِیَا تَمِ تَابُ کُے بعض احکام پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کر دیتے ہو؟

تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ یہ قرآن کی زندگی میں عذاب ہوا، فرمایا آخرت کا عذاب کو سخت ترین ہوگا۔ اور یہ لوگ اس میں بھی مبتلا ہوئے۔

یہودیوں کی
بہمی لڑائیاں

ان آیات میں یہودیوں کی جس بہمی جنگ و جدل اور جلا وطنی کا ذکر ہے۔ اس کے متعلق حضرت شیخ المسلمہ حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ مدینہ کے دو بڑے قبیلے اوس اور خزرج تھے۔ جو اکثر آپس میں دست گردیاں بستے تھے۔ ان کی آبادی ہزاروں کی تعداد تک پہنچی تھی۔ جب مدینہ میں اسلام کی شمع روشن ہوئی تو انصار مدینہ کی اکثریت بھی انہیں دو قافل میں سے تھی۔ اب ہر قریظ قبیلہ اوس کے حامی تھے۔ اور بنو نضیر قبیلہ خزرج کے طرفدار تھے۔ گویا یہودی اس طریقے سے دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے ان میں اکثر جنگیں ہوتی۔ یہی تھیں۔ جب ایک قبیلہ دوسرے پر غلبہ آتا، تو وہ مغلوب کو جلا وطن کر دیتا یا ان کو قتل کر دیتا اور ان کے مکانوں کو گرا دیتا۔ یہ سب ہم مذہب تھے۔ مگر دوسرے قبیلے کے ساتھ منسلک ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ پھر یہی لوگ جنہوں نے انہیں جلا وطن کیا تھا، الٹا کر دے اور ان کا معاوضہ ادا کر کے انہیں قید سے رہائی دلاتے۔ یہ لوگ قیدی کو چھڑانا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ مگر کشت و خون اور جلا وطنی کے احکام کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی اسی خصلت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مضمرین کرام مشرکین کی ایک دوسری لڑائی کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔ جسے حرب بعاث کہا جاتا ہے۔ یہ لڑائی چالیس سال تک جاری رہی۔ اس لڑائی میں بھی یہودی مختلف گروہوں میں منقسم تھے۔ یہودیوں کا ایک قبیلہ ایک فرقہ جنگ کے ساتھ تھا۔ جب کہ دوسرا قبیلہ دوسرے کے ساتھ تھا۔ اس جنگ میں بھی یہودیوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا۔ اگر کوئی ہم مذہب بھی سامنے آگیا تو بھی مار ڈالتے تھے۔

۱۰۱۔ ابن کثیر نے بھی ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں مملکت ایران کی طرف تک جہادیں مصروف تھیں۔ اسلامی فوج میں حضرت عبداللہؓ بھی شامل تھے۔ جو ایک یہودی عالم تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت سے مشرف کیا تھا۔ جب جہاد میں گماڑوں

کو فتح حاصل ہوئی۔ قسبت سے قیدی بھی لے آئے۔ جن میں دو یودی بھی شامل تھے۔ جو کہ مجوسیوں کی طرف سے جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ ان میں ایک یودی بن عمارت لڑائی میں کرائی۔ جسے حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے رستو درہم میں خرید لیا۔ جب آپ کو فرس واپس آئے۔ تو وہاں کے ایک مشہور و معروف یودی راس الجالوت سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے یودی کو وہ لڑائی فرود کرنے کی پیش کش کی۔ وہ رضامند ہو گیا۔ اور قسبت دریافت کی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے سبے نو سو درہم میں خرید لیا ہے۔ مگر اب میں چار ہزار درہم سے کم پر نہیں دوں گا۔ پہلے تو راس الجالوت اتنی بڑی رقم بیٹے پر تیار نہ ہوا۔ پھر حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے اس کے کان میں قرآن کی وہی آیت پڑھی **وَإِنْ يَأْتِوكُمُ الْأُسْرَىٰ فَعَلُّوْهُمْ كَمَا عَلَّمَكُم بِلَاكُم بِنُفْسِكُمْ** جب تم مارا کوئی ہم سے قیدی بن کر آئے تو اسے چھڑا دو۔ یہ سن کر یودی مجبور ہو گیا۔ اور اس نے چار ہزار کے بدلے میں ہی خرید، منظر کر لیا۔ مگر حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے دو ہزار درہم بے لے اور باقی دو ہزار واپس کر لیے۔ اور اس طرح لڑائی اس کے پاس فرخت کر دی۔ موصوفہ کہ یودی قیدیوں کو چھڑانے والے حکم پر سختی سے کاربند تھے۔ اگرچہ در سک احکام کی پودنیں کرتے تھے۔

مسلمانوں کی حالتِ دُور

یودیوں کے جزوقی ایمان کا جو نقشہ قرآن پاک نے ان آیات میں کھینچا ہے۔ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے۔ تو انجکل مسلمانوں کی حالت بھی اس سے مختلف نہیں۔ آج مسلمانوں کی حالت بھی یہی ہے کہ قرآن پاک کے کسی قسم پر ایمان لاتے ہیں۔ اور بعض احکام کو نہیں مانتے۔ اسی لیے تو دنیا میں سوامو ہے میں۔ غلامی سے بڑی ذلت اور کیا ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے تنہا بے مٹ جاتی ہے۔ دیکھیے **کابل والوں** کا کیا حشر ہو رہا ہے۔ **افغان** پر غیر کا قبضہ ہو چکا ہے۔ یہی حال اس سے پہلے کمر قزاقوں کا تھا۔ فلسطین میں کیا ہو رہا ہے۔ بنگالیوں کو کون سی عزت نصیب ہو رہی ہے۔ یہ سب ذلت و روائی نہیں تراور کیا ہے۔

وجہ یہی ہے کہ مسلمانوں نے بھی یودیوں کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ جو حکم ان کی خواہش کے مطابق ہوتا ہے۔ اسے تسلیم کر لیتے ہیں۔ اور جو ان کی مرضی کے خلاف ہوتا ہے۔ اس کا انکار کر دیتے ہیں۔ معاملہ نکاح و عدالت کا مویا سی نوعیت کا ہو۔ اپنی مرضی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے قانون کی پروا نہیں کرتے۔ عدل احسان اور تقویٰ کو فراموش کر دیتا ہے۔

محض نفسانی خواہشات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ لہذا مسلمانوں کا شرعی بیویوں سے مختلف نہیں ہے۔ جب انگریز نے ہندوستان میں تسلط قائم کیا۔ تو انہوں نے مسلمانوں سے بھی پرچھا تھا کہ تم اپنے ذاتی معاملات میں شرعی قوانین کا اطلاق چاہو گے۔ یا مقامی رواج کے مطابق اپنے مسائل کا حل کرنا چاہو گے۔ یہی مسلمان ہیں جنہوں نے کچھ کرنا دیا تھا کہ ہمیں شریعت کا قانونِ درایت منظور نہیں ہے۔ ہمارا فیصلہ رواج کے مطابق کیا جائے۔ حالت آج بھی یہی ہے۔ دعویٰ یہی ہے کہ ہم قرآن و حدیث کو راجح مانتے ہیں۔ مگر ان کے احکام پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ عبادت تو عورت ہی بہت کر لیتے ہیں۔ مگر تعویذات کے قانون پر کیوں عمل نہیں کرتے۔ جہاد جیسی اہم چیز کو نہیں اپناتے۔ جس کے لیے قرآن و حدیث کے اور انی بھر سے پڑے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس معاملہ میں یہودی اور مسلمان بڑے ہیں۔ نہ ان کا اپنی شریعت پر عمل ہے۔ اور نہ مسلمانوں کو احکام کا پاس ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی دور مئی کا نتیجہ سوائے تباہی و بربادی کے اور کیا ہوگا۔

فرمایا: وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ جو کچھ تم کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ اُس سے غافل نہیں ہے۔ تم جو کچھ بھی کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ وہ تمہارے دلوں میں مخفی ارادوں تک سے واقف ہے۔ اُس لیے وہ اسی کے مطابق جہاد لے گا۔ جب خدا تعالیٰ کی گرفت آئے گی۔ تو سخت عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اُن لَیْسَ الْکَذِبُ اَشَدَّ الْحَبِیْۃَ النَّبِیَّۃِ الْاٰخِرَۃِ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی ان کرتوتوں کی وجہ سے آخرت کی دائمی زندگی کے بدست دنیا کی عارضی اور حقیر زندگی کو عزیز و یاسے لیے لوگوں کا حال یہ ہوگا کہ جب وہ عذاب میں جکڑے جائیں گے فَکَلَّ الْجَحْفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ تو پھر ان کے عذاب میں تخفیف بھی نہیں ہوگی وَلَا هُمْ یُنصَرُونَ اور نہ ہی کسی طرف سے انہیں امداد پہنچ سکے گی۔

اللہ تعالیٰ
عالم الغیب ہے

الْمَوَدَّةِ

دوستی و رشتہ

بقدرۃ

(آیت ۸۷، ۹۰)

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَرَفَعْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ وَآتَيْنَا
 نِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيْتَ وَآتَيْنَاهُ يَرْوُجَ الْفُتُورِ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ
 رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْتَوَى أَنْفُسُكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِقْنَا كَذِبْتُمْ
 وَفَرِقْنَا تَفْتُونُ ۝ (۸۷) وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلَّتْ بَلْ لَنْفَعَهُمُ اللَّهُ
 بِكَفَرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ۝ (۸۸) وَلَمَّا جَاءَهُمْ
 كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ
 يَسْتَفْتُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ هُمْ مَا عَرَفُوا
 كَذَبُوا بِهِ فَقَعْنَهُ اللَّهُ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ (۸۹) بِسْمَا أَشْرُوا بِهِ
 أَنْفُسَهُمْ أَنْ تَكْفُرُوا إِنَّمَا أُنْزِلَ اللَّهُ بِقِيَا أَنْ يَنْزِلَ اللَّهُ
 مِنْ قَضَائِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ فَبَاءُوا وَرِعْضَبَ عَلَى
 غَضَبٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝ (۹۰)

تسجہ ۸۷ اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی۔ اور ہم نے ان کے
 پیچھے بہت سے رسول بھیجے۔ اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو نبیات (واقعہ کو کھلی ہیں)
 دیں۔ اور ہم نے ان کی پاک روح کے ساتھ تائید کی۔ کیا جب بھی تمہارے پاس رسول
 کوئی ایسی چیز لے کر آیا، جسے تمہارے نفس نہیں چاہتے تھے، تو تم نے غبار کیا پس
 ایک ذوق کو تمہارے جھٹلایا، اور ایک کو قتل کر دیا ۝ (۸۷) اور انہوں نے کہا: ہمارے
 دل غلاظتوں میں ہیں، نہیں بلکہ اللہ نے ان پر لعنت کی ہے۔ ان کے کفر کی وجہ سے
 پس بہت تھوڑے ہیں جو ایمان لاتے ہیں ۝ (۸۸) اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ
 کی کتاب آئی، اُس چیز کی تصدیق کرنے والی، جو ان کے پاس ہے، اور اس سے
 پہلے وہ کافروں پر فتح مانگتے تھے، اور جب ان کے پاس وہ چیز آئی، جسے

انوں نے پہچان لیا، تو اس کے ساتھ کھڑا کیا، پس کھڑکے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے (۸) وہ بری چیز ہے جس نے ہمارے انوں نے اپنے انوں کو بچا ہے، کہ کھڑکے میں اس چیز پر جس کو اللہ نے آزار ہے، سرکشی کرتے ہوئے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے، آداتا ہے، پس یہ لوگ غضب پر غضب سے کروٹے اور کافروں کے لیے ذلت کا مذاق ہے (۹)

اس سے پہلے بنی اسرائیل کے مختلف عہدوں کا ذکر ملاحظہ ہے، جن کی پابندی کرنے کا بار مولا سے یہ قوم قاصر رہی۔ اب یسوع اور مسیح الفعات کا تذکرہ ہو رہا ہے جو بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے کیے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ سجدان الفعات کے ایک یہ بھی تھا کہ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ یعنی یہ کتاب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات عطا فرمائی، تاکہ بنی اسرائیل اس کے ذریعے ہدایت اور راہنمائی حاصل کر سکیں، اور پھر یہ نہ صرف کتاب پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ کتاب میں مذکور احکام کی یاد دہانی کے لیے وَقَفَّيْنَا مِنْ آفَئِدِهِ بِالْوَسِيلِ اور موسیٰ علیہ السلام کے بعد پہلے دینے رسول بھیجے۔ جو تورات کی تفسیر کی تبلیغ کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر کا مبعوث ہونا بنی تورات پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی اور شفقت ہے انبیاء علیہم السلام لوگوں کی مشکلات کا حل پیش کرتے ہیں، اور ان کی راہنمائی فرماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے جس قدر پیغمبر بھیجے ان میں سے بعض کا نام بھی قرآن پاک نے ذکر کیا ہے، جیسے حضرت داؤد علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام، یونس علیہ السلام، ذکر یا علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام اور پھر سلسلہ بنی اسرائیل کے آخری رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اسی طرح تورات اور یسوع کی دیگر کتب میں بھی بہت سے انبیاء علیہم السلام کا ذکر ملتا ہے، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مجموعی طور پر تقریباً چار پانچ سو بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے سلسلہ بنی اسرائیل کے آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ آپ صاحب کتاب دہ اللہ تعالیٰ کے عظیم المہربان رسول ہیں چنانچہ آپ کے متعلق اور نادر و نایاب حقائق یہی ہیں۔

وَقَسَيْتَا عَلَيْنَا ابْنَ مَرْيَمَ الْكِبْتَلَتِ اور ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو واضح نشانیاں عطا کیں۔ اور ان سے مراد وہ معجزات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کئے۔ اور جو قرآن پاک میں مذکور ہیں مثلاً مڑوں کو زندہ کرنا، کوڑی کو تہہ بست کر دینا، اور مٹی کا پرندہ بنا کر اس میں پھونک مارنا اور اُسے بوائیں اڑا دینا، وغیرہ وغیرہ۔ نباتات سے احکام اور دلائل بھی مقرر کیا جاتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے نہایت عینی علیہ السلام کو کامرانی عطا کی تھی اور دلائل بھی دیے تھے۔

عینی غزنی زبان کا لفظ ہے۔ عیسیٰ۔ یسوع یا الیسوع کا معنی مبارک ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام مریم رضی اللہ عنہا تھا۔ آپ کی نانی نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ اُسے بیٹا عطا کرے گا۔ تو وہ اُسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقت کر دیگی مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت کے اُس نے بیٹے کی بجائے بیٹی عطا کی۔ آپ کو پریشانی لاحق ہوئی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرما کر کہ ہم نے تمہیں بیٹی عطا کی ہے۔ ہم نے اُسے بہت برگزیدہ اور پاکیزہ بنایا ہے۔ بیٹا اس کی باہری نہیں کر سکتا۔ حضرت مریمؑ کی فضیلت اللہ تعالیٰ نے خود قرآن پاک میں بیان فرمائی ہے: يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ یعنی اے مریم! اللہ نے تجھے برگزیدہ کیا۔ اور پاکیزگی عطا کی اور تمام دنیا کی عورتوں پر تجھے برتری عطا کی۔ یہ بات قابل غور ہے کہ قرآن پاک میں جہاں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوگا۔ ہمونا عیسیٰ ابن مریم کا نام ہوگا۔ آگے سورۃ مائدہ میں آئے گا کہ آپ کے حواری بھی آپ کو عیسیٰ ابن مریم کے نام سے جانتے تھے۔ اور اسی نام سے خطاب کرتے تھے۔ وہ ابن اللہ کے نام سے یاد نہیں کرتے۔ نہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خود خدا تصور کرتے تھے۔ بلکہ یہ غلط عقیدہ تو بعد میں ایک عیسائی پادری پولس کا پیدا کر دیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام خود خدا۔ خدا کے بیٹے یا بیٹوں میں سے تیسرے ہیں۔ یہ بالکل کفریہ عقیدہ ہے۔

روح القدس

فرمایا ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو واضح نشانیاں عطا کیں۔ اور اس کے ساتھ وَآتَيْنَاهُ بُرْهَانَ الْقُدُسِ اس کی تائید ہم نے پاک روح سے کی۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ روح القدس سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ یعنی ہم نے جبرائیل کے ذریعے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدد کی۔ اس بات کی تائید قرآن پاک کے دو مسند مقام پر بھی ہوتی ہے۔

ذکر ہے جنہیں اسرائیلیوں نے قتل کیا۔ کیونکہ وہ ان کی مرضی کے خلاف اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچتے تھے۔ جو بنی اسرائیل کے ذائقہ نہیں تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک دگر فضا فی خواہشات کی اتباع اور عدا فی قانون کی خلاف ورزی کرتے رہیں گے، انہیں فلاح نصیب نہیں ہو سکتی۔ الخوض! اسرائیلیوں میں یہ دو بیماریاں یعنی اتباع خواہشات اور تکبر و پلہ باقی تھیں۔ جن کی وجہ سے انہوں نے بعض نبیوں کو جھٹلایا اور بعض کو قتل کر دیا۔

یہودیوں کو ایک اور غلط فہم تھا کہ وہ صاحب علم ہیں۔ ان پر کسی بیرونی تبلیغ کا اثر نہیں ہوتا۔ قرآن پاک کے الفاظ میں ان کا دعوے تھا وَقَالُوا أَهَلَكُنَا بِمَا عَظَّمْنَا مِنْ دُلِّ الْغُلَامِ میں بندہ ہیں، یہ ان کی خود ساختہ تھی۔ کہ صاحب کتاب ہونے کی وجہ سے وہ ہر قسم کے اثرات سے محفوظ ہیں۔ لہذا وہ اپنے دین پر کھتر ہیں۔ اس میں کوئی بگاڑ پیدا نہیں کر سکتا۔ مقصد یہ کہ جس طرح خلاف میں بندہ کوئی چیز بیرونی اثرات اور تغیر و تبدل سے محفوظ ہوتی ہے۔۔۔ اسی طرح ان کے دل بھی خلاف میں بندہ ہیں۔ اور ان کے اعتقاد میں کسی قسم کا بگاڑ پیدا نہیں کیا جاتا۔ ان کا یہ نظریہ واقعی غلط پایہ تھا۔ بشرطیکہ ان کے پاس صحیح علم ہوتا۔ ان کے عقائد درست ہوتے اور وہ اپنے صحیح دین کو محفوظ کر سکتے۔ مگر حقیقت اس کے برخلاف تھی۔ وہ تو خود اپنا دین بگاڑ پکے تھے۔ غلط عقائد اختیار کر چکے تھے اور پھر ان پر اصرار کرتے تھے۔ جب بھی ان کے پاس حق بات لے کر انہیں علم اسلام آتے۔ وہ انہیں جھٹلاتے یا قتل کر دیتے۔

یہودیوں کا
ذہن غلط

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہودیوں کا یہ دعویٰ کہ ان کے دل محفوظ ہیں۔ درست نہیں ہے حقیقت یہ ہے بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ حَافِظُوا ان کے گھر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے۔ اور انہیں اپنی راست سے ہرگز روکا ہے۔ ان کے قلب میں جو چکے ہیں اور فہم الٹ گئے ہیں۔۔۔ حق بات کو تسلیم نہیں کئے۔ یہی وجہ ہے فَقَبِيلًا مَّا يُؤْمِرُونَ ان کی بہت قبیل تعداد ایمان لائے۔ سورۃ مدثر میں يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَٰؤُلَاءِ یعنی تم میں سے کثر نہ بنو ان کی۔ اگرچہ سلسلے کے ساتھ نافرمان نہیں تھے۔ بائبل انہیں بڑے نہیں مانتے۔ لَيْسُوا نَسَاؤًا مگر اکثریت ملعون بنی تھی۔ ایمان کی دولت چند لوگوں کے پاس تو باقی تھی۔

یہودیوں پر اللہ تعالیٰ
کی لعنت

یہودی اور
نذول قرآن

یہ تذکرہ تو یہود کی ایسی کتاب تھی کہ انہوں نے اس کے احکام کی کس بے نیام پابندی کی۔ اب اس بات کا بیان ہے کہ جب قرآن پاک کا نزول ہوا تو اس کے سارے نبیوں نے کیا رویہ اختیار کیا۔ ارشاد ہوا ہے۔ وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ رَبِّهِمْ لَعَنُوا کی طرف سے ان کے پاس وہ کتاب آگئی۔ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ جو ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ جو ان کے پاس موجود ہیں۔ مصدق کتاب سے مراد قرآن پاک ہے۔ اور سابقہ کتاب میں نزول تو وہ انجیل اور عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر تھی۔ جب قرآن پاک نازل ہوا، کفار کو وہابہ تو جی اسرائیل نے اس کا بھی انکار کر دیا۔ مگر قرآن پاک ان کے پاس موجود سابقہ کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔

فَلَمَّا كَفَرُوا وَابَّعِدَ فِي أَنْفُسِهِمْ یہودیوں کی ایک در بات کا ذکر ہے۔ وَلَا تَكُونُوا مِنْ قَبْلُ كَيْفَ تَكُونُوا عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا یعنی نزول قرآن سے پہلے وہ کفار یہودی تھے۔ معنی یہ کہ انہوں نے کفر کی حالت میں کفر کیا ہے۔ فح کے معنی کھولنے کے ہوتے ہیں۔ تو اس لحاظ سے معنی یہ ہے۔ یعنی اسرائیل کفار پر اس بات کو کھولتے تھے۔ یعنی بیان کرتے تھے کہ انہوں نے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب آنے والی ہے۔ اس پر ایمان لانا، سورۃ اعراف میں موجود ہے۔ الَّذِينَ يَجِدُونَ فِي هَذَا عِلْمًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَإِنْ يَخْتَلِفُ فِيهِ عِلْمٌ يَعْنِي: ایسی کتابوں تو وہ انجیل میں صحیح ہوا جاتے تھے۔ کہ اگر انہوں نے اسے وار ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صیغہ میں بھی بنا رہے تھے۔ انہیں یہودیوں میں ان کی نبی سمجھوں گا۔

يَكْتَفِيهِمْ کا دوسرا معنی فتح یا کامیابی ہے۔ حضرت کریم بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے کافروں کے مقابلے میں فتح یا کامیابی طلب کیا کرتے تھے۔ کہتے تھے۔ یا اللہ ہمیں اس آئے والے نبی کی برکت سے کافروں کے مقابلے میں فتح نصیب فرما۔ تاکہ جب وہ نبی آئے تو ہم اس کی اتباع کر سکیں۔ گویا نبی آخر الزماں کے توسل سے جانتے تھے

نظر: توکل

نظریہ توسل ہمارے مذہب میں بھی دوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی مقرب بندے کی برکت سے یا اس کے طفیل سے کوئی دعا مانگی جائے اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ معنی تو اللہ تعالیٰ ہی سے ہے۔ صاحبِ وسیلہ اللہ تعالیٰ کا نیک بندہ ہے اُس نے ہیں راہِ راست کی تعلیم دی ہے۔ ہمیں اس سے محبت ہے۔ لہٰذا اس کے طفیل یا اس کی برکت سے خدا تعالیٰ ہماری دعا قبول کرے یا اس شرک اس وقت ہو جو جب اس کے توسل کی بجائے خود اُنسی سے مانگنے لگے یا اس کو مشرک کی طرح شمع سمجھے یا اس کو فخرِ مطلق سمجھے کہ اسے دعا کے قبول کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

بہر حال پہلے تو یہ لوگ اس قسم کی عافیت مانگتے تھے۔ اور وعدہ کرتے تھے کہ ان کو نئے نبی یا ایمان لائیں گے۔ فَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْهُمْ سَبَّوْا عَلَيْهِمْ وَنَافَرُوهُمْ لَمَّا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَالرَّسُولِ لَكُنْ لَهُمْ آيَاتٌ أَنْ يَسْمَعُوا وَالَّذِينَ هُمْ يُعَذِّبُونَ النَّفْسَ الَّتِي نَفَرَ عَنْ رَبِّهَا وَهُمْ يُعِزُّونَ النَّفْسَ الَّتِي نَفَرَ عَنْ رَبِّهَا وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَالْكَافِرُونَ الْعَصِيُّونَ

نبی آخر الزمان
صلی اللہ علیہ وسلم
سے

اللہ تعالیٰ نے فرمادہ کہ ان ظالموں نے ایسی جبری حرکات کر کے کیا نکمیا۔ بِسْمَا اسْتَشْتَوُا
بِہُ الْفَنسِہُمْ انہوں نے نہایت ہی بُری چیز کے بے اپنی جانوں کو بچاؤ کو نہی کرنا
ہے جو انہوں نے جان کے بے فریدی اَنْ یَّکْفُرُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ وہ یہ ہے۔ کہ
اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب، شریعت اور وحی کا انکار کر دیا۔ اور یہ شخص اس لیے بُعِثَ شَرِّ
کرتے ہوئے۔ کہ نبی آخر الزمان دوسری قوم میں کیوں آگیا۔ وہ تو ہماری قوم بنی اسرائیل میں آنا چاہیے
تھا۔ وہ بڑا تمکبیل میں کیسے آگیا۔ چنانچہ قرآن پاک نے جگہ جگہ بیان کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کہاں
کہا ہے کہ آخری نبی ضرور بنی اسرائیل میں آئے گا۔ فرمایا حقیقت یہ ہے اَنْ یَّیْتِزِلَ اللّٰہُ مِنْ
فَضْلِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ اللہ تعالیٰ اپنا فضل پہنچانے بندوں میں سے جس پر
چاہتا ہے۔ اتنا دیتا ہے۔ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے ہزاروں نبی بھیجے۔ مگر نبی آخر الزمان
کی بعثت بنی اسماعیل میں مقدر ہو چکی تھی۔ اس لیے وہ وہیں تشریف لائے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم
سے آخری نبی کا کوئی وعدہ نہیں کر رکھا تھا۔ اب جب کہ آخری نبی آگئے ہیں۔ تو بنی اسرائیل کا

فرمنا تھا کہ وہ اسے پیٹھیے باعث فخر سمجھتے ہوئے۔ اس پر ایمان لاتے اور ان کا اتباع کرتے۔ اس کے برخلاف انہوں نے سرکشی کا راستہ اختیار کیا اور اپنے خانہ اتنی توقع کا دم بھرنے لگے۔ جو ان کے لیے مناسب نہ تھا۔

بنی اسرائیل کی سرکشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ **فَبَاكُوا وَبَغَضَبَ عَلَىٰ عَصِيْبِهِ** وہ غضب پر غضب لے کر روئے۔ ان کا پہلا غضب تو یہ تھا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا۔ بادشاہ نے انہیں سولی پر لٹکانے کا حکم دیا۔ منہ پر حقو کا اور حضرت مسیح علیہ السلام کو سزا دینے کا حکم دیا۔ انہیں ایذا پہنچائی۔ کتب سماویہ میں تحریف کا ارتکاب کیا۔ اور حیلے بانوں سے خدائی احکام کو مٹا دیا۔ اور پھر اس غضب پر دوسرا غضب یہ تھا کہ جب بنی آخر الزمان علیہ السلام تشریف لائے اور آخری کتاب نازل ہوئی تو ان کا انکار کر دیا۔ یہ گویا غضب پر غضب ہو گیا۔ اسی لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **اَلَيْهَمُوْا مَعْصُوْبًا وَالتَّصْلٰى صَنْدَلًا** یعنی یہ وہ معصوب علیہ ہیں اور نہ ماری گمراہ۔

معصوب اُسے کہتے ہیں جو دیدہ وافر احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ آج کا مسلمان بھی جانتا ہے کہ شریعت برحق ہے۔ مگر اس پر عمل نہیں کرتا۔ یہی خرابی بنی اسرائیل میں بھی پائی جاتی تھی۔ وہ پہچانتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اور یہ آخری نبی اللہ آخری کتاب ہے۔ مگر ایمان نہیں لائے۔ علاوہ ازیں **عُصِّلَ** وہ ہے۔ جسکے فہم میں خرابی آجائے۔ اور وہ جھٹک جائے۔ **نَهَضُوْا فِيْ عَصَالٍ** ہیں۔ یہ غلطی کرنے والے ہیں۔ **فَرَدَّوْا وَلِلْكَافِرِيْنَ عَذَابٌ مُّبِيْنٌ** یاد رکھو! انکار کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں دردناک عذاب تیار ہے مگر اس عذاب سے بچنا ہے تو آج بھی راہِ راست پر آ جاؤ۔ ورنہ تو تمہارے مقتدر میں بوجھتا ہے۔ اللہ تمہارے پیروں کے حالات مشکف کر کے مسلمانوں کو بھی تنبیہ کر رہا ہے۔ کہ تم بھی یہودیوں کی روش اختیار نہ کر لینا۔ بلکہ ان کی خرابیوں کا ذکر سن کر اپنی اصلاح کر لینا۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْنُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا تَقُولُوا نَحْنُ مُؤْمِنُونَ بِمَا وَرَّاهُ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَهُمْ قُلْ فِيهِ لَقَنَتُنَا أَنْبِيَاءُ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٩١﴾ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَى بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اخْتَلَفْتُمْ فِيهَا مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿٩٢﴾ وَإِذَا اخْتَلَفْتُمْ فِي شَيْءٍ مِنْ بَيْنِ يَدَيْنَا وَلَقَدْ جَاءَكُمْ الْفُورُ أَخَذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأَشْرَكُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعَمَلُ يُكْفِّرُهُمْ قُلْ بِسْمَايَا مُرْكُكُمْ بِهِ إِيْمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٩٣﴾ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٩٤﴾ وَلَنْ يَتَمَنَّوهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيَهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٩٥﴾ وَلَتَعْلَمَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيَاتِهِ وَمِنْ الَّذِينَ أَسْرَكُوا أَنْ يُؤْخَذَ مِنْهُمْ تَوَلَّى سِتْرُ الْفَسَادِ وَمَا هُوَ بِمُخْرِجٍ مِنْ الْعَذَابِ أَنْ يُعْقَرُ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾

مع
القرآن
الکریم
ترجمہ

ترجمہ: اور جب ان کو کہا کہ ایمان لاؤ اُس چیز پر جس کو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے۔ (یعنی قرآن) تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اُس چیز پر ایمان رکھتے ہیں جو ہماری طرف نازل کی گئی۔ (یعنی تورات) اور اس کے سوا کائنات کا کون سا شے ہے۔ حالانکہ یہ سچی ہے۔ اور تصدیق کرنے والی ہے اس کی جو ان کے پاس ہے۔ آپ فرما دیجئے، پس تم کیوں قتل کرتے تھے اللہ تعالیٰ

کے، خیال کو اس سے پہلے اگر تم ایمان واسے ہو ﴿۹۱﴾ البتہ تحقیق تمہارے پاس
موسیٰ علیہ السلام کبھی نشانیاں لاتے۔ پھر اس کے بعد تم نے کچھ عرصے کو معبود بنالیا۔
اور تم ظلم کرنے والے تھے ﴿۹۲﴾ اور جب ہم نے تم سے نکتہ عندیہ لیا۔ اللہ ہم نے
تمہارے اوپر کوہ طور کو اٹھایا۔ خزاں جو ہم نے دیا ہے تم کو مضبوطی کے ساتھ اور سنو۔
انہوں نے کہا کہ ہم نے سنا اور دیکھا۔ اور ان سے وروہین کچھ عرصے کی محبت چڑادی
گئی ان کے کھڑکی درجے۔ آپ کو دیکھو کہ وہ بڑی بات ہے جس کے لیے تمہارا
ایمان تمہیں جہنم دیتا ہے۔ اگر تم ایمان والے ہو ﴿۹۳﴾ آپ فرم دیجئے کہ اگر اللہ
کے نزدیک نہ ہو کہ تمہارے دوست لوگوں کے سوا صرف تمہارے لیے مخلص ہے
پس تم موتوں کا کردار اگر تم پہنچتے ہو ﴿۹۴﴾ اور وہ اس موت کی ہرگز نفا نہیں
نہیں لے سکتے کبھی بھی اس درجے کو جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے۔ اور اللہ
تعالیٰ خوب جانتا ہے ظلم کرنے والوں کو ﴿۹۵﴾ اور البتہ تم ان لوگوں کو زندگی پر
زیادہ عرصے پاؤ گے لوگوں سے بھی اور ان سے بھی زیادہ عرصے جنہوں نے شرک
کیا۔ ان میں سے ہر کوئی پسند کرتا ہے کہ اسے ہزار سال عمر ملے دی جائے۔ حالانکہ
عمر اسے خدا کے عذاب سے دور کرنے والی نہیں ہے اگر اس کو اتنی عمر ملے
دی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو کچھ کام کرتے ہیں ﴿۹۶﴾

یہودیوں کی قباحتیں اور ان کی سزائیں بیان ہو رہی ہیں۔ اس سے پہلی آیات میں
یہودیوں کی باتوں اور ان کے کفر پر اصرار کا ذکر تھا۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ نعم البتین صلی اللہ علیہ وسلم
کی آمد سے پہلے یہودیوں ان کے منتظر تھے۔ کہ جب وہ نبی آخر الزمان آئے گا۔ تو اس کا ساتھ دیں
گے۔ یہودی لوگ آپ کی بکرت سے شکر گین پر غلبہ حاصل کرنے کی تمنا بھی کرتے تھے۔ اور اس کے
لیے دعا بھی کرتے تھے۔ مگر جب وہ رسول آگیا جس کا انتظار تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی آغوش رحمت
فجائی آگئی اور ان لوگوں نے پہچان بھی لیا تو پھر انکار کر دیا۔ اللہ تمہارے دوسرے غضب
میں مبتلا ہونے۔

ان آیات میں بھی یہودیوں کی ہٹ دھرمی کا ذکر ہے۔ البتہ یہاں ان کو قرآن پاک دعوت ایمان

اور ایمان کی دعوت دی گئی۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَا ذَا قَوْلٍ لَهُمْ۔ إِمْتَنُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ
 جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اس چیز پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے یعنی قرآن پاک
 کو اللہ تعالیٰ کی فرستادہ کتاب تسلیم کرو۔ قَالُوا فَمَنْ نَبِيٌّ عَلَيْكَ سَائِرُ کا جواب یہ
 ہوتا ہے کہ تو اس چیز پر ایمان رکھتے ہیں جو ہماری طرف نازل کی گئی ہے یعنی تورات کہتے ہیں کہ ہم
 تو صرف تورات کو مانتے ہیں وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَ ذَلِكَ اس کے علاوہ ہر چیز کا انکار کرتے ہیں۔
 حالانکہ وَهُوَ الْحَقُّ قرآن پاک بحق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے اور مُصَدِّقًا لِّمَا
مَعَهُمْ جو کچھ ان کے پاس ہے یعنی تورات۔ اس کی تصدیق کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا
 تورات پر ایمان لانے کا دعوے بھی جھوٹا ہے۔ اگر ان بدبختوں کا تورات پر ایمان ہوتا تو یہ حضرت
 عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لاتے مگر ایسا نہیں ہے۔ لہذا
 یہ اپنے دعوے میں مہموں نے ہیں۔

یہ ایک اصول بات ہے کہ جب تک کوئی فرد یا قوم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تمام کتابوں
 پر ایمان نہیں دے گی اور مومن بنیں ہو سکتی۔ کیونکہ تمام کتب سماویہ کی بنیادی تعلیم تو ایک ہی ہے
 یعنی ایمانیات اور عبادت کے معاملہ میں تمام کتابیں مادی میں شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ
مَا وَصَّى بِهِ نُوْحًا یعنی قبلے سے بھی وہی دین مقرر کیا گیا ہے۔ جو حضرت نوح علیہ السلام
 اور ان کے بعد آنے والے نبیوں کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ ہاں البتہ مختلف زمان و مکان کے
 لحاظ سے شریعت میں تمیز و امتیاز فرق ضرور ہے۔ جیسے فرمایا: يُكَلِّمُكَ مِنْكُمْ
رِسْرَةً وَرَهْطًا

قل انباء: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے جموٹے ہونے کی ایک اور دلیل بیان فرمائی ہے۔
 ان سے پوچھے کہ اگر تورات پر تمہارا ایمان ہے فَلْيَقُولُوا فَلْيَقُولُوا فَلْيَقُولُوا فَلْيَقُولُوا
فَلْيَقُولُوا فَلْيَقُولُوا فَلْيَقُولُوا فَلْيَقُولُوا فَلْيَقُولُوا فَلْيَقُولُوا فَلْيَقُولُوا فَلْيَقُولُوا
 ہے۔ قل انباء: علیہم السلام تمہاری کون سی کتاب جائز قرار دیتی ہے۔ یہ تو میری تکفیر سے
 لطف کی بات یہ ہے کہ بعد میں آنے والے بنی اسرائیل کا تان ابیاریہ اپنے اہواز و پر فخر
 کرتے تھے۔ اگر تم اپنے دعوے میں پتے ہو تو پھر ایسا کیوں ہے؟ ظاہر ہے کہ اپنے نبیوں کے

جرم میں تم بھی شریک ہو۔ اس کا وضع ثبوت یہ ہے کہ نزول قرآن کے وقت یہودی بھی اپنے
 اباؤ اجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے درپے تھے۔
 اس سلسلہ میں مدینہ کے یہودیوں نے کتنی سازشیں کیں۔ حتیٰ کہ حضور علیہ السلام کو زہر بھی دیا گیا۔ اسی
 لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اچھا تمنا اور غویٰ ہے کہ تورہ پر تمنا ایمان ہے۔ تو پھر یہ بتاؤ کہ قتل
 انبیاء علیہم السلام تورہ میں کیا رکھا ہے۔ تمنا اور غویٰ ایمان ہاں ہے۔ اگر تم ایمان دالے ہو
 تو قتل انبیاء علیہم السلام میں کیوں جوش ہوتے ہیں۔

فرمایا تمنا یہ درست نہیں۔ کہ تم تورہ پر ایمان رکھتے ہو اس کا ثبوت یہ ہے کہ وَلَا تَقُولُوا
حَبَّآ كُفْرًا مَؤْتَسٰی بِالْبَيْتِ ثَبَّ جِب مَرْسٰی عَلَیہِ السَّلَام وَاضِح ثَنَانِیَا لِمَعْنٰی مَحْرٰت لَہِ کَ اَنَہِ
 تو تم نے ان پر ایمان لانے کی بجائے۔ لَقَدْ اَخَذْنَا مِمَّنْ بَعْدَہِ قَوْمٌ
 بکھڑے کو معبود بنایا۔ یہ مصرعی شریک تھا۔ جو تمام آسمانی کتابوں کے مطابق گناہ کبیرہ قرار دیا گیا ہے
وَاَسْتَمِعُوا طَعْنًا اور تم یا تمنا سے اباؤ اجداد ظلم کرنے والے تھے۔
 دیکھو تم نے بار بار عیسائیوں کو تڑا۔ از غور شریعت کا مطالعہ کیا۔ اور جب یہ قانون تمہارے پاس آیا۔ تو جیسے جیسے
 بنیاد پڑا اور کیا کہ اس پہلے ممکن نہیں۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ وَاِذَا اَخَذْنَا مِمَّنْ اَفْکًا
 اور جب ہم نے تم سے بچتے ہوئے۔ وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمْ الطُّغٰی اور تمہارے سر دل پر کوحہ طیر
 کو معلق کر دیا۔ اور حکم دیا اَحَدًا وَاَمَّا اَتٰیٰنَکُمْ بِقُوَّةٍ وَاَسْمَعُوْا جو کچھ ہم عطا کر رہے ہیں
 اُسے مضبوطی سے غلام لو اور سنو۔ یعنی اس پر کیا حق۔ عمل کرو۔ مگر تم نے اُن ہی جواب دیا فَاَلَا تَرَ
سَمِعْنَا وَعَصٰیْنَا بظاہر تو عمل کا وعدہ کیا۔ مگر باطن میں کہا۔ کہ ہم نے سن لیا مگر ہم نے
 اُسے تسلیم نہیں کیا۔ یعنی زبان سے اقرار تو کرتے ہیں۔ مگر ہم سے اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔ اسی
 وجہ یہ بھی وَاَشْرِکُوْا فِیْ قَوْلِہِمْ الْبَعْدُ بِکُفْرِہِمْ ان کے دلوں میں بکھڑے کی
 محبت گھر کر چلی تھی۔ یہ ان کے کفر کی وجہ سے تھا۔ کہ وہ شرک میں مبتلا ہو چکے تھے۔ لہٰذا انہیں
 یہ دعویٰ کہ تورہ کو مانتے ہیں۔ غلط ہے۔

فرمایا قُلْ لِّیْ خَیْرٌ مِّنْ سَلٰتِہِمْ وہ تمہارے آپ ذرا بھیجے بِطٰغٰتِہُمْ یَا مَعْزُکُمْ بَہِ
بِضٰتِکُمْ وہ بت ہی بڑی چیز ہے۔ جس کے لیے تمنا ایمان تمہیں حکم دیا ہے۔

کیا۔ قرآن پاک اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو یہ سنت بڑا ثبوت ہے۔ کہ یہودیوں نے قرآن پاک کا چیلنج قبول نہ کیا۔ وہ لوگ تو موت سے سنت خوفزدہ تھے۔ وہ اس کی تمنا کیسے کر سکتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کا ایک گروہ بھی مباہلے کے لیے آیا تھا۔ اگر وہ بھی مقبوض ہیں۔ ہاں اور یہ باہر کر چیتا۔ تو وہ خود اور ان کے گھر بد سب خاک ہو جاتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہودیوں کی تمنا بھی نہیں کریں گے۔ بلکہ یہ طویل العمری کے خواہشمند ہیں۔ وَلِكَيْجِدَ قَبْلَهُمْ آخِرَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ فَلَمْ يُؤْتِ الْيَهُودَ آبَاءَهُمْ شَيْئًا مِنْهُ لِيُوَفِّيَهُمْ أُهْوَاهُمْ وَأَتَّعِيَ النَّفْسَ الْيَهُودِيَّةَ أَنَّ يَدْرُوكَ آلَ مَرْيَمَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ۔ لہذا ان کا زندگی پر حرص جو مشرکوں میں مشرک کے نزدیک آخرت کا کوئی تصور نہیں۔ لہذا ان کا زندگی پر حرص کرنا تو واضح ہے۔ بشیر یہ یہودی حضرت کو ملتے ہوئے بھی دوزی زندگی کی خواہش کرتے ہیں۔ اور موت سے ڈرتے ہیں۔ حالانکہ ہر لوگ صاحب ایمان میں وہ موت سے خوفزدہ نہیں ہوتے۔ جس پر کفر کے حالات پانے ملتے ہیں۔ وہ تو موت کو اپنی راحتوں کا ایک ذریعہ سمجھتے تھے۔ اور ہر وقت موت کے انتظاریں بنتے تھے۔ کہ کب اس پل کو عبور کر کے جنت کی داریوں میں پہنچ جائیں۔ انہوں نے مدینہ منورہ میں مبتلا ہوئے تو کہتے تھے جَلَدًا حَبِيبًا عَلَىٰ مَنَافَا۔ ضرورت اور حاجت کے وقت آنے والی چیز یعنی موت آگئی ہے۔ لَا أَفْلَحُ لَبِئْسَ مَا كَانَتْ يَوْمًا بِمَوْتِهِمْ۔ اُسے کبھی فلاں نصیب نہیں ہوگی۔ گویا ہم موت سے ڈرتے نہیں مگر اس سے نجات کرتے ہیں۔ کہ یہ تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے۔ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ سے مدد نہیں ہو سکتی۔

جنگ صفین میں حضرت علیؓ پیغمبرؐ پیسے ہوئے تھے۔ تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ حضرت حسنؓ نے کہا۔ کہ نہ تاجان ایسا لباس جو آپؐ نے پہن رکھا ہے۔ یہ جنگی لباس تو نہیں ہے۔ ڈانے لگے بیٹے! مجھے اس چیز کا خوف نہیں ہے۔ کہ موت مجھ پر گرتی یا میں موت

البقرة

آلہ

(آیت ۹۷ تا ۱۰۱)

درس چہل و نہ

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلْحَبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ
 اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ
 (۹۷) مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَلَ
 فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ (۹۸) وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ
 وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ (۹۹) أَوَلَمَّْا عَاهَدُوا عَاهِدَهُ
 فَمِنْ بَيْنِهِمْ قَوْمٌ لَا يُلْهُونَ (۱۰۰) وَلَمَّا جَاءَهُمْ
 رَسُولٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَهُمْ مِنْ بَدَأَ فَرِيقٌ مِنَ
 الْكَافِرِينَ أَوْتُوا إِلَيْكُم تَارِكِبِ اللَّهِ وَرِئَاءَ ظُهُورِهِمْ كَانَتْهُمْ
 لَا يَعْلَمُونَ (۱۰۱)

ترجمہ: آپ کہ دیجئے جو شخص جبرائیل علیہ السلام کا دشمن ہے، پس بے شک یہ
 (قرآن پاک) مئی نے آپ کے دل پر نازل کیا، اللہ کے حکم سے یہ تصدیق کرنے
 والا ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے ہیں، اور یہ اہل ایمان کے لیے ہدایت
 اور خوشخبری ہے (۹۷) جو شخص دشمن ہو، اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کے
 رسولوں کا اور جبرائیل کا اور میکائیل کا، پس بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کے ساتھ
 دشمنی رکھنے والا ہے (۹۸) اور اللہ تحقیق ہم نے آپ کی طرف واضح نشانیاں نازل
 کیں۔ اور اس کے ساتھ نہیں کفر کرتے مگر منافقان لوگ (۹۹) کیا جب بھی انہوں نے
 کوئی عہد کیا، اس کو ان میں سے ایک گروہ نے عیناً دیا۔ بلکہ ان میں سے اکثر
 ایمان نہیں لائے (۱۰۰) اور جب ان کی طرف اللہ کی طرف سے رسول آیا، جو
 تصدیق کرتا ہے، اُس چیز کی جو ان کے پاس ہے، تو انہیں بے وفائی کرنے والوں میں سے
 ایک گروہ نے، اللہ کی کتاب کو اپنی پشتوں کے پیچھے ڈال دیا، تو کہہ دو: جانتے ہی نہیں (۱۰۱)

یہودیوں کی غزایوں کا تذکرہ تسلسل کے ساتھ چل رہا ہے۔ آیات زیر درجہ کے شان و دل کے متعلق مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ حضرت نبی علیہ السلام کی ہجرت مدینہ کے وقت مدینہ کے گرد و نواح میں بہت سے یہودی آباد تھے۔ یہودی علماء میں سے صرف ایک عالمہ حضرت عبد اللہ بن سلام ایمان لائے باقی سب محروم ہی رہے۔ ان میں سے ابن صویہ ایک چشم تھا۔ وہ بعض دوست یہودیوں کے ہمراہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان لینے کے لیے آیا۔ اور آپ سے مختلف سوال کیے۔ اُس نے کہا کہ آخری نبی کے خواب سے متعلق ہماری کتابوں میں بعض نشانیاں موجود ہیں۔ آپ اپنے خواب کی کیفیت بیان فرمائیں۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا اِنَّ عَيْنِي تَنَظَّرُ اِلَى وَلَا يَبْصُرُ فَلَيْتِيْ عَيْنِيْ مِثْرِيْ اَتَحْمِلُ تَوْبَتَكَ سَوِيْ هِيَ۔ مگر دل کبھی نہیں سوتا۔ اس کی اُس نے تصدیق کی کہ آپ ٹھیک فرماتے ہیں۔ ہماری کتابوں میں بھی نبی آخر الزمان کی یہ نشانی بتائی گئی ہے۔

اس شخص نے دوسرا سوال کیا کہ رحمہ دور میں جنس کی تفریق کیسے ہوتی ہے۔ یعنی بچے اور بچی کی پیدائش میں کون سے عوامل کا فرما ہوتے ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مرد کا مادہ منوہ سفید رنگ کا ہوتا ہے۔ اور عورت کے رحم کی رطوبت زرد رنگ کی ہوتی ہے۔ فرمایا با شریعت کی بات جس مادہ کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ بچے کی شکل و صورت اس کے موافق ہوتی ہے۔ باقی یہی بات کہ قبضے سے کیا مراد ہے، مقدار میں غلبہ ہوتا ہے یا غرض میں سبقت ہوتی ہے، یا کسی نعمت میں غلبہ ہوتا ہے یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے تاہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی بتایا کہ مرد اور عورت میں سے جس کے مادہ میں غلبہ ہوتا ہے۔ وہ شاہد بہت میں بچے کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ یہودیوں نے کہا کہ یہ بھی آپ نے درست جواب دیا۔ جتنی کتابوں میں نبی الیا ہی لکھا ہے۔

حضور علیہ السلام نے ان یہودیوں سے فرمایا کہ جب تم میرے جوابات سے مطمئن ہو تو پھر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ کہنے لگے۔ ہم ایک اور سوال پوچھیں گے حضرت! یہ فرمائیے۔

کہ جو لوگ بہشت میں داخل ہوں گے، انہیں سب سے پہلے کوئی خوراک پیش کی جائیگی جس میں
کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنتیوں کی اولین خوراک مچھل کے جگر کا زائید حصہ ہوگا۔ اور پھر وہ سب
منبر پر ان کو بیل کا گوشت پیش کیا جائے گا۔ جو جنت کے اطراف میں چرتا ہے یہودیوں نے
کہا کہ یہ بھی آپ نے درست فرمایا ہے۔

اب حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم نے آخری نبی کی تمام علامتیں پہچان لی ہیں۔ تو
پھر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ انہوں نے کہا کہ اچھا ایک بات اور بتائیے کہ آپ کے پاس
وحی کون لاتا ہے۔ آپ نے فرمایا مجھ پر جبریل علیہ السلام وحی لاتے ہیں۔ وہ کہنے لگے جبرائیل
تو ہمارا دشمن ہے۔ اگر وہ وحی لاتا ہے تو ہم اس کو نہیں ماننے۔ ان اگر میکائیل وحی لانا تو ہم
مان لیتے۔ کہنے لگے جبرائیل کو دو وجوہات کی بنا پر ہم تسلیم نہیں کرتے۔ اول یہ کہ یہ قوموں پر
عذاب لاتا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ اس نے ہمارے دشمن جنتیوں کی حمایت کی تھی۔ اس کی تفصیل
انہوں نے یوں بیان کی کہ ہمارے پیغمبروں نے ہمیں بتایا تھا کہ بخت نصر ہامی بادشاہ تھیں
تباہ و برباد کرے گا۔ لہذا اُسے پتھر میں جی قتل کر دینا۔ پیغمبروں نے ان کی نشانیاں بتائیں۔
یہ بھی بتایا کہ وہ اسی عمر میں فلاں جگہ پر بیٹے گا۔ اور فلاں کام کرنا ہوگا۔ چنانچہ ہمارے سرداروں نے
بخت نصر کی تلاش میں چاروں طرف آدمی بھیج دیے۔ اور انہوں نے شہر بابل میں اسی نشانوں کے
ساتھ بخت نصر کو تلاش کر لیا۔ جب اُسے ہلاک کرنے لگے تو جبرائیل علیہ السلام سامنے آکر اُسے
بوسنے اور کہنے لگے تم اس کو کیوں مارتے ہو۔ ہم نے کہا کہ یہ ہمارا قاتل ہے۔ اور ہماری تباہی کا
باعث بنے گا۔ تو جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اگر یہ واقعی قاتل ہے۔ تو تم اُسے ہلاک نہیں کر سکو
گے۔ اور اگر یہ تمہارا قاتل نہیں ہے۔ تو خواہ مخواہ خون ناحق کے متکب ہوتے ہو۔ اس طرح
جبرائیل علیہ السلام نے بخت نصر کو ہلاک ہونے سے بچا دیا۔ وہی بخت نصر جب بڑا ہوا۔ تو اُس
نے شام اور فلسطین کے علاقوں میں بڑی تباہی مچائی۔ اور بیت المقدس کو گھیر دیا۔ تو رات کو جلا
یہودیوں کو قتل کیا اور ان کو غلام اور لونڈیاں بنایا۔ چنانچہ یہ لوگ سو سال تک غلامی میں مبتلا رہے
اور بڑی ذلت و رسوائی اٹھائی۔

یہودیوں نے کہا کہ جبرائیل علیہ السلام پر ہمارا اور اعتراض یہ ہے کہ یہ آپ کے

ہاں ہماری جفیل کھاتے ہیں۔ ہماری ساری باتیں آپ کو بتا دیتا ہے۔ لہذا اس کے ذریعے نازل ہونے والی وحی کو ہم ماننے کے لیے تیار نہیں۔ یہودیوں کے ان اعتراضات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ اور ان کی گندی ذہنیت کا رد فرمایا۔ اور بتایا کہ جبرائیل علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے ہیں۔ وہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرتے ہیں۔ لہذا ان کے ساتھ دشمنی رکھنا کفر کے مترادف ہے۔

جبرائیل اسراف ان تینوں لفظوں کا معنی عید، بندہ یا مہرِ خدا ہے۔ ابراہیمؑ اور ابراہیمؑ کے بیٹے اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کا نام ہے۔ مگر ان دونوں لفظوں کا معنی اللہ کا معنی دیتے ہیں۔ اس طرح جبرائیل۔ میکائیل اور اسرافیل کا معنی اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوا۔ ان میں عزرائیل کا نام شامل نہیں ہے۔ بعض کتب میں مذکور ہے۔ کہ عزرائیل ملک الموت کا لقب ہے۔

الغرض! جب یہودیوں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اپنا دشمن قرار دیا تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِائِيلَ فَهُوَ عَدُوٌّ لِلَّهِ جبرائیل علیہ السلام کا دشمن ہے۔ فَإِنَّكَ سَتَكُنُّ عَلَى قَلْبِكَ عِدَاؤَ اللَّهِ اس نے تو قرآن پاک آپ کے قلب مبارک پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اتارا ہے۔ اس کے ساتھ کسی کی دشمنی کا کیا جواز ہے۔

نزدول وحی کی مختلف صورتیں ہیں۔ عام صورت تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبرائیل علیہ السلام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پہ نازل کرتے تھے۔ جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لاتے تھے۔ تو حضور علیہ السلام کے قلب کے ساتھ رابطہ قائم ہو جاتا تھا۔ بالکل اسی طرح آج کل ٹیلیفون کا کنکشن مل جاتا ہے یہ خاص قسم کی رُو ہوئی فوجی ٹیکے ذریعے پیغمبر علیہ السلام اپنے کانوں سے اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے تھے۔ اور اُسے خوب سمجھتے تھے۔ اور اس کے الفاظ کو جانتے تھے۔ اور بعض اوقات ایسا ہوتا تھا کہ کوئی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بندہ خواب بتا دی جاتی تھی یا بعض دفعہ فرشتہ کسی شکل میں متشکل ہو کر آتا تھا۔ اور کلام الہی پیش کرتا تھا۔ تاہم عام طور پر پہلی صورت میں یعنی قلب مبارک سے رابطہ قائم ہوتا تھا۔

نزدول وحی کی
مختلف صورتیں

ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا: کہ ہم آپ کی آمد کے منتظر رہتے ہیں۔ آپ کثرت سے کیوں نہیں آتے تو جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: مَا تَنْتَظِرُونَ؟ لَقَدْ بَايَعُوكُمْ تَوَافُتًا ثُمَّ تَوَسَّطُتُمْ بَيْنَهُمْ وَأَنْتُمْ كَاذِبُونَ۔ جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔ ہم حاضر ہو جاتے ہیں ہم اپنی مرضی سے نہیں آسکتے۔

حدیث شریف میں آتا ہے: کہ ایک دفعہ جبرائیل علیہ السلام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقرب فرشتے کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ کو بتایا کہ اب کی دفعہ میں اللہ تعالیٰ کے بہت ہی قریب پہنچ گیا۔ آپ نے دریافت کیا کہ جبرائیل یہ قربانہ ذکر تم اللہ تعالیٰ کے کس قدر قریب پہنچ گئے؟ عرض کیا: کہ میرے اور اللہ کے درمیان صرف سرخسہ پر دوں کا حجاب رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ کے اتنا قریب پہنچ گیا۔ اسی لیے ان کو اللہ تعالیٰ کے مقربین فرشتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے: کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرائیل علیہ السلام کو ہر روز اجازت ہوتی ہے۔ کہ جنت کی نیکوگوئی میں غوطہ کھا لیں چنانچہ جبرائیل علیہ السلام ہر روز ایسا ہی کرتے ہیں جس کی وجہ سے غیر محدود روحانیت حاصل ہوتی ہے۔ آپ کے مختلف القاب میں ناموس عظیم روح عظم روح القدس اور روح الامین وغیرہ شامل ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سب سے مقرب فرشتے ہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام پر: فی حضرت جبرائیل علیہ السلام کے توسط سے ہی آتی رہی ہے۔

سیدنا جبرائیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دو سکر تکوینی امور کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ جیسے بنی نوع انسان کی روزی رسانی اور بارش کا نزول وغیرہ اسی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام عالم کے فلک کے لیے جلجلا بجانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اور عزرائیل علیہ السلام جن کا لقب ملک الموت ہے وہ جانداروں کی روح قبض کرنے پر مامور ہیں قُلْ يَتَوَفَّاكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي ذُكِّرَ بِكُمْ اُسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ کہ

۱۔ بخاری نمبر ۶۹۱۔ ۲۔ زجاجۃ المسابیح ص ۲۹۹۔ ۳۔ مشکوٰۃ مشکوٰۃ تفسیر عزیزی نمبر ۳۵۹۰

۴۔ تفسیر عزیزی ص ۲۵۹۔ ۵۔ مجموعہ رسائل حضرت شاہ رفیع الدین ص ۳۳

حریٹ میں جن پادشاهانِ حشر فرشتوں کا ذکر ہے۔ وہی فرشتے ہیں۔ قیامت کے دن خوش الحانی کر
نکلنے والے آٹھ فرشتے ہوں گے۔ ان چار کے ساتھ پادشاہِ معاد ہوں گے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام
سے دشمنی

الفرغ فریاد۔ یعنی اسرائیل، جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ تھناری دشمنی بلا وجہ ہے
قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلْجِبْرِيلِ فَإِنِّي أَنَا عَدُوٌّ لِّمَا كَانَتْ تَدْعُوْنَ ۚ قَالَتْ فَذَلِكُنَّ كَلِمَاتُ
عَلَىٰ قَلْبِكَ ۚ يَا ذَا الَّذِي أَرْسَلَكَ بِاللَّامِ السَّمِیَّةِ ۚ قُلْ مَا عَلِمْتُ بِأَنَّهُ غَوَّیْتُكُمْ بِهَا ۚ
کَیْسَ ۚ وَوَقَدْ عَلِمْتُمْ أَنَّهُ كَلِمَاتُ الْحَقِّ ۚ قَالَتْ فَذَلِكُنَّ كَلِمَاتُ الْحَقِّ ۚ قَالَتْ فَذَلِكُنَّ
مِنْ جَنَّةِ ۚ اور پھر یہ کلام بھی ایسا ہے جو قطعاً تھناری مخالفت میں جائے مخالفت
لِغَاثِبِیْنَ سِیِّئَةٍ ۚ پہلے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور اس لحاظ سے یہ سب
کتاب کی تعلیمات کی مخالفت کا ذریعہ ہے۔ دوسرے مقام پر غَفِیْمِیْنَ کا لفظ آتا ہے۔
قرآن پاک سابقہ کتب کا مفہوم ہے۔ ان کا پھر اس آخری کتاب میں آگیا ہے۔ اسی طرح
پہلی کتابوں میں جو حدیث ہو چکی ہے۔ ان کی تائید بھی کرتا ہے۔ لہذا اسی پاک کتاب کا
اور اس کے ماننے والے سے دشمنی رکھنا کیسے جائز ہے۔ بلکہ یہ تو نہایت ہی فہمِ غلط ہے۔
یہ تو ایسی عظیم الشان کتاب لا آتا ہے جس کے لیے نوح الان ہمیشہ دعا گو رہی ہے۔ کہ
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۚ اے اللہ! ہم کو راہِ راست دکھا دے اور اس پر چارے
فرمایا یہ کلام ایسا ہے جو کہ وَهْدَنی وَبَشِّرَیْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۚ اس کے ذریعے

ایمان لان کے
لیے بنی

اللہ نوح الان کو ہدایت بخشتا ہے اور پھر اس ہدایت کی روشنی میں جو لوگ ایمان قبول کر
لیتے ہیں۔ ان کے لیے دائمی کامیابی کی بشارت بھی ملتا ہے۔ قرآن پاک میں ملے جگہ موجود ہے
بَشِّرِ الَّذِیْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اٰلَیْمَانِ اور ایمان اور اعمالِ صالحہ کرنے والوں
کو خوشخبری دے دیں کہ کن نعمتوں کی خوشخبری اس کا ذکر قرآن پاک نے بار بار کیا ہے۔ کہیں
فَرِحْنَا ۚ اَلْهَمُّ جَنَّتْ تَجَرَّدَ مِنْ خَبَثٍ ۚ اَلْاَقْرَبُ ۚ ان کے لیے بغاوت میں جن
کے بیچے نہیں رہاں دواں دواں ہوں گی کہیں فرمایا قَدْ مَقَعَدَ صِدْقٍ عِنْدَ عَلِیِّ بْنِ
مُقَتَدِرٍ ۚ وہ اللہ رب العزت کی مشک یعنی اس کے حضور میں بیٹھے ہوں گے دوسری
جگہ بشارت اس طرح ہے ۚ فَاِنْ تَطِيعُوا اٰوْتِیْکُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ اگر اطاعت

کر دے، تو اللہ تعالیٰ بہترین اجر عطا فرمائیں گے۔ بہر حال اس ایمان کو اصلاح اور کامیابی کی بشارت سنائی گئی ہے۔ اب بناؤ ایسا پاک کلام لانے والے جبرائیل علیہ السلام سے دشمنی کا کیا معنی ہے۔

دشمنوں سے
دشمنی اللہ تعالیٰ
سے دشمنی ہے

فَرِيَا مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ
فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ یعنی اللہ تعالیٰ کے دشمنوں جبرائیل، میکائیل وغیرہ سے
دشمنی۔ کھنڈ تو خود اللہ تعالیٰ سے دشمنی ہے۔ گویا ہر لوگ دشمنوں کے دشمن نہیں بلکہ خدا تعالیٰ
کے دشمن ہیں۔ فرمایا اگر ایسی بات ہے۔ ترجمہ میں ذکر کیا کہ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ اللہ تعالیٰ
بھی کافروں کا دشمن ہے۔ ظاہر ہے کہ ملائکہ یا انبیاء علیہم السلام تو عالم بالا یعنی حقیقۃ اللہ سے
کے ترجمان ہیں۔ ان کے ساتھ دشمنی بڑی مٹی پڑے گی۔ کیونکہ یہ خدا تعالیٰ سے دشمنی کے مترادف ہے۔
لفظ ملائکہ ملکہ یا لو کہ سے مشتق ہے۔ اور ملوک عربی میں پیغام کو کہتے ہیں۔ اس کا اثر
عرب کے قدیم شاعر عدی بن زید عبادی کے کلام سے ثابت ہے۔ اُنہ نمان شاعران نے کسی
بات پر خدا بزرگ قید میں ڈال دیا۔ بادشاہ اس کا رشتہ زد بھی تھا۔ بہر حال اس نے اپنے شعروں
میں نمان کو پیغام بھیجا تھا۔

أَبْلِغِ النُّعْمَانَ نَبِيَّيْنا مُحَمَّدًا إِنَّهُ قَدْ طَلَعَ حَبِيبِي وَأَنْبِئَا بَرِيئًا

نعمان کو میرے پیغام پہنچا دو۔ اس نے مجھ کو قید میں ڈال رکھا ہے۔ میں اس کے
حکم کا منتظر ہوں۔ کہ کب رہائی ملتی ہے۔ یہ کافی لمبا قصیدہ ہے۔

عرب کے ایک شاعر کے کلام میں بھی ایسا ہی ملتا ہے۔ بہ عربوں میں بہت مشہور تھا۔
اور اسے عربوں کا ہاتھ کا جاتا تھا۔ اس کی زبان سے نکلا ہوا شعر بہت شہرت حاصل کرتا تھا۔ اور
پورے عرب میں فزائیل جاتا تھا۔ اُس نے حضور علیہ السلام کا زمانہ زیما ہے۔ وہ شخص ایمان
لانے کے لیے حضور علیہ السلام کی خدمت میں آیا تھا۔ کہ کھانا نے مددش کے ذریعے اُسے راستے
میں ہی روک لیا۔ وہ اپنے گاؤں میں بھی واپس نہ پہنچ سکا۔ بلکہ دران سفر ہی اونٹ سے گر کر
ہلک ہو گیا۔ وہ بھی کہتا ہے۔

أَبْلِغِ يَزِيدَ بَنِي شَيْبَانَ مَا لَكَ يَا شَيْبِ أَمَا تَعْلَمُ أَنَّ تَكْبِرًا

یزید بنی شہان سرور قبیلہ مک میرا پیغام پہنچا دو کر اے ابو نعیم کی فوجی غلطیانی ہی کرتا ہے گا۔ مطلب یہ کہ آٹھ یا نو کر یا نو کر کا معنی پیغام ہے۔ اور ملا کر بھی اسی کے مشتق ہے۔ جس کا معنی پیغام لانے والے کے ہیں۔

مترجمین کا معنی
معنی ہے

الغرض! جو کوئی اللہ تعالیٰ کے فرشتوں اور اس کے رسولوں سے دشمنی رکھتا ہے۔ وہ گویا اللہ تعالیٰ سے دشمنی مول لیتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کے مترجمین سے عداوت رکھنے والا معنی ہے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ مترجمین الہی اور صالحین سے عداوت رکھنے والا شخص ہمیشہ نجات میں مبتلا رہتا ہے۔ گویا وہ ہمیشہ جنت کی کسی حالت میں ہے۔ اور یہ چیز موجب صفت ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ السلام کی زبان مبارک سے کھولایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا جَوِيزَ لِي يَدْرُسْتَهُ مِنْ دُشْمَنِی رَكَبْتَهُ۔ اُسے برا چلیج ہے۔ کہ وہ میرے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ کون جنگ کر سکتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ ایسا شخص ملعون ہے۔

واضح ثنائیں

جس وقت حضور علیہ السلام مدینہ منورہ میں تشریف لائے۔ تو اُس زمانے میں مدینے کے قریب جو اہل یودیوں کے دس بڑے عالم تھے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر یہ عالم ایمان لے آئیں۔ تو کوئی یودی باقی نہ ہے۔ سب ایمان لے آئیں۔ ان میں سے صرف عبد اللہ بن سلام ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے۔ باقی سب بے ایمان ہی ہے۔ انہی میں ایک ابن صوری تھا۔ اُس نے حضور علیہ السلام سے کہا کہ آپ نبی آخر الزمان ہونے کے دعویدار ہیں۔ اس دعوے کے ثبوت میں آپ ہمیں کوئی واضح ثانی بتائیں جسے ہم پہچانتے ہوں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ الْكِتَابَ الْاَلِیْنَ بِمِثْنَتِیْنِ مَعْنٰی ہم نے آپ کی طرف واضح ثنائیں نازل کی ہیں جس شخص میں ذرہ بھر بھی انصاف ہو گا۔ وہ ان ثانیوں کا انکار نہیں کر سکے گا۔ فرمایا وَمَا یَكْفُرُ بِكَ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ان کھلی ثنائیں کا انکار صرف فاسقان لوگ ہی کریں گے۔

کتاب اللہ
سے روگردانی

فرمایا ان کعبہتوں کی فطرت: نیر بن جہی ہے کہ اَوْ كَلَّمَاهُمَا عَمْدًا وَاَعْمَدًا ان میں سے جب بھی کسی نے کوئی عمدہ یا بُنڈہ فَبَرِئْتُ مِنْهُمَا ان میں سے ایک فریق نے اس عمدہ کو توڑ دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ان کی اکثریت ایمان لانے سے قاصر رہی ہے۔ حقیقی کہ وَكَلَّمَاجَاءَهُمْ رَسُولًا مِّنْ عِندِ اللّٰهِ جب ان کے پاس رسول اعظم، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ مُعَذِّقًا لِّمَا صَعِبَهُ جو اس چیز کی تصدیق کرنے والے ہیں جو ان کے پاس سب سے پہلی ذہور و توراۃ، انجیل، دوجہ تمام صحیفہ سہارہ، شرائع الہیہ وغیرہ۔ تو پھر یہ ہوا کہ نَبَذَ فَبَرِئْتُ مِّنَ الَّذِیْنَ اَوَّلُوا الْكِتَابَ اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے بھینک دیا۔ كَتَبَ اللّٰهُ اللہ کی کتاب کو وَوَدَّاهُمْ غلوں پر ہم پس پشت۔ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب توراۃ سے روگردانی اختیار کر لی۔ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو کسی درجے میں بھی تسلیم کرتے۔ تو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے اور قرآن پاک کو بھی مان لیتے مگر انہوں نے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا یعنی اس میں تعریف کے مترشح ہوئے۔ اس کے الفاظ کو تبدیل کر دیا یا الفاظ کے معنی الٹے اور یہ سب کچھ انہوں نے اس طرح کیا کہ لَا يَكْفُرُونَ اگر وہ جانتے ہی نہیں کہ کتاب اللہ میں کیا پیش گوئیاں ہیں۔ اور کون سی علامتیں بتائی گئی ہیں جن کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور آخری رسول علیہ السلام کی پہچان ہو سکتی ہے۔ اگر ان میں کوئی بھی منصف مزاج آدمی ہوتا تو وہ مدلولوں چیزوں کو بلا شک و شبہ پہچان لیتے۔ اس کے بعد یہودیوں کے بحر وغیرہ کا ذکر آئے گا۔

وَاتَّبِعُوا مَا أَسْأَلُوا الشَّيْطَانَ عَلَىٰ مِثْلِ سُلَيْمَانَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ
وَلَكِنَّ الشَّيْطَانَ كَفَرُوا يَعْلَمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا أُنْزِلَ عَلَى
الْمَلَائِكَةِ بِبَابِ هَارُوتَ وَمَارُوتَ وَمَا يُعَلِّمُونَ مِنْ أَحَدٍ حَتَّىٰ
يَقُولَ آتِنَا هَٰذَا فَنَشْنُوهُ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ
بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَرَجُلِهِ وَمَا هُمْ بِضَآئِرِينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ
إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَلَقَدْ
عَلَّمُوا الصِّمْنَ أَشْرَنَهُ مَا لَدَفِيَ إِلَّا خِرَافَةً مِنْ خِلَافَتِهِ وَلَيْسَ
مَا سَرَّ رَأْيَهُ أَلْفَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝۱۰۲ وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا
وَأَتَقُوا لَمَثُوبَةَ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكَ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝۱۰۳

ترجمہ: اور انہوں نے اُس چیز کا تابع کیا جو شیاطین سیمان (حمیرہ السلام)

کی بارش ہی میں پڑھتے تھے۔ اور سیمان حمیرہ السلام نے کفر نہیں کیا، بلکہ شیاطین
کفر کرتے تھے۔ اور لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ اور وہ چیز جو تیری مٹی بال کے
مقام پر دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر۔ اور وہ کسی کو نہیں سکھاتے تھے۔ یہاں
تک کہ دونوں کہتے تھے، بیشک ہم تو آزمائش ہیں، پس تم کفر نہ کرنا، پس لوگ
ان دونوں سے ایسی چیزیں سیکھتے تھے، جس کے ذریعے مرد اور عورت کے درمیان
مدا فی قائم تھے۔ اور وہ اس سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے، بلکہ اللہ
کے حکم سے۔ اور وہ ان سے ایسی چیزیں سیکھتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ درجہ: ہمیں پہنچاؤ
البتہ تحقیق انہوں نے جان یا اس شخص کو جس نے اس رسم کو خریدیا ہے، اُس
کے لیے آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور وہ بڑی چیز ہے، جس کے بدلے میں انہوں
نے اپنی جانوں کو بیچا ہے۔ اگر ان کو سمجھ جاتی ۝۱۰۲ اگر یہ لوگ ایمان لاتے

اور تقویٰ اختیار کرنے کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ثواب اور بہتر اجر تھا۔ اگر

یہ سمجھتے (۱۱۳)

شیطان کا
تبار

ان آیات میں جی اسرائیل کی انتہائی پستی اور ان کے انحطاط کا ذکر ہو رہا ہے۔ مگر مشرہ
آیت میں یہ بات بیان کی گئی تھی کہ بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اس طور پر پس پشت
ڈال دیا کہ اس سے بالکل راتعلق ہو گئے۔ گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں کہ کتاب اللہ کی قیادت اور
اس پر عمل درآمد کی بجائے وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْثٍ سُلَيْمٰنَ انہوں نے
اس چیز کی پیروی کی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی عظمت میں شیاطین پڑھا کرتے تھے۔ حضرت
سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں جنوں اور انسانوں کا اختلاط ہوتا تھا۔ کیونکہ جن بھی آپ کے ماتحت
تھے۔ لہذا اس دور میں جو کلام یا دیگر چیزیں جن پڑھتے تھے۔ بنی اسرائیل نے ان کا اتباع کیا اس
طرح کہ بجا داد انسانوں تک پہنچ گیا۔ اسی بات کو اس آیت میں یوں بیان فرمایا کہ بنی اسرائیل
شیاطین جنوں کی تلاوت کر رہے ہیں جنوں کی پیروی کرنے لگے۔ گویا جادو میں ملوث ہو گئے اور
کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام
پہ جادوگر بن گیا اور

جادو کو شیطانی کھیل جان کر کھیتے رہے تو اور بات تھی جو بنی اسرائیل نے ستم بالائے
ستم یہ کیا کہ اس جادو کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا۔ حالانکہ سحر پر اعتقاد رکھنا اور
اس پر عمل کرنا صریحاً کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی برکت کا اظہار کرتے ہوئے
فرمایا وَمَا كَفَرُ سُلَيْمٰنَ سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا۔ یعنی انہوں نے یہ جادو وغیرہ
نہیں نہیں سکھایا۔ وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا بلکہ یہ شیطانوں نے کفر کا کتاب کیا۔
جنوں نے لوگوں کو جادو سکھایا ہے۔

سحر کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا بنی اسرائیل کو قبیح فعل ہے وہ تو
اللہ تعالیٰ کے نبی اور صاحب طریقت رسول تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان اور شیاطین کو آپ
کے بیچ کھینچ کر رکھا۔ اور ہوا کو آپ کے سحر کو دیا تھا۔ فَسَحَرْنَاكَ سحر ہے آپ ان چیزوں
سے سب فساد کام لیتے تھے۔ وہ کیسے جادو سکھائے تھے۔ اہم بن جبرو نے ایک روایت

سے تفسیر طبری ص ۱۵۴

تم دیکھتے ہو کہ کچھ لوگ اگر گناہ کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ تو کچھ نیکو کام بھی میں۔ کیونکہ ان کے ہمدردی
 قوتیں موجود ہیں۔ برخلاف اس کے فرشتوں کو میں نے قوتِ حلوئی سے نوازا ہے۔ اگر تم تجربہ
 کرنا چاہتے ہو تو میں تم کو زمین پر بھیجتا ہوں۔ تم اپنے میں سے دو فرشتے منتخب کرو۔ پھر دیکھیں گے
 کہ وہ کس طرح گناہ سے بچتے ہیں۔ الغرض فرشتوں نے اس آزمائش کے لیے ہاروت اور
 اودوت کو منتخب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں قوتِ شہوانیہ بھی رکھ دی۔ اور پھر انہیں بابل کے
 مقام پر اتار دیا۔ انہیں خاص طور پر نصیحت کی گئی کہ بُرائی سے باز رہنا۔ زنا اور دیگر معصیت سے
 اجتناب کرنا اور ہر مل و انصاف سے دقت گزارنا۔

ایک دفعہ ایسا واقعہ پیش آیا کہ ایک خوبصورت عورت ایک بچڑے پر سوار جا رہی
 تھی۔ اُس نے کسی ضرورت کے تحت منہ سے کپڑا بٹایا، تو اُسے دیکھ کر فرشتے قارہ
 ہو گئے۔ یہ اُن کی آزمائش کا مرحلہ تھا، انہوں نے اُس عورت سے فرصت میں ملاقات کی
 خواہش کی۔ جسے اُس نے منظور کر لیا۔ بوقت ملاقات فرشتوں نے اُس سے نفسانی خواہش
 کی تکمیل کی درخواست کی۔ اُس عورت نے اس خواہش کی تکمیل کے لیے یہ شرط پیش کی کہ
 مجھے وہ اسم عظیم بھی دو جسے پڑھ کر کم آسمانوں پر پڑے جاتے ہو اور پھر واپس آجائے ہو۔
 فرشتوں نے اُس اسم عظیم اُس عورت کو سکھا دیا، پھر اس نے کہا کہ میرے ساتھ یہ لڑکا ہے، اس کو قتل
 کر دو۔ ورنہ یہ جہلا زنا فاش کر دے گا۔ فرشتوں نے ایا کرنے سے معذرت کی۔ عورت نے
 کہا۔ اچھا یہ شراب ہی پی لو یہ بڑی لذیذ چیز ہے۔ فرشتوں نے شراب پی لی، پھر نئے میں اُن کو
 انہوں نے لڑکے کو بھی قتل کر دیا اور زنا کے مرتکب بھی ہوئے، گویا سارے معاصی میں مبتلا ہو گئے۔
 عورت تو اسم عظیم پڑھ کر اُوپر چلی گئی کتے میں کہ نہرتا سے میں جا کر باور ہو گئی اور فرشتے سزا میں
 مبتلا ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے پڑھ کر اُن گنہگاروں کی سزا دنیا میں بھگتنا چاہتے ہو۔ یا آخرت میں
 انہوں نے دنیا کی سزا کو پسند کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی تکلیفیں مسخ کر کے انہیں کسی تادیب
 اور عیب کی گنجائش میں ڈال دیا، آج تک وہ اُسی میں لٹکے ہوئے ہیں ان کے نیچے سے دجواں
 اُٹھ رہا ہے۔ اور وہ سخت اذیت پہنچے ہیں۔ جب قیامت آئے گی۔ تو اس وقت وہ اس
 عذاب سے نجات پائیں گے۔ دیگر اسم ربی راتوں کی حرج یہ بھی ایک اسم ربی مدیت ہے

تاجم اس کی سچائی پر یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

ہاروت اور روت
کدیری مشائخ

امام ابن منذر نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک موقع پر ایک بوڑھا آدمی عبدالملک بن مرداس کے ساتھ تھکے پر بیٹھا تھا۔ نووار دسے تعجب کیا کہ یہ کون آدمی ہے۔ جو غلیغلی کے ساتھ بیٹھا ہے۔ تو انہوں نے بتایا کہ یہ آدمی ہاروت اور روت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا ہے۔ لہذا اس کی عزت افزائی کی گئی ہے۔ اس شخص نے آگے بڑھ کر بزرگ آدمی کو سلام کیا اور عرض کیا حضرت ہاروت اور روت سے ملاقات کا کچھ حال مجھے بھی سناؤ۔ اس پر اس شخص کے آنسو جاری ہو گئے۔ اور اس نے واقعہ یوں سننا شروع کیا کہ بھائی! میں ابھی بچہ تھا۔ گھر میں مال دولت کی فراوانی تھی۔ جسے میں فراخالی سے خرچ کرتا۔ جب باپ فوت ہو گیا۔ تو ماں سے دولت حاصل کرتا اور خوب اڑاتا۔ ایک دن میں نے ماں سے دریافت کیا کہ ماں یہ قربانیں کہہ مائے پاس یہ مال و دولت کہاں سے آیا تھا۔ جو اتنا خرچ کرنے سے بھی کم نہیں ہوتا۔ ماں نے کہا: بیٹا تم جتنی جاہور دولت لٹاؤ یہ ختم ہونے والی نہیں ہے۔ پھر میں نے مجھے دولت سے بھرے ہوئے کمرے دکھائے۔ لڑکے میں شوق پیدا ہو چکا تھا۔ اس نے دوسرے سوال کیا کہ میرے باپ نے یہ مال کس طریقے سے کما لیا تھا۔ ماں نے بتایا کہ تیرا باپ ساحر تھا اور اس نے یہ ساری دولت سحر کی وجہ سے کائی۔ لڑکے کو خیال آیا کیوں نہیں بھی وہی چیز لکھ لوں جس کی وجہ سے میرے باپ نے اتنا مال پیدا کیا۔ اس نے سوچا کہ سحر کا علم اس کے باپ نے اپنے کسی شاگرد کو بھی سکھایا تھا۔ اس کا پتہ کر کے اس سے یہ علم سکھانا چاہیے۔ چنانچہ تلاش کرنے پر اسے ایک شخص مل گیا۔ جو اس کے باپ کا شاگرد تھا۔ لڑکے نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ تو وہ کہنے لگا: یہ بڑا خطرناک علم ہے۔ اسے نہ ہی سیکھو تو بہتر ہے لڑکے نے اصرار کیا تو اس نے کہا کہ اچھا اگر تم ضرور ہی یہ علم سیکھنا چاہتے ہو۔ تو میرے پیچھے پیچھے آ جاؤ۔ سیکھو یاد رکھو۔ جہاں ہم جا رہے ہیں۔ وہاں جا کر خدا کا نام نہ لینا۔

لڑکا بیان کرتا ہے کہ میں اپنے باپ کے شاگرد کے پیچھے ہوں۔ حتیٰ کہ ہم ایک غار پر پہنچے اور اس میں اتر گئے۔ ہم تین سو سیڑھیاں نیچے اترے تو وہاں ایک کنواں نظر آیا۔

کونوں کے اندر دو شخص نظر آئے۔ جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے اپنے ٹکڑے تھے، ان کی شکلیں عجیب
عجیب تھیں، ان کی آنکھیں دھال کی طرح بڑی بڑی اور بڑی جھکڑ تھیں۔ یہ منظر دیکھ کر میرے دل
میں خوف پیدا ہوا۔ اور میری زبان سے بے ساختہ کلمہ لا الہ الا اللہ نکل گیا۔ یہ کلمہ سن کر وہ شخص
اور زیادہ مضطرب ہوئے۔ میں پھر گھبرایا اور میرے منہ سے پھر وہی کلمہ نکلا۔ دو تین دفعہ ایسا ہی ہوا
تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے ان سے اپنا تعارف کرایا، پھر میں نے ان سے
پوچھا کہ تم کون ہو؟ اور اس حال میں کس وجہ سے ہو؟ اس پر
انہوں نے بتایا کہ ہم ہر دوت اور دوت ہیں۔ اور یہاں سزا جھکٹ ہے جس میں پھر انہوں نے پوچھا
کہ تم کس امت میں ہو تو میں نے بتایا کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہوں۔
انہوں نے دریافت کیا کہ کیا آخری نبی کا ظہور ہو گیا ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا۔
انہوں نے کچھ علامتیں بھی دریافت کیں۔ جو میں نے ان کو بتائیں۔ وہ دونوں بعض علامات
پر خوش ہوئے۔ اور بعض پر ناخوش ہوئے۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ ہم ان
علامت پر خوش ہوئے ہیں۔ جو قرب قیامت سے متعلق ہیں۔ کیونکہ قیامت بہا ہوئے پر
ہم اس عذاب سے رہائی پائیں گے۔

انہوں نے! وہ لکھا اللہ تعالیٰ کا نام لینے کی وجہ سے سحر سے تو محروم ہو گیا۔ ہم
اُسے حقیقت معلوم ہو گئی۔ اور وہ ہر دوت اور دوت کا یہی شاہد بن گیا۔

ہر دوت
کے وقوعے کا

بعض مفسرین کا یہ فہم ہے کہ ﴿وَمَا أَنزَلْنَا عَلَى الْمَلَاِئِكَةِ مِن مِّسَالٍ مِّمَّا رَدُّتْ﴾
وَمَا رَدُّتْ میں لفظ ہا انیہ ہے۔ یعنی بال کے مقام پر ہر دوت اور دوت پر کوئی چیز نہیں
اتاری گئی۔ یہ سب جھوٹے قصے ہیں۔ جو بیان کیے جاتے ہیں۔ یہ ان مفسرین کی ذاتی تحقیق ہے۔
بعض اصحاب یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر دوت اور دوت کا سارا قصہ کافی محض ہے چنانچہ
بشار ابن بردہ شاعر سے کسی نے پوچھا کیا آپ نے ال سینان سادات خاندان کے متعلق بھی
کوئی قصیدہ لکھا ہے؟ یہ ادب کے رعب کا شاعر تھا۔ کہنے لگا۔ اُس خاندان کے متعلق کچھ زیادہ

ترتیب کی طرف یہ دو شعر کہ ہیں:

وَيْتَ اَزَالِ سَيِّئَاتٍ وَدَوَّهَهُمْ
كَبَابِلَتَيْنِ خَفَا بِالْعَفَا رِيَّتِ
وَاَمْرٌ حَسْبَانِ وَلَا يُرْجَى لَوْ اَلْفَعَا
كَمَا سَمِعْتَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ

آل سیمان بڑے کجوس لوگ ہیں۔ ان کے درہم و دینار ایسے ہیں، جیسے دو بابیوں کے دو گروہ
بست سے بھرت جمع ہوں۔ اور وہ کسی کو نظر بھی نہ آئیں، اس طرح آل سیمان کا دل و دولت
بھی کسی کو نظر نہیں آتا۔ ان سے کسی عیطلے کی توقع ہے، اور نہ ان کے درہم و دینار کو دیکھنے
کی امید۔ ان کی دولت ایسے ہی ہے جیسے تم نے ہاروت و ماروت کا نام تو سن رکھا ہے۔
مگر ان کی حقیقت کچھ نہیں، غرضیکہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں، جو ہاروت و ماروت کے قصے کو
افاناز سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے

محرکہ

آہر اکرم فرمیں گے ہیں۔ کہ ہاروت و ماروت فرشتے تھے، اگرچہ زہرہ والا واقعہ
مصدقہ نہیں ہے۔ مگر ان فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے سحر کا علم دیکر نازل کیا تھا۔ تاکہ سحر اور
سحر سے میں فرق قائم کیا جاسکے، لغوی اعتبار سے سحر کا معنی لطیف و باریک یا مخفی شئی ہے۔
سحر میں چونکہ کوئی چیز ظاہری طور پر نظر نہیں آتی، اس لحاظ سے اُسے سحر کہتے ہیں۔

سحر کا دوسرا معنی غذا ہے۔ جب انسان کو کوئی بھی غذا کھا آئے تو ہضم ہو کر باریک باریک
رگوں کے ذریعہ جسم کے ہر حصہ میں پہنچتی ہے۔ یہ لطیف بھی ہوتی ہے کہ نظر نہیں آتی۔ گویا
اس میں انفار اور پیچیدگی بھی پائی جاتی ہے۔ زمانہ جاہلیت کے ایک مشہور عوامہ العیس کا کہنا ہے
اُرَانَا مُوَضِّعَيْنِ لَا مُفْرِغَيْنِ وَنَحْنُ بِالطَّعَامِ وَبِالشَّرَابِ

ہم دیکھتے ہیں کہ ہم اپنی سواریاں دوڑا رہے ہیں۔ مگر کسی ایسی منزل کی طرف۔ جس کا ہمیں علم
نہیں، یعنی پردہ غیب میں ہے اور اُدھر ہم پر کھانے پینے کے ذریعہ سحر کیا جاتا ہے۔ یعنی
خوراک کھا کر ہم غافل ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ جسم میں تیز رفتاری سے سواریاں دوڑا رہے ہیں۔
جسم کی شیرازی اتنی تیزی سے کام کر رہی ہے گویا ہزاروں میل کی رفتار سے چبنے والے بولٹی بلیڈ

سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے، لیکن یہ سب کچھ پر وہ غیب میں ہے۔
اسی طرح ایک شخص یوں کہتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ تَكْلِيْفًا فِيْهِمْ عَنْ قَوْلِنَا عَصَا فُيُؤْمِنُ هَذَا اَلْاَنَامُ الْمُسْتَحَرِّ
اگر تو ہم سے پوچھے کہ ہم کس حال میں ہیں۔ تو میں کہوں گا کہ ہم تو بحرِ زندہ مخلوق میں سے چڑیوں کی
انندہ ہیں، جو کھانے پینے کے ذریعے اڑتے پھرتے بستے ہیں۔

عربی زبان میں سحر کا ایک معنی بھیچر یا جیوت ہے۔ وہ بھی مخفی ہوتا ہے، نظر نہیں آتا، لہذا
اس لحاظ سے بھی سحر میں انخفا کا معنی پایا جاتا ہے۔

کیا ہر آدمی
انسان تھے؟

بعض فرماتے ہیں، کہ ہر اورت، اورت فرشتے نہیں، بلکہ انسان تھے اور نیک آدمی تھے
ان کے متعلق رَجُلٌ كَيْنٌ صَاحِبُ كَيْنٍ کے لفظ آتے ہیں۔ وہ بابل میں بستے تھے، اور سحر کا
علم جانتے تھے، تاہم جب وہ لوگوں کو یہ علم سکھاتے تھے۔ تو انہیں بڑبڑ بھی کرتے تھے کہ یہ علم
اچھا نہیں ہے، اس سے بچ جاؤ تو سبتر ہے، ورنہ ایمانِ ضائع کر ڈیٹوگے، کیونکہ سحر پر اعتقاد، کھن
اور اس پر عمل کرنا کفر میں داخل ہے، تاہم اس علم کے نزول میں کوئی خاص قباحت نہیں ہے، یہ
ایک علم ہے۔

بعض کہتے ہیں، کہ ہر اورت، اورت مُلْكِيْنِ رَفْرَشْتِ انہیں، بلکہ مِلْكِيْنِ یعنی بادشاہ
تھے۔ اور بڑی عظمت کے مالک تھے، ان کے پاس یہ علم تھا، ان کا خیال یہ ہے، کہ مُلْكٌ
کا اطلاق فرشتوں کے علاوہ نیک آدمیوں پر بھی ہوتا ہے جیسے سورۃ یوسف میں مُلْكٌ کا لفظ
یوسف علیہ السلام کے لیے بھی بولا گیا ہے اِنَّ هٰذَا اِلَّا مُلْكٌ كَرِيْمٌ وہ انسان نہیں
بلکہ بزرگ فرشتہ ہے۔

امام ابو منصور ماتریدیؒ اور ابو الحسن اشعریؒ تیسری چوتھی صدی کے مجددِ ایمان گئے ہیں۔
یہ اہم عظیم کے شاگردوں کے شاگرد ہیں، آپ بڑے حکم ہیں اور علمِ کلام میں آپ کو بڑا مرتبہ
حاصل ہے۔ امام ابو منصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں، کہ سحر کو مطلقاً کھڑکنا درست نہیں، کیونکہ اسکی

کیا سارا جادو
کھڑ ہے

بعض قسمیں کفر ہیں۔ بعض فسق اور بعض بدعت۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ بھی اپنی تفسیر کبیری میں فرماتے ہیں: اگر اسی صورت میں کفر ہے جب کہ اس میں کفر یا شرکیہ کلمات پائے جائیں مثلاً استعانت یا تائیلین ہو یا مافوق الاسباب ذوالکے سے مدد طلب کی جائے۔ تو ایسا کفر ہوگا۔ کیونکہ غائبہ استعانت صرف اللہ تعالیٰ سے روا ہے۔ کسی دوسرے سے طلب نہیں کی جاسکتی۔ اِنَّكَ تَكْتَفِيَنَّ كَاسِي مَطْلَبِہے کہ مافوق الاسباب استعانت اسی ذاتِ خداوندی سے ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ ایسی استعانت خواہ شیطانی سے ہو۔ اگر کتب سے ہو۔ اَصْنَامِ باتوں سے مطلوب ہو۔ سب مشرک میں داخل ہے۔ ادوار حبشہ کی تعظیم غیر اللہ کے نام کی نذر ماننا یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا۔ یہ بھی کفر و شرک میں داخل ہے۔ اگر ایسا کرے گا، تو یقیناً کفر کا مرتکب ہوگا۔

اگر کفر میں پڑے جانے والے کلمات شرکیہ نہ ہوں بلکہ مباح یا جائز کلام ہو۔ تو پھر اس کی حیثیت مختلف ہوگی۔ اگر اس کفر کے ذریعے کوئی خلاف شرع کام مطلوب ہے۔ کسی کی ایذا رسانی مقصود ہے۔ تو ایسی صورت میں یہ کفر فسق اور معصیت ہوگا۔ اور اگر کفر کے کلمات بھی مباح ہیں۔ شرکیہ نہیں ہیں۔ اور اس سے غرض بھی فاسد نہیں ہے۔ خلاف شرع نہیں ہے۔ تو اس صورت میں کفر تو بہر حال ناجائز ہوگا۔ مگر اسے زیادہ سے زیادہ بدعت کا درجہ دے سکتے ہیں۔ اسے یہ کام نہیں کرنا چاہیئے۔ تاہم یہ کفر و شرک کے زمرہ میں نہیں آئے گا اور اگر کلمات مباح ہیں۔ ایذا رسانی بھی مقصود نہیں اور مطلوب کام بھی جائز ہے تو اس کو کفر نہیں کہیں گے۔ بلکہ اس کو عام اصطلاح میں عملیات اور عزیمت کہتے ہیں۔ جھاڑ پھونک، گنڈا توہید وغیرہ اسی ضمن میں آتے ہیں۔

جادوگر کی منزا

فہم اور محدثین کو افسوس فرماتے ہیں کہ اگر جادو کے نتیجے میں کسی کی جان ضائع ہو جائے تو اس کے بدلے میں ساحر کو قتل کر دینا چاہیئے۔ اگر کفر کی وجہ سے جان بچ گئی ہے۔ کوئی دوسرا نقصان ہو رہا ہے۔ تو نقصان کی مناسبت سے ساحر کو تعزیری سزا دی جائے گی۔

ساحر کو پختہ شکل کام ہے۔ کیونکہ جب تک مکمل ثبوت نہ ہو۔ کسی پر جادو کرنے کا اقرار نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم اگر ایسا ممکن ہو یا ساحر خود اقرار کر لے تو پھر نہ کہ وہ سزا کا مستوجب ہو گا۔ البتہ طبعاً سخت بھی اسلامی ہو۔

اہم البوصیفہ کے مسلک کے مطابق اگر ساحر عورت ہو تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ بالکل اسی طرح جس طرح مردہ عورت کو قتل کی سزا نہیں دی جاتی۔ بلکہ اُسے قید میں رکھا جاتا ہے اسی طرح ساحر کو بھی قید کر دیا جائے گا۔ البتہ بعض ائمہ عورت کو بھی قتل کرنے کے حق میں ہیں۔ اگر ان فی جان کے قصے سے کم تر نقصان ہو رہے ہیں۔ یعنی محض ایذا و رسانی کا ارتکاب ہو رہا ہے۔ تو ساحر کو بھی سزا دی جائے گی۔ جو دیکھتی ہے مقدمہ میں دی جاتی ہے۔ قرآن پاک نے ڈاکو کے لیے چار قسم کی سزائیں مقرر کی ہیں۔ یعنی سولی پر شکانا، قتل کرنا، لٹے سیدھے اتار دینا اور پاؤں کاٹنا، اور جس میں قید میں ڈال دینا۔ لہذا ساحر کو بھی اس کے جرم کے مطابق اسی قسم کی سزا دی جائے گی۔

میاں بھری
میں جہاں

بہر حال اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَا لَكُمْ مِّنْ اَعْدٍ حَتّٰی يَقْتُولَکُمْ اَوْ يَغْتَبِکُمْ فَنَفْسُکُمْ فَلَا تَکْفُرُوْا وہ دو فرشتے باروت اور باروت جب کسی انسان کو جادو کا علم سکھاتے تھے۔ تو اُسے واضح کر دیتے تھے کہ ہم تو آزمائش ہیں۔ تم یہ کلمہ نہ کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو ایمان ضائع کر بیٹھو گے۔ مگر اس کے باوجود لوگ اُن سے جادو کا علم لیتے تھے۔

جن میں اہل کتاب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمْ اور وہ ان فرشتوں سے ایسی چیزیں سیکھتے تھے مَا يَفْتَرِیْنَ فَوْنٍ بَيْنَ الْيَمَنِ وَالْعَمَلِ وہ فوجہ جن کے ذریعے وہ میاں بھری میں جہاں ڈال دیتے تھے۔ یہ ایسا برا عمل ہے جس پر شیطان بہت زیادہ خوش ہوتا ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے۔ تاہم پھر بھی ایک فن ہے جس طرح دیگر فنون ہیں جیسے سانس، نیچا کوبی، الجھن لگ وغیرہ وغیرہ۔

نافع اور
ضار علم

فرمایا اگر تم جادو یا رسانی کا ذریعہ ہے۔ مگر یہ حقیقت بھی اپنی جگہ اعلیٰ ہے کہ وَمَا هُمْ بِمُعْزِیْنَ بِلہ مِّنْ اَعْدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ایا عمل کرنے والے ساحر

اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر از خود کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ تاہم جادوکن، اس پر یقین رکھنا، چرنمہ قیامت سے خالی نہیں۔ یہ ٹھنڈی ہے، بخیر نہیں۔ اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُنِیْ اِنَّ اللّٰہَ اَمْسَیْلَہُ عَلَیْہِ سَہْ۔ جو نفع مند نہ ہو۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ عَلَیَّ مَا یَنْفَعُنِیْ اِنَّ اللّٰہَ اَجَبَہُ۔ دو علم عطا کر جو نفع بخش ہو۔ دنیا میں بھی اس سے فائدہ اٹھاؤں اور آخرت میں بھی فائدہ مند ہو۔ اسی بات کو فرمایا وَیَعْلَمُوْنَ مَا یُضِرُّہُمْ وَلَا یَنْفَعُہُمْ یہ لوگ ایسا ہی علم دیکھتے ہیں۔ جو نفع کی بجائے انہیں نقصان پہنچاتا ہے۔

فَرِیَا وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرٰہُ مَا لَہٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ
یہ لوگ غریب جانتے ہیں کہ انہوں نے اس علم کے ذریعے کیا خریدنا ہے۔ یہ لوگ یاد رکھیں کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ ظاہر ہے۔ کہ آخرت میں ساحر کو اس علم کا کیا فائدہ ہوگا وہ تو اٹل عذاب میں مبتلا ہوگا۔ خاص طور پر اگر اس نے ایسا جادو کیا ہے۔ جس میں کفر و شرک پایا جاتا ہے۔ تو وہ یقیناً آخرت سے محروم ہے گا۔ اُسے فرمایا وَلِبِئْسَ مَا شَرَوْا بِہِ اَنْفُسُہُمْ انہوں نے بہت سی بری چیز کے بدلے میں اپنی جانوں کو بیچا ہے۔ ان کا یہ سود ابست ہی خسارے کا سودا ہے۔ لَوْ کَانُوا عَلِمُوْنَ اگر ان میں کچھ بھی سمجھ ہوتی تو ایسا کام نہ کرتے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر یہودیوں کی بد اعمالیوں کا ذکر فرمایا ہے مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ اس وقت امت محمدیہ کا حال بھی اُن سے زیادہ مختلف نہیں ہے جب لوگ اللہ تعالیٰ کے دین سے غافل ہو جائیں۔ جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر دیں اِمْرًا بِالْعُرْوٰتِ اَوْ رِیْسٍ عَنِ الْمُنْکَرِ سے تنی دامن ہو جائیں۔ تو پھر ہستی کی طرف ہی جانا ہوگا۔ آج انڈیا پاک میں دیکھیں۔ دیگر ممالک پر نظر ڈالیں۔ ہر طرف گنہ گاری پھیلی ہوئی ہے۔ کتاب الہی کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے اور دین کے لیے سچی وجہ کو ترک کر دیا گیا ہے۔ دین کا ڈھیر

یہودیوں سے
موافقت

عملیات پر رہ گیا ہے۔ اس کام کے لیے یہ عمل کر لو۔ اس کام کے لیے وہ وظیفہ کافی ہے
علم و عمل ختم ہو چکا ہے۔ علمائے حق کا ایک مہم سادہ و آسان ہے۔ درز ساری دنیا کفر و
ضلالت کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی ہے۔

اہل کتاب کی طرح ہماری امت میں بھی حق و باطل غلط و سچا ہے۔ صحیح اور غلط
کی پہچان ایک عام شخص کے لیے مشکل ہو چکی ہے۔ دیہات میں حالات اور بھی خراب ہیں
جہاں کے اہم کے فرائض میں نماز پڑھنا بھی ہے۔ اور مرنے کو غسل دینا بھی۔ بچے کی پیدائش
پر کان میں اذان بھی پڑھنا ہے۔ عقیقہ کے لیے جانور ذبح کرنا ہو۔ تو ام صاحب کو بلا جاتا
ہے۔ اور اگر تعویذ گنڈے کی ضرورت پڑ جائے تو بھی میاں صاحب دیں گے۔ ان کا علم غلط
جموعہ تھا۔ فی سائل تک ہوتا ہے۔ دین کے علم سے بچے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ غرض یہ
حالت یہودیت سے مشابہت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت بھی
پہلے لوگوں کے نقش قدم پر بالکل اسی طرح چلے گی۔ جس طرح ایک جوتا دوسرے کے مشابہ
ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

بعض علاقوں میں جا رہا ہوں گا ایک ہی ام ہے۔ بلکہ ہم نے خود غرض ملاحظہ کیا۔ کہ
ایک علاقہ میں پیر سات گاؤں کا ایک ہی ام تھا۔ کہیں نکاح کرنا ہو۔ جنازہ پڑھنا ہو۔ وہی
مولوی صاحب انجام دیں گے۔ تعویذ گنڈے کا کاروبار چل رہا ہے۔ نقش سلیمانی والی کتابیں ہیں۔
لکھنؤ والے کی کتاب دفع الخلاقی ہے۔ یہ تعویذ گنڈے والی دہلوی کی کتاب۔ فائدہ مند ہے۔
کسی مسئلہ کا حل مطلوب ہو۔ کتاب کھول کر معلوم کر لو۔ حتیٰ کہ چوری تک کی تفتیش عملیات کے
ذریعے ہوتی ہے۔ یہ کالام حجازیونک وغیرہ منہجی عملیات میں۔ یہی چیزیں یہودیوں میں لڑنے
تھیں اور آج ہم میں بھی یہی پائی جاتی ہیں۔ بعض صحیح و خالصت بھی ہیں۔ جیسے سورۃ یسین کا ورد
ہے۔ سورہ منزل کی روزانہ تلاوت ہے۔ رزق کی فراہمی۔ کسی جائز چیز کے حصول یا کسی
منیبت سے رہائی کے لیے کسی کو کوئی ایسی بات بتا دیں۔ مگر عام طور پر یہ گنڈے تعویذ
یہودیوں والے ہیں۔ ذرا کھوم بھر کے دیکھ لیں۔ ماہرین عملیات کے ہاں غور توں کی جڑ ہے
کوئی نہیں دیکھا کہ مقصد جائز ہے۔ یا ناجائز کھر ہے یا شرک۔ سب ایک ہی گاؤں میں

سرا رہے جاسے ہیں۔ یہی پیرویت کی مراقبت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَآخَفَوْا اگر یہ لوگ جادو کا کاروبار چلانے
کی بجائے ایمان لاتے اور تقویٰ کی راہ اختیار کرتے۔ شرک و بدعات سے اجتناب کرتے
لَمَشُوبَةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ خَيْرٌ تو وہ اللہ تعالیٰ کے بہتر اجر و ثواب کے مستحق
ہوتے۔ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ اگر انہیں علم ہوتا۔

البقرة

ذین النور

النور

درس پیل ورد

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا
وَالْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ (۱۰۳) مَا يَعْبُدُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ
الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ
رَبِّكُمْ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ
الْعَظِيمِ (۱۰۴) مَا نَسَخَ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا
أَوْ مِثْلَهَا أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۱۰۵)
أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا لَكُمْ
مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ (۱۰۶)

تو جہود سے ایمان والو! امت کو راہنہ نہ کہو، بلکہ کو نظر فرما اور سنو اور کفر کرنے

والوں کے لیے دردناک عذاب ہے (۱۰۳) اہل کتاب اور مشرکین میں سے

جنہوں نے کفر کیا، وہ نہیں پسند کرتے، کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی

بھلائی آداری جائے، اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے، اپنی رحمت کے ساتھ میں

کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے (۱۰۴) جو ہم کسی آیت کو

منسوخ کرتے ہیں یا بھلایتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس جیسی

آتے ہیں، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے (۱۰۵)

کیا آپ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے ہی آسمانوں اور زمین کی

ہر شے ہے اور تمہارے لیے اس کے سوا نہ کوئی حمایتی ہے اور نہ مددگار (۱۰۶)

گفتہ شدہ آیات میں بنی اسرائیل کی پستی اور غلطی کا ذکر تھا۔ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی
کتاب کو پس پشت ڈال دیا، دین کی سرپرستی کے کام کو ترک کر دیا۔ جہاد سے منہ موڑ گئے
اور سحر جادو کرنے لگے جیسے غفلت اعمال کو ہی اپنا سب کچھ سمجھ لیا۔ انہوں نے ان باتوں

بنی اسرائیل کی
اخلاق و عیسیٰ

خاص طور پر مکر کو انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب کیا، جو کہ ان کی ذلت کا انسانی درجہ تھا۔
ان آیات میں اللہ جل شانہ نے بنی اسرائیل کی اخلاقی پستی کا ذکر فرمایا ہے جس کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام کو ذہنی تخلیف پہنچاتے تھے۔ یہودیوں نے اپنی اس ذلیل حرکت کا ارتکاب نہ صرف سابقہ انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں کیا، بلکہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں بھی اس حرکت سے باز نہ آئے۔ اور آپ کو مختلف طریقوں سے ایذا پہنچائی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی اس حرکت کا تذکرہ کر کے اہل اسلام کو خبردار کیا، کہ وہ کبھی کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے معاذ اللہ بنی علیہ السلام کی توہین کا پہلو نکلتا ہو۔

اس مقام پر جس خاص بات کی طرف اشارہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب یہودی آپ کی مجلس میں آتے تھے، تو آپ کی توجہ بند دل کرانے کے لیے راعیت کا لفظ استعمال کرتے تھے جو کہ انظر لنا کا ہم معنی ہے مطلب یہ ہے کہ آپ ہماری رعایت کریں یعنی ہماری طرف توجہ فرمائیں۔ انظر لنا کا معنی بھی یہی ہے آپ ہماری طرف دیکھیں نظر کریں۔ ہماری بات غور سے سنیں۔ بظاہر دروں الفاظ کا معنی ایک ہی ہے، مگر یہودی اپنی گندی ذہنیت کے افکار کے لیے راعیت کا لفظ استعمال کرتے تھے، اور پھر اس لفظ کو کھینچ کر اور گھما کر راعیتنا بولتے تھے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ لَيْتَ لِيَ لَسْتَهُمْ زبان میں یہ یہ پھر کر کے لفظ لوا کرتے تھے، جس کی وجہ سے راعیتنا کہتے یعنی ہمارا چرواہا۔ مزید برآں یہودیوں کی زبان میں یہ لفظ گال کے طور پر بھی استعمال ہوتا تھا جس کا معنی احمق اور بیوقوف ہے۔ گویا اس طرح یہ لوگ اپنی گندی ذہنیت کا اہل کر رہے تھے۔

خدا تعالیٰ کی عبادت و عبادت
اللہ تعالیٰ کی عبادت

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خبردار کیا، کہ تم اہل کتاب کی بیزاری نہ کرنا، ارشاد ہوتا ہے
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِينَا ایمان والو! جب تم بنی علیہ السلام کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنا چاہو، تو راعیت کا لفظ استعمال نہ کر دیکھو، اس سے لغو ذلت بنی علیہم السلام

کی توہین کا پہلو نکلتا ہے، اور نبی کی توہین کفر کے مترادف ہے۔

سورۃ مجادل میں یہودیوں کی ایک اور قبیح حرکت کا بھی ذکر آتا ہے جب یہ بد بخت حضور علیہ السلام کی مجلس میں آتے تھے تو اسلام علیکم کی بجائے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہتے تھے۔ سلام کا معنی موت یا ہلاکت ہے۔ گویا اسلام کا لفظ مجازاً کر اسلام کہتے تھے۔ اسی لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا: کہ جب یہودی سلام کہیں ان کے سلام کا جواب دے علیکم السلام کی بجائے صرف علیکم دیا کرو۔ جس کا مطلب یہ ہو گا۔ کہ جو کچھ تم نے کہا۔ وہ تم پر ہی ہو یعنی اگر اَلسَّلَامُ کی بجائے اَلسَّلَامُ بولا جائے۔ تو یہ ہلاکت تمہیں نصیب ہو۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی اسی حرکت کے متعلق فرمایا: حَتَّىٰ تَوَدَّ بَعَا لَکُمْ مِیْحَکَکُمْ بِلَہِ اللّٰہِ ثُمَّ لَوْ کَانَ اَبْرَہٰمَ الَّذِیْ اٰمَنَ اَنْ یَّکُوْنَ مِمَّنْ یَّکْفُرُ۔ جو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو متنبہ فرمایا کہ حضور علیہ السلام کے لیے کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کریں۔ جس سے آپ کی شانِ اقدس میں فرق آنے کا احتمال ہو۔ وَقُولُوا اَظْهَرُ نَا اَمْرًا عِنْدَ اللّٰہِ اَمْ یُکْفِرُ بِکُمْ اَلَّذِیْنَ یُکْفَرُوْنَ۔ یعنی ہماری طرف نظر کر کم فرمائیں۔

سورۃ بقرہ میں یہ پہلا موقع ہے جس میں اہل ایمان کو خطاب کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے عام لوگوں کو خطاب ہوتا رہا ہے۔ جیسے: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَعْبُدُوْا رَبَّکُمْ ۚ اِلَیَّ رُجُوعُکُمْ۔ اے نوح ان! اپنے رب کی عبادت کرو۔ یا بنی اسرائیل کو خطاب فرمایا: یٰۤاِبْرٰہِیْمَ اٰمَنَّا اِنَّا کُنَّا اِنۡشَآءُکَ وَنَحْنُ اِنۡشَآءُکَ۔ اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی۔ اب یہاں سے اہل ایمان سے خطاب ہوتا رہا ہے۔ اور پورے قرآن پاک میں اٹھائی مرتبہ اہل ایمان کو خطاب کیا گیا ہے۔ شاد عبد العزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ سابقہ کتب سماویہ میں اہل ایمان سے بڑا راست خطاب نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ انبیاء علیہم السلام سے خطاب ہوتا تھا۔ جو آئے اپنی اپنی امت تک۔ ختم النبی کو پہنچتے تھے یہ صرف آخری امت کو شرف حاصل ہو رہا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے بڑا راست اہل ایمان کو خطاب کیا ہے۔

ابو سلمہ رحمہ میں یہ روایت ہے۔ اور امام بیہقی نے اسے شعب الایمان میں بھی بیان کیا ہے۔
 کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔ حضور! مجھے کوئی نصیحت
 فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ اے عبداللہ! جب تم قرآن میں یہ خطاب پڑھو **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا**
 تو پرستہ دل کے ساتھ متوجہ ہو جایا کرو۔ یہ سمجھ لیا کرو کہ اللہ تعالیٰ تم سے براہ راست خطاب فرماتا
 ہیں۔ اس سے بڑی نصیحت اور وحیست کیا ہو سکتی ہے۔ مقصد یہ تھا۔ کہ یہ ایسی اعلیٰ چیز ہے کہ
 پوری توجہ کے ساتھ ہر تن گوش ہو کر سنا کر کہ اللہ تعالیٰ کیا حکم فرماتا ہے ہیں۔ کس چیز کے کرنے کا
 حکم ہے۔ اور کس چیز سے ٹک جانے کی بات ہے۔

نفرض! اس خطاب میں اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کی توجہ مبذول رکھنے
 کے لیے راجعتاً کا لفظ استعمال نہ کرو کہ **لَا تَقْضُوا** اسے خطاب کیا کرو اس خطاب میں
 امر اور حتی دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی تاکید فرمادیا **وَأَسْمِعُوا** یعنی جو حکم ہو
 رہا ہے۔ اسے خوب غور سے سنا۔ کیونکہ یہ ایک بڑا اہم حکم ہے۔

حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ کہ عام گفتگو میں مشتبہ الفاظ استعمال نہ کرو۔ کوئی شخص اپنے
 غلام یا لونڈی کو عیب دہی اور اہتی کہہ کر نہ پکارتے۔ لفظ عیب سے شبہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ
 پنہارنے والا شاید اپنے آپ کو جو دیکھ رہا ہے۔ حالانکہ موجود امور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے
 عیب کا لفظ استعمال ہو سکتا ہے۔ مگر معاملہ بالکل واضح ہونا چاہیے۔ کسی قسم کا شبہ نہیں رہنا
 چاہیے۔ اسی طرح لونڈی کو بندی کہہ کر نہ پکارتے کی بجائے لونڈی کہہ کر پکارو۔ غلام اور لونڈی کو
 قَتَا تَی اور قَتَا کہہ کر بھی بلایا جاسکتا ہے۔ یعنی اسے جو ان کے لیے لونڈی۔ حضور علیہ السلام نے
 فرمایا۔ **عَبْدَ كَافِرٍ** اس لیے مناسب نہیں کہ **كُلُّكُمْ عَبْدُ اللَّهِ** کہہ کر تم اللہ تعالیٰ کے بند
 ہو۔ اسی طرح ساری عورتیں اللہ تعالیٰ کی بنیاں ہیں۔ یہ کسی انسان کے بندے یا بندیاں نہیں ہیں۔
 لفظ **مَوْلٰی** بھی مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کو بلا تخصیص ہر جگہ استعمال کرنا
 اشتباہ پیدا کر سکتا ہے۔ مولا کے کئی معنی ہیں جیسے دوست، صاحب، آقا، غلام، غلام

مشتبہ الفاظ کے
 استعمال کی ممانعت

آزاد کرنے والا وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سمجھائی کہ اس لفظ کو علاوہ استعمال کرو۔ جس سے شرب پیدا ہو تا ہو۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اِنَّ لَّعَنَیْکُمْ اَلْکُھْمَ یعنی انگور کو کرم مت کہو بلکہ عنب کہو۔ یا جلد کر سکتے ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کرم تو مومن کا دل ہے جس میں ایمان پایا جاتا ہے۔ اور جس میں اخلاقی حسن ہوتے ہیں۔ ایسی چیز کو انگور کے معنوں میں استعمال کرنا درست نہیں۔ انگور سے عام طور پر شراب تیار کی جاتی ہے۔ جب لوگ شراب کی تعریف کرتے ہیں۔ تو اس میں جب کرم کا نام آتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شراب کرم یعنی بخشش اور فیاضی سے کشید کی گئی ہے۔ گویا اس لفظ سے بالواسطہ شراب کی تعریف ہوتی ہے۔ لہذا انگور کے لیے کرم کا لفظ استعمال کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

لیڈر کا لفظ انگریزی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی راہنمائی کرنے والا ہے۔ بلاشبہ پیغمبر مجرب بھی امت کی راہنمائی کرتے ہیں۔ مگر یہ ایک ایسا لفظ ہے جو ہر قسم کے راہنما کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ عام طور پر اس کا اطلاق سیاسی لوگوں پر ہوتا ہے۔ خواہ وہ اخلاقی اقدار اور نیا ندراری سے بے بہرہ ہوں اور خواہ ان کی فکر بھی فاسد ہو۔ اہل اسلام میں سے ہوں یا غیر مسلم۔ متقی ہوں یا فاسق ناجر یہ لفظ سب کے ساتھ یکساں طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اور میں الا قوامی طور پر یہ لفظ چرچل پر بھی استعمال کرتا ہوں۔ راجن وغیرہ قسم کے لوگوں پر بولا جاتا ہے۔ لہذا اس قسم کا مشتبہ لفظ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ہرگز نمایان شان نہیں۔ ہمارے زمانے کے بعض مفسرین نے اپنی تصانیف میں یہ لفظ حضور علیہ السلام کے لیے استعمال کیا ہے۔ جو قطعاً نامناسب ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مشتبہ لفظ کسی عام چیز کے لیے بھی استعمال نہ کیا جائے چر یا نیکو خود حضور والا صفات علیہ السلام کی ذات اقدس کے لیے ایسا لفظ بولا جائے۔ پیغمبر کے لیے انگریزی کے متبب دل الفاظ MESSENGER پیغمبر پرافٹ (PROPHIT) وغیرہ استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ انھیں فرمایا کہ نبی علیہ السلام کی ذات کے متعلق کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کرو جو آپ کی شان کے خلاف ہو مگر قرآن الکریم فرماتا ہے کہ وَكَانَ رَسُولًا مِّنْ عِندِ رَبِّهِمْ لَقَدْ كُنتَ تَدَّعِيهِمْ وَكَانَ يَوْمَئِذٍ رَّبُّكَ عَلِيمًا بِذَاتِ الصُّدُورِ

فَرَا مَا لَعَنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ
 عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ هَذَا اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے وہ
 نہیں پہنچتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی بہتری کی چیز نازل ہی جائے۔ مشرکین کو
 میں ابھیل۔ ابولسب، عقبر اور شیبہ جیسے بڑے بڑے سردار تھے۔ وہ حضور علیہ السلام سے صلہ
 کرتے تھے۔ اگر وہ آپ کو نبی تسلیم کر لیتے تو ان کی سرداری حضور علیہ السلام کو منتقل ہو جاتی تھی۔ اور وہ
 بڑے غمخیز، پیڑ ہو کر رہ جاتے تھے۔ دوسری طرف اہل کتاب تھے جو امید لگائے بیٹھے تھے کہ نبی
 آخر الزما بنی اسرائیل میں آئے گا۔ جب آخری نبی ہونے کا دعویٰ بنو اسماعیل کے قبیلہ قریش
 میں سے ہوا۔ تو وہ بھی حسد کی آگ میں جلنے لگے لہذا انہوں نے آپ کو اللہ تعالیٰ کا آخری نبی تسلیم
 کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی رکوع میں آگے آئے گا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ
 انہوں نے حسد کیا اور ایمان کی دولت سے محروم رہے اسی لیے فرمایا کہ اہل کتاب اور مشرکین
 نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ کا قرآن پاک آپ پر نازل ہو۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہاں پر تمہاری خواہشات اور
 توقعات کی بات نہیں بلکہ واللہ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ اللہ تعالیٰ
 جسے چاہے اپنی رحمت کیلئے ناسم لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے اس نے یہ لکھ دیا کہ اپنی رحمت
 خاصہ بنو اسماعیل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس پر نازل فرمائے۔ اس سے پہلے
 اللہ تعالیٰ بنو اسماعیل پر بے شمار رحمتیں نازل کر چکا ہے۔ اس قوم میں بڑے بڑے بادشاہ اور
 جلیل القدر مول بھیجے اِذْ جَعَلْنَا فِيكُمْ رُسُلًا وَجَعَلْنَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الْكُفَّارِ
 تفصیل تذکرہ کسی گذشتہ درس میں گزر چکا ہے۔ اس قوم میں اللہ تعالیٰ نے ہزاروں نبی
 مبعوث فرمائے۔ اور کتنوں کو بادشاہت بھی عنایت کی۔ ایسی حکومت اور بادشاہت
 جو دنیا میں کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی۔ تو اب کیا اللہ تعالیٰ نے کوئی وعدہ کر رکھا ہے۔
 کہ نبوت بنو اسماعیل سے باہر نہیں جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت اسی میں ہے کہ سلسلہ نبوت

کو جو اسماعیل پر ختم کرنا تھا۔ لہذا اس میں بواختی کے لیے حد کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

تفسیر آیات
کہ جرات

بنی اسرائیل اور مشرکین کا ایک اعتراض یہ تھا کہ جب قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور یہ پہلی کتابوں کا حصہ ہے تو یہی ہے۔ تو پھر یہ سابقہ کتب کے احکام کو منسوخ کر کے نئی شریعت کیوں نافذ کرتا ہے۔ نیز پہنچے ہی احکام کو بعض اوقات تبدیل کر دیتا ہے۔ بقول ان کے اس کا مطلب تو یہ ہے کہ معذرت اللہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کو معطلے کا پوری طرح علم نہیں ہوتا تو حکم جاری کر دیتا ہے۔ مگر جب اس کا پوری طرح علم ہو جاتا ہے تو حکم میں ترمیم کر دیتا ہے۔

دیانہ سرسوتی بند وڈل کی آریہ سماج تنظیم کا مشور لیڈر ہوا ہے۔ اپنی نوعیت کا شہرت پسند آدمی تھا۔ یہی اعتراض — اس نے اپنی کتاب میں بھی کیا تھا کہ کسی پہنچے ہی حکم کو منسوخ کر دینا جہالت پر دلالت کرتا ہے۔ اس کا جواب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دیا تھا بلکہ کہ احکام کی تفسیر جہالت کی بنا پر نہیں بلکہ حکمت کی بنا پر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ عظیم و عظیم ہے۔ اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر حکم حالات کے تقاضوں کے مطابق جاری ہوتا ہے۔ جب حالات متقاضی ہوتے ہیں تو پہلا حکم منسوخ کر کے دوسرا جاری کر دیا جاتا ہے۔ اس کی مثال اس طرح بیان کی جا سکتی ہے کہ ڈاکٹر یا حکیم کسی مریض کو صبح کے لیے اور دو دیتا ہے اور شام کے لیے دوسری یا ایک ہفتہ ایک دوا استعمال کراتا ہے تو دوسرے ہفتے کے لیے کوئی اور تجویز کرتا ہے۔ کیا ڈاکٹر یا یو قوت ہے یا جاہل جو مختلف اوقات کے لیے مختلف دوا تجویز کرتا ہے۔ بلکہ ڈاکٹر مریض کے حالات کے مطابق دوا کو منسوخ کر دیتا ہے یا تبدیل کر دیتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی کسی قوم کے حالات کے تقاضے کے مطابق احکام نافذ فرماتے ہیں۔ جیسا کہ ضرورت ہوتی ہے۔ بعض احکام کو تبدیل کر دیتے ہیں یا اپنی حکمت کی بنا پر احکام میں ترمیم کرتے ہیں۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو کہ تمام اقوام کے لیے جہاں طور پر نافذ العمل ہے۔ لہذا اس نے

پہلے شرائع کو منسوخ کر کے بدی احکام نافذ کر دیے ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ دین تو ہمیشہ ایک ہی رہا ہے۔ یہ کبھی منسوخ نہیں ہوا۔ البتہ مختلف شرائع میں بعض اختلافات رونما ہوتے رہے ہیں مثلاً کسی شریعت میں اونٹ لاگوشت حرام تھا۔ ہماری شریعت میں حلال ہے۔

کسی شریعت میں روٹی نہیں ایک نسخ میں آٹنی تھیں جیسے اس حرام ہے۔ اَنْ تَجْمَعُوا اَبْنَاءَ الْاُحْدَتَيْنِ ابنتہ دین کے بنیادی اصول کبھی منسوخ نہیں ہوئے تفسیر بات کہ ایک دوسری مثال سے بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ تکنیکی امور میں جوں جوں حالات بدلتے ہیں۔ احکام بھی بدلتے رہتے ہیں۔ جب انسان کچھ ہوتا ہے۔ تو اس کی ضروریات اس کی عمر اور اس کے حالات کے مطابق ہوتی ہیں۔ جب جوان ہوتا ہے۔ تو اس پر دوسرے احکام نافذ ہوتے ہیں۔ پھر جب بوڑھا ہو جاتا ہے۔ تو حالات کا اتفاقاً کچھ امد ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام بھی اقوام عالم کے حالات کے تقاضوں کے مطابق تبدیل ہوتے رہے ہیں۔ یہ اسی اعتراض والی بات نہیں ہے۔

الغرض ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ مَا تَنفَعُ مِنْ آيَةٍ اَوْ نَسِيْهَا هُمْ كَيْسٍ آيَتِ كُفْرٍ نہیں کرتے یا اُسے نہیں بھلا دیتے۔ نَأْتِ بِحَاجَاتِ كُفْرٍ مِّنْكُمْ اس سے بہتر آیت یا حکم لے آتے ہیں اَوْ نَسِيْهَا یا کم از کم اُس جیسا ہی لے آتے ہیں۔ نیا حکم بہر حال پہلے سے بہتر ہوتا ہے۔ کمتر نہیں ہوتا۔ بہتر سے مراد یہ ہے کہ نیا حکم پہلے کی نسبت اجر میں بہتر ہوتا ہے۔ آیت یا حکم بھلائیے کا مطلب یہ ہے کہ نبی کے ذہن سے ایسی آیت فراموش کرادی جائے آیت کا یاد کرنا یا بھلانا اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت میں ہے۔ سورۃ اعلیٰ میں فرمایا سَتُنْفِئُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَلَآ تَنسَوْنَ حِمْمَ غُرَبَاءِ اَوْ اَنْ تَكُوْنُوْا مِثْلَ الْاَوَّلٰیْنَ اَوْ مِثْلَ الْاٰخِرٰیْنَ اَوْ مِثْلَ الْاَوَّلٰیْنَ اَوْ مِثْلَ الْاٰخِرٰیْنَ اللہ وہاں جس کو اللہ بھلا چاہیں۔ وہ آپ بھول جائیں گے یہاں پر بھی نَسِيْهَا کا مطلب یہی ہے کہ جس حکم کو تبدیل کرنا مقصود ہو تب ہی اُسے کُفْرًا منسوخ کر دیا جاتا ہے۔ یا اُسے

پیغمبر علیہ السلام کے ذہن سے محو کر دیا جاتا ہے۔ **فَرَأَى الْاَلَمَ تَلْعَمُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ اپنی حکمت اور فشار کے مطابق آیت: **ذٰلِكَ رِسَالَتُ بَعْضِ كُتُبِ رَحْمَتِہٖ** اور بعض کو منسوخ کر دیتا ہے پھر اُن سے بہتر یا اُن جیسی اور نئے آیتیں۔ ایسا کرنا بھل و غفل کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ اس پر اعتراض کرنا حماقت کی نشانی ہے۔

پھر **فَرَأَى الْاَلَمَ تَلْعَمُ اِنَّ اللّٰهَ لَكُمُ الْمُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّہٗ مُطِیْبٌ** کیا تم جانتے نہیں کہ زمین و آسمان کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے۔ جب وہ ایک الملک ہے تو کیا اُسے یہ اختیار حاصل نہیں کہ کسی حکم کو منسوخ کر دے یا تبدیل کر دے۔ معاذ اللہ کیا وہ مجبور ہے کہ ہر حالت میں ایک ہی حکم کو جاری رکھے۔ اگر ایسا تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس کی حاکمیت کو ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا۔ لہذا وہ تفسیح احکام پر پوری طرح قادر ہے۔ اور یہ اس کا حق ہی ہے۔

فرمایا یاد رکھو! کہیں جبکہ نہ جاننا و نہ اَلَمَ تَلْعَمُ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ قَوْلِیْ وَلَا نَصِيْرٍ اس کے سوا اختیار کوئی حماقتی اور مددگار نہیں ہے۔ دلی گامختی عام طور پر سر پرست ہوتا ہے۔ اب بیضادوی فرماتے ہیں کہ بعض اوقات سر پرست کمزور بھی ہوتا ہے۔ جو کہ مدد کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ مگر نصیر وہ ہوتا ہے۔ جو نئی مواقع مدد کے قابل ہو۔ دوسرے الفاظ میں اسے یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہی وہ ہوتا ہے جو زبانی طور پر مدد کرتا ہے۔ در نصیر وہ ہے جو عملی طور پر مددگار ثابت ہو۔ **وَمَا اَلَمَ تَلْعَمُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اِلٰی دُوْنِہٖ مَّغْفٰتٌ کَاَمَلٌ** ہے۔ وہ اپنی مخلوق کا ہر طرح مددگار ہے۔ وہ قادر مطلق بھی ہے نور عظیم کل بھی ہے۔ جو نہ حکم چاہے، نہ مذکر لے اور جسے چاہے منسوخ کر دے اس کے ارادہ اور قدرت میں کوئی دوسرا عمل نہیں ہو سکتا۔ وہ خود ہی احکام جاری کرتا ہے۔ اور اپنی ہی مشیت سے بعض کو منسوخ کر دیتا ہے۔ اس پر اعتراض نہ سب ہے۔

أَمْ تَرْيَدُونَ أَنْ نَكُلُوا رُسُوكُمْ كَمَا سَلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ
وَمَنْ يَتَّبِعِ الْكُفْرَ بِلَا إِيْمَانٍ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ
﴿۱۰۸﴾ وَذِكْرُكُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرَوْكُمْ مُنْكُمْ مِنْكُمْ
إِيْمَانَكُمْ كَقَتَا رَأَاهُ حَسَدًا مَنْ عِنْدَ أَنْفُسِهِمْ مِنْ أَهْلِ
مَآئِينَ لَهُمُ الْحَقُّ فَأَعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ
إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ
وَمَا تَقْرَبُوا نَفْسَكُمْ مِنْ خَيْرٍ مَحْدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ
إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۱۰﴾

ترجمہ یہ کیا تم یہ ارادہ کرتے ہو کہ اپنے رسول سے اسی طرح سوال کرو جس
طرح اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا گیا۔ اور جو شخص ایمان کے بغیر کفر
اعتقاد کرے گا، وہ سیدھے راستے سے نکلے گا ﴿۱۰۸﴾ اہل کتاب میں سے بہت
سے پسند کرتے ہیں کہ مومن ہونے کے بعد میں کفر کی طرف پلٹوں۔ اپنے
نفوس میں حسد کرتے ہوئے۔ بعد اس کے کہ ان کے لیے حق ظاہر ہو گیا ہے۔
پس درگزر کرو اور معاف کر دو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لائے۔ جیسے اللہ تعالیٰ
ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۰۹﴾ اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دینے سے باز نہ رہو اور کھانا
جو کچھ تم اپنے نفوس کے لیے آگے بھیجو گے۔ اس کو اللہ کے پاس پاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ تمہارے ہر کام کو دیکھنے والا ہے۔ ﴿۱۱۰﴾

بنی اسرائیل کی نرابیوں کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ
نے اہل ایمان کو راعیٰ کا لفظ استعمال کرنے سے منع فرمایا تھا۔ اس کی بجائے اُنظُرْنَا
استعمال کرنے کا حکم دیا تھا۔ کیونکہ یہودی دیدہ دانستہ راعیٰ کا لفظ بولتے تھے جس سے

ربط آیات

معاذ اللہ فی خبر علیہ السلام کی قرین کا یہ لکھا تھا۔ گذشتہ درس میں اس بات کو اٹھانے اور بھی کیا تھا کہ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کوئی نہیں چاہتا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر کوئی بہتر تیز نازل فرمائے۔ یہ لوگ نبی کے ساتھ حسد کرتے تھے۔ پھر انہوں نے فصیح آیات کا مسئلہ بھی اٹھایا کہ اللہ تعالیٰ ایک حکم بنا کر نہ کرے کہ بعد اُسے منسوخ کیوں کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت فرمائی کہ اس کی لامعی و جہالت کی بنا پر نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔ وہ جس طریقے پر نوح ان کی کی بھلائی چاہتا ہے۔ اس کے مطابق شریعت نازل فرماتا ہے۔ اسکی مثال ایسے ہی ہے۔ جیسے ایک ڈاکٹر کسی مریض کو مختلف اوقات میں مختلف دوائیں دیتا ہے۔ کسی کو منسوخ کر دیتا ہے۔ کسی کو تبدیل کرتا ہے اور کسی کو جاری رکھتا ہے۔ یہ مریض کے حالات پر منحصر ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی لوگوں کے حالات کے مطابق شریعت میں رد و بدل فرماتے ہیں۔ وہ ملک الملک جس طرح چاہتا ہے حکم نازل فرماتا ہے۔ اس کے کسی حکم پر اعتراض کرنا، اس کے قادر مطلق ہونے پر اعتراض کرنے کے مترادف ہے۔

یہودیوں کے
سوالات

ان آیات میں یہودیوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ تم نبی آخر الزمان سے ایسے سوالات نہ کرتے ہو جیسے تمہارے آباء اجداد نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیے۔ ارشاد ہوتا ہے اَفَرَأَيْتُمُودُ أَنْ تَتَنَادَوُا مَعَ كُفَّاهِهِمْ كَمَا هُمْ مُوَسِّى بَيْنَ قَبْلِهِمْ مَفْرِقِينَ کَرَامَ فَرَمَاتِہِ ہِیَ لَکَ اِسْ اَیْتِہِ مِی رُوسَہِ سَمْعِنِ اہل کتاب کی طرف ہی ہے۔ یہی لوگ سمعور علیہ السلام سے طرح طرح کے یہودہ سوالات کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم ان سے سوال کرتی ہے۔ اُسے سورۃ ناریں اس کی تفصیل آئے گی۔ یَسْأَلُکَ اَہْلُ الْکِتَابِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْہِمْ کِتَابًا مِّنَ السَّمَاءِ اہل کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں۔ کہ آپ اللہ تعالیٰ کی کتاب بیک وقت انہی کیوں نہیں لاتے۔ جیسا کہ تورات مکمل طور پر نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی دن کہ آپ ان کے سوالات کو فخر میں نہ لائیں۔ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسٰی اَکْبَرُ مِنْ ذٰلِکَ اَنْ یُنْزِلَ عَلَیْہِمْ

نے تو موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑا سوال کیا۔ کہنے لگے اَرَدْنَا اللّٰهَ جَهَنَّمَ اَپْنِے قَدَمِے سے ہماری بانٹا نہ ملاقات کرائیں۔ تب ہم مانیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اتاری ہے سورۃ بقرہ میں بھی اس قسم کے سوالات گزر چکے ہیں۔

مشرکین کے
سوالات

بعض مشرکین فرماتے ہیں کہ اس آیت کے مخالف ہیں اہل کتاب کے علاوہ مشرکین بھی ہیں۔ ان کے یہود و سوالات کا تذکرہ بھی قرآن پاک کے مختلف مقامات میں موجود ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کے مطابق انہوں نے نبی علیہ السلام سے فرائض کی کہ آپ یسریٰ دیکھا کر ان پر چڑھ جائیں۔ اور پھر وہاں سے کتاب لائیں۔ مکے کی سرزمین کو باغات میں تبدیل کر دیں۔ آپ کے ارد گرد فرشتوں کی جماعت ہوئی چلیے۔ اللہ تعالیٰ خود ہمارے سامنے آکر آپ کی رسالت کی تصدیق کرے وغیرہ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے تمام سوالات کا ایک ہی جواب دیا۔ فَلَدْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلُكُمْ یعنی میں انسان ہوں اور اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ میں نے یہ کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ کہ میں قادر مطلق ہوں اور جبر پا ہوں کر سکتا ہوں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ ہے۔ وہ جو چاہے کرتا ہے۔ مقصد یہ کہ یہود کی طرح مشرکین بھی طرح طرح کے سوال کرتے تھے۔ اس قسم کے سوالات کا مقصد محض نخوت جینی ہوتا ہے اور کسی بات کو تسلیم نہ کرنے کا ایک سہانہ ہونا ہے

مشرک گمراہی

فرمایا اس طرح کے بے معنی سوالات نہ کیا کرو۔ کیونکہ اس کا نتیجہ بہت ہی بُرا ہو گا۔ وَمَنْ يَسْتَبْذِلِ الْكَفْرَ يَأْتِ بِإِيمَانٍ جو کوئی ایمان کے بے سے میں کفر اختیار کرے گا۔ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ دو سیدھے راستے سے ہٹک گیا گمراہ ہو گیا۔ کیونکہ اعتراض برائے اعتراض اور وہ بھی ایذا رسانی کے لیے کھلی گمراہی اور کفر ہے۔ یہاں پر اگر یہ دوسرے سخن اہل کتاب اور مشرکین کی طرف ہے۔ تاہم بات اہل ایمان کو بھی سمجھائی جا رہی ہے۔ کہ جو بھی اس قسم کے یہود و سوالات کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکام کو تسلیم نہیں کرے گا۔ وہ بہر حال راستے سے ہٹک جائے گا۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اَمْرٌ تَنْبِيْهُوْنَ کے مخاطب اہل ایمان ہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو یاد اور مشرکین کی روش سے خبردار کیا ہے کہ تم ان کے طریقوں کو نہ اپنائو یہی تم بھی اپنے نبی آخر الزماں علیہ السلام کے بلاوجہ سوالات ذکرنا جس طرح اس سے پہلے اہل کتاب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیے اور ان سوالات کی وجہ سے انہیں طرح طرح کی تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ غزوہ جین کے موقع پر حضور علیہ السلام نے دیکھ کر کہیں ایک خاص قسم کے درخت کو متحرک خیال کرتے ہیں۔ اس درخت کے ساتھ اپنے اسلمہ بات لگاتے تھے۔ اس کو ذات افراط کہتے تھے۔ یہ دیکھ کر صحابہ کرامؓ نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا۔ حضرت! اَجْعَلْ لَّنَا ذَاتَ الْاَوْطَاطِ اَبِیْ جَانَسَ یَہی کسی درخت کو ذات افراط مقرر فرمادیں جس پر ہم اپنے بھتیجاں لٹکایا کریں۔ میاں کو متحرک کرتے ہیں۔ آپ یہ سن کر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا سُبْحَانَ اللہ یہ تو اس قدر اہل بات ہو گئی۔ جب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں بحیرہ تلزم عبور کیا تو ان ایک تہ کو پوچھا یَعْلَمُوْنَ عَنِ اَصْنَابِہُمْ لَہُمْ حُرٌّ جَوْنِہُمْ مَّجُودُوں پر چلے ہوئے تھے۔ ان کی پوچا کہ جسے دیکھ کر بنی اسرائیل نے بنی حضرت موسیٰ علیہ السلام

سے عرض کیا یَمْوُتُ اَجْعَلْ لَّنَا اِلٰہًا کَمَا لَہُمْ اِلٰہَةٌ جس طرح ان لوگوں نے اپنے مجبور بنائے ہیں اسی طرح ہمارے لیے بھی مجبور مقرر کر دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے ناراض ہوئے اور کہا ہے یہ قوت قوم ایہ لوگ تو کفر میں مبتلا ہیں کیا تم بھی انہی بلاکت میں پڑنا چاہتے ہو ابھی ابھی اللہ تعالیٰ نے تمہیں طاقتور دشمن سے آزادی دلائی ہے۔ تو پھر کفر و شرک میں مبتلا ہونا چاہتے ہو۔ بلاوجہ ناجائز سوال نہ کیا کرو۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ بہت کم سوال کیا کرتے تھے۔ کیونکہ سورۃ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے کثرت سوال سے منع فرمادیا۔

۱۔ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۲۵ تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۲۵ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۲۵

۲۔ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۵۲

لَا تَسْأَلُوهُنَّ أَشْيَاءَ إِنْ تُبَدِّلَكُمْ قَسْوَكُمْ وَإِنْ لَا تُبَدِّلَكُمْ يَسْأَلَنَّ
الْفُؤَادُ مِنْ رَبِّهِمْ لَكُمُ الْعَذَابُ یعنی نزل وہی کے زمانے میں سوال نہ کیا کرو۔ مگر بعض چیزوں
کے متعلق سوال کرو گے، تو وہ ظاہر کر دیا جائے گا۔ اور تم کو ناکارہ گندے گوشت سے
بنامی کا باعث ہوگا۔ اس میں صحابہ کرام حضرت سوال سے اجتناب کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اصحاب محمد
صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کوئی قوم نہیں دیکھی۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال نہیں کیا
کرتے تھے۔ ایسا کرنے سے ڈرتے تھے۔ ان کی خواہش ہوتی تھی کہ باہر کا کوئی غریب سوال
کرے تو وہ بھی مستفید ہوں۔ خود سوال کرنے میں بہت محتاط ہوتے تھے۔ قرآن پاک میں کل
بارہ سوالات کا ذکر آتا ہے۔ جو صحابہ کرامؓ نے حضور علیہ السلام سے کیے۔ ان میں یَسْأَلُونَكَ
عَنِ الْخَمْرِ اَوْ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَمْنِ یَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحْجُوزِ وَغَیْرِہِیْہِ
سوالات شامل ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رشا دگر می ہے۔ اسے لوگ فضول
اور بے مقصد سوال نہ کیا کرو۔ کیونکہ پہلی امتیں بھی اسی وجہ سے ہلاک ہوئیں کَثْرَةُ مَا یَسْأَلُوْنَہُمْ
وَخَشَرَةُ فِہِمْ عَلٰی اَنْ یَسْأَلُوْا کَثْرَتِہِمْ سوال کی وجہ سے انہوں نے انبیاء علیہم السلام سے
اختلاف کیا اور ہلاک ہوئے۔ لہذا کثرت سوال سے بچو۔ ہاں کسی مسئلہ کی تحقیق کے لیے یا کسی
کام کے جواز یا عدم جواز کے لیے سوال کرنے کی ممانعت نہیں۔ زیادہ سوال کرنے میں قباحت
یہ ہے کہ ہر کچھ ہے کہ اس سوال کا جواب تمہیں ناگوار گندے یا بنامی کا باعث ہو۔ اکثر
سوال محض نکتہ چینی یا ایذا رسانی کے لیے کیے جاتے ہیں۔ اس لیے منع کیا کہ اہل ایمان!
تم یہود کی روش پر نہ چلو اور کثرت سوال سے اپنے آپ کو بچنا

مسلمانوں کو سوالات کی ممانعت کی ایک وجہ تھی کہ اہل کتب مسلمانوں کو اکٹرتے تھے
کہ اپنے نبی سے یہ سوال پوچھو، اور اس سے ان کا مقصد فتنہ پر بازی ہوتا تھا۔ اہل ایمان کو
یہ بھی نصیحت ہے کہ وہ یہودیوں کی باتوں پر اعتماد نہ کریں۔ پہلے گندہ چمکے کہ لوگ

حرکت تھے۔ اس کے علاوہ اور بنی فضول بائیں کرتے تھے جس سے مسلمانوں کے دلوں میں
شہر ڈال مقصود تھا۔ تاکہ اہل ایمان اسلام سے دستبردار ہو جائیں۔ ان کی سازشوں سے محفوظ
رہنے کے لیے فرمایا کہ ان پر اعتقاد کرتے ہوئے ایسے معنی سوال نہ پوچھ کر دو۔

اہل کتاب کے
باطنی اذیہ

مسلمانوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ یہودیوں کے ارادت بڑے خفاہاک میں ود کثرت
مَنْ أَهْلَ الْكِتَابِ لَوْ سَرُّهُمُ وَنَكَمُوا مِنْ بَعْدِ آيَاتِنَا لَكُمُ الْكُفْرُ بِت سے اہل کتاب
چاہتے ہیں کہ تمہیں پھر ایمان سے کفر کی طرف لوٹا دیں۔ وہ ہر وقت اسی کوشش میں لگے
ہوتے ہیں کہ کسی طرح مسلمان کمزور ہو جائیں۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں۔ وہ بھی اپنے سابقہ دین
پر پلٹ جائیں۔ یہ تو نزول قرآن کے زمانہ کی بات ہے۔ کہ اہل کتاب مسلمانوں کو بھٹکا چھوٹا
نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ان کی یہ کوشش سب کچھ جاری ہے۔ کہ کسی طرح مسلمانوں کو دوبارہ
کفر کی طرف لوٹا دیا جائے۔ دنیا میں جتنی مشن پان کام کر رہی ہیں۔ یہ سب اسی کام کے لیے
ہیں۔ دوسرے مقام پر آتے ہیں۔ فَتَكُونُونَ سَوَاءً۔ سب برابر ہو جائیں۔ جس طرح
وہ خود گمراہ ہیں۔ اسی طرح مسلمان جی ان کی رہش پر چل پھیں۔ جس طرح انسانوں نے اللہ تعالیٰ
کی کتاب اور انبیاء علیہم السلام کا انکار کیا۔ اسی طرح مسلمان ان کرتے لگیں۔ اہل کتاب کی دلی
خواہش یہی ہے۔

فرمایا اہل کتاب کی اس گندنی ذہنیت کے بجائے ان کی ایک اور خواہش کا ذکر فرمایا
یعنی حَدِّثْنَا عَنْ أَهْلِ الْكِتَابِ ان کے قصوں میں تمہیں کیا ہوا احمد ہے۔ جو انہیں مسلمانوں
کے خلاف ابھار رہا ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ وہ ایسا کسی خفیہ فہمی یا لاعلمی کی بنا پر نہیں
کرتے۔ بلکہ هُمْ اَبْهَدُ مَا تَبَيَّنَ لَكُمْ الْحَقُّ فِي سَبْ کچھ حق کے اظہار کے بعد
کر رہے ہیں۔ انہیں حق اور باطل میں تمیز ہو چکی ہے۔ مگر خدا اس بات پر کرتے ہیں کہ نبی
آخر الزمان نسل اللہ علیہ وسلم پر انجیل کی کتاب نے بنا اس حق میں کیوں نہیں آیا۔

حمد بہترین
بیچارہ نسبت

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ خداوند خود کی بنا پر ہوتا ہے۔ اولاً کہ فذل نعمت فذل

کو کہیں لیجئے اور پھر اس کے زوال کی قناک جاتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ قدرِ نعمت کی بجائے مجھے ملنی چاہیئے۔ ایسی خواہش کرنا حرام ہے۔ یہ اخلاقِ بیماری سے۔ ابنِ ماجہ شریف کی روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں۔ اِنَّ لِّلْحَسَدِ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا يَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ یعنی حسدِ نیچوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح خشک لکڑی کو آگ کھا جاتی ہے۔ حسد اتنی بڑی چیز ہے۔

امیر بن ابی صلت عرب کا عظیم شاعر اور حکیم تھا۔ خدا کو مانتا تھا۔ قیامت کا تصور ذہن میں موجود تھا۔ اسی لیے سیکے مذہب کا متلاشی تھا۔ کبھی تراات کا مطالعہ کرتا کبھی انجیل پڑھتا کبھی اہل کتاب سے گفتگو کرتا۔ تم کو حق کو پاس کے بیٹھ جب اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا تو یہ شخص تم کی آگ میں جلنے لگا۔ یہ بات حق کہ وحی میں یہ نازل ہوئی۔ محض حسد کی وجہ سے دینِ خاص کا مخالفت ہو گیا۔ اور اسی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی۔

حسد تو قطعاً حرام ہے۔ البتہ عینِ رشک جائز ہے۔ غیظ کا مطلب یہ ہے۔ کہ کوئی شخص کسی کے پاس نعمت دیکھ کر تن کرے کہ اللہ تعالیٰ اُسے بھی ایسی نعمت سے سرفراز فرمائے حسد کا معنی تو یہ ہے کہ جس کو کوئی بھرتی می ہے وہ اس سے محروم ہو جائے۔ مگر غیظ میں کسی کے زوال کی تمنا نہیں ہوتی بلکہ اس کے حصول کی خواہش ہوتی ہے۔

بزرگانِ دین فرماتے ہیں مَا خَلَقَ جَسَدٌ عَنْ حَسَدٍ عَامَ طُورٍ بِرُكُونٍ جَسَدٍ سے خالی نہیں ہوتا۔ اسی لیے تو وہ کی تعین کی گئی ہے۔ وَهِنْ شَرِّ حَسَدٍ اِذَا احْسَدَ اَللّٰهُ فِيْهِ مَسَدٌ کے حسد سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ ہر حال حسد ایک بہت بڑی بیماری ہے اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔

جیسا کہ عرض کیا، غیر مسلم اقوام میں مسلمانوں کے غلات حسد کی آگ نزولِ قرآن کے زمانے سے لے کر آج تک برابر بھڑک رہی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت امرِ کبیرہ برحقا جزئی اور فرائض وغیرہ کی حیاتی طاقتیں اربوں روپیہ اس مقصد کے لیے خرچ کر رہی ہیں

غیر مسلم
حسد اقوام

کہ کسی طرح مسلمان قوم کا تعلق قرآن پاک سے منقطع کر دیا جائے۔ مشترقین کا فقہ اسی مقصد کے لیے کام کر رہا ہے۔ امیر شکیب ارسلان نے الحاضری العالمیہ الاسلامیہ حوان کی مشہور کتاب ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ یو۔ پی۔ یسائیوں اور یہودیوں نے بغیر اصلی اللہ علیہ السلام کی سیرت و طبع کو نسخہ کرنے کے بعد قرآن پاک کی تردید میں چھ لاکھ کی تعداد میں کتابیں نکل کی ہیں تاکہ مسلمان اسلام سے بظن ہو جائیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اگر عیسائیت و بھی متبول کریں تو کم از کم مسلمان کی حیثیت میں باقی نہ رہیں۔ ہنسنری سکول، ہسپتال وغیرہ سب اسی مقصد کے لیے چل رہے ہیں۔ لوگوں کو لالچ دیکر عیسائیت کی طرف مائل کیا جا رہا ہے۔ یہ اسی حقد کی بنا پر چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کا تعلق اپنے نبی سے کٹ جائے۔ اور یہ قرآن پاک کی تعلیمات کو چھوڑ دیں۔

مذہب
پڑھنا

مذہب کا انکا بھی یہودیت کا شاخ نہ ہے۔ اس شخص کی خباثت کی داغ بوب جس نے فیڈرل شریعت کورٹ میں دعویٰ دائر کیا ہے کہ مذہب کی سزا کو کالعدم قرار دیا جائے کیونکہ بقول اس کے یہ شرعی حد نہیں ہے۔ مقصد یہ کہ لوگ شوک و ہمت میں مبتلا ہو کر دین سے بیزار ہو جائیں۔ غریبوں نے بھی یہی اعتراض کیا تھا۔ اور آج کے زمانے کے پروفیڈنسی اور پراپرٹیز بھی اسی قماش سے ہیں۔ کہ قرآن پاک میں رجم کی سزا نہیں ہے۔ بھی اجماع سنت میں تو موجود ہے۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں رجم کے متعدد کیس ہوئے۔ بھی بہ کرامت کے زمانے میں رجم کی سزا دی گئی۔ اگرچہ عام طور پر رجم کی سزا افراد پر ہی دی گئی۔ تاہم اسکے دوسرے ایسے واقعات بھی پیش آئے۔ جن میں گزہ کی بنیاد پر رجم کی سزا دی گئی۔ اس زمانے میں کسی کو رجم کی سزا ملی ہو یا نہ۔ یہ الگ بات ہے۔ مگر اس کے شرعی مد ہونے سے مجال انتظار نہیں ہو سکتا۔

قرآن پاک کے
خلاف سازش

مشترقین جنہیں محقق اور ریسرچ سکالرز کا نام دیا جاتا ہے۔ انہوں نے قرآن پاک اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی خطہ چھنی کی ہے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ کسی طرح مسلمان اپنے دین سے بظن ہو جائیں۔ ٹیڈ سٹون نے برطانیہ کی پارلیمنٹ میں برٹاکا تھا۔ کہ محمد کی کتاب قرآن اور ان کی توار انانیت کی دشمن میں (العیاذ باللہ) اُس نے قرآن پاک ہاتھ میں لیکر لکھا تھا۔ جب تک یہ کتاب دنیا میں موجود ہے۔ یہ دنیا مذہب نہیں بن سکتی۔ لہذا

اس کی عزت و توقیر لوگوں کے دلوں سے ٹٹا ہوگی۔ اس کا مطلب یہی تھا۔ کہ قرآن پاک ایک ایسی کتاب ہے۔ جو فحاشی سے روکتی ہے۔ اور فحاشی اور بیعتی کے بغیر تہذیب نہیں آسکتی۔ ان کے نزدیک انسان مذہب نہیں کھلا سکتا۔ لہذا ان کی ہمیشہ سے یہ خواہش رہی ہے۔ کہ کسی طرح قرآن پاک کو دنیا سے محو کر دیا جائے۔

فرمایا بہت سے اہل کتاب یہ پسند کرتے ہیں کہ تمہیں کفر کی طرف پٹا دیں۔ ایمان کے بعد احمد کرتے ہوئے بعد اس کے کہ حق واضح ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود مسلمانوں کو یقین کی جا رہی ہے۔ کہ اہل کتاب کے خلاف کسی قسم کا انتقامی جذبہ ذہن میں نہیں رکھنا۔ بلکہ فَاَعْفُوا پس معاف کر دو۔ وَاصْفَحُوا اور درگزر کرو وَكَيْفَ يَكْفُرُ بِاللّٰهِ بِاُمَّةٍ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے۔ گویا مسلمانوں کو انتقامی کارروائی کی بجائے حکم الہی کا انتظار کرنے کو کہ گیا تھا۔ آخر اللہ تعالیٰ کا حکم آگیا۔ اور مدینہ طیبہ بلکہ پورے عرب کو یہودیوں اور نصاریوں سے پاک کر دیا گیا۔ فَرِیْضًا اللہ علی کل شیء قَدِیْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ وقت آنے پر وہ ان بد مختوں سے مواخذہ کرے گا۔

مذاہرہ زکوٰۃ

اہل کتاب کی طرف سے جو کس بہنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پہننے فرمایا۔ یہ کہ بندہ اپنے کی تعین بھی فرمائی۔ وَلَقَدْ قَبَّلُوا الْعَصَلَةَ وَالْاَزْكَوٰةَ مَذٰکِرًا قَامَ رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ تمہاری طاقت کا منہج یہی دو چیزیں ہیں۔ انہیں مضبوطی سے تھام لو۔ تمہاری تمام تر قوت کا دار و مدار تعلق باللہ پر ہے۔ اور غنا۔ زکوٰۃ اس کا مظہر ہے غنا کسی حالت میں بھی معاف نہیں۔ اسے وقت پر ادا کرتے رہو۔ اور اگر صاحب نصاب ہو تو زکوٰۃ ادا کر دو۔ بخل جیسی قبیح بیماری کا یہ بہترین علاج ہے۔ اسے کبھی نظر انداز نہ کرو۔ غیر مسلم تو رام دہی ترقی میں پیش پیش تھے۔ اس معاملہ میں وہ ہمیں پہنے برابر نہیں آئے دیں گی۔ اگر تم یہ ہفت قائم کرو کہ پچاس برس میں امریکہ کے برابر مادی ترقی حاصل کر لو گے۔ تو ممکن نہیں۔ کیونکہ اس وقت تک ہر چہ ترے پیچس سال مزید آگے نکل چکا ہو گا۔ لہذا مادی طاقت کا ہر چشمہ مادی وسائل کی بجائے صلوٰۃ و زکوٰۃ ہے۔ انہیں کے ذریعے۔ مذرا ایمان اور وحدت پیدا ہوگی۔ تعلق باللہ قائم ہو۔ جو طاقت کا اصل سرچشمہ ہے۔

نیکی و برائی

فرمایا، یاد رکھو، وَمَا تَقْدِرُوا مَوَازِنَ نَفْسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ يَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ
 تم اپنے نفسوں کے لیے جو بھی جھٹائی گئے، جو بھی گنتی کی گئی، کوئی عمل، صدقہ خیرات کر دو گے
 خدا ادا کر دو گے، اللہ تعالیٰ کا قاذر ہے، کر دو کسی کا عمل ضائع نہیں کرتا۔ اس کا واضح
 اعلان ہے: مَنْ يَعْصِلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ، ایک ذرے کے برابر کیا، جو عمل بھی ضائع نہیں
 ہو گا۔ بلکہ انسان اپنا ہر اچھا یا بُرا عمل قیامت کے دن دیکھ لے گا، یہاں بھی فرمایا، کہ جو کچھ تم
 اعمال کے ذریعے اگے بھجوا گئے، يَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ، اُسے اللہ کے ہاں پا لو گے۔ ہر چیز
 کا نتیجہ سامنے آجئے گا۔ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ، اللہ تعالیٰ تمہارے ہر فعل کو
 دیکھ رہا ہے۔ کوئی چیز اس کی نظروں سے مخفی نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے، کہ تم کوئی کام کس
 نیت اور ارادے سے انجام دے رہے ہو۔

البقرة

(آیت ۱۱۲ تا ۱۱۳)

لَقَدْ

درس چل چلا

وَقَالُوا لَوْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تِلْكَ
 آيَاتُهُمْ قُلْ مَا تَأْتِيكُمْ بِهِمْ إِلَّا أَنْ كُنْتُمْ مَدْفُونًا ۖ بَلَىٰ
 مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ رَهُوَ حَسْبٌ فَلَهُ أَجْرٌ عِنْدَ رَبِّهِ
 وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١١٢﴾

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ ہرگز نہ داخل ہرگاہ جنت میں ہو وہ جو یہودی ہو یا
 نصرانی ہو یہ ان کی خواہشات ہیں۔ اے پیغمبر! کہہ دیجئے، لاؤ اپنی دلیل اگر تم مجھے ہو
 ﴿۱۱۲﴾ کیوں نہیں۔ جس نے اپنی ذات کو اللہ کے سامنے جھکا دیا، اور وہ نیک کام
 کرنے والا ہو۔ پس اس کے لیے اس کے رب کے ہاں بدلہ ہے یعنی لوگوں پر
 زحمت ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿۱۱۳﴾

اہل کتاب کی خرابیوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ وہ انبیاء علیہم السلام سے فضول سوال کرتے
 تھے۔ ”پھر ان سے اختلاف بھی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو ان کی روش سے
 منع فرمایا۔ کہ تم یہودیوں والے کام نہ کرنا۔ اور ان کے ہکا دے میں اگر دین میں شک نہ کرنے
 لگنا۔ وہ تو چاہتے ہیں کہ اہل ایمان پھر کفر کی طرف پلٹ آئیں۔ اہل کتاب عاصد ہیں۔ اسی بنا
 پر وہ انبیاء علیہم السلام پر پتہ چینی کرتے ہیں۔ اور قرآن پاک میں نقص نکالتے ہیں۔ تاکہ مسلمان
 اپنے دین سے ہلکتے ہو جائیں۔ الخ من! بنی اسرائیل کی یہ خرابیاں یہ سببتی لاسواؤ میل
 اذکموا وھضی الہی سے لے کر لگے رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی کلمت
 اور عاز کعبہ کے ذکر تک پہنچی گئی ہیں۔ ساتھ ساتھ اہل ایمان کو ان خرابیوں سے بچنے کی تلقین کی
 جا رہی ہے۔

یہودی نصرانی
 اہل کتاب میں یہودی اور نصرانی دونوں فرقے پائے جاتے ہیں۔ یہودیوں کی نسبت
 حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے، اور وہ اپنے آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور توراہ کی

ظرف منسوب کرتے ہیں۔ بحر حقیقت یہ ہے۔ کہ نہ ان کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کامل ایمان ہے اور نہ توفہ کو اللہ تعالیٰ کی کتاب تسلیم کرتے ہیں۔ انہوں نے کتاب اللہ میں تحریف کر کے اس کا علیحدہ بجھا دیا۔ اس بات کا تذکرہ گذشتہ دروس میں آچکا ہے۔ آج کل یہودیوں کو صیہون بھی کہا جاتا ہے۔ صیہون ایک پہاڑ کا نام ہے۔ جو بیت المقدس کے قریب واقع ہے۔ ان نسبت سے انہیں صیہونی کہتے ہیں۔

نصاری اپنی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کی طرف کرتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی بستی کا نام ناصروتی۔ جن کی وجہ سے یہ لوگ نصاریٰ کہلاتے ہیں۔ تاہم مسلمان مغربین کو یہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک موقع پر کہا تھا مَنْ أَنْصَارِي فَإِنَّ اللَّهَ يَعْنِي اللَّهُ کے راستے میں میری کون مدد کرے گا۔ تو تاریوں نے کہا تھا بَخْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ بِمِثْلِهِ کے دین کی مدد کرنے والے ہیں۔ اس لحاظ سے انہیں نصاریٰ کہا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نصاریٰ نہ تو اللہ کے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں۔ اور نہ انجیل پر ایمان ہے۔ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو عبد اللہ (اللہ کا بندہ) کہنے کی بجائے ابن اللہ (اللہ کا بیٹا) کہا۔ بعض تین خداؤں میں انہیں تیسرا کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کر گیا تھا۔ سورۃ مائدہ میں وضاحت موجود ہے "لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ كَانُوا إِذْ أَخْبَرُوا أَنَّهُ هُوَ الْمَسِيحُ" یعنی وہ لوگ کافر ہو گئے۔ نبیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہی مسیح ہے جو جنوں میں تیسرا ہے۔ وہ قطعی طور پر ملعون ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنے والے بھی کلمہ کفر ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اولاد سے پاک ہے "سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰی عَمَّا يُشْرِكُونَ" اللہ تعالیٰ ایسی تمام شرکیہ چیزوں سے منزہ ہے۔ نصاریوں نے انجیل کو بھی تحریف کے ذریعے بجھا دیا ہے۔ اب ایک کی بجائے ایک سو پچیس انجیلیں بن چکی ہیں۔ عام مشورہ یا انجیلیں جنی یوحنا۔ متی۔ رقا اور مرقس تو انجیل کے ساتھ منسلک ہیں۔ اس کے علاوہ ایک پانچویں انجیل برناباس بھی ہر جگہ دستیاب ہے

اصلاً بخیل سرانی زبان میں نازل ہوئی تھی بخیل نضرانوں نے اس کے ترجمہ کر کے اصل متن کو باطل ضائع ہی کر دیا ہے۔ اس کے الفاظ نمک اپنی حالت پر قائم نہیں ہے۔

نجات کا دروازہ

الْفَرْضُ اِذْ وَدَّ الْغَضَائِي دَوْرُوں غزوں کا یہ عقیدہ دروغی تھا کہ وَفَا لَوْ اَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ اَلَا مَبْنٰى كَانَ هُوَ اَوْ لَصَرِيٍّ يَمْنٰى صرف زود ہی اور نفع الہی جنت میں جائیں گے باقی سب کے لیے جنت کے دروازے بند ہیں۔ وہاں کوئی نہیں جاسکتا۔ اور پھر لطف کی بات یہ ہے کہ ہر دو فرقہ آپس میں بھی متعلق نہیں تھے۔ بلکہ یہودی کہتے تھے کہ جزیہ دہی ہو گا۔ وہ جنتی ہے۔ اور نصاریٰ کہتے تھے جو ساری یارنی کا ممبر ہے۔ صرف وہی جنتی ہے۔ اس کے علاوہ جنت براہ کسی کا حق نہیں ہے۔ اسی دعوے کے جواب میں اللہ جل شانہ نے فرمایا۔ وَلَنْ اَكْفِيَهُمْ شَيْءًا ان کی جمل خواہشات ہیں۔ مگر نہ اس دعوے کی حقیقت کچھ بھی نہیں گویا انہوں نے اپنی خواہشات کو عقیدے کا درجہ دے دیا۔ پہلے کسی درس میں بیان ہو چکا ہے کہ جب امت کا علم عمل کا رشتہ یا مقبصر سے کٹ جاتا ہے۔ تو امت کی خواہشات عقیدہ بن جاتی ہیں۔ اس سے پہلے یہودیوں کے ایک اور باطل عقیدے کا بھی ذکر اچھا ہے۔ کہ کوئی اسرائیلی دوزخ میں نہیں جائے گا۔ اگر بالفرض وہ بھی گیا تو صرف اتنے ایام کے لیے جائے گا۔ جتنے دنوں ان کے آباؤ اجداد نے بکھرے کی پوجا کی تھی۔ وہاں پر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس باطل عقیدے کو اسخ کیا تھا۔ اور پوچھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس نبی پر وحی کی تھی۔ کہ اسرائیلی پوجا میں کرتے پھر میں۔ وہ چند دن سے زیادہ دوزخ میں نہیں رہیں گے تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے

اس مقام پر بھی اللہ تعالیٰ نے وہی بات دہرائی ہے۔ نبی علیہ السلام کو ارشاد ہوتا ہے قُلْ اَيُّكُمْ اَنْ يَكْفِيَهُمْ هَا تَوَكَّبُ هَا تَكْمُلُوْنَ كُنْتُمْ مَسِدَقِيْنَ اگر تم اس دعوے میں پکے ہو تو کوئی دلیل رہے۔ براہان دلیل یا سند کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع براہین آتی ہے۔ اور دلیل بھی ایسی ہونی چاہیے۔ جسے سمجھ العقل آدمی تسلیم کرے۔ دعویٰ کسی بھی قسم کا ہو۔ جب تک اس کے پیچھے دلیل نہیں ہوگی۔ وہ باطل سمجھا جائے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے متعلق کہ لَا يُؤْتِيهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ فَانْصَحُوا

عَشَدِّ كَرِيْمٌ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ پس ان کا حساب ان کے رب کے پاس
 جا کر ہی ہوگا۔ ایسے لوگوں کے پاس ذکر کی عقل دلیل ہوتی ہے اور عقلی دلیل دنیا و دوسے
 زیادہ یہ لوگ رواج کو بطور دلیل پیش کر بات کرتے ہیں۔ یا وہ جہاد یوں کرتے ہیں کہ ہماری
 قوم کا یہ رواج تھا۔ ہم سے عہدے والے اس بات کو پھانٹتے تھے۔ پر ملاوٹ اس کے نوچیر کے
 ہزاروں کر وڑوں دلائل آپ کے مشاہدے کے لیے موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرید، کہ یود ولف، ری کا دعویٰ نجات غلط ہے۔ یہ محض مخصوص فرقہ
 کی بنیاد پر جنت میں نہیں جا سکتے۔ نجات کا یہ قانون ہرگز نہیں ہے۔

فریاد بکلی ٹکریں نہیں یہ ثابت ایک باب ہے۔ اور یہ اپنے سے پہلی بات کی نفی کرتا ہے۔
 اپنے دعویٰ میں۔ یود ولف، ری کے سوا نجات میں کوئی نہیں داخل ہوگا۔ فرید کیوں نہیں ہوگا۔
 بلکہ جنت میں داخل ہوگا۔ بلکہ وہ مَنْ اسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰہِ جس نے اپنے چہرے کو
 اللہ تعالیٰ کے تاج کر دیا۔ ذکر چہرے کہے مگر مراد اس سے ذات ہے۔ کہ جس شخص نے
 اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں دے دیا۔ وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا۔ وَجْهَهُ
 کا یہ معنی دوسرے بقدر پر بھی آتا ہے جیسے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهُ ہر چیز فنا
 ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا۔ ذات خداوندی۔ فَيَوْمَئِذٍ قَامَ۔ وہ قائم۔ انہی
 اور اہم کی ہے۔ اس کے علاوہ ہر چیز کا فعل فنا ہی ہے۔ یا اَسْمُهُ فنا ہو جائے گی۔
 قائم اور دائم ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔

مَنْ اسْلَمَ جس نے تابع کر دیا۔ اسلام کا معنی منقاد ہو جانا یا تابع ہونا۔ آگے
 آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام کو فرمایا اسْلِمُوا
 یعنی طبع ہو جاؤ۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا اسْلَمْتُ لِلّٰہِ الْعَلِیْمِ میں ظاہر
 ہر طریقے سے اللہ رب العالمین کا فرمانبردار ہوں۔ یعنی میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے
 لیے سر مل رہا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے وعدے کو سچ کر دکھایا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔
 میں سے تہمت کر کے قلعیدار ہے ہمارا آپ نے تعمیل کی۔ اللہ تعالیٰ نے کہا فَاذْكُرْ
 تعمیر کرو۔ ہر سچ علیہ السلام نے یہ عرض کیا۔ حاضر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا یٰٰہِیْ پچھلے کو دین

چوڑود۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسے ہی کیا۔ مگر یا انہوں نے اسلَٰمَتُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ
میں نے جو اقرار کیا تھا اسے حرف بحرف پورا کر دکھایا۔

نیک نیتی

فرمایا جنت میں جانے کا معیار یہ ہے۔ اَمَّا سَلَامٌ یٰعِیْنَ جِوَاللّٰہِ تَعَالٰی کَا یَطِیْعُ بِرِکَا یَقْصِدُ
یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی تعمیل میں کمر بستہ ہو جائے۔ اس کا اعتقاد درست ہو جائے۔ اس
کی فکر پاک ہو جائے۔ اس کا ایمان مکمل ہو جائے جس کا حلق نیت اور محبت سے ہے۔ ایمان
کا تعلق چوتھ باطن سے ہے۔ اس لیے سب سے پہلے انسان کی باطنی عظمت کی ضرورت ہے
اس کے قلب و روح میں اللہ تعالیٰ کی راضیت سرایت کر جائے۔ یہ اس کی ذات میں کوئی
شریک ہے۔ اور نہ اس کی صفات میں کوئی شریک ہے۔ اگر بدل کے کسی گوشے میں شریک کا
معمولی سا شائبہ بھی ہو تو سب تو ایسا شخص مرنہ نہیں ہو سکتا۔ وہ شریک ہے یا منافق ہے یا شک
کرنے والا ہے۔ بخاری اور مسلم شریف کی حدیث ہے۔ مَسْجُودٌ عَلَی السَّلَامِ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ
كَیْبُطْرُ اِلٰی صَوْرَتِکُمْ وَ اَلْوَانِیَکُمْ وَلَٰكِنْ یُّنْظَرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَ اَعْمَالِیْکُمْ
یعنی اللہ تعالیٰ تمام انسانوں اور جنوں کو نہیں دیکھتا۔ بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے
کسی شخص کے اعمال کا ذرہ برابر اس کی نیت پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ قَاذِبُوْا
اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لِّہٖ الدِّیْنَ۔ اللہ کو پھارو۔ نہ اس شخص کی اطاعت کرنے والے ہی جاؤ۔
حدیث شریف میں ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ اعمال اپنے باطن کو درست کر دو۔
جنت میں دانے کے لیے یہ اولین شرط ہے۔

اہم زدی نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا واقعہ بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک
ایماندار آدمی بھوک میں مبتلا تھا۔ سفر پر جا رہا تھا۔ راستے میں ریت کے بڑے بڑے ٹیلے نظر
آئے۔ اُس نے کہا۔ کاش میرے پاس ریت کے ان ٹیلوں کے برابر نانج ہو تا۔ تو جس سب
بھوکوں میں تشہیر کر دیتا۔ چوتھ خود اس وقت بھوک تھا۔ اُسے بھوک کی تحفیل محسوس ہوئی تو اس
نے دست بھوکوں کو خیال میں لاتے ہوئے یہ بات کی۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بات پسند

آئی۔ چنانچہ اس وقت کے نبی پر اتنی بھیجی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے تیری اس ناصیبت کو قبول کر کے تجھے ریت کے ٹیلوں کے برابر غلامتیم کرنے کا ثواب عطا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تیرا یہ صدقہ قبول کر لیا ہے۔ جیسی تہذیب انچی نیست مٹی۔ ہم نے ویسا ہی اپنا اجر عطا کیا ہے جنت میں دانے کا جو اصول اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا۔ اس کا پہلا جز یہ تھا کہ داخلے کا خواہشمند شخص اللہ تعالیٰ کا مطیع ہو۔ اس کا دوسرا جز یہ یہ تھا کہ وہ خوشحال ہو اور وہ غریب ہو کر نہ والا ہو۔ مقصد یہ کہ جنت میں داخلہ کسی فرقہ یا جماعت کی بنیاد پر نہیں ہو گا۔ کہ وہ یہودی ہو یا عیسائی کھلاتا ہو۔ بلکہ نجات کا قانون اس مقام پر یہ فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع ہو۔ اسکی نیست اور ارادہ درست ہو۔ اور اس کا عقیدہ صحیح ہو۔ اور پھر دوسرا جز یہ یہ ہے کہ وہ اعمال صالحہ کرنے والا ہو۔ ایسا شخص یقیناً جنت کا حقدار ہو گا۔ اور اس کو نجات حاصل ہو جائے گی۔

اعمال صالحہ

فرقہ بندی
در بوجہ نجات نیست

حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ یاد رکھو نجات کا بار و بار اکابر پر ہے۔ نہ کہ انبیا پر۔ نسب کے لحاظ سے کوئی کہنے ہی اپنے خاندان سے تعلق رکھتا ہو یا کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتا ہو۔ وہ نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ جب تک اس کا باطنی طور پر ایمان اور عقیدہ درست نہ ہو۔ اور ظاہری طور پر اعمال صالحہ انجام دیتا ہو۔ ہمارے ہاں جمی بہت سی فرقہ بندیوں پائی جاتی ہیں۔ بعض جاہل یا کم فہم لوگ کسی خاص فرقے یا گروہ کو نبی نجات یافتہ تصور کرتے ہیں کہ فلاں مسلک والے جنت میں جائیں گے۔ دوسرے نہیں جائیں گے۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی ان میں کہتے لوگ ہیں جو ایک دوسرے کو کھاتہ تعصب رکھتے ہیں۔ بعض حنفی، خاں کے ساتھ یا شافعی، بکچوں کے ساتھ عداوت رکھتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ صرف ہم ہی جنت کے وارث ہیں۔ دوسرے اس میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح سلوک اور تصوف کے سلسلے ہیں۔ جیسے چشتی، قادری، سہروردی، نقشبندی وغیرہ۔ ان میں سے بھی بعض ایک دوسرے کے خلاف عداوت رکھتے ہیں اور جنت کو صرف اپنی وارثت سمجھتے ہیں باقی سب لوگوں کو تنہی خیال کرتے ہیں۔ یہ تو محض فرقہ بندی اختلافات میں بنیادوں پر چاروں مسلک یا سلسلے ہائے تصوف میں کوئی اختلاف نہیں۔

شاہ خیر العزیز فرماتے ہیں: کہ یہ چیزیں فروعات دین میں سے ہیں۔ دین میں ان کی گنجائش موجود ہے۔ مگر اس کی بنا پر دوسرے فرقہ یا گروہ کو جسکی قرار دینا جہالت محض ہے۔ دین میں جتنے مسک اور بٹنے سوک ہیں سب کا مقصد واحد ہے۔ اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اسکی خوشنودی۔ کوئی حنفی بڑا شافعی، یا کسی بڑا حنبلی چشتی ہو یا قادری منزلی مقصد تو سب کی ایک ہی ہے۔ راستے مختلف ہیں۔ طریقہ تعلیم مختلف ہے۔ مگر مقصد تو مختلف نہیں۔ لہذا اپنے آپ کو جہنی اور دوسرے کو جہنی کہنا ذات خود گمراہی کی علامت ہے اس میں اور یہود و نصاریٰ کی گمراہی میں کیا فرق رہ گیا ہے۔ اس غلط فرق بندی نے مسلمانوں کو تباہ کیا ہے۔ فروعات میں اختلاف رائے عین فطری امر ہے۔ اور اس کی گنجائش ہے۔ غور کرنے کی بات ہے۔ کہ روڈاکر یا حکیم ایک ہی قسم کے مریض کے لیے مختلف دوائیں تجویز کرتے ہیں۔ مگر کوئی انہیں کہتا کہ فلاں ڈاکٹر بڑا قوت ہے، اور فلاں حکیم درست ہے، انہیں سب درست ہی مانتے ہیں۔ کیونکہ مقصد سب کا ایک ہی ہے۔ یعنی مریض کی صحت یا یہ مقصد ہے۔ وہ کوئی بھی تجویز کی جا سکتی ہے۔ جو اس کے مناسب حال ہو۔ لہذا دین کے معاملہ میں ایسا تعصب کیوں اختیار کیا جائے۔ کہ فلاں فرقہ ایسا ہے، فلاں اہم ایسا ہے۔ بجائے یہ سب ایک ہی اللہ تعالیٰ کو رہنے والے تو ہیں۔ ان کے متعلق کسی گروہ میں تعصب نہیں ہونا چاہیے۔

اب دیکھئے ملک میں فوجداری قانون رائج ہے۔ کسی ملزم کو ایک جج اسرائے موت دیتا ہے۔ تو دوسرا اسی قانون کے مطابق اُسے بری کر دیتا ہے۔ مگر کبھی کسی نے کسی جج کو غلط نہیں کہا۔ کیونکہ قانون میں مختلف فیصلہ جات کی گنجائش موجود ہے۔ اسی طرح دین کے قانون کو مٹانے والے سائے ہی ہیں۔ خواہ کوئی حنفی بڑا شافعی۔ لہذا ان کے پیروکاروں میں بھی تعصب نہیں آنا چاہیے۔ یہ کہنا کہ فلاں فرقے والے اس طرح نماز پڑھتے ہیں۔ ان کی نماز نہیں، بڑی بدعتی ہیں۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ اور من حیث القوم مسلمانوں کی تباہی کا باعث ہے۔ یہ یہودیت اور نصرانیت ہے۔ قرآن پاک نے اس کی مذمت بیان

فرمانِ سبہ

”فَرَضَ اِلٰی فِرَیاءِ قَانُونِ نَجَاتِ یَسَبَّہْہُ کہ جو شخص مَنَ اسْلَمَ وَجْہُہُ بِلِلّٰہِ وَهُوَ خَیْرٌ جس نے اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے ذبح بنالیا۔ اور وہ نیک کام کرنے والا ہے۔ مجہد حبیب فرماتے ہیں کہ جب اَمْسُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ کا ذکر آتا ہے تو اس سے مراد بڑی بڑی چار عبادتیں ہیں، یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج، اس کے بعد پانچوں درجے میں جہاد آتا ہے۔ علاوہ انہیں ان کے ساتھ دوسری نیکیاں بھی ہیں۔ اس کو یوں بیان فرموا فَمَنْ یُعْمَلْ صِنَ الصَّالِحَاتِ جو کوئی بھی نیک کام کرے گا۔ وَهُوَ مُؤْمِنٌ بشرطیکہ وہ مومن ہو۔ اس کا معنیہ صحیح ہو۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے کسی عمل کی ناکامی نہیں فرمائیں گے۔ پہلے ہر کام کا بدلہ وہ پائے گا۔ ہاں! اگر ایمان ہی مغفود ہے۔ معنیہ صحیح نہیں ہے۔ تو پانچوں بتنی بڑی بڑی نیکیاں بھی گرو وغبار کی طرح اڑ جائیں گی۔ قیامت کے روز کچھ کام نہ آئیں گی کہ لَا یَقْدِرُوْنَ رَجَا کَسِبُوْا ان کی کھائی میں سے انہیں کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ ان کی نیکیاں گرو وغبار کی طرح اڑ جائیں گی۔ گویا کہ وہ لاکھ کے ذات تھے۔ جو آندھی کے آگے بالکل نہ ٹھہر سکے۔ دوسرے مقام پر آتا ہے۔ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ بڑے بڑے عامل۔ یہاں بتیں اور عقیقے کرنے والے۔ کام کر کے ٹھک جانے والے ہوں گے۔ مگر قیامت کے روز فَصَلٰی نَارَ حَامِیۃً جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ وہ یہ ہے کہ وہ ایمان کی دولت سے محروم تھے۔ سب نیکیاں اینٹوں جیسی ہوں گی۔ ہر حال قانونِ نجات فرقہ بندی نہیں بلکہ اتباعِ مذاہب کی اور اعمالِ صالحہ ہیں۔

فرمایا جس نے اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے تابع کر لیا۔ اور پھر وہ نیکی کرنا لاہن گی فَتَلَدُ اَجْرًا عِنْدَ رَبِّہٖ پس ایسے شخص کے یہ اپنے رب کے ہاں اجر ہے۔ نیکی کا بدلہ اس کو ضرور ملے گا۔ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْہُمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ایسے اشخاص مستقبل میں کسی پریشانی میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ زمان پر کوئی ذلت ہوگا۔ اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ خدا پرست کہ دنیا میں انسان ہر وقت پریشان رہتا ہے۔ کم زکوٰۃ موت کا ڈر، نوٹس ہر وقت دینے رہتا ہے۔ گویا موت ہر وقت اس کے پیش نظر ہے۔ پھر دولت، مدد صحت کا خوف مصلحت رہتا ہے۔ پتا

نہیں یہ موت سانسے پاس نہ ہے گی یا نہیں۔ پتا نہیں کل کو صحت بھی برقرار رہ سکے گی یا نہیں۔ تو اس قسم کے خوف انسان کے ہمیشہ دامن گیر رہتے ہیں۔ مگر جن کا عقیدہ صحیح ہوگا۔ جو اعمال اچھے کرنے والے ہوں گے۔ وہ ان تمام پریشانیوں سے محفوظ رہیں گے۔ انہیں نہ پینے ہاضمی پر افسوس ہوگا اور نہ انہیں مستقبل کا کوئی خدشہ ہوگا۔ برخلاف اس کے جنہوں نے کوئی نیکائی نہیں کی۔ نہ مذہبی کی پونجی کو ضائع کر دیا۔ وہ افسوس کریں گے۔ کہ ہم نے کتنی کوتاہی کی۔ اللہ تعالیٰ نے مصلحت دی تھی۔ مگر ہم نے اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ نہ عقیدہ درست کیا اور نہ نیکی کا کوئی کام کیا۔ ایمان سے محروم ہے۔ ایسے لوگ خوف اور پریشانی میں مبتلا ہوں گے۔ اور پینے کے پیر ہمیشہ افسوس کرتے رہیں گے۔

البقرة

رأيت ۱۱۳ آیت

آلہ

درس چل رہا ہے

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصْرَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصْرَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ
عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ
مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا
كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْكِدَ اللَّهِ أَنْ
يُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ
أَنْ يَدْخُلُوهَا وَلَا يَخْرُجُوا مِنْهَا لَمْ يَكُنْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ
فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ
فَإِنَّمَا لَوْلَا فَتَمَّ وَجْهُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۱۵﴾

توجہ دے یہودیوں نے کہا نصاریٰ کسی چیز پر نہیں ہیں۔ اور نصاریٰ نے کہا کہ
یہودی کسی چیز پر نہیں ہیں یعنی ان کا دین صحیح نہیں ہے، حالانکہ یہ کتاب پڑھتے ہیں
اسی طریقے سے اہل لوگوں کی جو جانتے نہیں (جابل ہیں) ان جیسی بات پس اللہ تعالیٰ
ان کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کرے گا۔ ان باتوں میں جن میں وہ اختلاف
کرتے ہیں ﴿۱۱۳﴾ اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہے۔ جو اللہ کی مسجدوں
سے منع کرتا ہے۔ کہ ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے۔ اور ان کی بربادی میں کوشش
کرتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں۔ کہ نہیں ہے ان کے لیے کہ داخل ہوں۔ ان
گھر میں مگر ڈرتے ہوئے۔ ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں سوائی ہے۔ اور ان
کے لیے آخرت میں عذاب عظیم ہے ﴿۱۱۴﴾ اللہ ہی کے لیے ہیں مشرق اور مغرب
ہیں ہر جہی تم مذکورہ۔ اور اللہ تعالیٰ کی توجہ ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ وسعت والا
ہر سب کچھ جانتے والا ہے۔ ﴿۱۱۵﴾

یہودیوں نصاریٰ
آپ نے دیکھے

یہودیوں اور نصاریٰ کی مسجد اہل لوگوں میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ ایک گروہ

دوسرے کو باطل قرار دیتا ہے۔ اور اپنے آپ کو راہِ راست پر سمجھتا ہے۔ پھر اگر وہ مشرکین کا ہے جو یہود و نصاریٰ دونوں کو باطل کہہ کر اپنے آپ کو صحیح العقیدہ سمجھتا ہے، تو گویا یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کا ابطال کرتے ہیں۔ ان آیات میں اسی چیز کو بیان کیا گیا ہے: وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ نصرانی کسی چیز پر نہیں ہیں وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی کسی چیز پر نہیں ہیں۔ یعنی ان کا دین سچا نہیں ہے۔ اس طرح جب یہ اکٹھے ہوتے ہیں تو آپس میں دست و گریبان ہوتے ہیں۔ یہودیوں کا اعتراض یہ ہے کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا قائل کیا۔ یہ کہہ کر کفر کیا۔ اور عیسائیوں کا نظریہ یہ ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو یہودیوں نے نہ صرف ان کا انکار کیا بلکہ انجیل کو تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ لہذا یہ گمراہ ہوئے۔ فرمایا: فَوَلَّىٰ دُونًا فرمے ایک دوسرے پر الزام تراشی کرتے ہیں۔ وَهُمْ يَسْتَكْبِرُونَ الکیتب مالاخر یہ دونوں گروہ ہی اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی توراہ اور انجیل کی تلاوت کرتے ہیں۔ اس کے باوجود ان میں اس قدر اختلاف پایا جاتا ہے۔

کیتب کا یہ
برحق ہیں

حقیقت یہ ہے کہ توراہ، انجیل، زبور، قرآن پاک اور دیگر صحائف سب کے سب برحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اصل دین اپنی کتب کے ذریعے نازل فرمایا۔ مگر ان پنجوں نے تحریف کر کے دین کو مسخ کر دیا تاہم اصل دین ان کی کتابوں میں اب بھی موجود ہے جنہیں یہ پڑھتے ہیں۔ لہذا کسی کتاب کا بالکل انکار کر دینا کہ اس میں کچھ بھی نہیں۔ النصف کے خلاف ہے۔ اور اہل کتاب کی بہت دھرمی کی دلیل ہے۔ ہاں یہ ٹکڑے تھے ہیں کہ یہودیوں کا اصل دین تو ٹھیک تھا، مگر انہوں نے خرابیاں پیدا کر دیں۔ یا نصاریٰ کا دین اور کتب بہت سب مگر ان کی تحریفات نے اسے کچھ اور بنا دیا ہے۔ ایک دوسرے نہ سب کو بالکل میں باطل قرار دینا درست نہیں۔

جب قرآن پاک نازل ہوا تو اس نے توراہ اور انجیل کی تصدیق کی کہ یہ دونوں آسمانی کتابیں ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ اس کے علاوہ تمام صحیفہ مادیہ یعنی جو تصدیق کی۔ البتہ قرآن پاک نے ان مقامات کی ضرورت ظاہر ہی کی۔ جہاں جہاں سے یہ لوگ جھٹکتے ہیں

حضرت سلیمان علیہ السلام
ہو الزام تراشی

اور جہاں جہاں انہوں نے کُتُب میں تحریک کی ہے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ یوودیوں نے حضرت
 سیمان علیہ السلام کی طرف کفر کا کلمہ فُروغ کیا۔ اور کہ کہ اُن کی عظمت کو برپا قائم تھی۔ لہذا ہم بھی
 ان کی سنت پر عمل کرتے ہوئے کفر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دعوے کی تردید کرتے ہوئے
 فرمایا: **وَمَا كُفْرُكُمْ لِيُمْسِكُنَّ** یعنی یمن علیہ السلام نے بار و بار کے کفر کا ارتکاب نہیں کیا۔ بلکہ انہوں
 نے خود کفر کا ارتکاب کیا۔ حضرت سیمان علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کے صاحبِ شریعت رسول تھے
 اللہ تعالیٰ نے آپ کو بمثل حکومت عطا کی تھی۔ اُن سے کفر کی لُت راجعہ زنیاس ہے۔ انہوں
 نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی **رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مَلِكًا** اے میرے رب! مجھے ایک بادشاہ عطا فرما۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو
 شرف قبولیت بخشا اور آپ کے لیے ہوا اور جنات کو کفر کر دیا۔ مگر ان ظالموں نے سمجھا کہ یہ جادو
 کا اثر ہے۔ **العیاذ باللہ**۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُو مشرکین کا حال بھی یہود و نصاریٰ سے کم نہیں۔ **كَذٰلِكَ**
قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ عرب کے مشرکین بھی وہی بات
 کرتے ہیں۔ جو اہل کتاب نے کی۔ یہ کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ حق پر ہیں اور نہ مسلمان۔
 حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ کچھ بھی نہیں جانتے۔ یہ تو جابلِ علق میں۔ نہ ان کے پاس
 کوئی کتاب ہے جس سے یہ رہنمائی حاصل کر سکیں۔ اور نہ ہی دو ہزار سال کے عرصہ میں ان
 کے پاس کوئی نبی آیا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جدِ ابراہیمؑ کو دو ہزار سال تک عرب
 حجاز میں رہا اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے دین یہ قائم ہے۔ اس کے بعد ان میں نبیؑ
 پیدا ہونا شروع ہوا۔ اور پھر اہلِ اوقات بھی آیا کہ سب کے سب شرک کی طرف مائل ہو گئے۔
 ہزاروں میں سے کوئی اکا دکا ہی موجدِ حق تھا۔ ورنہ مبدیٰ دین سے ہٹ پڑتے۔

الغرض! یہود و نصاریٰ اور مشرکین تینوں گروہوں نے ایک دوسرے کی تکذیب کی۔
 اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کچھ چاہتے تھے وہ کرتے رہیں۔ **قَالَ اللّٰهُ يَخْذَكُمۡ يٰۤاَيُّهَا**
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ کہ کون حق
 پر ہے۔ اور کون اصل دین سے چمڑ چکا ہے۔ ان کا فیصلہ ہر اس معاملہ میں ہو جائے گا۔

اَتَكْتَرُ عَلَيْكَ الْخُصُومَةَ مُحَمَّرَاتٍ! قیامت کو ہمارا اور ان کا جھگڑا دوبارہ تکرار ہو گا۔
فرمایا: ہاں! جن تنازعات کا فیصلہ دنیا میں نہیں ہوا۔ ان کا فیصلہ رب العزت کی بارگاہ میں
خود ہو گا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا: یہ قینوں فرقتے یعنی یہود، نصاریٰ اور مشرک جو ایک دوسرے
کو گمراہ کہتے ہیں۔ یہ خود سائے کے سائے گمراہ ہیں۔ یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو لٹنے
سے نہ صرف انکار کیا بلکہ انہیں دجال کہا۔ اور جب قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام
دوبارہ دنیا میں نزول فرمائیں گے۔ تو اصفہان کے ستر ہزار یہودی جن میں ان کے بڑے بڑے
ملازم بھی ہوں گے۔ اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے کی بجائے دجال کے پیچھے لگیں گے۔ اور اس
کو مسیح بھیجیں گے۔ یہی لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کو (العیاذ باللہ) دجال سمجھ کر انہیں سولی پر
ٹانگنے کیلئے لے گئے۔ ان کچھ نکتوں کا یہ حال ہے۔

جب حضور علیہ السلام ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ تو سولہ ہاشمہ ماہ مکہ بیت المقدس
کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے رہے بمقصد یہود کی دلجوئی تھی۔ تاکہ وہ مسلمانوں کے قریب ہوں
اور دین کی طرف راغب ہو سکیں۔ بخوبی قبلہ کی آیات قرآن پاک کے دوست پروردگار کی ابتداء سے
تشریع ہوتی ہیں۔ مگر اس معاملے میں بھی یہودیوں نے بہت دھرمی کا ثبوت دیا۔ اپنے تعصب
میں مبتلا بنے۔ اور مسلمانوں کے قریب نہ آئے۔ چونکہ حضور علیہ السلام کی دلی خواہش یہی تھی کہ
مسلمانوں کے لیے بیت اللہ قبلہ قرار ہو۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت میں توحید قبلہ کا حکم
دے دیا۔ کہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں۔ بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز ادا کریں۔ اسی
طرح یہودی اپنی ضد اور عناد کی وجہ سے اسلام سے اور دور ہو گئے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے ان بڑائیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ اس قدر
عنادی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو عبادت کرنے سے بھی روکتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي

لِغْوَائِهِمَا اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے۔ جو اللہ کی مسجدوں میں اس کا
نام لینے سے روکتا ہے اور ان کی بربادی کی کوشش کرتا ہے۔ حضرت مولانا شبیر الرحمن

فرماتے ہیں کہ اس آیت کے مصداق نصاریٰ ہیں جنہوں نے یسوع کا مقابلہ کر کے توراۃ کو جلا دیا تھا۔ اور بیت المقدس کو ویران کیا تھا۔ یہ آیت مشرکین کلمہ پر بھی صادق آتی ہے۔ جنہوں نے مسلمانوں کو حدِ حبیہ کے مقام پر روک دیا تھا۔ اور حرمِ پاک میں عمرہ ادا نہیں کرنے دیا تھا۔ حالانکہ مسلمان محض عمرے کی ادائیگی کے لیے آئے تھے۔ ان کا لڑائی کرنا ارادہ نہیں تھا۔ یہ تو اس وقت کے واقعات ہیں۔ یہ آیت آج بھی اُسی طرح نافذ ہے۔ جس طرح یہ پٹنے نزول کے وقت تھی آج بھی جو کوئی اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے روکتا ہے۔ مسجد کی بربادی کا عہد بنتا ہے۔ وہ اس آیت کی رو سے بہت بڑا ظالم ہے۔

یسوی اور نصرانی ہمیشہ ایک دوسرے کو مساجد میں جا کر عبادت کرنے سے روکتے رہے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے۔ کہ جب بھی یسوع کو موقع ملا انہوں نے نصاریٰ کے ساتھ ہی سوک کیا۔ اور جب نصاریٰ کو فخر حاصل ہوا۔ تو ان ظالموں نے بیت المقدس کو اکھاڑ دیا۔ لڑاؤ کو تیز کر دیا۔ اور عبادت خانوں کو برباد کیا۔ مشرکین کہنے لگے بھی مسلمانوں کے ساتھ ایسا ہی سوک کیا۔ مکی زندگی میں حضور علیہ السلام خانہ کعبہ میں نماز ادا نہیں کر سکتے تھے۔ مشرکین مسلمانوں کو سخت ازیتیں دیتے تھے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی پٹائی کا ذکر بخاری شریف میں موجود ہے۔ ابو جہل کی حرکات کا ذکر خود قرآن پاک نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: **اِنَّكَ يَتُوكَ الَّذِي يَنْهَىٰ عَنِ الْعِبَادَةِ** (۱) کیا تم نے اس بد بخت شخص کو دیکھا جو اللہ تعالیٰ کے بندے کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے۔

دوسرے مقام پر جھوٹے دعویٰ نبوت کو بڑا ظالم کہا گیا ہے۔ کہ اُس سے بڑا کون ظالم ہو سکتا ہے۔ جو نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اُس سے بڑا کون ظالم ہے جس کے پاس خدا تعالیٰ کا نبی آئے۔ ہدایت کی بات پیش کرے اور وہ اس سے انکار کر دے۔ تاہم اس مقدمہ میں غریب کی غریب یہ کی گئی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے گھر میں اس کی مساجد میں عبادت کرنے سے، نماز پڑھنے سے روکتا ہے۔ یہ قرطابری کا لوٹ ہے۔ کہ کسی کو عبادت کرنے

سے راک دیا جائے۔ یہ عبادت خانے کی ببادی کے مصداق ہے۔ اس کے علاوہ ایک
باطنی مہابادی بھی ہے۔ کہ وہاں پر غیر اللہ کی پرستش کی جائے۔ عبادت کو لازم فرمادیا۔ ایسا کرنے
سے نظامِ تر عبادت خانہ آباد ہوگا۔ مگر باطنی طور پر مذہبیت سے خالی ہوگا اور باطنی غرائز سے
سودا ج میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عبادت خانہ بدو کا بڑا اندھا، ایسا کیسی اور کھانا سے
مگراتے کا حکم نہیں ہے۔ مسلمانوں کی مسجد کا بھی یہ حکم ہے۔ ان کو مگراتے۔ ان کی بے حرمتی کرنے
کی اجازت نہیں دی گئی۔ مگر دیکھ لیجئے ۱۵۴۷ء میں تعمیر ہونے سے وقت کیا کچھ ہوا۔ مشرقی پنجاب
میں پچاس ہزار مساجد کی بجائے تھیں۔ ہندوؤں اور سکھوں سے کیا توقع کی جا سکتی تھی۔ دوسری پنجاب
میں بھی یہی کچھ ہوا۔ کتنے کتنے جنس تباہ و برباد کر دیا گیا۔ دونوں فریقوں نے غلط کام کیا۔
عبادت خانے خواہ کسی سے متعلق ہوں۔ ان کی بجزئی نہیں ہونی چاہیئے۔

ظہور اسلام کے وقت جرّاء قبائلِ مشرک سے نائب سرزاریان کی دولت کے ذریعہ
ہوئے۔ انہوں نے اپنے مندر اور بت خانے کو گرائیے تھے۔ اور وہاں پر تعمیر کی تعمیر کی تھیں۔ انہوں
نے تہذیب و آداب سے کھینچ کر ان لوگوں نے اپنے حق تعمیر بردہ معاہدہ کی مگر سب سے تعمیر کر لیں۔ عبادت خانے
کی جگہ عبادت خانہ ہی تعمیر ہوا۔ تاہم مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانے میں بھی غیر مسلم اقوام کی
عبادت گاہوں کو نقصان نہیں پہنچایا۔ محمد بن قاسم جب سندھ پر حملہ آور ہوا۔ تو ہندوؤں کے بعض
ہندوؤں کو نقصان پہنچا تھا۔ مسلمانوں نے خواہ اس نقصان کی نفی کی۔ و نقصان زدہ نہ۔ وہ کہ
دوبارہ تعمیر کر دیا۔ کیونکہ کسی کے عبادت خانے کو مگراتے کا حکم ہرگز نہیں ہے۔

البتہ سلطان محمود غزنوی نے سومات کے مندر کو خرابی آئی۔ چنانچہ کہہ نہیں کیا تھا۔ وقتی طور
پر وہاں مسجد بھی بنائی۔ مگر وہ دیر پا ثابت نہ ہوئی۔ ایک ہزار سال کے بعد ہندوؤں نے پھر وہاں
پر مندر تعمیر کیا۔ راجہ پرشاد نے سو لاکھ روپے کے عوض کابل سے مندر کا گیسٹ بھی واپس بخواتم
اُسی جگہ نصب کیا۔ جس سے اکتا ڈاگ تھا۔ ظاہر ہے کہ غلط کام نہ ہو کہ کسی صحیح نہیں ہو سکتا۔
تو کہوں نے بھی اپنے دور میں اباصوفیہ کا حکم جاکر اگر وہاں مسجد تعمیر کر لی۔ جب اخیر

کو وہاں غلبہ حاصل ہوا۔ تو وہاں زیرِ جانا۔ اب جیتھتے ہیں کہ ہماری مسجد بھی۔ بہت بڑی لاہوری
تھی۔ جو صنایع ہوگی مگر جس طرح تم نے کیا۔ اسی طرح کا جواب انہوں نے دیا۔ اب جیتھتے
چلانے کا کیا مطلب۔ وہاں اگر حیاتی خود شلمان ہو کر اپنے مگر جا کو مسجد میں تبدیل کر دیں۔ تو وہ
جائز ہے۔ مگر کسی کے عبادت خانے کو زبردستی گزانا باطل نہ سب ہے۔

مسجد کے کتب

جس طرح مسجد کا ظاہری طور پاک صاف رکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح مسجد کو باطنی خرابی
سے محفوظ رکھنا بھی اہل اسلام کی ذمہ داری ہے۔ ————— باطنی خرابی یہ ہے کہ مسجد کو اس
کے اصل مقصد کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کے لیے استعمال کیا جائے۔ مسجد عبادت خانہ ہے اس
نماز، تلاوت، ذکر واذکار ہونا چاہیے۔ نہ کہ دنیا کے دوسرے کاروبار۔ اسی لیے حضور علیہ السلام
نے مسجد میں حد قائم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ مسجد میں کسی مقصد سے کا فیصلہ تو ہو سکتا ہے۔ مگر لازم
کو سزا سنیں دی جا سکتی۔ کہ اس سے مسجد کی عجز برتی ہوتی ہے۔ مسجد میں لڑائی جھگڑا کرنا، فحش کلامی۔
گالی گلوچ کرنا، گندہ لگی پھینک، تجارت یا لین دین کرنا۔ یہ سب مسجد کے آداب کے خلاف ہے
حضور علیہ السلام نے گندہ چیز کا مسجد میں اعلان کرنے سے منع فرمایا۔ بلکہ فرمایا کہ جو شخص مسجد میں
گندہ لگی کا اعلان کرے۔ اس کے حق میں یوں دعا کرو۔ کہ اللہ تعالیٰ تیری تیز تکتے والیں ٹوٹائے۔
تو نے آداب مسجد کا خیال نہیں رکھا۔ اسی طرح فرمایا۔ کہ مسجد میں تجارت کرنے والے کے حق
میں کہو۔ کہ اللہ تعالیٰ تجھے اس تجارت میں نفع نہ دے۔

مسجد میں شعر گوئی سے بھی منع کیا گیا ہے۔ ہاں البتہ اگر کوئی اچھی بات کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ
اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتا ہے۔ تو جائز ہے۔ ایسی شعر گوئی حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے صحابی حضرت حسان بن ثابت سے منقول ہے۔ موجودہ زمانے کی طرح مسجد
میں ہر قسم کی شعر گوئی کی اجازت نہیں۔ جن میں عشقیہ غزلیں گائی جاتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے تائیدِ اشعار سے منع فرمایا۔

۱۔ ابو داؤد ص ۲۲۱ ۲۔ ترمذی ص ۴۴ ۳۔ مسلم ص ۲۱۱

۴۔ ترمذی ص ۲۱۱ ۵۔ ترمذی ص ۴۴ ۶۔

مسجد کی بنی ادبی کے بعض دوسرے ذرائع سے بھی نسخ کیا گیا ہے۔ مثلاً ابن ماجہ شریف کی روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ چھوٹے بچوں یا کسی پاگل کو مسجد میں نہ آنے دو۔ وہ مسجد کی عمر مٹی کا باعث بن سکتے ہیں۔ چھوٹے بچے یا نابالغ و غیر ذکاوت کا وہ ابھی شورش نہیں کھتے ان جب بچہ پانچ سات سال کا ہو جائے تو مسجد میں آ سکتا ہے۔

الغرض! فرمایا اس شخص سے زیادہ کرن ظالم ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی مسجد میں اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے منع کرتا ہے۔ اور مسجدوں کی بربادی کے لیے کوشش کرتا ہے۔ فرمایا وَاللّٰہُ
مَا کَانَ لَکُمْ اَنْ تَسْبُحُوْا اِلَّا مَا یَفِیْنُہٗ اَنْ لَّوْکُمْ اَصْلٌ مِّنْ حَقِّہِیْ میں حق ہی نہیں ہے
 کہ وہ مسجدوں میں داخل ہوں بزرگوں کی تے ہوتے۔ یعنی کفار اس لائق ہی نہیں کہ مسجدوں میں داخل ہوں۔ سوائے اس کے کہ وہ غیر ذرا ہوں۔

اَلَا حَافِیْنِ کہ عیب یہ بھی ہے کہ مسجد میں شتم و خضوع کے علاوہ کوئی خضوع و خضوع بات نہیں کرنی چاہیے۔ اور کوئی مذکر اقامت کی نشانیوں میں سے بتایا گیا ہے۔ مسجد میں جمع و پیکار اور ایسی ایسی دنیوی باتیں کرنے کی ممانعت ہے۔ حضور طہ السلام کا ارشاد گرامی ہے اِذَا مَسَرَّکُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعَوْا جب تم جنت کے باغوں میں جاؤ۔ تو وہاں چڑچڑکے یا کرو۔ صحابہ نے عرض کیا حضور! اس سے کیا مراد ہے۔ فرمایا جب تم مسجد میں جاؤ تو وہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو۔ اس کی تسبیح و تہلیل بیان کرو۔ تلاوت کرو۔ درود پاک کا ورد کرو۔ متکلف ہو کر خاموشی سے بیٹھو۔ اگر اعتکاف کی نیت کر کے بالکل خاموشی میں بیٹھے گا۔ تو بہر کی باتوں اور کئی گنا ہوں سے بچے گا۔ اور اللہ تعالیٰ سے اجر بھی پائے گا۔ مگر لوگ اکثر ایسا نہیں کرتے۔ مسجد میں فضول کہیں مارتے ہیں۔ خضوع و خضوع سے غروم ہتے ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا۔ جب خضوع و خضوع اٹھ جائے گا۔ آپ ایک بڑی مسجد میں داخل ہوں گے۔ وہاں پانچو آدمی موجود ہوں گے۔ مگر ان میں ایک

بھی ایسے ہیں ہو گا جس کے چہرے پر شوع و عاجزی کے آثار نظر آتے ہوں۔ سب فضول عمر کات میں مصروف ہوں گے۔

فرمایا جو شخص مساجد میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے سے روکا ہے اور مسجد کی برادری چاہتا ہے کہ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے تو کہیں فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ اور ان کے لیے آخرت میں بھی سخت عذاب ہو گا۔ اہل ایمان کو کمہ چھوڑنے کا بڑا دکھ تھا۔ پھر وہ بیت اللہ شریف کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو قتل دی۔ وَاللّٰهُ الْعَشِيقُ وَالْمَغْرِبُ مَشْرِقٌ اور مغرب سب کچھ اللہ ہی کا ہے۔ فَاَيُّكُمْ لَوْ كُنَّا اُمَّةٌ مَّعْرُومَةٌ لَّيُخَذَ مِنْكُمْ وَحَبْهُ اللہ تم اللہ کی توجہ اور ہم ہی پاؤ گے۔ لہذا تم کسی قسم کی گھبراہٹ محسوس نہ کرو بَلَلَّ ہر وقت تمہارے ساتھ ہے۔

استقبال قبل

امتقبال کعبہ کے متعلق حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ سفر کے دوران اذہمیری رات یا طوفان یا دوا باران میں اگر قبلہ کا رخ معلوم نہ ہوتا تو ہر شخص جس طرف رخ ہوتا اسی طرح نماز ادا کر لیتا۔ ترمذی شریف میں آتا ہے کہ ایسا ہی کوئی واقعہ صحابہ کو پیش آیا جب حضور علیہ السلام کو پتا چلا تو یہی آیت تلاوت فرمائی فَاَيُّكُمْ لَوْ كُنَّا اُمَّةٌ مَّعْرُومَةٌ لَّيُخَذَ مِنْكُمْ وَحَبْهُ اللہ یعنی تم نے جس طرف بھی رخ کر کے نماز پڑھی ہے۔ سب کی نماز درست ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے۔ اگر قبلہ کا رخ درست نہیں تھا تب بھی نماز لوٹنے کی ضرورت نہیں۔

جب کوئی آدمی سواری پر سفر کر رہا ہو تو جس طرف بھی وہ جا رہا ہے اسی طرف نفل نماز ادا کر سکتا ہے صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر حضور علیہ السلام سفر پر تھے۔ اگرچہ آپ کا رخ مبارک قبلہ کی طرف نہیں تھا۔ پھر بھی آپ نفل نماز ادا کر لیتے تھے۔ تو ایسے ہی مواقع کے لیے فرمایا کہ تمہارا رخ نہ جھڑ جائے۔ اللہ تعالیٰ اور میری توجہ ہے يَا اَيُّهَا النَّاسُ عَلِمْتُ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى بَرِيٌّ رَّحِيْمٌ اور سب کو جاننے والا ہے۔ وہ ہر شخص کو اس کے حالات کے مطابق بدلہ عطا فرمائے گا۔

الْقَاسِمِ
در چل و شرف

البقرة
(آیت ۱۱۹-۱۱۹)

وَقَالُوا اخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَهُ بَلْ لَهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
كُلُّ لَهِ قٰبِضٌ ۝۱۱۶ بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا فَعَلَى اَمْرٍ
فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهِ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۱۱۷ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَكْفُرُوْنَ كَلٰٓءَ
يَكْلَمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتٰنَا نَبِيًّا اَيُّهُ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
مِثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ قَدْ هَمَّتْ الْاٰنِيْتُ لِقَوْمٍ
يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱۸ اِنَّا اَرْسَلْنَا بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَلَا تُسْئَلُ عَنْ
اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ۝۱۱۹

ترجمہ: اور کہا ان لوگوں نے کہ، اللہ نے بیٹیاں یا، پاک ہے اس کی ذات،
بکہ اسی کے لیے ہے۔ جو چہ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اسی کی اطاعت
کرنے والے ہیں ۝۱۱۶ وہ آسمانوں اور زمین کا وہ ہے اور جب وہ کسی چیز کا
فیصلہ کرتا ہے، تو اُسے اُسے ہے، ہر جا، پس وہ ہو جاتی ہے ۝۱۱۷ اور کہا
ان لوگوں نے جو نہیں جانتے: اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ کیوں نہیں کلام کرتا، یا
ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی، اسی طرح کہا اسی سے پہلے لوگوں نے ان
کی بات کی طرح۔ ان کے دل آپس میں جڑے ہوئے ہیں، تحقیق ہم نے ان لوگوں
کے لیے آیات بیان کر دی ہیں، جو یقین رکھتے ہیں ۝۱۱۸ بے شک ہم نے
آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا۔ اور آپ
سے دوزخ والوں کے تعلق نہیں پوچھا جائے گا ۝۱۱۹

اللہ تعالیٰ اعلم
سہ پاک ہے

اہل کتاب کے غلط عقائد کی بحث مسلسل چلی آرہی ہے۔ ان آیات میں
ان کی ایک اور بے عقیدگی کا بیان ہے۔ اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹیاں یا ہے۔
وَقَالُوا اخَذَ اللّٰهُ وَلَہٗ اَسْ غَلَطِیۃ سے میں یہ تینوں محروم شامل ہیں۔ یعنی

یہود، نصاریٰ اور مشرکین قَالُوا اِیَّکِیْمِرَانِیْمُوں کی طرف لڑتی ہے۔ سورۃ قورہ میں یہودیہ ہے کہ یہودیوں کے ایک فرقہ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنایا ہے؛ وَكَانَتْ الْیَهُودُ عِزَّیْمُ بْنُ اللّٰهِ اگرچہ تمام یہود کا یہ عقیدہ نہیں ہے۔ تاہم ایک گروہ ایسا ہے جو اہل کتاب میں شامل ہے۔ مجاہد عقیدہ یہ رکھتا ہے۔ اسی طرح نصاریٰ کا عقیدہ قرۃ العین ہے کہ یہ یحییٰ کہتے ہیں الْخِصْفُ بْنُ اللّٰهِ یعنی عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ قرآن پاک نے یہ بات تصریح کے ساتھ بیان کی ہے۔ کسی مخلوق کو خدا کا بیٹا بنانا اتنا بیجا و غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے اس کے حکم سے زمین و آسمان پھٹ جائے۔ اور خدا تعالیٰ کا قہر نازل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی بات منسوب کرنا بڑی سیوہ و استہزاء ہے مشرکین عرب کے متعلق تصریح موجود ہے کہ وہ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے وَجَعَلُوا الْمُطَلَبَةَ الْاَدِیْنِ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَّا نَاوَدُ

اس باطل عقیدے کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّا نَاوَدُ اَللّٰہ کی ذات پاک ہے مبرا اور منزہ ہے۔ بیٹے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا دو وجوہ سے محبوب ہے۔ اگر بیٹا غیر جنس کا ہو تو یہ ان کے لیے عیب ہے۔ اور اگر ہم جنس کا ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے لیے عیب ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، خدائیت اور یگانگت کے خلاف ہے۔

مخلوق کے لیے اولاد کا ہونا اس لیے معیوب نہیں کہ مخلوق عاجز ہے۔ اسے اولاد کی ضرورت ہے۔ خاص طور پر انسان اولاد کے بڑے مشتاق ہوتا ہے اس لیے اولاد کی عدم موجودگی میں انہیں سلسلہ نسب منقطع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ آخری عمر میں خدمت منہ محروم ہوتا ہے۔ برخلاف اس نے اللہ تعالیٰ کو شکستہ ہے۔ اس کی صفات تو لایعنی ہے وہ جسم ہے، وہ ہر ایسی چیز سے ہے یا نہ ہے۔ لہذا اس کی طرف اولاد کی نسبت کرنا بہت بُری بات ہے۔

یہ حقیقت بھی قابل غور ہے کہ اولاد کی پیدائش اس کے باپ کے مادہ سے ہوتی ہے جو اس کے جسم سے الگ ہو کر رحم مادر میں منتقل ہوتا ہے۔ اور پھر وہ بچے کی صورت میں نر کے جسم سے میلہ ہوتا ہے۔ تو اس قسم کی تولید کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا بہت

قیح حرکت ہے۔ کیونکہ اللہ جل شانہ ہر ایسی چیز پر متحرک ہے۔ سُبْحَنَہُ سے یہ مراد ہے۔ جب انسان کے عقیدے میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی معرفت میں نقصان آتا ہے۔ تو اس کے نتیجے میں یا تو تشبیہ آتی ہے۔ یا تنزیل یہ ہوتا ہے۔ تشبیہ سے مراد یہ ہے کہ مخلوق کی صفت اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کی جائے۔ سبیل اللہ جل شانہ ہر مخلوق کی صفت ہے اگر یہی صفت اللہ تعالیٰ میں ثابت کی جائے تو تشبیہ کا ارتعاب ہوگا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ کو مخلوق میں ثابت کیا جائے۔ تو تنزیل ہو جائے۔ مثلاً قادر مطلق، علیم کل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اور اگر یہی صفت کسی مخلوق میں ملے۔ تو تنزیل ہوگا۔ سُبْحَنَہُ کا لفظ اللہ تعالیٰ کی اسی پاکیزگی پر دلالت کرتا ہے۔

صحابہ کرامؓ نے حضور علیہ السلام سے سُبْحَنَہُ کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا: **سُبْحَنَہُ اللہ** من کل شئ، ہر قسم کی بدی درجیب سے پاکیزگی کسی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے دریافت کیا کہ حضرت اللہ جل شانہ کا معنی تو ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑا ہے۔ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کا مطلب جی سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کا معنی یہ ہے کہ سب حمد و ثنا اور تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ حضرت سُبْحَنَہُ کا مطلب آپ سمجھا دیں۔ آپ نے جواب دیا۔ کون سی مشکل بات ہے۔ **سُبْحَنَہُ اللہ** ایک الیا کلمہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف کے لیے منتخب فرمایا ہے اور فرشتوں کو بھی حکم دیا ہے کہ اس کلمے کے ساتھ میری تعریف کیا کرو۔ الغرض یہ چاروں کلمات یعنی **اللَّهُ أَكْبَرُ**، **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ**، **سُبْحَنَہُ اللہ** اور **سُبْحَنَہُ اللہ** خدا تعالیٰ نے اپنی تعریف کے لیے مقرر فرمائے ہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر عرب اور شخص سے پاک ہے۔ تمام تعریفیں اسی ذات کے لیے ہیں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ **بَلَّ لَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ** **وَالْأَرْضِ** و زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ یعنی یہ تمام چیزیں مملوک ہیں اور اللہ جل شانہ ان کا مالک ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ اور انسان میں باپ اور بیٹے کی نسبت میں

ہے۔ بلکہ ایک اور ملک کی نسبت ہے۔ اور زیرِ ماب بھی ایسا ہے۔ جسے ہر قسم کا اختیار حاصل ہے اور اس کے حکم کو کوئی مانع نہیں۔ ﴿كُلُّ لَدُنَّا شَئُونٌ﴾۔ اب اس کی اہمیت کرنے والے میں۔ اس کے متعلق حکم کی خلاف ورزی کی کسی میں مجال نہیں۔ وہ کسی کو باز نہ رہے۔ یہ کہ تفسیر کر دے کسی یہ عزت طاعتی کر دے۔ اس کے حکم کو کوئی مانع نہیں سنا۔ فائزات کی ہر چیز کو اس کی فرمانبرداری کرنا ہوگی ہاں شریعت کے احکام ایسے ہیں جسے ان مانع نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے نماز پڑھو۔ زکوٰۃ ادا کرو۔ عباد کرو۔ ان ان احکام پر عملدرآمد میں کو آجی کر سکتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے بخوبی حکم کے سامنے سب کو تسلیم کرنا پڑے گا جب موت کے فحشے آجاتے ہیں۔ تو پھر کون ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے حکم کو مانع نہ کرے۔ خود مانع والا اور اس کے سامنے حمایتی دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا بخوبی حکم پورا ہو جاتا ہے۔ گویا سال پر اللہ تعالیٰ کی دو صفات کا ذکر ہوا۔ اول یہ کہ وہ ہر چیز کا مالک ہے۔ اور دوسری یہ کہ وہ ہر چیز کا مشرف بھی ہے۔ جو چاہے کرے اس کے راستے میں کوئی حادثہ نہیں آتی۔

صفتِ اربع

اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی تیسری صفت ابداع کا ذکر بھی ہے۔ ﴿فَرَأَاهُ بِسْمَلِهِ الْمَصُوبِ وَالْأَمْرُ حِينَ ذَهَبَ أَسْمَانُ وَأُورُزُ مَنَ كَايَا وَكَرَنَ وَالْأَبْهَ﴾۔ ابداع اس تخلیق کو کہتے ہیں جس کا پہلے نمونہ موجود نہ ہو۔ کہ جسے دیکھ کر کوئی چیز تیار کی جاسکے۔ اور پھر بوجہ بھی ایسا ہے کہ ﴿وَأَذَا قَحْنِي أَمْرًا جَبَ كَسِي كَامَ كَرَنَ﴾۔ کا فیصلہ کرتے ہیں۔ ﴿فَوَلَّعَا يَقُولُ لَدُنْ تَوَدَّ كَسَا جَبَ بُو جَا فَيَسْ كُوْنُ پَسَ﴾۔ یہ کہن ایسا لفظ ہے۔ جس میں سرعت اور تیزی کا حکم دیا جاتا ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ کہن فرماتے ہیں۔ تو کسی چیز کے معرض وجود میں آنے کے لیے نہ کسی ذرہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ نہ فریقِ مطلوب ہوتا ہے۔ اور نہ کسی کاریگر یا مددگار کی مدد درکار ہوتی ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم صادر ہوتے ہی کام ہو جاتا ہے۔ دراصل یہ کہن کا لفظ بھی محض تعبیر کے لیے ہے۔ ورنہ اس کی بھی ضرورت نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا ارادہ فرما لینے ہیں۔ کہ کون سی چیز کس سطح پر مطلوب ہے۔ تو وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا محنت ہے اولیٰ اور گستاخی ہے۔ یہ بے محل طرفِ غلطی ہے۔ اور فضول بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اور منزہ ہے۔ اس کی چار صفات کا بیان بھی

ہو گیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یوں فرمائے ہیں کَذَّبَنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَكَ ذَلِكَ اِنَّ اِنْسَانَ مَجْهُرٌ كَوْجَعُوْهُ سَبَّهٖ . حالانکہ اس کے یہ بات مناسب نہیں . اور انسان مجبور کو گالی دیتا ہے . حالانکہ یہ بھی اس کے مناسب حال نہیں . پھر فرمایا کہ فَاهْتَمَّ تَكْذِيْبُهُ اَيَاكُمُ اِسْكُوتُوا لِمَا يَكُوْنُ لَكُمْ كَيْدًا اِنِّي اِنْسَانٌ كَايْبٌ کہ مجھے دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا . جس طرح کہ پہلی مرتبہ کیا . یعنی انسان قیامت کا منکر ہے یہ اللہ تعالیٰ کو جھٹلانے کے مترادف ہے . اور گالی اس لحاظ سے دیتا ہے . کہ وہ میری طرف اولاد کی نسبت کرتا ہے . حالانکہ میری بیوی ہے اور زاد ولد ہے . اور نہ ہی مجھے انکی ضرورت ہے . جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنا لیا ہے . تو وہ گویا اپنے کو گالی دیتا ہے . فَاَكُوْذِرُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی حقیقی بیٹا نہیں ہے . اگر ایسا ہو . تو وہ خدا کا بزرگ ہوگا اگر خدا تعالیٰ کا جڑنا ، بدلے گا . تو خدا تعالیٰ خود بھی حادث ہوگا . بیٹا نہیں ہے گا . اسی طرح مجاز بھی کسی کو خدا کا بیٹا نہیں کہہ سکتے . کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا اس قدر قرب حاصل کرے کہ بیٹے کی طرح ہو جائے . بنا تو خود متصرف ہوتا ہے . وہ باپ کی مرضی کے خلاف بھی کوئی کام کر سکتا ہے . بعض اوقات باپ کو بھڑا بیٹے کی بات . بنا پڑتی ہے . مگر اللہ تعالیٰ کی صفت تو یہ ہے قَوْلُ لَكَ فَارْتَوُونَ سب کے سب اس کے طبع ہیں . اس پر کوئی بھی تصرف نہیں کر سکتا . لہذا یہ بات بھی غلط ہے . کہ کسی کو مقرب الہی ہونے کی بنا پر خدا تعالیٰ کا بیٹا تسلیم کر لیا جائے . جیسا کہ عیسائیوں میں یہ چیز پائی جاتی ہے .

ایک اور غلط بات جو بعض لوگ کرتے ہیں . وہ یہ ہے . وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ عِلْمٌ مِّنْ عَمَارٍ جَابِلٌ لَّوْكَ لَا يُكَلِّمُكَ اللّٰهُ اللّٰهُ تعالیٰ جہت براہ راست کلام کیوں نہیں کرتا . اَوْ نَأْتِيْنٰكَ اٰیٰتٍ اَمْ يٰۤاِهْمَا سَاسَ کُوْنِیْ ثَنٰی کیوں نہیں آتی جس کی بنا پر ہم اللہ تعالیٰ کے نبی اور اس کی کتاب کی تصدیق کر سکیں . مفسرین کرم بیان کرتے ہیں کہ کہتے ہیں میں

اللہ تعالیٰ کے
کلام کی توجہ

سے ایک شخص رافع بن حریہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کھنے لگا۔ آپ دعویٰ کھتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ قرآن دکھائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے براہ راست کلام کرے۔ یا وہ کوئی خاص نشان بنا دے یا اس بھیجے جسے دیکھ کر ہم تصدیق کریں۔ فرمایا یوقنی اور حماقت کا سوال ہے۔ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ اس طرح کی باتیں تو ان سے پہلے لوگوں نے بھی کی تھیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بلکہ پُرانا سودہ ہوا ہے۔ آج کے دور کے کافر، مشرک اور جاہل لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں کہ فلاں نشان نبی ہونی چاہیے۔ یا اللہ تعالیٰ مجھ سے ساتھ کلام کیوں نہیں کرتا۔ فرمایا فَتَشَابِهَتْ قُلُوبُهُمْ اس قماش کے تمام اگلے پچھلے لوگوں کے دل آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ اسی لیے تو وہ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ اور لایعنی سوال پیش کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ لوگ کون سی نشانی طلب کرتے ہیں حالانکہ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ہم نے تو یقیناً کھنے دے لوگوں کے لیے بے شمار نشانیاں یا معجزات دکھائیے ہیں۔ کسی ایک اور نشانی کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر تقریباً تین ہزار معجزات ظاہر فرمائے۔ اور یہ سارے ان لوگوں کے سامنے ہیں۔ کیا شوقِ القہر کا معجزہ کوئی دیکھی جیسی بات ہے۔ کیا ان لوگوں نے کھجور کے خشک نئے کوڑے جوئے نہیں دیکھا۔ آپ کی انگلیوں سے پانی کی نثریں جاری ہو جائیں کس کے علم میں نہیں یہ سب کچھ ان لوگوں کے سامنے ہے۔ مثلاً یہ نشانیاں ان لوگوں کو نظر آتی ہیں۔ جو زمین دیکھتے ہیں اور جن کے دل میں ایمان کی دولت موجود ہے۔ وہ سمجھ چکے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پختہ نبی ہیں اور جن کے دل میں عناد ہے۔ اس قسم کی بے سنی باتیں وہی کرتے ہیں۔ البتہ نبی کے دل میں تکلیف ہوگی۔ علم لاحق ہوگا کہ اتنی واضح نشانیاں موجود ہونے کے باوجود یہ لوگ اپنی ہمت و صرمی پر اڑے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے براہ راست باتیں کر کے فرشتوں کی صف میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ یا پتہ آپ کو انبیاء علیہم السلام کے برابر سمجھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ان سے بات کرے۔ یہ سب ناجائز مطالبات ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات

جب کوئی شخص تمام تر نشانیاں دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لائے۔ تو یقیناً۔ اے اللہ تعالیٰ

پیدا ہوگا۔ حضور علیہ السلام کے ساتھ یہی معاملہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلیت فرمائی۔
 رَآكَ سَلَمًا بِالْحَقِّ بَشِيرًا قَسِيْدًا لِّمَنْ يَخْتارُ اَمِّنًا لِّمَنْ يَخْتَارُ اَمِّنًا لِّمَنْ يَخْتَارُ اَمِّنًا لِّمَنْ يَخْتَارُ
 بنا کر بھیجا ہے۔ آپ اپنی امت کے لیے بشیر اور نذیر ہیں، یعنی آپ اہل ایمان کو جنت کی خوشخبری
 سناتے ہیں۔ اور مشرکین کو دوزخ کی وغیرہ خبریں سناتے ہیں۔ جو لوگ آپ کا انکار کرتے ہیں۔ وہ لازماً
 اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئیں گے۔ آپ ان کی حرکات پر غفلت نہ ہوں۔ اور نہ ہی ان کے
 دوزخ میں جانے پر کوئی قلق محسوس کریں۔ کیونکہ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ سَاعَةً اَوْ يَوْمًا لَّيْسَ بِكَ بِمُتَّبِعِ الْغَايِبِ
 آپ سے دوزخیوں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا۔ کہ یہ لوگ جہنم میں کیوں گئے۔ بلکہ اُن
 سے سوال ہوگا: مَا سَلَكَكُمْ فِي سَعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی پوچھے گا۔ تماری جہنم رسید ہونے کی کیا وجہ
 تھی۔ پھر وہ خود ہی اس کا جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، سکیں سے ہماری نہیں
 کرتے تھے۔ فضولیات میں مگسبتے تھے۔ اور روز قیامت کی تکذیب کرتے تھے۔ لہذا آپ
 اُن کی حرکات سے دل برداشتہ نہ ہوں اِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاءُ آپ کا کام صرف یہ ہے
 باقی ان سے ہم خود نپٹیں گے۔

الْمَآءِ

دری چل دینے

البقرة ۲

دریت ۱۲۳: ۱۲۴

وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَبِيعَ مِلَّتَهُمْ قَدْ
 اِنَّ هُدًىٰ لِّلّٰهِ هٰذَا الْهُدًىٰ وَلٰكِنْ اَتَّبَعْتَ اَهْوَاءَ مُّمْ بَعْدَ
 الَّذِيْ جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا هٰمِيٍّ
 ۱۲۰ ﴿۱۲۰﴾ الَّذِيْنَ اتَّبِعْتَهُمْ اَتَكْفِرُ بِكَ وَالَّذِيْ قَدْ جَاءَكَ مِنْ
 اٰتِیٰنَا بِكَ وَمَنْ تَكْفُرْ بِهِمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰبِرُونَ ﴿۱۲۱﴾
 لِيَبَيِّنَ اِسْرَآءِیْلَ اٰذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ
 وَاَنّٰی قَضَيْتُكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوا یَوْمَآءَ تَخْزٰی فُُُُُ
 عَنْ اَنْفُسِیْ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ
 وَّلَا نَعْمٌ یُنصَرُونَ ﴿۱۲۳﴾

ترجمہ: اور ہرگز اسی نہ ہوئے آپ سے یہودی اور نصرانی بیان کہ آپ ان کی
 امت کا اتباع کریں۔ آپ کہہ دیجئے بیشک اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے۔ اور
 آپ نے اگر ان کی خواہشات کا اتباع کیا۔ بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم پہنچا
 ہے۔ تو نہیں ہوگا۔ آپ کے لیے اللہ کی طرف سے کوئی حمایتی اور مددگار ﴿۱۲۰﴾
 جن کو ہم نے کتاب دی ہے۔ وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں۔ جیسا کہ اس کی تلاوت
 کا حق ہے۔ یہی لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو کوئی اس کے ساتھ کفر کرے گا
 پس یہی لوگ نقصان اٹھائیں گے ﴿۱۲۱﴾ اے نبی اسرائیل! میری وہ نعمتیں
 یاد کرو۔ جو میں نے تم پر کیں۔ اور یہ بات کہ بیشک میں نے تم کو جہاں والوں پر
 فضیلت بخشی ﴿۱۲۲﴾ اور پھر اس دن سے کہ نہ کام آئے گا کوئی نفس کسی کی
 طرف سے ذرا بھی۔ اور نہ قبول کیا جائے گا اس سے بدلہ۔ اور نہ اس کو سزا بخشا جائے
 دینے والی۔ اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ﴿۱۲۳﴾

یہ دو ونساری کی ضربیاں مختلف اٹار میں بیان ہو رہی ہیں اس سے پیشتر اس بات کا ذکر بھی آچکے ہیں کہ اہل کتاب پابستے ہیں کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ بھی پہلے دین یعنی یہودیت یا نصرانیت کی طرف ہٹ آئیں۔ ان کی خواہش یہ ہے کہ اہل ایمان کہہ دو جو جائیں۔ اگرچہ ان پر حق واضح ہو چکا ہے۔ آج وہ صد کی بنا پر بنی مائلوں یا ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض باتوں میں موافقت بھی کرتے تھے۔ یہ لوگ ہمارے جو کہ ایمان لے آئیں۔ چنانچہ مسلمان بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ ہجرت کے بعد بھی سولہ سترہ ماہ تک قبلہ بیت المقدس ہی رہا۔ مگر بعد میں یہی معلوم ہوا کہ مشرک قرآنی کی وجہ سے حق کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور اہل کتاب حمد اور غنا کی بنا پر ایسا کرتے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مشرک یا تو غم ہو گئے یا ایمان قبول کر لیا۔ مگر یہود ونساری باطل پرانے رہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان مقدر پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو خبردار کیا ہے کہ اہل کتاب سے آپ کوئی امید نہ رکھیں۔ یہ دین دارانہ حق کی مخالفت کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَٰكِنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَىٰ يَهُودِيًّا وَنَصَارِيًّا
 آپ پر ہرگز راضی نہیں ہوں گے حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۚ جَبَّارُكَرَّأُفَ ان کی ملت کا اتباع نہ کریں۔ اُن کا مذہب اختیار نہ کریں۔ یہاں طریقتہ اپنائیں لفظ کُنْ تاکہ یہ نفی کے لیے آتا ہے۔ یعنی ہرگز راضی نہیں ہوں گے اہل کتاب کو حق بات سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ یہ تو مسلمانوں کو اپنے دین سے خوف کرنا چاہتے ہیں۔ یہ خود ہدایت قبول نہیں کریں گے۔ اہل کتاب کی جملہ عزایاں بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آخری بات کی کہ آپ ان سے کوئی امید نہ کریں کہ شاید یہ ایمان لے آئیں گے۔ بلکہ یہ تو اہل مسلمانوں کو اپنے دین پر لانا چاہتے ہیں۔ جو کہ ناممکن ہے۔

مذہبی کے لیے
 اہل کتاب کی تڑپ

فرمایا لوگ جس ملت پر آپ کو لانا چاہتے ہیں۔ وہ اُن کی خود ساختہ بات ہے قَدْ
 آپ اُن سے فرمادیکھے اِنَّ هٰذَا الَّذِي هُوَ الْيَهُدِيُّ وَالنَّصَارَىٰ جِبِّيَّتٌ مِّنْ دُونِ
 اگر آپ ہدایت الہی کو قبول کریں اُن کی ملت کا اتباع کریں گے تو یہ ہوا کی پیردی بن جائیگی۔
 جو کہ ہدایت کی ضد ہے۔ اور اگر حق واضح ہونے اور علم آ جانے کے بعد آپ اُن کی خواہش

ہدایت الہی
 اصل ہدایت ہے

اتباع کرنے لگیں وَلَٰكِنْ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَ هُمۡ بِكَ الَّذِیۡ جَاءُوْا مِنَ الْعِلْمِ
 تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا مَالِكٌ مِنَ اللّٰهِ مِنْ قَوْلِیْ وَلَا فَصْلٌ اللہ کی طرف سے آپ کے لئے کوئی
 حمایتی ہو گا اور نہ مددگار۔ یعنی اے نبی علیہ السلام اور اہل ایمان اب تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی آخری
 کتاب ہدایت آپس ہے۔ اگر اس کو قبول کر اہل کتاب کی خواہشات کے پیچھے چلے گئے۔ تو پھر
 اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آ سکتی ہے۔ اگرچہ یہ آپسے قطعاً ممکن نہیں کہ حق کو ترک کر دیں ہم قانون
 کے طور پر اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح کر دی۔ کہ اصل ہدایت اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے۔ اسی
 کی پیروی کرنا ہے۔ اور کسی دوسری چیز کے پیچھے نہیں چلنا۔ یہ قاعدہ سب کے لیے ہے۔ اور اس سے
 کوئی بھی بری الذمہ نہیں۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا
 لَٰكِنْ اَسْرَفْتَ لَا تَعْطَلْ عَمَلَكَ وَتَكُنْ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ اگر آپ سے بھی شرک
 سرزد ہو گیا۔ تو آپ کے بھی سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ اور آپ نقصان اٹھانے
 والوں میں ہوں گے۔ یہ اصول صرف حضور علیہ السلام کے لیے ہی رہتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمام
 انبیاء علیہم السلام پر یہی وحی بھیجی کہ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔ لہذا آپ حق کی پیروی کرتے
 رہیں اور اہل کتاب کی خواہشات کی طرف توجہ نہ دیں۔

یہود و نصاریٰ کا دین اسناد تو کتاب الہی کے ذریعے ہی نازل ہوا تھا۔ اور وہ برحق تھا۔ مگر
 اب ان کی ملت تحریف کی وجہ سے بگڑ چکی تھی۔ لہذا اب وہ قابل اتباع نہیں رہی۔ بلکہ اب تو
 آخری نبی کا دین غالب آئے گا۔ وہی قابل اتباع ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا اِنَّ الَّذِیۡ اَرْسَلْنَا
 رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَدِیۡنِ الْحَقِّ لَیُظْهِرُنَّ عَلَی الدِّیۡنِ الَّذِیۡ كَفَرَالۡحٰۗلِیُّ وَهُ یَمُرُّ بِكَرِۡمٍ ذَاتِ سَعۡدٍ
 جس نے اپنے آخری نبی کو سچا دین سے کر بھیجا ہے۔ تاکہ اس دین کو قیامت کے روز ان پر غالب کر دے جب
 مقصد رسالت دیگر ادیان پر غالب ہوا۔ قرآن کیسے ممکن ہے۔ کہ ظلم اور حق کی آمد کے بعد اہل کتاب
 کی خواہشات کی پیروی کی جائے جسٹور علیہم السلام کا فرض ہے کہ کسٹری کی جلالت کے بعد کوئی
 دوسرا کسٹری پیدا نہیں ہو گا۔ اور قیصر کی جلالت کے بعد کوئی دوسرا قیصر نہیں ہو گا۔ مگر وہ وحی بھی یہی تھی

نزولِ مسیح علیہ السلام تک باقی رہیں گے۔ اور تم ان تمام سے بادست و گریبان رہو گے۔ کبھی ان کو غلبہ حاصل ہو گا۔ اور کبھی تم غالب آؤ گے۔ گویا یہ لوگ قربِ قیامت تک باطل پر ڈٹے رہیں گے۔ لہٰذا ان سے قبولِ حق کی کوئی امید نہیں رکھنی چاہیئے۔

اہل کتاب میں
ایمان

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ایک اصولی بات بیان فرمائی ہے۔ کہ جب کسی قوم کی بڑائی بیان کی جاتی ہے۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس قوم کے سرفہرہ لوگ ایسے ہی ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ ان کی اکثریت ان صفات کی حامل ہے۔ ان میں بعض اچھے بھی ہو سکتے ہیں۔ بیان پر یہی چیز بتائی جا رہی ہے۔ کہ اگرچہ اہل کتاب کی اکثریت ایسی ہے۔ جو اپنی ہٹ دھرمی پر ڈٹی ہوئی ہے۔ تاہم ان میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں۔ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ جنہیں ہم نے کتاب عطا کی ہے۔ يَسْأَلُونَكَ حَقَّ سَلَاةٍ کہ جس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ تلاوت کرنے کا حق ہے۔ أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ بِذَلِكَ یہی لوگ ہیں جو حقیقت میں تورۃ اور انجیل پر ایمان رکھتے ہیں۔ نہ ہر ہے۔ جو لوگ سابقہ کتب کا دیر پر صحیح معنوں میں ایمان رکھیں گے۔ وہ نبی آخر الزمان کا انکار کیسے کر سکتے ہیں۔ کیونکہ تورۃ و انجیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی واضح نشانیاں موجود ہیں۔ اور جو حضور علیہ السلام پر ایمان لائے گا۔ وہ قرآن پر بھی ایمان لائے گا۔ یہ ساری کی ساری کتابیں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہیں۔ اور ان سب پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ممکن تو تمام کتب کا دیر پر ایمان رکھتے ہیں۔ مگر یہ کم گفت قرآن پاک پر ایمان نہیں لائے۔ بہر حال فرمایا کہ اہل کتاب سائے کے سائے سے ایمان نہیں میں بلکہ ان میں سے بھی ایسے ہیں جو کتاب کو صحیح طور پر پڑھتے ہیں۔ لہٰذا ایسے لوگ ایمان دار ہیں۔

حقِ تلاوت

تلاوت کا حق ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے احکام پر پورا پورا عمل کیا جائے۔ جو شخص زبانی تلاوت تو کرے مگر اس کے احکام کی پروا نہ کرے۔ اس کے احکام کو توڑ موڑ کر پیش کرے یا اس کی غلط تاویل کرے۔ جیسا کہ اہل کتاب کرتے تھے۔ تو ایسے شخص نے تلاوت کا حق ادا نہیں کیا۔ قرآن پاک کی تلاوت میں بھی یہی اصول کا فرما ہے مترکہ کہ عالم کی روایت میں آتا ہے۔

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق خداوت یہ ہے کہ کتاب کی مدلل کردہ پیروی کو مدلل اور
حرام کردہ چیز کو حرام کہے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے: اُس شخص کا کوئی ایمان نہیں جس نے
استَحْکَمَ مَحَادِثَہَا جس نے قرآن پاک کی حرام کردہ چیز کو مدلل سمجھ لیا۔ لہذا لازم ہے کہ
اللہ تعالیٰ کے مدلل و حرام کی پوری پوری پاسداری کی جائے۔ یہودیوں کی عہد اس کے الفاظ اور
کلمات میں تحریف نہ کی جائے۔ کتاب الہی کے محکم اور مشابہات تمام آیات پر ایمان ہونا چاہیے
صحیحات میں مستحبات بھی آتی ہیں۔ اُن پر بھی یقین ہونا چاہیے۔ اور عمل کرنا چاہیے۔ یہ حق خداوت
ہے۔ ایمان لانے کے بعد احکام کا اتباع بھی ضروری ہے۔ اگر عمل نہیں کرتا تو اس نے حق خداوت
اور انہیں کیا۔

مکرمین کیلئے
خدا

فرمایا وَمَنْ يَتَّخِذْ لِبَاسٍ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ کفر کرے گا۔ یعنی اس کی
خداوت کا حق اور انہیں کرے گا۔ اس کے احکام کو چھپانے کا۔ اس کی غلط تاویل کرے گا۔ جبکہ
یہودی کرتے تھے فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ پس ہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں
اس دنیا میں تو شاید سزا سے بچ جائیں گے۔ مگر ان کا انجام کار بڑا ہوگا۔ اور آخرت میں یہ لازماً
خدا پانے والوں میں ہوں گے۔ اُس وقت انہیں معلوم ہوگا۔ کہ انہوں نے احکام میں کفر کیا
کر کے اور کتنا حق کے ذریعہ کتنا نقصان وہ سوا کیا تھا۔

حق و باطل
کی پہچان

اہل کتاب کے درگروہوں کا ذکر ہوا۔ ایک گروہ وہ ہے جس کی برائیاں مسلسل بیان ہو
رہی ہیں اور جو اپنی ضد و عناد کی وجہ سے ایمان سے محروم ہوا۔ دوسرا وہ گروہ ہے۔ جو کتاب
کو صحیح طریقے سے پڑھتا ہے۔ اور پھر اس میں تحریف کرنے کی بجائے اس کے احکام پر ایمان
لاتا ہے۔ انہیں لوگوں میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ ہیں۔ یہودی عالم تھے۔ مگر منصف مزاج تھے
حضرت علیہ السلام سے پہلی مذاہات میں ہی ایمان قبول کر لیا۔ یہ بار بار کہتے تھے۔ کہ نبی یقین
ہے۔ کہ آپ ہی اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ جن کی بشارت کتب سابقہ میں آچکی ہے۔
ان کی اکثریت متعصب حق۔ جنہوں نے ایمان قبول نہیں کیا اور آج تک اُمی و لکھ پڑھنے والے

وَاتَّبَعْنَا نَحْمَدُكَ عَلَى الْعَمَلَيْنِ اوردیں نے تمہیں جہان والوں پر فضیلت دی۔ بنی اسرائیل پر انعامات اور ان کی فضیلت کا تذکرہ ان دو س میں تفصیلاً آچکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک مرتبہ پھر بارود بنی کرانی ہوگی ایسی شکر گزار قوم ہے کہ حسد کی آگ میں جل کر تادم سناٹے فرشتہ کر گئی۔

قیامت کا
نقشہ

فرمایا ہے بنی اسرائیل! تم نہ سمجھنا کہ ان تمام بڑائیوں کے باوجود تم آخرت میں کسی نہ کسی عربیٹے سے خود بخود ہار جاؤ گے۔ وَالْقَوْمَ اِيْكُمْ اَلَّذِيْ تَحْزَنُوْنَ اَنْفُسَكُمْ عَنْ قَبْلِ شَيْءٍ اس دن سے ذرا جس دن کوئی کسی کے کچھ کا نہ آئے گا۔ اُس دن انسان کے بچہ کے تمام ذرائع خواہ وہ قوت کے ذرائع ہوں یا گتہ و زاری کے سب ناکام ہو جائیں گے۔ وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ اور نہ اس سے بدلہ قبول کیا جائے گا۔ دنیا میں تو مال یا جان یا کسی فدیہ کے بدلے کوئی جان چھڑائی جا چکی ہے۔ مگر قیامت کے دن مجرم سے کوئی نیز قبول نہیں کی جائے گی۔ صرف اسکی اپنی جان ہی قابلِ موازنہ ہوگی۔ فَرَا اَوْ لَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةُ اس دن کسی کی سفارش بھی سود مند نہیں ہوگی۔ اس دن کوئی کسی بہ جنت کی سفارش بھی نہیں کرے گا۔ تنہا یہ عنیدہ! طلب ہے کہ غضبناک ابراہیم علیہ السلام تمہیں دوزخ میں گرنے سے بچالیں گے۔ سفارش تو ایماں دار کی برکتی ہے اور وہ صبی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے جس سفارش کے زعم میں ہے بنی اسرائیل! تم مبتلا ہو اس کی قطعاً کوئی نجات نہیں۔ اس لیے اب بھی کچھ جاؤ۔ اور ایمان قبول کر لو۔

فرمایا جب اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آجائے گا تو پھر وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ اللہ رب العزت کی عدالت میں ٹھیک ٹھیک فیصلے ہوں گے۔ اُن فیصلوں کو بدل کر مجرمین کی مدد کرنے والی کوئی جہتی نہیں ہوگی۔ اگلی آیات میں قت ابراہیم کی بکسیس سے شروع کر کے حضور علیہ السلام کی نبوت اور آپ کی صداقت کا بیان ہے۔

السلام
درس چہل و ہشت

البطشيرة

(۱۲۴)

وَإِذْ بَشَلْنَا إِبْرَاهِيمَ رَبَّهُ بِكَلِمَتٍ فَلَقَمْنَهُ قَالَ لَوْ جِئْتُكَ
لِأَسْأَلَ مَأْمًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنْتَ لِعَهْدِي الظَّالِمِينَ (١٣)

تس جبرہ : اور اس وقت کو دھیان میں لاؤ، جب آنرہ ابراہیم (علیہ السلام) کو اس کے رب نے چند باتوں کے ساتھ۔ پس انہوں نے ان باتوں کو پورا کر دیا۔ (واقعتاً تعالیٰ نے، فرمایا میں تمہیں لوگوں کے لیے پیشوا بنانے والا ہوں۔) ابراہیم علیہ السلام نے اس کا میری اولاد میں سے بھی (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا۔ میرا وعدہ ظالموں کے لیے نہیں

122 4

سورۃ بقرہ کی ابتدا میں قرآن پاک کے کتاب ہدایت ہونے کا بیان تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے تین گروہوں کا ذکر کیا۔ پہلا گروہ ہدایت کو قبول کرنے والوں کا دوسرا منکرین کا اور تیسرا منافقین کا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع سے اپنی توحید کا اقرار اور اپنی عبادت کے لیے کہا۔ پھر قرآن پاک کی صداقت اور حقیقت کو بیان فرمایا۔ اس کے ساتھ پھر میر علیہ السلام کی نبوت اور آپ کی صداقت کا ذکر کیا۔ اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ نے اُسے تخلیقِ آدم علیہ السلام اور پھر ان کی خلافتِ امّی کا ذکر کیا۔ جو اللہ تعالیٰ کی حکمت میں طے ہو چکا تھا۔

اس کے بعد بنی اسرائیل کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ جو کہ اپنے زمانے میں ایک عظیم قوم تھی
 اُس وقت اقامِ عالم پر فضیلت حاصل تھی۔ اس کے بعد ان خرابیوں کا تفصیل کے ساتھ
 ذکر آتا ہے۔ جہنمی اسرائیل میں پیدا ہو چکی تھیں۔ اگرچہ بنی اسرائیل کی خرابیاں لاحقہ ادیں بنجر
 ان آیات میں ان کی چالیس کے قریب خرابیاں بیان ہوئی ہیں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے
 بنی اسرائیل کو خطاب کیا اور فرمایا اے بنی اسرائیل! میری نعمتوں کو یاد کرو اور ان کی ناقدری نہ
 کرو۔ فرمایا: **وَاٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ** اُس کتاب پر
 ایمان لاؤ جس کو میں نے سب سے آخر میں نازل کیا ہے اور وہ سابقہ کتب کی مُصَدِّق ہے۔

عبرکہ۔ مگر جس وقت ہمیں رحمتوں کے ساتھ آزمایا گیا ہم صبر نہ کر سکے گویا ابتلی کا مٹی آزمائش ہے۔
 یہاں پر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ آزمائش تو وہ ہے۔ چنے کسی کی اہمیت یا کمزوری کا ظہر۔
 جو بڑے شہد تعالیٰ کو عظیم معلوم ہے۔ وہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے بھی جانتا تھا کہ
 آپ کس حیثیت و در قدر و منزلت کے نبی ہوں گے۔ اور نیز جس قدر بھی آپ میں توصات پائے
 جاتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے عطا کردہ تھے۔ تو ان حالات میں خود حضرت ابراہیم علیہ السلام
 کی آزمائش کا کیا مطلب؟ معسرین کو کام فرماتے ہیں۔ کہ آزمائش کی غرض وغایت یہ بھی ہوتی ہے
 کہ کسی کو آزمائش میں ڈال کر اس کی حیثیت کو دوسروں پر واضح کیا جائے۔ امتحان لینے والے کو
 تو علم ہوتا ہے کہ اس کی حیثیت کیسے ہوگی۔ مگر دوسرے لوگ اس سے ناواقف ہوتے ہیں۔ لہذا
 امتحان کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتحان کی یہ غرض
 غایت ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام دنیا والوں پر ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ جس جہتی کو میں نے اپنا فیصل
 منتخب کیا ہے۔ اس میں کیا خوبیاں ہیں۔ جن کی بنا پر انہیں جہنم مقام حاصل ہوا ہے۔ الغرض
 اللہ تعالیٰ ملک الملک ہے۔ وہ چاہے ترابیاں عظیم السلام کا امتحان لے لے۔ اور نہ چاہے تو
 ایک گنہگار کو معاف کر دے۔ بہر حال یہاں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائشوں کا ذکر ہے۔
 حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل کے مقام میں پیدائے ہوئے جو موجودہ بغداد سے ساٹھ سو میل
 کے فاصلے پر واقع ہے۔ اُس زمانے میں بابل آشور لوگوں کی سلطنت اور بڑا متمدن ملک تھا۔ یہ شہر
 کلدانیوں کا پائے تخت بھی رہا۔ مگر زمانے کی دستبرد کے آگے ٹھہر نہ سکا۔ اور تباہ و برباد ہو گیا
 اب اس کے کھنڈرات سے اس زمانے کی اشیائے ثانیہ نکال کر انہیں عجائب گھروں میں تبدیل
 کر دیے ہیں۔ یہ بالکل اسی طرح کے کھنڈرات ہیں۔ جس طرح ہمارے ہاں ٹیکسلا کے کھنڈرات ہیں۔
 اسی طرح کے بعض مقامات سندھ میں پائے جاتے ہیں۔ جہاں کے کھنڈرات سے پرانی تہذیبوں
 کے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطن بابل تھا۔ جس کے
 اب کھنڈرات ہی باقی رہ گئے ہیں۔ خرنپہ زمانے میں یہ بہت بڑا شہر اور تہذیب و تمدن کا مرکز تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام
 ۵: یعنی مالون

نے فرمایا کہ ہم نے ان بیٹوں کو جی گھائے، والا بنوا بئین ان سب کو اہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ثابت قدم رکھا، اور آپ میں ایمان میں کامیاب ہو کر ایمان پہنچے، اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ابراہیمؑ کو بعض اوروں میں اندر فَاَلْقَيْنَا قرآن میں ان آزمائشوں میں پڑا کر دیا۔ یہ آپ کی پہلی بڑی آزمائش تھی۔

دوسری آزمائش
وطن سے ہجرت

اسی بڑی آزمائش دیکھنے سے بادشہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم آپ پر ایمان نہ لائی، بلکہ آپ کو ایک دوسرے ایمان سے گداز دیا، آپ کا نانا انیک یحوی حضرت سارہ اور خدیجہ حضرت لوط علیہ السلام پر مشتمل تھا، لوط علیہ السلام بچپن ہی سے آپ کی تحویل میں تھے، اور آپ پر یقین بھی رکھتے تھے، اسی بڑی ستمنا عظمت میں کرنی دوسرا شخص ایمان نہیں لایا، اگرچہ قوم پہلے منصوبہ میں ناکام ہو چکی تھی، اس کے باوجود وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جان کے دشمن تھے، اور آپ کے قتل کے منصوبے بناتے نہتے تھے، ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کا حکم دیا، یہ آپ کی دوسری آزمائش تھی۔ ہجرت کر دینی وطن اور گھر، بڑا مشکل کام ہے، مگر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے، تو نبی اس کی تعمیل میں ذرا تامل نہیں کرتا، بلکہ نبی کے ساتھ اگر اہل ایمان کو بھی ہجرت کا حکم دیا جاتا تو وہ اس کو عمل میں لے لیتے، ابراہیمؑ نے نبیؐ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ علیہ السلام اور صبا کرنا، ہجرت ایک اہم نامہ ہے، اسی لیے قرآن وَالْمُتَّقِينَ الَّذِينَ كُونُوا الْمُتَّقِينَ کے لیے کہہ کر ان کی تعریف فرمائی۔

انور علی حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم پر بیک کستے ہوئے ہجرت کے لیے تیار ہو گئے، اور فرمایا اتٰی صُفٰی حَبِطَ بلی کر پائی، میں اللہ کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں، چنانچہ آپ نے یحوی اور بھتیجے کے ہمراہ ہبل اور عراق کو خیر باد آپ کو مصر کے راستے سے شام اور فلسطین پہنچنے کا حکم دیا، راستے میں شرق اردن کے علاقے میں ہجرت آنا ہے، اس کے کنارے پر بڑے ستمنا لوگ آباد تھے، انہوں نے، علیٰ دربت کا نظریہ حکومت قائم کر رکھا تھا، اس قصہ پر حضرت لوط علیہ السلام کو نبوت عطا ہوئی، اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ تم نہیں قیام کرو، اور ان لوگوں کو دین حق کی دعوت دو، چنانچہ آپ وہیں قیام پذیر ہو گئے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پہنچے یحوی کے ہمراہ آئے شام اور فلسطین اور پھر مکہ چلے گئے، یہاں سے آپ کو ایک اور آزمائش

سے دو چار ہونا چاہیے۔ جب وہاں کے ظالم حاکم نے آپ کی بیوی حضرت سارہؓ کو قبضہ میں کرنا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ثابت قدم رکھا۔ اور اس جابر حاکم سے نجات دلائی۔

مصر کے حاکم نے حضرت سارہؓ کو ایک لونڈی دی تھی۔ اگرچہ وہ لونڈی نہیں تھی مگر اس قسم وہ لونڈی کی حیثیت میں تھی۔ حضرت سارہؓ نے باجوہ لونڈی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بخش دی۔ اور اس طرح وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی بن گئی۔ شام و فلسطین کے قیام کے دوران حضرت ابراہیمؑ سے کچھ پیدا ہوا۔ جس کا نام امی امحیل (علیہ السلام) رکھا گیا۔ حضرت امحیل علیہ السلام بھی شہر خوار کی حکمران بنے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آگیا۔ کہ ابراہیمؑ اس بچے اور اس کی ماں کو عرب کے دور دراز بیابان دلدلی وغیرہ زمرات میں بھجوا دے۔ آپ نے حکم کی تعمیل میں بیوی اور بچے کو ہمراہ لیا۔ اور وہ جو وہ مکہ منکرہ والے مقام پر پہنچے۔ جو کہ اس وقت بے آب و گیاہ دلدلی تھی۔ اس مختصر قسط کے ساتھ کوئی رہبان بھی نہیں تھا۔ ایک ٹکڑے میں ٹھہرا۔ اس پانی اور کچھ کھجوریں تھیں۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لے لی تھیں اور بیوی کے پاس بھجوا کر چلے آئے۔ یہ ساتے واقعات آپ سنتے بہتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کبھی کبھی جاتے اور اپنے بیوی بچے کی خبر گیری کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بیابان دلدلی میں زمرہ جیسے بہترین پانی کا انتظام فرمادیا۔ پھر وہاں جو جرم عقید کے لوگ آباد ہو گئے۔ اور اس طرح وہ دربان اور غیر آباد ملک بستی میں تبدیل ہو گئی۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایک اور بڑی آزمائش آئی۔ جب حضرت امحیلؑ بارہ تیرہ سال کے ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آگیا۔ کہ اس بچے کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دو۔ اس واقعہ کی تفصیل بھی قرآن پاک کے مختلف مقامات پر آئی ہے۔ آپ کو بہادر خواہ کیا۔ آخر آپ نے اس کا ذکر بچے سے کیا۔ بچہ بڑا صابر تھا۔ اس نے جواب دیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کریں۔ چنانچہ آپ اس کے لیے تیار ہو گئے۔ حتیٰ کہ بیٹے کی گردن پر پھری چلا دی۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی۔ کہ اس نے قربانی بھی قبول کر لی اور پھر بھی صحیح سلامت نکلی۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جان، مالی، اولاد و طریقے سے آزما دیا۔ اب آپ اس آزمائش میں ہر سے اترے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس ثابت قدمی پر جہانناست عطا کیے۔ ان کا ذکر بھی قرآن پاک میں آتا ہے۔

تیسری آزمائش
بیوی بچے سے
جہانی

چوتھی آزمائش
بیٹے کی قربانی

اسم القرآن کے نام سے بہت سے بزرگوں نے کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں حلال و حرام سے متعلق قرآنی احکام کی تشریح کی گئی ہے۔ سب سے پہلی تفسیر امام ابو جربہ سن ۱۷۱ کے ہے۔ یہ جعفری امام ہیں ان کا زمانہ چوتھی صدی ہجری ہے۔ ان کے بعد پانچویں صدی میں امام ابو جربہ ابن عربی بنوئے میں آپ کا تعلق بنی مملک سے ہے۔ اور آپ کا وطن اوف اندلس تھا۔ آپ بھی بہت بڑے مفسر قرآن تھے۔ حضرت امام شافعیؒ کی احکام القرآن موجود ہے۔ اگرچہ انہوں نے خود یہ کتاب نہیں لکھی۔ مگر امام بیہقیؒ نے ان کی کتابوں سے متعلقہ تفسیری آیات کو منتخب کر کے علیحدہ کتابی صورت دی ہے۔ آپ چوتھی صدی ہجری کے محدث اور امام ہیں۔ کشف اور سلوک کے بہت بڑے امام شیخ ابن عربیؒ ساتویں صدی میں ہوئے ہیں۔ انہوں نے بھی احکام القرآن کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ انہوں نے حلال و حرام کے مسائل کی بجائے تصوف پر زیادہ مسائل منع کیے ہیں۔ موجودہ دور میں مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ کو بھی احکام القرآن تالیف کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ آپ نے اپنے بعض شاگردوں اور مہیروں کو اس کام کی تحیل کے لیے کہا۔ چنانچہ احکام القرآن کا ایک حصہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اور دوسرا مولانا غفر احمد عثمانیؒ نے تالیف کیا اور ایک حصہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ اس کتاب کے دو حصے انہی تھامیں جن کی تکمیل نہیں ہو سکی۔

الغرض امام ابو جربہ ابن عربیؒ نے اپنی کتاب احکام القرآن میں لکھا ہے: ﴿لَا تُحَرِّمُ شَيْءًا وَلَا يَحَرِّمُ شَيْءًا﴾ آیت وَاٰتِیَہُمْ اَلَّذِیْ وَفِیْہَا سَبْعٌ مِّاۤتٌ اَلْحَدِیْثُ وَفِیْہَا سَبْعٌ مِّاۤتٌ اَلْحَدِیْثُ وَفِیْہَا سَبْعٌ مِّاۤتٌ اَلْحَدِیْثُ کی خبر نہیں پہنچی جنہوں نے پورا پورا کر دکھا یا یعنی اللہ تعالیٰ کی عفت سے جو بھی حکم آیا۔ انہوں نے پورا کیا۔ اور اس طرح ہر آیت پر پورے اترے۔ آپ نے اپنا سارا مال مہانوں اور محتاجوں کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ آپ اکیلے کھانا نہیں کھایا کرتے تھے۔ جب تک کوئی ہمان نہ شامل ہو جاتا۔ آپ نے اپنے آپ کو آگ میں ڈالے جانے کے وقت بھی ڈراپس پریش نہ کیا۔ اپنے قلب کو ہمیشہ ہمان کے سامنے رکھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کر دیا اور آپ ہر حق میں کلمہ بولتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام
ام ان سید

حضرت ابراہیم علیہ السلام دو مبارک سستی ہیں۔ کرب جب ان آسمانوں میں کامیاب ہوئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے خوش ہو کر انعام مرحمت فرمایا: قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا میں تیرے نمونوں کا امام یعنی پیشوا بنانے والا ہوں۔ امام وہ ہوتا ہے جسکی اقوال و افعال میں امت کی باتیں۔ اس لحاظ سے تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امت کے امام ہوتے ہیں وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَجْمَعَةً يَهْتَدُوْنَ یا کھڑکنا جو ہمارے حکم سے امت کی رہنمائی کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کا ذکر فیروز باب ہے۔ وہ وقت غیبت کے بہت بڑے امام ہیں۔ آپ کا لقب ابوالانبار ہے۔ آپ تمام بعد میں آنے والے انبیاء علیہم السلام کے باپ اور جہاد مجاہد ہیں۔ الغرض تمام آئمہ نشوون میں سے گننے کے بعد اللہ تعالیٰ نے شہرہ دنیا کر کے ابراہیم! میں تجھے لوگوں کا امام یعنی پیشوا بنانا ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت کا انعام پایا۔ تو فوراً درخواست پیش کر دی۔ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ تم میں کیا، مولا کریم! جس طرح تم نے مجھے منصب امت سے نوازا ہے۔ کیا یہ سلسلہ میری اولاد میں بھی جاری رہے گا۔ کیا میری اولاد بھی اس عہد و عہد پر فائز ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا منصب امت صرف اہل ایمان کے لیے ہے۔ قَالَ لَا يَنْبَغِيْ لِعٰقِدِيْ الظٰلِمِيْنَ فرمایا میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔ کیونکہ ظالم اس قابل نہیں ہوتا کہ اسے منصب امت عطا کیا جائے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے حصے میں آتا ہے۔ اور یہاں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو چیز عطا ہوئی۔ وہ نبوت ہے۔ فقہار مجتہدین محکمین وغیرہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے آنکھ میچنے کے وقت کی حد بھی گنہگار کیا ہو تو وہ عہدہ نبوت کا مستحق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو اس قدر پاک رکھتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ خلافت اور حکومت والے جو امام ہیں۔ ان میں سے بھی جو کوئی ظالم ہے۔ اس آیت کی رو سے حکومت کرنے کا اہل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک امت کے اہل وہی لوگ ہیں جو عدل و انصاف کو سر ہنڈ رکھنے والے ہیں۔ کوئی بھی ظالم پیشوائی کے لائق نہیں ہے۔

وَلَدَجَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرٰهٖمَ مُمَلِّئًا وَعَهِدْنَا إِلَىٰٓ اٰبِہٖمُ وَاٰمِیْنًا اَنۡ یَّطَهِّرَا بَيْتَیَ لِلطَّٰہِیْنِ وَالْکٰفِیْنِ وَالتَّکْوِیۡمِ السُّجُوْدِ (۱۲۵)
وَلَدَقَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ ہٰذَا بِلَدًا اٰمِنًا وَاَرْزُقْ اٰہْلَہٗ مِنْ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْہُمْ بِاللّٰہِ وَاَلْیَوْمَ اَنْخِرُ قَالٍ وَمَنْ کَفَرَ فَاَمِیْعُہٗ قَلِیْدٌ ثُمَّ اَضْرَبَہٗ اِلٰی عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ (۱۲۶)

ترجمہ :- ۱۔ اس بات کو دسیان میں لاؤ۔ جب کہ ہم نے بیت اللہ شریف کو لوگوں کے لیے جوع اور امن کی جگہ بنایا۔ اور ابراہیم (علیہ السلام) کے گھر پر ہونے کی جگہ کو مصلیٰ جنی نماز کی جگہ بناوا۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسمعیل (علیہما السلام) کی طرف حکم بھیجا کہ تم دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور کوئے و بکرا کرنے والوں کے لیے پاک و صاف رکھو (۱۲۵) اور اس بات کو یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا میں رب! اس شکر کو امن والا بنا دے اور دنیاں کے سب سے والوں کو خیلوں سے روزی دے۔ جو کوئی ان میں سے ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا اور جس شخص نے کفر کیا میں اُسے خود سے دن تک فائدہ پہنچاؤں گا۔ چہرے کٹ کٹاں روزی کے عذاب کی طرف سے جائز گا۔ اور وہ لوٹ کر جانے کی بہت بڑی جگہ ہے (۱۲۶)

گفتہ
ہے
بیوتہ
بنی اسرائیل کی خبروں کے تذکرہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کا ذکر کیا ہے۔ قرآن پاک کی معانیت نبی بیان ہوئی ہے مگر اس سلسلہ کی بات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ سے شروع ہوئی۔ کیونکہ اہل آیات میں اس دعا کا

کیا ہی نہیں۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد ہے۔ إِلَّا سَلَامُهُ يَغْفِرُ مَا كَانَ قَبْلَهُ سَلَامًا
 لانے کے بعد مومن کے سابقہ تمام گنہ مٹ جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے تمام صبیحہ کرامت اسلام
 کی دولت سے الامال ہو کر سابقہ تمام گناہوں سے بہت وصاف ہو گئے۔ لہذا اس کے باوجود ان
 پر کفر و شرک کا الزام لگانا قبیح حرکت ہے۔ اور مذکورہ آیت کریمہ سے غلط استدلال ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امت کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کا تذکرہ فرمایا۔
 فرمایا۔ وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَشَاقَّةً لِلنَّاسِ وَأَمْنًا اس بات کو خیال میں رکھو جو بیت
 ہم نے بیت اللہ شریف کو لوگوں کے لیے مشاہدہ آرام والا بنایا۔ بیت اللہ سے ملو غارت گنج
 ہے۔ اور مشاہدہ کے دو معنی آتے ہیں۔ پہلا معنی ٹوٹنے کی جگہ ہے۔ ظاہر ہے کہ لوگ یہاں بدکار
 آتے ہیں۔ لوگوں کا ذوق و شوق انیس دنیا کے کونے کونے سے اللہ تعالیٰ کی عبادت و عبادت
 کے لیے کھینچ کھینچ کر لاتا ہے۔ وہاں پر ایک مرتبہ پہنچ جانے والا میرا رب نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا
 ذوق و شوق اور بڑھ جاتا ہے۔ اور اس کی خواہش ہوتی ہے کہ کسی طرح وہ پھر وہیں پہنچ جائے۔
مَشَاقَّةً کا یہی معنی ہے۔ اور اس ضمن میں تعلیم بھی یہی دی گئی ہے کہ حاجی طوافِ دراع کے وقت
 یہ دعا مانگے۔ اے اللہ! یہ میرا آخری عہدہ ہو کہ مجھے پھر بھی موقع ملے کہ میں تیرے گھر کی زیارت
 کروں۔ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کو مَهْدًى لِلْعَالَمِينَ یعنی دنیا بھر کے لیے بہت
 کام کما کر بنایا ہے۔ سورۃ آل عمران میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

مَشَاقَّةً کا دوسرا معنی قراب کی جگہ ہے۔ یہ بھی واضح ہے کہ اس مقدس مقام پر جس قدر
 قراب حاصل ہوتا ہے۔ وہ کسی دوسری جگہ پر نہیں ملتا۔ ابن حجر شریف کی روایت میں حضور نبی کریم
 صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان موجود ہے۔ سُكْرَةُ لِمَنْ حَرَّمَ شَرِيفٌ میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب دوسری
 جگہ پر ایک لاکھ نماز کے قراب کے برابر ہوتا ہے اور جو شخص نیت المقدس یا مسجد نبوی میں ایک
 نماز ادا کرتا ہے۔ پچاس ہزار نمازوں کا قراب پاتا ہے۔ بہر حال یہاں پر مشاہدہ کے دونوں
 معنی ہیں یعنی مرکزِ حاکمیت اور قراب کی جگہ۔

اور یہ بھی فرمایا کہ مجھ نے بیت اللہ شریف کو امن والی جگہ بنایا، ظاہر ہے، جو شخص امن کی حالت میں پہنچ جاتا ہے۔ اُسے آخرت کے عذاب سے امن مل جاتا ہے۔ اور ظاہری طور پر بھی جو کوئی احرام کی حالت میں وہاں جاتا ہے۔ اس کو پناہ حاصل ہو جاتی ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا: **مَنْ دَخَلَہَا كَانَ آمِنًا**

ہمارے اہم البقیۃ فرماتے ہیں: کہ اگر کوئی محرم حرم میں داخل ہو جائے۔ تو اس کے غلات تعمیری کی کارروائی حرم میں ہی جائز ہے۔ اُسے حرم سے باہر نکالا جائے گا۔ اور پھر مد جاری کر دی جائے گی۔ بعض دوسرے آئمہ فرماتے ہیں: کہ اگر کوئی قائل میاں بڑا حرم بھی حرم میں داخل ہو جائے تو اُسے وہاں کچھ نہ کہو! اس کا دانا پانی بند کر دو۔ جب مجبور ہو کر خود ہی مد و حرم سے باہر آئے تو اس پر مد جاری کر دی جائے۔ گویا یہ مقام ظاہری طور پر بھی گمراہ امن ہے۔

مقام ابراہیم

بیت اللہ شریف کے ضمن میں مقام ابراہیم کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا: **وَاسْتَفْذُوا مِنْ مَقَامِ اِبْرٰہِیْمَ مُمَکِّی** اور ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو —
نماز کی جگہ بناؤ۔ مقام ابراہیم سے مراد کوئی گھر نہیں ہے۔ جہاں آپ نماز ادا فرماد کرتے تھے بلکہ یہ وہ پختہ رہن جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی تھی۔ آپ کے پاؤں مبارک کے نشانات اس پتھر پر اب بھی موجود ہیں۔ یہی وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر حج کا اعلان کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا: **وَاقِظْ رِجْلَکَ السَّامِیَہُ بِالْحَبِیجِ**۔ اے ابراہیم! لوگوں میں اعلان کر دو کہ اللہ تعالیٰ کا کھڑ تعمیر ہو چکا ہے۔ اس کاج کرنے کے لیے آؤ۔ تعمیر دارک میں آتا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا۔ پروردگار! میری آواز کون سنے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **اِنَّمَا کَامِ اَعْلَانِ** کرنا ہے۔ میں اس آواز کو تمام نسل انسانی کی پشتوں تک پہنچا دوں گا۔ جن کی قسمت میں بیت اللہ کاج مقدر ہے۔ ان تک آپ کی آواز پہنچے گی۔ بہر حال مقام ابراہیم وہ پختہ رہن ہے جس کے متعلق فرمایا کہ اس کو نماز پڑھنے کی جگہ بناؤ۔

حضرت عمرؓ کی فضیلت کے باب میں حدیث شریف میں آیا ہے کہ آپؐ نے خواہش ظاہر کی تھی کہ ہاتھ میں پرندہ پڑھنے کا حکم ہو۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت فرمادی: **وَتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ رِجَالِهِمْ مَثَلًا لِّنَفْسِكُمْ**۔

مقام ابراہیمؑ تقریباً چودہ اونچ مرہج چھوٹا سا پتھر ہے۔ حوزہ بیت اللہ شریف کے قریب بھی تعمیر کیمے وقت سے پڑا ہے۔ اور یہ حضرت مسیح علیہ السلامؑ ستھی دو ہزار سال پہلے کی بات ہے۔ ظاہر ہے کہ اس چھوٹے سے پتھر کو سختی بنا کر اس کے اوپر تو نمازیں پڑھی جائیں گی۔ تاہم اس سے مراد یہ ہے کہ پتھر کے قرب و جوار میں نماز ادا کی جائے۔ چنانچہ بطواف کرنے والا طواف کے حلقہ چکر پڑنے کے بعد وراعت مقام ابراہیمؑ کے قریب ادا کرتا ہے۔ اگر اس کے بالکل قریب جگہ نہ ملے تو پیچھے کہیں مٹی کو رکھتے اور جب الطواف ادا کر لیتے جاتے ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک عوات کے دو رکعت واجب ہیں۔ جب کہ دوسرے حکم کرام اُسے سنت کہتے ہیں۔ بہر حال اس مقام پر نماز پڑھنے کی بہت زیادہ فضیلت ہے۔ پہلے یہ پتھر ایک چوڑے پر رکھ دیا تھا۔

مگر موجودہ حکومت نے مقام ابراہیمؑ کے چوڑے اور نرم کے چوڑے کر دیا ہے۔ اور اب مقام ابراہیمؑ شیشے کے ایک ٹوکے پر بند کر دیا گیا ہے۔ اور اس کے اوپر چیل کی خوبصورت جالی لگا دی گئی ہے۔ اور اس طرح بزرگی و برتری حفاظت کا بندوبست کر دیا گیا ہے۔ مگر اگر کسی درجے کے ایک خول و نقصان پہنچے تو کہہ نہ سکتے۔ اور توجہ مذہب سے حکومت سعودیہ نے لاکھوں دیال کے خرچ سے حفاظت کا یہ انتظام کیا ہے۔ اب مقام ابراہیمؑ دور سے تو نظر نہیں آتا۔

مگر جالی کے قریب کھڑے ہو کر دیکھیں تو صاف نظر آتا ہے۔ کہ اس پر حضرت ابراہیمؑ علیہ السلامؑ پاؤں کشان ہو رہے ہیں۔ یہ پوز دیکھ کر جب جنت سے ٹھوڑے فاصلے پر طواف میں رکھا ہوا عام ایام میں تو طہ نین تمام ابراہیم اور بیت اللہ شریف کے درمیان ہی چلتے ہیں۔ مگر ایام حج میں جوں جوں ریش بڑھتا ہے۔ نہ راہِ بطواف کرنے والوں کے درمیان میں آجاتا

ہے۔ اور لوگ اس کے دونوں طرف سے گزرتے رہتے ہیں

بیت شریف
کی صفائی

مقام ابراہیم کے تذکرے کے بعد پھر بیت اللہ شریف کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَعَهْدَ نَارِآلِ اِبْرٰہِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ ہم نے ابراہیم اور اسمعیل علیہما السلام کو حکم بھیجا اَنْ طَهِّرَا بَيْتِیَ لِلطَّائِفِیْنَ میرے گھر کو پاک صاف رکھیں طواف کرنے والوں کے لیے وَالْقَائِمِیْنَ اور اعتکاف بیٹھنے والوں کے لیے وَالسُّجُوْدِ اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے۔ پاک و صاف رکھنا دو طرح سے ہو سکتا ہے۔ یعنی ظاہری پاکیزگی اور باطنی پاکیزگی۔ چونکہ حج و عمرہ کے لیے دو ہزار سے لوگ وہاں پہنچتے ہیں۔ اس لیے ان کی سولت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اس لحاظ سے ظاہری صفائی کا مطلب یہ ہے کہ حرم پاک کو ہر قسم کی ناپاکیت سے محفوظ رکھا جائے۔ کیونکہ لوگ وہاں عبادت کے لیے آتے ہیں۔ وہاں اعتکاف بیٹھتے ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں۔ قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں اور دیگر وظائف میں مشغول ہوتے ہیں۔ اس لیے فرائض و اہتمام دونوں باپ بیٹا میرے ہماروں کی خاطر اس گھر کو ہمیشہ پاک صاف رکھو۔ جس طرح بیت اللہ شریف کی پاکیزگی قائم رکھنے کا حکم ہے۔ اسی طرح مہم صابہ کو بھی ہر قسم کی آلودگی سے پاک و صاف رکھنا ضروری ہے۔ سورۃ نود میں ارشاد ہے: بِیْئُوتُکُمْ اِذْنُ اللّٰہِ اَنْ تَرْفَعُوْا سِدْرَکُمْ فِیْہَا السُّلٰمُ اَنْ تَخْرُوْا مِنْ حَیْثُ اللّٰہُ تَعَالٰی خَرَجَ اَنْ تَخْرُوْا اللّٰہُ دِیَا ہے۔ اور وہاں اس کا نام ذکر کرنے کو کہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے: فَطَهِّرُوْا اِگر تم نے گھر میں بھی کوئی جگہ نماز کے لیے مقرر کر رکھی ہے۔ تو اس کو بھی پاک صاف رکھو۔ ظاہر طور پر وہاں کوئی کوڑا کباڑ یا گندگی نہیں رہنی چاہیے۔

صابہ کی صفائی

صابہ کی باطنی صفائی کا مطلب یہ ہے کہ وہاں پر کوئی مشرکازہ حرکت نہ کی جائے اور نہ ہی وہاں پر بیوی بچہ یا کسی کی جائیں جس طرح بدن کی طہارت ضروری ہے۔ اسی طرح عقل و دل کی طہارت بھی ضروری ہے۔ اگر دل کے کسی کونے میں شرک و فتناء کا کوئی شاہ بھی ہو گا تو پورے کاپر انسان ناپاک ہو گا۔ اسی لیے ارشاد قرآنی ہے: اِنَّکُمْ الْمُسْرِکُوْنَ کُنْجَسٌ

یعنی مشرکین ٹیپہ میں ان کے دلوں پر شرک کی نجاست پڑی ہوئی ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ دل و دماغ کلمہ شریک، بدعت اور دیگر خرافات سے پاؤں و ذر تہہ: توحید: پیچھے طریقی سے ایمان ہو۔ حضرت: ابانجیہ: بعد سندھی فرماتے ہیں کہ ملت کو یگانہ لی ملی ضروری ہے۔ ہماری ملت میں کلمہ شریک و بدعت کی جو کئی کئی سرایت کر چکی ہے۔ اس سے کچھ پیڑا، انا بھی ضروری ہے۔ گزشتہ عقائد نے پوری ملت کو ناپاک کر رکھا ہے۔ لہذا انفرادی طہارت کے ساتھ ساتھ جماعتی پاکیزگی کی بھی ضرورت ہے۔

حضرت: ابانجیہ: علیہ السلام کی بہت سی خصوصیات ہیں۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ آپ سب سے پہلے شخص اول من احسن ہیں جنہوں نے غنیمت یا تفسیری روایاتوں میں یہ ہی آیا ہے کہ: غنیمت علیہم السلام بخون پیدا ہوئے ہیں۔ مگر حضرت: ابانجیہ: علیہ السلام ایسے نہیں ہوئے۔ انہیں کئی سال کی عمر میں غنیمت کا حکم ہوا۔ چنانچہ تادم کے مقام پر انہوں نے خود اپنے ہاتھ سے شہید تلخیر اور کی۔ اب ختم یہ ہے کہ جو شخص میلان ہو جائے اُسے پابندی کر یہ سنت اور اسے خواہ عمر کے کسی حصے میں ہو۔

حضرت: ابانجیہ: علیہ السلام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے انسان میں جن کی دہم میں سفیدی بال نکلنے شروع ہوئے۔ آپ سے پہلے کسی انسان کے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔ سب کی دہم سیاہ ہی۔ ذکر کرتی تھی۔ جب حضرت: ابانجیہ: علیہ السلام جوانی سے نکل کر بڑھاپے میں داخل ہوئے۔ تو سفیدی دیکھ کر عرض کیا۔ مولا کریم! یہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ وقار ہے۔ آپ نے پھر عرض کیا۔ اے اللہ! زدنی وقاراً نیری اس عزت کو ور بڑھائے۔

حضرت: ابانجیہ: علیہ السلام کی طرف اللہ تعالیٰ کی وحی آئی کہ اے ابانجیہ! اَنْتَ الْاَكْمَرُ الْاَهْلُ الْاَوْجُفِ اَلْاَلِیْ آپ میرے نزدیک روئے زمین کے تمام انسانوں سے بزرگ ہیں۔ جب آپ نماز اور کرتے وقت حالت سجدہ میں ہوتے ہیں تو آپ کا سر نہیں گھٹتا۔ چنانچہ سب سے

۱۔ الام الرمان فی تفسیر قرآن مجید ۲۔ نجدی ۳۰: ۴۰: ۴۱: ۴۲: ۴۳: ۴۴: ۴۵: ۴۶: ۴۷: ۴۸: ۴۹: ۵۰: ۵۱: ۵۲: ۵۳: ۵۴: ۵۵: ۵۶: ۵۷: ۵۸: ۵۹: ۶۰: ۶۱: ۶۲: ۶۳: ۶۴: ۶۵: ۶۶: ۶۷: ۶۸: ۶۹: ۷۰: ۷۱: ۷۲: ۷۳: ۷۴: ۷۵: ۷۶: ۷۷: ۷۸: ۷۹: ۸۰: ۸۱: ۸۲: ۸۳: ۸۴: ۸۵: ۸۶: ۸۷: ۸۸: ۸۹: ۹۰: ۹۱: ۹۲: ۹۳: ۹۴: ۹۵: ۹۶: ۹۷: ۹۸: ۹۹: ۱۰۰: ۱۰۱: ۱۰۲: ۱۰۳: ۱۰۴: ۱۰۵: ۱۰۶: ۱۰۷: ۱۰۸: ۱۰۹: ۱۱۰: ۱۱۱: ۱۱۲: ۱۱۳: ۱۱۴: ۱۱۵: ۱۱۶: ۱۱۷: ۱۱۸: ۱۱۹: ۱۲۰: ۱۲۱: ۱۲۲: ۱۲۳: ۱۲۴: ۱۲۵: ۱۲۶: ۱۲۷: ۱۲۸: ۱۲۹: ۱۳۰: ۱۳۱: ۱۳۲: ۱۳۳: ۱۳۴: ۱۳۵: ۱۳۶: ۱۳۷: ۱۳۸: ۱۳۹: ۱۴۰: ۱۴۱: ۱۴۲: ۱۴۳: ۱۴۴: ۱۴۵: ۱۴۶: ۱۴۷: ۱۴۸: ۱۴۹: ۱۵۰: ۱۵۱: ۱۵۲: ۱۵۳: ۱۵۴: ۱۵۵: ۱۵۶: ۱۵۷: ۱۵۸: ۱۵۹: ۱۶۰: ۱۶۱: ۱۶۲: ۱۶۳: ۱۶۴: ۱۶۵: ۱۶۶: ۱۶۷: ۱۶۸: ۱۶۹: ۱۷۰: ۱۷۱: ۱۷۲: ۱۷۳: ۱۷۴: ۱۷۵: ۱۷۶: ۱۷۷: ۱۷۸: ۱۷۹: ۱۸۰: ۱۸۱: ۱۸۲: ۱۸۳: ۱۸۴: ۱۸۵: ۱۸۶: ۱۸۷: ۱۸۸: ۱۸۹: ۱۹۰: ۱۹۱: ۱۹۲: ۱۹۳: ۱۹۴: ۱۹۵: ۱۹۶: ۱۹۷: ۱۹۸: ۱۹۹: ۲۰۰: ۲۰۱: ۲۰۲: ۲۰۳: ۲۰۴: ۲۰۵: ۲۰۶: ۲۰۷: ۲۰۸: ۲۰۹: ۲۱۰: ۲۱۱: ۲۱۲: ۲۱۳: ۲۱۴: ۲۱۵: ۲۱۶: ۲۱۷: ۲۱۸: ۲۱۹: ۲۲۰: ۲۲۱: ۲۲۲: ۲۲۳: ۲۲۴: ۲۲۵: ۲۲۶: ۲۲۷: ۲۲۸: ۲۲۹: ۲۳۰: ۲۳۱: ۲۳۲: ۲۳۳: ۲۳۴: ۲۳۵: ۲۳۶: ۲۳۷: ۲۳۸: ۲۳۹: ۲۴۰: ۲۴۱: ۲۴۲: ۲۴۳: ۲۴۴: ۲۴۵: ۲۴۶: ۲۴۷: ۲۴۸: ۲۴۹: ۲۵۰: ۲۵۱: ۲۵۲: ۲۵۳: ۲۵۴: ۲۵۵: ۲۵۶: ۲۵۷: ۲۵۸: ۲۵۹: ۲۶۰: ۲۶۱: ۲۶۲: ۲۶۳: ۲۶۴: ۲۶۵: ۲۶۶: ۲۶۷: ۲۶۸: ۲۶۹: ۲۷۰: ۲۷۱: ۲۷۲: ۲۷۳: ۲۷۴: ۲۷۵: ۲۷۶: ۲۷۷: ۲۷۸: ۲۷۹: ۲۸۰: ۲۸۱: ۲۸۲: ۲۸۳: ۲۸۴: ۲۸۵: ۲۸۶: ۲۸۷: ۲۸۸: ۲۸۹: ۲۹۰: ۲۹۱: ۲۹۲: ۲۹۳: ۲۹۴: ۲۹۵: ۲۹۶: ۲۹۷: ۲۹۸: ۲۹۹: ۳۰۰: ۳۰۱: ۳۰۲: ۳۰۳: ۳۰۴: ۳۰۵: ۳۰۶: ۳۰۷: ۳۰۸: ۳۰۹: ۳۱۰: ۳۱۱: ۳۱۲: ۳۱۳: ۳۱۴: ۳۱۵: ۳۱۶: ۳۱۷: ۳۱۸: ۳۱۹: ۳۲۰: ۳۲۱: ۳۲۲: ۳۲۳: ۳۲۴: ۳۲۵: ۳۲۶: ۳۲۷: ۳۲۸: ۳۲۹: ۳۳۰: ۳۳۱: ۳۳۲: ۳۳۳: ۳۳۴: ۳۳۵: ۳۳۶: ۳۳۷: ۳۳۸: ۳۳۹: ۳۴۰: ۳۴۱: ۳۴۲: ۳۴۳: ۳۴۴: ۳۴۵: ۳۴۶: ۳۴۷: ۳۴۸: ۳۴۹: ۳۵۰: ۳۵۱: ۳۵۲: ۳۵۳: ۳۵۴: ۳۵۵: ۳۵۶: ۳۵۷: ۳۵۸: ۳۵۹: ۳۶۰: ۳۶۱: ۳۶۲: ۳۶۳: ۳۶۴: ۳۶۵: ۳۶۶: ۳۶۷: ۳۶۸: ۳۶۹: ۳۷۰: ۳۷۱: ۳۷۲: ۳۷۳: ۳۷۴: ۳۷۵: ۳۷۶: ۳۷۷: ۳۷۸: ۳۷۹: ۳۸۰: ۳۸۱: ۳۸۲: ۳۸۳: ۳۸۴: ۳۸۵: ۳۸۶: ۳۸۷: ۳۸۸: ۳۸۹: ۳۹۰: ۳۹۱: ۳۹۲: ۳۹۳: ۳۹۴: ۳۹۵: ۳۹۶: ۳۹۷: ۳۹۸: ۳۹۹: ۴۰۰: ۴۰۱: ۴۰۲: ۴۰۳: ۴۰۴: ۴۰۵: ۴۰۶: ۴۰۷: ۴۰۸: ۴۰۹: ۴۱۰: ۴۱۱: ۴۱۲: ۴۱۳: ۴۱۴: ۴۱۵: ۴۱۶: ۴۱۷: ۴۱۸: ۴۱۹: ۴۲۰: ۴۲۱: ۴۲۲: ۴۲۳: ۴۲۴: ۴۲۵: ۴۲۶: ۴۲۷: ۴۲۸: ۴۲۹: ۴۳۰: ۴۳۱: ۴۳۲: ۴۳۳: ۴۳۴: ۴۳۵: ۴۳۶: ۴۳۷: ۴۳۸: ۴۳۹: ۴۴۰: ۴۴۱: ۴۴۲: ۴۴۳: ۴۴۴: ۴۴۵: ۴۴۶: ۴۴۷: ۴۴۸: ۴۴۹: ۴۵۰: ۴۵۱: ۴۵۲: ۴۵۳: ۴۵۴: ۴۵۵: ۴۵۶: ۴۵۷: ۴۵۸: ۴۵۹: ۴۶۰: ۴۶۱: ۴۶۲: ۴۶۳: ۴۶۴: ۴۶۵: ۴۶۶: ۴۶۷: ۴۶۸: ۴۶۹: ۴۷۰: ۴۷۱: ۴۷۲: ۴۷۳: ۴۷۴: ۴۷۵: ۴۷۶: ۴۷۷: ۴۷۸: ۴۷۹: ۴۸۰: ۴۸۱: ۴۸۲: ۴۸۳: ۴۸۴: ۴۸۵: ۴۸۶: ۴۸۷: ۴۸۸: ۴۸۹: ۴۹۰: ۴۹۱: ۴۹۲: ۴۹۳: ۴۹۴: ۴۹۵: ۴۹۶: ۴۹۷: ۴۹۸: ۴۹۹: ۵۰۰: ۵۰۱: ۵۰۲: ۵۰۳: ۵۰۴: ۵۰۵: ۵۰۶: ۵۰۷: ۵۰۸: ۵۰۹: ۵۱۰: ۵۱۱: ۵۱۲: ۵۱۳: ۵۱۴: ۵۱۵: ۵۱۶: ۵۱۷: ۵۱۸: ۵۱۹: ۵۲۰: ۵۲۱: ۵۲۲: ۵۲۳: ۵۲۴: ۵۲۵: ۵۲۶: ۵۲۷: ۵۲۸: ۵۲۹: ۵۳۰: ۵۳۱: ۵۳۲: ۵۳۳: ۵۳۴: ۵۳۵: ۵۳۶: ۵۳۷: ۵۳۸: ۵۳۹: ۵۴۰: ۵۴۱: ۵۴۲: ۵۴۳: ۵۴۴: ۵۴۵: ۵۴۶: ۵۴۷: ۵۴۸: ۵۴۹: ۵۵۰: ۵۵۱: ۵۵۲: ۵۵۳: ۵۵۴: ۵۵۵: ۵۵۶: ۵۵۷: ۵۵۸: ۵۵۹: ۵۶۰: ۵۶۱: ۵۶۲: ۵۶۳: ۵۶۴: ۵۶۵: ۵۶۶: ۵۶۷: ۵۶۸: ۵۶۹: ۵۷۰: ۵۷۱: ۵۷۲: ۵۷۳: ۵۷۴: ۵۷۵: ۵۷۶: ۵۷۷: ۵۷۸: ۵۷۹: ۵۸۰: ۵۸۱: ۵۸۲: ۵۸۳: ۵۸۴: ۵۸۵: ۵۸۶: ۵۸۷: ۵۸۸: ۵۸۹: ۵۹۰: ۵۹۱: ۵۹۲: ۵۹۳: ۵۹۴: ۵۹۵: ۵۹۶: ۵۹۷: ۵۹۸: ۵۹۹: ۶۰۰: ۶۰۱: ۶۰۲: ۶۰۳: ۶۰۴: ۶۰۵: ۶۰۶: ۶۰۷: ۶۰۸: ۶۰۹: ۶۱۰: ۶۱۱: ۶۱۲: ۶۱۳: ۶۱۴: ۶۱۵: ۶۱۶: ۶۱۷: ۶۱۸: ۶۱۹: ۶۲۰: ۶۲۱: ۶۲۲: ۶۲۳: ۶۲۴: ۶۲۵: ۶۲۶: ۶۲۷: ۶۲۸: ۶۲۹: ۶۳۰: ۶۳۱: ۶۳۲: ۶۳۳: ۶۳۴: ۶۳۵: ۶۳۶: ۶۳۷: ۶۳۸: ۶۳۹: ۶۴۰: ۶۴۱: ۶۴۲: ۶۴۳: ۶۴۴: ۶۴۵: ۶۴۶: ۶۴۷: ۶۴۸: ۶۴۹: ۶۵۰: ۶۵۱: ۶۵۲: ۶۵۳: ۶۵۴: ۶۵۵: ۶۵۶: ۶۵۷: ۶۵۸: ۶۵۹: ۶۶۰: ۶۶۱: ۶۶۲: ۶۶۳: ۶۶۴: ۶۶۵: ۶۶۶: ۶۶۷: ۶۶۸: ۶۶۹: ۶۷۰: ۶۷۱: ۶۷۲: ۶۷۳: ۶۷۴: ۶۷۵: ۶۷۶: ۶۷۷: ۶۷۸: ۶۷۹: ۶۸۰: ۶۸۱: ۶۸۲: ۶۸۳: ۶۸۴: ۶۸۵: ۶۸۶: ۶۸۷: ۶۸۸: ۶۸۹: ۶۹۰: ۶۹۱: ۶۹۲: ۶۹۳: ۶۹۴: ۶۹۵: ۶۹۶: ۶۹۷: ۶۹۸: ۶۹۹: ۷۰۰: ۷۰۱: ۷۰۲: ۷۰۳: ۷۰۴: ۷۰۵: ۷۰۶: ۷۰۷: ۷۰۸: ۷۰۹: ۷۱۰: ۷۱۱: ۷۱۲: ۷۱۳: ۷۱۴: ۷۱۵: ۷۱۶: ۷۱۷: ۷۱۸: ۷۱۹: ۷۲۰: ۷۲۱: ۷۲۲: ۷۲۳: ۷۲۴: ۷۲۵: ۷۲۶: ۷۲۷: ۷۲۸: ۷۲۹: ۷۳۰: ۷۳۱: ۷۳۲: ۷۳۳: ۷۳۴: ۷۳۵: ۷۳۶: ۷۳۷: ۷۳۸: ۷۳۹: ۷۴۰: ۷۴۱: ۷۴۲: ۷۴۳: ۷۴۴: ۷۴۵: ۷۴۶: ۷۴۷: ۷۴۸: ۷۴۹: ۷۵۰: ۷۵۱: ۷۵۲: ۷۵۳: ۷۵۴: ۷۵۵: ۷۵۶: ۷۵۷: ۷۵۸: ۷۵۹: ۷۶۰: ۷۶۱: ۷۶۲: ۷۶۳: ۷۶۴: ۷۶۵: ۷۶۶: ۷۶۷: ۷۶۸: ۷۶۹: ۷۷۰: ۷۷۱: ۷۷۲: ۷۷۳: ۷۷۴: ۷۷۵: ۷۷۶: ۷۷۷: ۷۷۸: ۷۷۹: ۷۸۰: ۷۸۱: ۷۸۲: ۷۸۳: ۷۸۴: ۷۸۵: ۷۸۶: ۷۸۷: ۷۸۸: ۷۸۹: ۷۹۰: ۷۹۱: ۷۹۲: ۷۹۳: ۷۹۴: ۷۹۵: ۷۹۶: ۷۹۷: ۷۹۸: ۷۹۹: ۸۰۰: ۸۰۱: ۸۰۲: ۸۰۳: ۸۰۴: ۸۰۵: ۸۰۶: ۸۰۷: ۸۰۸: ۸۰۹: ۸۱۰: ۸۱۱: ۸۱۲: ۸۱۳: ۸۱۴: ۸۱۵: ۸۱۶: ۸۱۷: ۸۱۸: ۸۱۹: ۸۲۰: ۸۲۱: ۸۲۲: ۸۲۳: ۸۲۴: ۸۲۵: ۸۲۶: ۸۲۷: ۸۲۸: ۸۲۹: ۸۳۰: ۸۳۱: ۸۳۲: ۸۳۳: ۸۳۴: ۸۳۵: ۸۳۶: ۸۳۷: ۸۳۸: ۸۳۹: ۸۴۰: ۸۴۱: ۸۴۲: ۸۴۳: ۸۴۴: ۸۴۵: ۸۴۶: ۸۴۷: ۸۴۸: ۸۴۹: ۸۵۰: ۸۵۱: ۸۵۲: ۸۵۳: ۸۵۴: ۸۵۵: ۸۵۶: ۸۵۷: ۸۵۸: ۸۵۹: ۸۶۰: ۸۶۱: ۸۶۲: ۸۶۳: ۸۶۴: ۸۶۵: ۸۶۶: ۸۶۷: ۸۶۸: ۸۶۹: ۸۷۰: ۸۷۱: ۸۷۲: ۸۷۳: ۸۷۴: ۸۷۵: ۸۷۶: ۸۷۷: ۸۷۸: ۸۷۹: ۸۸۰: ۸۸۱: ۸۸۲: ۸۸۳: ۸۸۴: ۸۸۵: ۸۸۶: ۸۸۷: ۸۸۸: ۸۸۹: ۸۹۰: ۸۹۱: ۸۹۲: ۸۹۳: ۸۹۴: ۸۹۵: ۸۹۶: ۸۹۷: ۸۹۸: ۸۹۹: ۹۰۰: ۹۰۱: ۹۰۲: ۹۰۳: ۹۰۴: ۹۰۵: ۹۰۶: ۹۰۷: ۹۰۸: ۹۰۹: ۹۱۰: ۹۱۱: ۹۱۲: ۹۱۳: ۹۱۴: ۹۱۵: ۹۱۶: ۹۱۷: ۹۱۸: ۹۱۹: ۹۲۰: ۹۲۱: ۹۲۲: ۹۲۳: ۹۲۴: ۹۲۵: ۹۲۶: ۹۲۷: ۹۲۸: ۹۲۹: ۹۳۰: ۹۳۱: ۹۳۲: ۹۳۳: ۹۳۴: ۹۳۵: ۹۳۶: ۹۳۷: ۹۳۸: ۹۳۹: ۹۴۰: ۹۴۱: ۹۴۲: ۹۴۳: ۹۴۴: ۹۴۵: ۹۴۶: ۹۴۷: ۹۴۸: ۹۴۹: ۹۵۰: ۹۵۱: ۹۵۲: ۹۵۳: ۹۵۴: ۹۵۵: ۹۵۶: ۹۵۷: ۹۵۸: ۹۵۹: ۹۶۰: ۹۶۱: ۹۶۲: ۹۶۳: ۹۶۴: ۹۶۵: ۹۶۶: ۹۶۷: ۹۶۸: ۹۶۹: ۹۷۰: ۹۷۱: ۹۷۲: ۹۷۳: ۹۷۴: ۹۷۵: ۹۷۶: ۹۷۷: ۹۷۸: ۹۷۹: ۹۸۰: ۹۸۱: ۹۸۲: ۹۸۳: ۹۸۴: ۹۸۵: ۹۸۶: ۹۸۷: ۹۸۸: ۹۸۹: ۹۹۰: ۹۹۱: ۹۹۲: ۹۹۳: ۹۹۴: ۹۹۵: ۹۹۶: ۹۹۷: ۹۹۸: ۹۹۹: ۱۰۰۰: ۱۰۰۱: ۱۰۰۲: ۱۰۰۳: ۱۰۰۴: ۱۰۰۵: ۱۰۰۶: ۱۰۰۷: ۱۰۰۸: ۱۰۰۹: ۱۰۱۰: ۱۰۱۱: ۱۰۱۲: ۱۰۱۳: ۱۰۱۴: ۱۰۱۵: ۱۰۱۶: ۱۰۱۷: ۱۰۱۸: ۱۰۱۹: ۱۰۲۰: ۱۰۲۱: ۱۰۲۲: ۱۰۲۳: ۱۰۲۴: ۱۰۲۵: ۱۰۲۶: ۱۰۲۷: ۱۰۲۸: ۱۰۲۹: ۱۰۳۰: ۱۰۳۱: ۱۰۳۲: ۱۰۳۳: ۱۰۳۴: ۱۰۳۵: ۱۰۳۶: ۱۰۳۷: ۱۰۳۸: ۱۰۳۹: ۱۰۴۰: ۱۰۴۱: ۱۰۴۲: ۱۰۴۳: ۱۰۴۴: ۱۰۴۵: ۱۰۴۶: ۱۰۴۷: ۱۰۴۸: ۱۰۴۹: ۱۰۵۰: ۱۰۵۱: ۱۰۵۲: ۱۰۵۳: ۱۰۵۴: ۱۰۵۵: ۱۰۵۶: ۱۰۵۷: ۱۰۵۸: ۱۰۵۹: ۱۰۶۰: ۱۰۶۱: ۱۰۶۲: ۱۰۶۳: ۱۰۶۴: ۱۰۶۵: ۱۰۶۶: ۱۰۶۷: ۱۰۶۸: ۱۰۶۹: ۱۰۷۰: ۱۰۷۱: ۱۰۷۲: ۱۰۷۳: ۱۰۷۴: ۱۰۷۵: ۱۰۷۶: ۱۰۷۷: ۱۰۷۸: ۱۰۷۹: ۱۰۸۰: ۱۰۸۱: ۱۰۸۲: ۱۰۸۳: ۱۰۸۴: ۱۰۸۵: ۱۰۸۶: ۱۰۸۷: ۱۰۸۸: ۱۰۸۹: ۱۰۹۰: ۱۰۹۱: ۱۰۹۲: ۱۰۹۳: ۱۰۹۴: ۱۰۹۵: ۱۰۹۶: ۱۰۹۷: ۱۰۹۸: ۱۰۹۹: ۱۱۰۰: ۱۱۰۱: ۱۱۰۲: ۱۱۰۳: ۱۱۰۴: ۱۱۰۵: ۱۱۰۶: ۱۱۰۷: ۱۱۰۸: ۱۱۰۹: ۱۱۱۰: ۱۱۱۱: ۱۱۱۲: ۱۱۱۳: ۱۱۱۴: ۱۱۱۵: ۱۱۱۶: ۱۱۱۷: ۱۱۱۸: ۱۱۱۹: ۱۱۲۰: ۱۱۲۱: ۱۱۲۲: ۱۱۲۳: ۱۱۲۴: ۱۱۲۵: ۱۱۲۶: ۱۱۲۷: ۱۱۲۸: ۱۱۲۹: ۱۱۳۰: ۱۱۳۱: ۱۱۳۲: ۱۱۳۳: ۱۱۳۴: ۱۱۳۵: ۱۱۳۶: ۱۱۳۷: ۱۱۳۸: ۱۱۳۹: ۱۱۴۰: ۱۱۴۱: ۱۱۴۲: ۱۱۴۳: ۱۱۴۴: ۱۱۴۵: ۱۱۴۶: ۱۱۴۷: ۱۱۴۸: ۱۱۴۹: ۱۱۵۰: ۱۱۵۱: ۱۱۵۲: ۱۱۵۳: ۱۱۵۴: ۱۱۵۵: ۱۱۵۶: ۱۱۵۷: ۱۱۵۸: ۱۱۵۹: ۱۱۶۰: ۱۱۶۱: ۱۱۶۲: ۱۱۶۳: ۱۱۶۴: ۱۱۶۵: ۱۱۶۶: ۱۱۶۷: ۱۱۶۸: ۱۱۶۹: ۱۱۷۰: ۱۱۷۱: ۱۱۷۲: ۱۱۷۳: ۱۱۷۴: ۱۱۷۵: ۱۱۷۶: ۱۱۷۷: ۱۱۷۸: ۱۱۷۹: ۱۱۸۰: ۱۱۸۱: ۱۱۸۲: ۱۱۸۳: ۱۱۸۴: ۱۱۸۵: ۱۱۸۶: ۱۱۸۷: ۱۱۸۸: ۱۱۸۹: ۱۱۹۰: ۱۱۹۱: ۱۱۹۲: ۱۱۹۳: ۱۱۹۴: ۱۱۹۵: ۱۱۹۶: ۱۱۹۷: ۱۱۹۸: ۱۱۹۹: ۱۲۰۰: ۱۲۰۱: ۱۲۰۲: ۱۲۰۳: ۱۲۰۴: ۱۲۰۵: ۱۲۰۶: ۱۲۰۷: ۱۲۰۸: ۱۲۰۹: ۱۲۱۰: ۱۲۱۱: ۱۲۱۲: ۱۲۱۳: ۱۲۱۴: ۱۲۱۵: ۱۲۱۶: ۱۲۱۷: ۱۲۱۸: ۱۲۱۹: ۱۲۲۰: ۱۲۲۱: ۱۲۲۲: ۱۲۲۳: ۱۲۲۴: ۱۲۲۵: ۱۲۲۶: ۱۲۲۷: ۱۲۲۸: ۱۲۲۹: ۱۲۳۰: ۱۲۳۱: ۱۲۳۲: ۱۲۳۳: ۱۲۳۴: ۱۲۳۵: ۱۲۳۶: ۱۲۳۷: ۱۲۳۸: ۱۲۳۹: ۱۲۴۰: ۱۲۴۱: ۱۲۴۲: ۱۲۴۳: ۱۲۴۴: ۱۲۴۵: ۱۲۴۶: ۱۲۴۷: ۱۲۴۸: ۱۲۴۹: ۱۲۵۰: ۱۲۵۱: ۱۲۵۲: ۱۲۵۳: ۱۲۵۴: ۱۲۵۵: ۱۲۵۶: ۱۲۵۷: ۱۲۵۸: ۱۲۵۹: ۱۲۶۰: ۱۲۶۱: ۱۲۶۲: ۱۲۶۳: ۱۲۶۴: ۱۲۶۵: ۱۲۶۶: ۱۲۶۷: ۱۲۶۸: ۱۲۶۹: ۱۲۷۰: ۱۲۷۱: ۱۲۷۲: ۱۲۷۳: ۱۲۷۴: ۱۲۷۵: ۱۲۷۶: ۱۲۷۷: ۱۲۷۸: ۱۲۷۹: ۱۲۸۰: ۱۲۸۱: ۱۲۸۲: ۱۲۸۳: ۱۲۸۴: ۱۲۸۵: ۱۲۸۶: ۱۲۸۷: ۱۲۸۸: ۱۲۸۹: ۱۲۹۰: ۱۲۹۱: ۱۲۹۲: ۱۲۹۳: ۱۲۹۴: ۱۲۹۵: ۱۲۹۶: ۱۲۹۷: ۱۲۹۸: ۱۲۹۹: ۱۳۰۰: ۱۳۰۱: ۱۳۰۲: ۱۳۰۳: ۱۳۰۴: ۱۳۰۵: ۱۳۰۶: ۱۳۰۷: ۱۳۰۸: ۱۳۰۹: ۱۳۱۰: ۱۳۱۱: ۱۳۱۲: ۱۳۱۳: ۱۳۱۴: ۱۳۱۵: ۱۳۱۶: ۱۳۱۷: ۱۳۱۸: ۱۳۱۹: ۱۳۲۰: ۱۳۲۱: ۱۳۲۲: ۱۳۲۳: ۱۳۲۴: ۱۳۲۵: ۱۳۲۶: ۱۳۲۷: ۱۳۲۸: ۱۳۲۹: ۱۳۳۰: ۱۳۳۱: ۱۳۳۲: ۱۳۳۳: ۱۳۳۴: ۱۳۳۵: ۱۳۳۶: ۱۳۳۷: ۱۳۳۸: ۱۳۳۹: ۱۳۴۰: ۱۳۴۱: ۱۳۴۲: ۱۳۴۳: ۱۳۴۴: ۱۳۴۵: ۱۳۴۶: ۱۳۴۷: ۱۳۴۸: ۱۳۴۹: ۱۳۵۰: ۱۳۵۱: ۱۳۵۲: ۱۳۵۳: ۱۳۵۴: ۱۳۵۵: ۱۳۵۶: ۱۳۵۷: ۱۳۵۸: ۱۳۵۹: ۱۳۶۰: ۱۳۶۱: ۱۳۶۲: ۱۳۶۳: ۱۳۶۴: ۱۳۶۵: ۱۳۶۶: ۱۳۶۷: ۱۳۶۸: ۱۳۶۹: ۱۳۷۰: ۱۳۷۱: ۱۳۷۲: ۱۳۷۳: ۱۳۷۴: ۱۳۷۵: ۱۳۷۶: ۱۳۷۷: ۱۳۷۸: ۱۳۷۹: ۱۳۸۰: ۱۳۸۱: ۱۳۸۲: ۱۳۸۳: ۱۳۸۴: ۱۳۸۵: ۱۳۸۶: ۱۳۸۷: ۱۳۸۸: ۱۳۸۹: ۱۳۹۰: ۱۳۹۱: ۱۳۹۲: ۱

پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پاؤں پر پناہ اگرچہ تہنہ پہننا بھی درست ہے۔ تاہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پاؤں پر بھی پناہ کرو اور تہنہ بھی باندھا کرو۔ یہود تہنہ نہ باندھتے تھے۔ آپ نے دونوں چیزوں کی بابت فرمائی۔ آپ نے پاؤں کی تعریف فرمائی ہے۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینے کا ذکر کسی صحیح حدیث میں نہیں ملا۔ تاہم پاؤں پر حضور نے ذکر آتا ہے۔

ابن ابی شیبہ کی روایت میں آتا ہے کہ منبر پر کھڑے ہو کر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خطبہ دیا۔ اور دہلی کی روایت میں ہے کہ ممالوں کی خاطر سب سے پہلے آپ نے نان خیر مال تیار کیا۔ یہ کھانا دو درہم اور نان کے مرکب سے تیار کیا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں پیغمبر میں حیدر آباد دکن اور کھنڈر والے بڑے شوق سے تیار کرتے ہیں۔ اور ممالوں کو بیع کر دیتے ہیں۔ بڑی لذیذ چیز ہے اسی طرح معافقہ کا طریقہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جاری ہوا جب کوئی شخص باہر سے آتا تو آپ اس سے گلے ملتے۔

کستے میں کہ بیت المقدس کے قریب حضرت ابراہیم علیہ السلام جانوروں کی چراگاہ کی تلاش میں کسی بہار کے اندر تک چلے گئے۔ انہوں نے ایک مقام پر نہایت غنا کی آواز سنی۔ کوئی شخص نہایت خشوع و خضوع سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا تھا۔ آپ اُدھر متوجہ ہوئے۔ تو دیکھا کہ ایک ضعیف عمر شخص اپنے حال میں گھوم رہا ہے۔ آپ نے اس بڑھے شخص سے دریافت کیا کہ تم کس کو یاد کر رہے ہو۔ اُس نے کہا اللہ تعالیٰ کو۔ آپ نے پوچھا تمہارا اللہ کہاں ہے۔ اُس نے جواب دیا آسمان پر ہے۔ فرمایا میں پرہی دہی مذہب ہے۔ پھر آپ نے پوچھا تمہارا قبلہ کدھر ہے۔ تو بڑھے نے بیت اللہ شریف کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے پوچھا تمہارا ٹھکانہ کہاں ہے۔ اُس نے جواب دیا نیچے اسی غار میں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑھے کا ٹھکانہ دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ تو بڑھے نے کہا کہ وہاں جانا محال ہے۔ کوئی راستہ میں گہری ندی پڑتی ہے۔ جسے عبور نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تم کیسے پہنچ جاتے ہو۔ تو اُس نے جواب دیا خربہ عادت

مسلنے کا پس منظر

کے طور پر چلا جاتا ہوں۔ یہ ایک کرامت ہے۔ جس کی وجہ سے میں شک باؤں ذی کو عبور کر لیتا ہوں
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا جو ہم بھی اسی طریقے سے پہنچتے ہیں۔ جو خدا تمہارے لیے پانی کو مسخر
کرتا ہے۔ وہ میرے لیے بھی کرے گا۔ چنانچہ دونوں پہلے پہلے۔ غار میں آئے تو گمے کی ذی مٹی۔
اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُسے عبور کر لیا۔ اور آپ کے پاؤں تک نہیں بھیگے۔ پانی کے نیچے آپ
اُس شخص کے عبادت خانے میں پہنچے تو دیکھا کہ اس کی نشاندہی کے عبادت خانے کا رخ واقعی بیت اللہ
شریف کی طرف تھا۔ آپ بہت خوش ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں یہ خدا پرست انسان ہے۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے بزرگ ریٹاؤ کر سب سے خوفناک دن کون سا ہے۔
تو اس نے جواب دیا کہ جس دن اللہ تعالیٰ کرسی عدالت پر بیٹھے گا۔ اور نبی اور اللہ تعالیٰ کے
سب سے قرب کر رہے ہوں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہم
دروں کو اس دن کے خطرات سے محفوظ رکھے۔ بڑھا کئے لگا کر مجھے دعا کرتے ہوئے تین
سال ہو گئے ہیں مگر میری دعا قبول نہیں ہوئی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ تمہاری
دعا کیا ہے۔ اس نے کہا کہ میں اس پہاڑ میں گیا۔ تو مجھے ایک نوجوان ملا جس کے بال جھڑے گئے
تھے۔ میں نے اُس سے پوچھا تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ اُس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے
دوست ابراہیم علیہ السلام کے جانوروں کے لیے چراگاہ تلاش کر رہا ہوں۔ بڑھا کتا ہے کہ اس
دن سے میں یہ دعا مانگ رہا ہوں کہ اے مولا کریم! اگر دنیا میں تیرا کوئی خلیل ابراہیم علیہ السلام
بھی ہے۔ تو مجھے اس کی زیارت نصیب فرما۔ مگر آج تک میری یہ دعا قبول نہیں ہوئی۔ حضرت
ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا بڑے میاں! اللہ تعالیٰ نے تیری دعا قبول فرما لی ہے، اٹھو اور میرے
ساتھ معاقلہ کرو۔ چنانچہ مغلنے کا طریقہ دہاں سے جاری ہوا۔

حج کی فضیلت

بیت اللہ شریف کی تعمیر کا تذکرہ آگے آئے گا۔ پہلے کعبۃ اللہ اور حج کی فضیلت کے متعلق
کچھ بیان ہوگا۔ صحیح احادیث میں حضور علیہ السلام کا ارشاد مکرر ملتا ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ
کی رضا اور اس کے حکم کی تعمیل میں حج کیا۔ تو وہ نمازوں سے اس طرح پاک و متبے ہوگا کہ

وہ آج ہی پیدا ہوا ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ بیت اللہ شریف پر ہر روز ایکسے بیس رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ ان میں سے ساٹھ طواف کرنے والوں پر، چالیس دیگر عبادت کرنے والوں پر اور بیس اُمی لوگوں پر نازل ہوتی ہیں۔ جو بیت اللہ شریف کی طرف دیکھتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: **النَّظَرُ إِلَى الْكُفَّةِ عِبَادَةٌ** یعنی بیت اللہ شریف کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے۔ البتہ طواف کے دوران بعد کی طرف نہیں دیکھنا چاہیے۔ بلکہ طواف سے فارغ ہو کر نہایت ذوق و شوق اور محبت سے بیت اللہ شریف کی طرف دیکھنا چاہیے۔ صحیح روایت میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: کہ جو اسود جنت کے بافتوں میں سے ایک سیاہ قوت سب پر برتر بہشت سے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے نور کو مٹا دیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو سورج کی طرح یہ مشرق و مغرب کو روشن کرتا۔

طواف کا
مجموعہ قواعد

تاریخ ازرقی میں آیا ہے کہ طواف کی نیت سے گھر سے چلنے والا شخص ایسا ہے۔ جیسے کوہِ دیا نے رحمت میں چنا شروع کر دیا ہے۔ جب مطاف میں پہنچتا ہے۔ تو گویا رحمت کے دریا میں غوطے کھاتے ہیں۔ اور جب طواف شروع کرتا ہے۔ تو ہر قدم اٹھانے کے عوض اُسے پانچ سو نیکیاں مل جاتی ہیں۔ اور جب قدم نیچے رکھتا ہے۔ تو ہر قدم کے بدلے پانچ سو گناہ مٹ جاتے ہیں۔ اور جب وہ شخص طواف سے فارغ ہو کر خام ابواب تک آتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے کہتے ہیں کہ اے بندے! تیرے سابقہ گناہ تو مٹ چکے۔ اب آئندہ زندگی میں محتاط رہو۔ بحال ساتھ انجام دیتے رہو۔ اس سے ہر قسم کی اچھی زندگی کا آغاز کرو۔

حرم پاک

حرم پاک کے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرمت والا خطر بنایا ہے۔ کسی کے لیے اس میں لڑائی کرنا حلال نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ فتح مکہ کے دن تمہاری دیر کے لیے صرف میرے لیے حرم میں لڑائی حلال ہوئی تھی۔ اس سے پہلے یا اس کے بعد حرم شریف میں لڑائی قطعاً حرام ہے۔ یہ خطہ ہمیشہ محترم ہے اور امن والا شہر ہے۔ چنانچہ نبیوں پر

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ذکر فرمایا ہے۔ وَاذْكُرْ اِلٰهًا الَّذِي اٰمَنَ بِهِ اِبْرٰهٖمُ اور جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا اے مولا کریم! اس شہر کو امن والا بنا دے۔ دوسرے مقام پر هٰذَا الْبَلَدُ کا لفظ آیا ہے۔ گویا یہ ابھی مکمل نہیں ہے شہر آباد نہیں ہوا، مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی حرمت کی دعا کر رہے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی روایت میں آتا ہے۔ زمین و آسمان کی تخلیق سے درہزار سال پہلے بیت اللہ شریف دلی زمین کو اللہ تعالیٰ نے تیار کیا۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کے فرشتے عبادت کرتے تھے۔ وہاں پر ایک پردہ سا اٹھا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ کو پوری دنیا کا مرکز قرار دیا۔ اور پھر اسی جگہ سے تمام زمین کو پھیلایا گیا۔ مگر یہ مقام ساری زمین کا وسط و وسط البلد نہ ہے یہ بحوری نے اپنی شرح شامل میں لکھا ہے۔ جس شخص کو بخیر محسوس ہو اس کی پیشانی پر کھدوایا جائے اَنْعَمَكَ وَسَطُ الْبِلَدِ وَالْاَرْضِ رَوْقِ بِالْعَبَادِ کو اس کی تحسین ہو جائے گی۔

فرمایا ہے اللہ اس شہر کو امن کا کوہ بنا دے۔ وَاَوْزُقْ اَمْلَكَ مِنَ التَّمَكُّنِ ادا اس کے بنے والوں کو پھلوں سے روزی دے۔ مَنْ اَمِنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ جو کوئی اللہ اور آخرت پر ایمان لائے قَالَ وَمَنْ كَفَرَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس نے کفر کیا فَاَمْتَعْتَهُ قَلِيْلًا اے تمکو فائدہ پہنچاؤں گا۔ ثُمَّ اَصْنَعُ فَاِىْ عَذَابِ السَّارِ پھر اے کٹاں کٹاں دوزخ کی طرف بھیجوں گا۔ وَيَسْئَلُ الْمَصْبِيُّ اور وہ بہت برا تھا کہ ہے تمکو فائدہ سے ملو رہے ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو ممکن ہے کہ کافر بھی آدم سے رہیں۔ لیکن اس کے بعد انہیں ہر حال دوزخ میں جانا ہو گا مگر اہل ایمان کو دوزخ چیزیں حاصل ہوں گی دنیا میں امن بھی نصیب ہو گا۔ اور آخرت میں نجات بھی حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو قبول فرمایا۔ چنانچہ عرم پاک اور شہر مکہ کی خیر و برکات کا سلسلہ جاری ہے اور قیامت تک قائم رہے گا۔

الْمَ

البقرة ۲

درس پنجاویں

(آیت ۱۲۶ تا ۱۲۸)

وَذِيْدَفْعُ اِبْرٰهِيْمَ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا
 اَتَقَبَّلْ مِنْكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۶﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ
 لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاِنَّا مَنَّاسِكَ وَتَبَّ
 عَلَيْنَا اَلَمْ نَكُنْ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

ترجمہ :- اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) بیت اللہ
 شریف کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔ اور دونوں کہتے تھے۔ اے ہمارے پروردگار! ہم سے
 قبول فرمائیک تو سننے والا اور جاننے والا ہے ﴿۱۲۶﴾ اے پروردگار! بنائے ہم
 دونوں کو اپنی فرزنداری کرنے والے ماور بنائے ہماری اولاد میں سے بھی ایک
 اپنی فراز و رامت۔ اور بتلا ہم کو ہمارے احکام۔ اور ہمارے اوپر جو فرما کر مانی کے
 ساتھ۔ بے شک تیری رجوع فرمانے والا اور از حد مہربان ہے ﴿۱۲۸﴾

دہلیات

اس آیت کا تعلق سابقہ درس کی آیت مبارکہ وَلَا ذُرِّيَّةً مِّنْكَ مَثَابَةٌ لِّتِلْكَ اَمِّن
 کے ساتھ ہے۔ وہاں پر تھا کہ اُس بات کو یاد کرو جب ہم نے بیت اللہ شریف کو لوگوں کے
 رجوع کی جگہ۔ مرکزِ ہدایت اور جائے امن بنایا۔ اس کے ساتھ مقام ابراہیم کا ذکر ہوا۔ بیت اللہ شریف
 کو پاک و صاف رکھنے کا حکم ہوا۔ وہاں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ذکر بھی تھا۔ جس میں اباؤں
 شہرہ کے یہ بھلوں کی مذمتی طلب کی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو شرف قبولیت بخشا
 جسے ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔

تذکرہ

آیت زیر درس میں بیت اللہ شریف کی تعمیر کا ذکر ہے۔ یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام
 کے فضائل میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کی تعمیر آپ کے ہاتھوں سے
 کرانی چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَا ذِيْدَفْعُ اِبْرٰهِيْمَ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ
 وَاسْمٰعِيْلُ وَدُكْنِيْ مَبَارَكٌ مُّحَمَّدٌ رَسُوْلِيْ جِب اِبْرٰهِيْمَ وَاسْمٰعِيْلَ عَلِيْمَا السَّلَامِ یعنی باپ بیٹا اپنے

آپ نے اسی جگہ پر دوبارہ تعمیر فرمایا۔ اُس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر ساک چودہ سال کی تھی۔

خبر گیری کیلئے
حضرت ابراہیم علیہ السلام
کی آمد و رفت

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ ثامہ و غنیمت بن تہ جب کہ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام حجاز میں تھے۔ آپ ایک سال دو سال میں ایک مرتبہ آکر یونی نیٹے کی خبر گیری کرتے۔ آجہم آپ کی بیوی سارہ کی یہ شہ بلا تھی کہ آپ بیوی نیٹے کی خبر گیری کے لیے تیس وقت کے لیے جا سکتے ہیں۔ ان کے پاس رات کو ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہوئی۔ اس عرصہ میں حضرت ابراہیم کا انتقال ہو گیا۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے قبیلہ بوجہ ہم میں نکل کر آیا۔ ولایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹے کی خبر گیری کے لیے آئے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر پر موجود نہیں تھے۔ انہوں نے ان کی بیوی سے دریافت کیا۔ تو اُس نے بتایا کہ کہیں شکار کے لیے گئے ہوتے ہیں۔ آپ نے گھڑان اوقات کے بارہ میں پوچھا تو اُس عورت نے کہا کہ یہ عید عاش کوئی نہیں ہے۔ بڑی مشکل سے گزرا وقت ہو رہا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کوئی کام نہیں کرتے۔ اس لیے فدا کرتے ہیں۔ یہ شکایت سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ جب تیرا شوہر آئے تو اُسے میرا سلام کہنا اور ساتھ یہ پیغام بھی دینا کہ وہ اپنے گھر کی چوکھٹ پر آئے۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام شکار سے واپس آئے تو انہیں باپ کی آمد کی خبر و بکت معلوم ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے بیوی کے بتانے سے پہلے خود ہی پوچھ لیا کہ میرے بعد کون آیا تھا۔ بیوی نے بتایا کہ ایک بڑا بھلا آدمی آیا تھا۔ اُس نے مالی احوال پوچھا تو میں نے سب احوال بتائے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پھر دریافت کیا کہ وہ کوئی پیغام بھی لے گئے ہیں۔ تو بیوی نے کہا کہ ہاں۔ وہ کہے گئے ہیں کہ اپنے گھر کی چوکھٹ تبدیل کر دو۔ آپ پیغام کا مطلب سمجھ گئے۔ چنانچہ بیوی کو الٹک کر دیا۔ اور بتایا کہ اب میں تمہیں گھر میں نہیں رکھ سکتا۔

اس کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام نے در سرانجام کیا۔ کئی سال بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام

دوبارہ تشریف لائے۔ اتفاق سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کچھ گھر میں موجود نہیں تھے۔ اُن کی بیوی موجود تھی۔ آپ نے اُس سے گھر کے حالات دریافت کئے۔ اُس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے گھر کے حالات بہت اچھے ہیں۔ میرا خاندان بھی بڑا اچھا آدمی ہے۔ نیک سیرت اور عبادت گزار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میں رزق بھی دیا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام شکار جی کرتے ہیں۔ گزارا وقت بھی بڑی بھیجی ہو رہی ہے۔ اس عورت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سواری سے اترنے کی درخواست کی تاکہ آپ کی غلط تواضع کر سکے۔ مگر آپ نے کہا کہ میں نے تمہارا نہیں ہے۔ ہاں جب تمہارا خاندان آئے۔ تو اُسے میرا یہ پیغام دینا کہ تمہارے مکان کی چوکھٹ بہت اچھی ہے۔ اسے تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ یہ پیغام سنے کر چلے گئے۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر واپس آئے۔ تو بیوی نے پیغام دیا۔ آپ نے فرمایا وہ میرے باپ تھے۔ اور یہ پیغام سنے گئے ہیں کہ میں تمہیں اپنے ساتھ رکھوں۔

یہ واقعہ بھی تفسیری دلائلوں میں موجود ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تیسری مرتبہ مکہ معظمہ آنے کا ارادہ کیا۔ تو اپنی بیوی حضرت سارہ سے ملے کر یہ کہ اس دفعہ میں کچھ عورتوں کو معتمدوں گا۔ چنانچہ یہ ان ایم کا ذکر ہے۔ کہ آپ کریت اللہ شریف کی تعمیر کا حکم ہوا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ خاندان کے محل بنیادوں کی نشاندہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے بادل کے ایک ٹکڑے کو، مور کیا۔ اور اس طرح باپ بیٹے نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر دیواریں بنیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام آپ کے لیے گارا اور پتھر لاتے رہے۔ اس طرح حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر کے بعد جب یہ عمارت طوفانِ نوح کی نذر ہو گئی تو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے ہاتھوں دوبارہ تعمیر ہوئی۔ کہتے ہیں کہ یہ عمارت ذی قعدہ میں شروع ہو کر ذی الحجہ میں ختم ہوئی۔ ایک ماہ میں پائے مکمل کر لی۔

بیت اللہ شریف کی تعمیر نہ کر کے بعد دوبارہ تعمیر قضی بن کلاب کے زمانے میں ہوئی جو حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جامعہ تھے۔ حضور علیہ السلام نے اپنے نانا مبارک

تعمیر کے مختلف
ادوار

میں بیت اللہ شریف کی عمارت بھر بوسیدہ ہو چکی تھی چنانچہ قریش مکہ نے چندہ جمع کر کے بیت اللہ شریف کو دوبارہ تعمیر کیا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پینسویں برس تھی۔ گویا یہ تعمیر آپ کی بعثت کے پانچ برس قبل ہوئی۔ کہتے ہیں کہ روتا کونے سے ملے کر لیا تھا کہ اس مقدس تعمیر میں ہاں کمال استعمال نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ پاک و صاف اور حلال مال سے جو چندہ جمع ہوا وہ پوری عمارت کی تعمیر کے لیے ناکافی تھا۔ لہذا عظیم والوسات ہاتھ کا حصہ چھوڑ کر باقی جگہ پر بیت اللہ تعمیر کر لیا گیا۔ اسی موقع پر بجز اسود کی تنسیب کا بھینڑا اٹھرا ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ حضور عید السلام کے مبارک ہاتھوں سے اس طرح کر دیا کہ سلتے لوگ خوش ہو گئے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ نبوت میں بیت اللہ شریف کی تجدید نہیں کی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ کمی تھی۔ اور دوسری یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں اس کو دوبارہ تعمیر کرتا، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف پرکرتا، اور اس وقت عدت میں تعمیر و بدل کرنا مناسب نہیں تھا۔ یہی کی وفات کے بعد حجاز میں نو سال تک حکومت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس رہی، حجاز، مکہ، مدینہ اور طائف وغیرہ آپ ہی کے زیر نگرانی تھے۔ اُس زمانہ میں آپ نے بیت اللہ شریف کو دوبارہ تعمیر کیا، اور آپ نے یہ عمارت ابراہیمی بنیادوں پر قائم کی یعنی حلیہ کو نہ کعبہ پر داخل کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد حجاج بن یوسف نے عبدالملک بن مروان کے حکم پر عمارت کی تجدید کی اور حلیہ کو کعبہ باہر نکال دیا۔

ہارون الرشید نے اپنے زمانے میں حکیم کچھ شامی کے اذہم نو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ اس وقت ہم انکٹ نے اُسے ایسا ذکر کرنے کی درخواست کی۔ آپ کا نظریہ یہ تھا کہ ایسا کرنے سے یہ مقدس گھر آئندہ آنے والوں کے لیے کھلوں، بن جائے گا۔ چنانچہ ہارون الرشید نے اپنا اذہم ترک کر دیا۔ اس کے بعد ترکوں کے عہد میں سلطان مراد خان کے زمانے میں بیت اللہ شریف کی تعمیر کی تجدید ہوئی۔ یہ مشن کا واقعہ ہے۔ موزودہ عمارت وہی ترکوں کی تعمیر ہو رہی ہے۔ اب تک بیت اللہ کی عمارت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ موزودہ مسجد و مسجدی حکومت کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے کہ انہوں نے بھاری رقم خرچ کر کے نہایت کوست کو سج کر دیا ہے۔ اور زائرین کے آداب و سولت کے لیے بڑے

بڑے — منصوبوں پر کام کیا ہے ۔

الغرض جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام خانہ کعبہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو ساتھ ساتھ نہایت مخلصانہ انداز میں دعائی کی کتب لکھتے تھے۔ رَبَّنَا اقْبَلْ هَاتَيْنِیْ جَانِبَیْهِمَا ہم سے یہ خدمت مقبول فرما لے اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ بیشک تونے والا اور جاننے والا ہے۔ نزد کار کھڑا بھی ہے۔ اور ہمارے امداد کو بھی جانتا ہے۔ لہذا ہمارے عمل کو قبول فرما لے۔

ظاہر ہے کہ قبولیت کے بغیر ہر عمل بیکار محض ہے۔ اسی لیے انبیاء علیہم السلام ہمیشہ دعا کیا کرتے تھے۔ کہ ہمارا عمل قبول ہو جائے۔ ہر مومن کی بھی یہی عادت ہوتی ہے۔ کہ اس کی نیکی بارہ و رب العزت میں مقبول ہو جائے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ اگر مجھے علم ہو جائے کہ میری درگفت نماز قبول ہوگئی ہے۔ تو میں اس کے بارے میں دنیا و دھنسا کی ہر چیز کو ہٹا دوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قبولیت کا جو معیار مقرر فرمایا ہے۔ بہت جلد ہے اِذَا عَايَا یَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْ لَعْنَتِیْنِ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ مستیوں کے اعمال کو ہی قبول فرماتا ہے۔ نیکی اُسی کی قبول ہوگی۔ جس کا دل تقویٰ سے معمور ہے۔ اگر تقویٰ سے خالی ہے۔ دل میں کفر، شرک، فحاش اور پاکہ بنی خجری ہوئی ہے۔ تو کوئی عمل بھی قبول نہیں ہوگا۔ قبولیت کا معیار غرض اور تقویٰ ہے۔

اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام اگرچہ چودہ سال کے نیکے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی اور تقویٰ کی دولت ابتدائے زندگی سے ہی رویت کر دی تھی۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں باپ بڑا کے عمل کو شرف قبولیت بخشا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام بڑے ہرگز رسولانہ نسبت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف سرگرمیوں میں آپ کی تعریف کی ہے۔ آپ صاحب شریعت رسول ہوئے ہیں۔ نام کی روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سفارش میں ان اور باپ بیٹے تھے۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ ایک بیٹے کی نسل سے اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے خاندان پیدا کیے۔ آپ کا سب سے بڑا بیٹا نابت تھا۔ اور سب سے چھوٹا قیدار بھی آپ کا کہ

بعد بیت اللہ شریف کی قرابت آپ کے بڑے بیٹے نابت کو ہی ملی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں پر
بڑے کریمانہ فیض بخشا۔

ترمذی شریف کی حدیث میں نبی علیہ السلام کا ارشاد درج ہے ——— لَا تُقْبَلُ صَلَوةٌ
بِغَيْرِ طَهْوَرٍ یعنی اللہ تعالیٰ طہارت کے بغیر کسی نماز کو قبول نہیں۔

قبولیت نماز
کی شرط

فرماتے، گویا نماز کی قبولیت کے لیے طہارت بمنزل شرط کے ہے۔ پاکیزگی کے بغیر کتنی نمازیں پڑھو
قیام کرو۔ کرواؤ و کج و درگاہ کوئی فائدہ نہیں۔ اسی طرح دیگر نیکیوں کی شرط بھی ایمان اور اخلاص ہے۔
اس کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں، اسی طرح بعض برائیاں ایسی ہیں جن کے ارتکاب سے نیکیاں مردود
ہو جاتی ہیں جتنوں علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ایک سر بہ شراب نوشی کرنے والے کی چابیس دن تک
نماز قبول نہیں ہوتی۔ اگر تو بکرے کو اللہ تعالیٰ معاف فرماتے ہیں۔ ورنہ قانون یہی ہے۔ فرمایا
جو غلام اپنے مالک کی مرضی کے خلاف بھاگ جائے، وہ حبس تک واپس نہ آئے، اس کی کوئی
تہ قسب و ل نہیں ہوتی، کیونکہ اس نے مالک کو ہموکا دیا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَخْلَصْ فِي
دِينِكَ يَكُنْ فِيكَ فَكَيْفَ مِنْ الْعَمَلِ دِينَ فِي اَخْلَاصٍ پیدا کر لو تو خیر تمام بخیر تمام عمل بھی
کفایت کر جائے گا۔ اسی واسطے قرآن پاک میں آتا ہے مُخْلِصِينَ لَهُ الْمُعْتَقِينَ اخلاص کے
ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اور اخلاص ایک ایسی نعمت ہے جو توجہ کے بغیر حاصل نہیں ہو
سکتی۔ اہم ابوہریرہؓ جہاں فرماتے ہیں اگر انسان میں قوموں موجود ہے، اس کا عہدہ توحید پر ہے، فخر
درست ہے، تو پھر اس کے اعمال بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہیں۔

بیت اللہ شریف کی تعمیر کے تذکرہ کے بعد اہمیت مسجد کی اساس اور ہجرتی آغازِ زمانہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی بعثت کی وقامت۔ یہی مرکزی مضمون ہے جو اہل بیت میں آ رہا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے
اپنی دعائیں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی رزقِ مست پیش کی، گویا نبی علیہ السلام کے ظہور

اللہ تعالیٰ کی
فرمانبرداری

۱۔ ترمذی ص ۱۷۱

۲۔ جامع سیوف شریف فیض اللہ بر ص ۲۱۱ ۱۷۱ احکام القرآن ص ۴۴۴

سے ہزاروں سال پہلے جناب ابراہیم علیہ السلام نے آپ کے لیے دعا کی اور دعا کے پلٹے سے
 میں عرض کیا وَبَنَّا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لک سے پروردگار! ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار
 بنالے۔ کہ ہم دونوں ہر حالت میں تیری اطاعت کرتے رہیں۔ ابیہیم علیہ السلام کی بیٹہ
 زینہ دعا رہی قَوِّ قِسْمِي مُسْلِمًا وَآخِ قِسْمِي بِالْقَبْلِ میں نے اللہ! ہماری موت فرمانبرداری
 کی حالت میں نہ۔ کہ جب وصیت کرتے ہیں تو فرماتے ہیں فَلَا تَقْعُزْنِ الْاَوَّلَ وَأَنْتُمْ مُبْلَغُونَ
 کو شش کرو بھائی! کہ تمہارا خاتمہ سونم اور فرمانبرداری کی حالت میں نہ چنانچہ جناب ابراہیم علیہ السلام
 اور اسماعیل علیہ السلام نے جی بی دعا کی وَبَنَّا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لک لے اللہ! ہمیں ہزاروں
 کو اپنا فرمانبردار بنا۔ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی ممکن ہے۔ دوسری مگر ہر دو بے اللہ تعلق
 نے فرمایا ہے بِزَمْرٍ اَسْلَفُوْا فرمانبردار جو بنا۔ آپ نے جواب دیا اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ
 میں رب العالمین کو جمع کر لیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بعض صحابوں کے بعد ابراہیم علیہ السلام کو اہست
 عطا کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اپنے لیے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی دعا مانگی۔ اور
 پھر اپنی اولاد کے تعلق سے وَبَنَّا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لک لے اللہ! ہماری اولاد
 میں سے ایک فرمانبردار بنے۔ یہ بات واضح آتی ہے کہ جس وقت یہ دعا کی گئی۔
 اس وقت حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام جی بڑھوتے۔ اللہ امت سمر کی دعا حضرت
 اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کے حق میں جاتی ہے۔ کیونکہ حضرت حق علیہ السلام تو اس وقت تک بھی
 پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ اسی مقام پر جو دو نصابی دعا لکھا ہے میں۔ اور حضور علیہ السلام کی نسبت
 کا لکھا کرتے ہیں۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ دعا حضرت بحق علیہ السلام کے حق میں ہے۔ اور
 امت مسلمہ بھی آپ جی کی قوم ہے۔ حالانکہ یہ فی ثواب سے واضح ہو رہا ہے کہ امت سمر
 کا تعلق حضرت عیسیٰ کی اولاد سے ہے۔ جو اس وقت موجود تھے۔ اور دعائیں شامل تھے چنانچہ
 یہ قبولیت دعا کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری نبی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے
 مبعوث فرمایا۔

دعا کے درست حصے میں آپ بیٹھنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی وَإِذْ نَادَاكَ رَبُّكَ
 کی تعبیر

لے پروردگار! ہم کو ہمارے مناسک حج بھی بتا دے۔ مناسک منک کی جمع ہے جن کا لفظ معنی
 "سمو" ہے۔ اسی لیے عربی والے کپڑا دھو لے کر نساك الشوب بولتے ہیں۔ منک قربانی کو بھی کہتے
 ہیں۔ "میں نہ بہت سے عبادت و ریاضت کو منک کہتے ہیں۔ اور عابد کو منک اور عبادت کا وہ
 قربانی کی جگہ کو منک کہتے ہیں۔ گویا معنی یہی نکلتا ہے۔ کہ جس طرح دھونے سے کپڑا میل کچیل سے
 پاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح قربانی اور عبادت سے انسان کے گناہ دھل جاتے ہیں۔

جب نانہ کیہ کی تعمیر مکمل ہو گئی۔ تو جیسا کہ گذشتہ درس میں ذکر آچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ
 نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اعلان حج کا حکم صادر فرمایا۔ تو ضروری تھا کہ جس حج کا حکم دیا جا
 رہا ہے۔ اس کا طریقہ اور احکام بھی معلوم ہونے چاہئیں۔ اسی لیے باپ اور بیٹا دعا کرتے
 ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں احکام حج بھی سکھلا دے تاکہ جو لوگ اس ارادے
 سے آئیں وہ تیرے احکام کے مطابق اس فریضہ کو ادا کر سکیں۔

تقریر الوداع کے موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غرقات کے میدان میں اونٹ
 کی سواری پر خطبہ ارشاد فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ
 اے لوگو! مجھ سے احکام حج اچھی طرح سیکھ لو کہ لعلی لا اراکم بعد عارمی هذا
 شاید اس سال کے بعد تمہارے ساتھ طاقات نہ ہو سکے۔ اور پھر واقعی ایسا ہی ہوا۔ آپ
 اس حج کے بعد دوبارہ مکہ مکرمہ نہ آ سکے۔ اور تین ماہ بعد طاق حقیقی سے جا ملے۔ غرض کہ مناسک
 سے حج کا طریقہ اور اس کے احکام ملادیں۔ جن کے مطابق قیامت تک کئے گئے لوگ
 حج کرتے رہیں گے۔

لفظ اَرَمْنَا رویت وراثی سے ہے۔ اس کا مصدر اَرَمْتُ بھی آتا ہے۔ اگر رویت مصدر
 لیا جائے تو اس کا معنی "تعلیقت" دیکھنا ہے۔ اے اللہ! ہمیں مناسک حج دکھا دے۔ اور اپنی
 مصدر ہو تو اس کا معنی "نزل سے جاننا" ہوگا۔ اَلَمْ تَنْزِلْ اِلَی الْکَذِبِی سے رویت قلبی ملادے
 تو یہاں بھی اَرَمْنَا کا معنی یہ ہوگا کہ ہمیں مناسک حج کا علم عطا فرما۔ وَتُبَّ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ

تو یہ قبول فرما، مہربانی کے ساتھ ہم پر جو غم فرما۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ بیشک
 تو ہی تو بہ قبول کرنے والا ہے۔ یعنی مہربانی کے ساتھ رجوع کرنے والا ہے۔ تو از حد مہربان ہے۔
 پاپ اور بیٹھے کی دعا کے دو حصے مکمل ہوئے۔ تیسرے حصے میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ
 علیہ وسلم کی بعثت کی درخواست کی گئی ہے۔ جو اگلے درس میں آئے گی۔

اَللّٰہُ

درس پنجم و دیکھ

النبیۃ

آیت ۱۲۹

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۲۹﴾

ترجمہ: ہمارے پروردگار! ان کے اندر انہیں میں سے ایک رسول بھیج جو ان پر تیری آیتیں قرات کرے، اور ان کو کتاب اور حکمت سکھائے، اور انہیں پاک

کرتے۔ بیشک تو زبردست اور حکمت والا ہے۔ ﴿۱۲۹﴾

جس وقت حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام خاندانِ کعبہ کی دیواریں اٹھائے تھے، تو رفتہ رفتہ ساتھ دعا بھی مانگ رہے تھے، دعا کے بعض حصے گزشتہ درس میں بیان ہو چکے ہیں، سب کے چلنے والوں نے عرض کیا: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اے ہمارے پروردگار! ہم سے یہ عمل قبول فرمائے، اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ تو سنا بھی ہے درہم نفس کی نیت اور ارادے کو بھی جانتے، دونوں باپ بیٹے اپنی عاجزی کا اظہار کیا، اور عرض کیا کہ ہمارے اس عمل میں قصہ تیری رضا ہے، لہذا تو ہم سے یہ عمل قبول کر لے۔

دعا کے دوسرے حصے میں عرض کیا: رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ اے ہمارے پروردگار! ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنالے، وَهِنَ ذُرِّيَّتِنَا، مَکَّةَ مُسْلِمَةً لِّكَ میں اور ہماری اولاد میں سے ایک ایسی نسل بنا جو تیری فرمانبرداری ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی دعا کو شرف قبولیت بخشا، اور حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی اولاد میں امت مسلمہ پیدا کی، بنیادی طور پر تو اس امت مسلمہ میں عرب ہی شامل ہوئے، جو کہ اسماعیلی نسل کے قریش تھے، اس کے بعد انصاریہ بھی شامل ہوئے، اور پھر جو لوگ بھی ان کے ساتھ ملتے جلتے ہیں، وہ سب اس امت میں شامل ہیں، اس دعا کے ابراہیمی کو نتیجہ کی ہزار سال بعد نکلا جب اللہ تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔

دعا کے قمر سے نصیر میں غرض کیا وَاَرِنَا مَنَّا بِسُكِّنٍ اور ہمیں سنا مک ج بھی کھائے
 کہ کہانے بعد آنے والے بھی اسی طریقے کے مطابق بیت اللہ شریف کا حج کر سکتے ہیں۔ نیز
 یہ دعا کی وَتَبَّ عَلَيْنَا مَا لَنَا مِنَ الْقَوْلِ قَدِ افْتَرَيْنَا مَا كُنَّا نَعْلَمُ اَنَّ الشُّعْبَانَ لِرَبِّنَا
 تُوْبَةُ قَبُولِ كَرْنِے والا اور ہر ان سے بہ نسبت ابراہیم علیہ السلام یہ دعا کر سکتے تھے۔ "عصا جبرائیل
 حضرت اسماعیل علیہ السلام آئی کہ کر دیا یہ شامل تھے۔

حضرت غیل القدر علیہ السلام کی دعا جو تھا جبریل تھا۔ رَبَّنَا وَاعْثُ فِيهِمْ رَسُوْلًا
 مِنْهُمْ نَعْنَعُ ہمارے پروردگار! ان کے اندر انہیں میں سے ایک رسول بعثت فرما۔ یہاں
 یہ سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے امت مسلمہ کی درخواست پہلے اور رسول کی
 بعثت کی دعا بعد میں کیوں کی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے امت مسلمہ
 کی درخواست اپنی اولاد میں سے کی تھی۔ ظاہر ہے کہ قریش عرب حضرت ابراہیم اور حضرت
 اسماعیل علیہما السلام کی اولاد میں سے ہی ہیں جنہوں نے امت مسلمہ کی داغ بیل ڈالی۔ پھر
 ان کے ساتھ انصار مدینہ شامل ہوئے۔ اور پھر باقی اقوام عالم کو امت مسلمہ کی رکنیت حاصل ہوئی۔
 چونکہ نبی آخر الزمان علیہ السلام کی بعثت امت مسلمہ میں سے مطلوب تھی اس لیے امت کا
 ذکر پہلے کیا اور بعثت نبویؐ کا بعد میں کیا۔ سورہ جموں میں اسی قسم کا ذکر ملتا ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ
 نے احسان جنلاتے ہوئے فرمایا هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْاُمَمِ رَسُوْلًا مِنْهُمْ
 اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے عرب کے نازدہ لوگوں میں اپنا رسول بھیجا۔ ظاہر ہے
 کہ عرب کے اکثر لوگ کھنے پڑنے سے عاری تھے۔ کوئی اناؤ کا آدمی ہی زشت و خواستہ
 واقف تھا۔ لہذا اس مقام پر انہوں کا ذکر کیا۔ مگر مخاطب وہی قریش ہیں جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام
 کی نسل میں سے تھے۔

لفظ رَسُوْلًا اسم نکر ہے۔ اور اس سے عظمت کا اظہار ہوا ہے لہذا اس کا معنی
 نہت رسول نہیں، بلکہ عظیم الشان رسول ہو گا۔ دوسری آیت میں بھی یہ لفظ نکرہ کے طور پر ہی
 استعمال ہوا ہے۔ جیسے بَعَثَ فِي الْاُمَمِ رَسُوْلًا مِنْهُمْ اس میں جہنم
 کی قیہ سے بھی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ میں سے ایک عظیم الشان رسول بعثت فرمایا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام
 کی بعثت یہی ہے

عظیم الشان رسول

گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولاد میں سے اُمت مسلّمہ بنائی۔ اور پھر ان میں سے الرسولُ نہیں بلکہ رُسُوْلٌ یعنی نہایت عظمت والا رسولِ مبعوث فرمایا۔ یہ ایک عام سنت اللہ بھی ہے۔ کہ ہر نبی اپنی قوم میں سے مبعوث ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق ایسا ہی مذکور ہے۔ مثلاً عاد، ثمود، صالح علیہ السلام کی قوم قرم ابراہیم، حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی قومیں۔ جو جنیکہ ہر نبی اپنی ہی قوم میں ہوا ہے کہیں باہر سے نہیں آیا۔ چنانچہ نبی آخر الزمان علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے ان کی اپنی ہی قوم قریش میں سے مبعوث فرمایا۔ ایسا ہونا منطقی طور پر ضروری بھی ہے۔ کیونکہ اپنی ہی قوم میں سے ہونے کی وجہ سے نبی کے اخلاق و اطوار کو ہر شخص جانتا اور پہچانتا ہے۔ اور اُس کے اخلاص کی بنا پر نبوت کی تصدیق کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کی بعثت کی سعادَت بھی آپ کی اپنی قوم قریش ہی کی جو نبی اپنی ہی قوم میں سے ہوئے۔ اس لیے وہ اُنہی جنس میں سے یعنی انسان ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی طرف مبعوث ہونے والا نبی انسان ہی ہوگا۔ کسی غیر نسل سے نہیں برسکتا۔ اگر ایسا ہو، تو امت کو نبی کے اتباع میں سخت دشواری پیش آسکتی ہے۔ یا بعض معاملات میں ایمان ناممکن بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً اگر کسی فرشتے جان کر ان لوگوں کی طرف نبی مبعوث کیا جائے۔ تو رِیْسِلی بھی مختلف ہوگی۔ نبی اور امت کے درمیان تخیل میں فرق ہوگا۔ ان کی بود و باش اور عادات و خصائص میں فرق ہوگا۔ ان کی ضروریات مختلف ہوں گی۔ لہذا نبی کا اتباع کیسے ممکن ہوگا۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ نبی کا اپنی قوم کی جنس سے ہونا کوئی عام کی بات بھی نہیں ہے۔ علیٰ عقائدِ وائے نبی کی توجیہ یہ کہتے ہیں الرَّسُوْلُ اِنْسَانٌ جَعَلَهُ اللّٰهُ لِحَاكِمِ الْخَلْقِ لِتَبْلِيْهِ الْاَحْكَامَ یعنی نبی وہ انسان ہوتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ لوگوں کی طرف احکام شرعیہ پہنچانے پر مقرر کرتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کام کے لیے جس انسان کو منتخب فرماتے ہیں۔ اس پر وہی نازل فرماتے ہیں اور اس کی شان کو ہند فرماتے ہیں۔ لوگوں نے خواہ مخواہ باطل عقائد وضع کر لیے ہیں کہ نبی کو انسان کے سے اس کی نمود باللہ توہین ہو جاتی ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں بلکہ نبی کا انسان ہونا قرآنِ نہایت

نبی انسان
ہی ہوتا ہے

کی عظمت پر دلالت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو کہہ "إِنِّي خَالِقُ الْبَشَرِ مِنْ طِينٍ" یہ شکر کو منیٰ سے پیدا کرنے والا ہوں۔ اس میں تخلیق کی کون سی بات ہے۔ نہ معلوم لوگوں نے یہ کیسے سمجھ لیا ہے کہ نبی کو بشر کہنے سے نبی کی توہین ہو جائے گی۔ ان پر ضرور ہے کہ نبی ایک عام انسان کی طرح نہیں ہوتا۔ جس میں برزخ و بدشال ہو تب ہے۔ بعد نبی کو تمام امت پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ محصور ہوتا ہے۔ البتہ جہاں تک انسانیت یا بشریت کا تعلق ہے۔ قرآن پاک نے بار بار اس کی تصدیق کی ہے "قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" اللہ تعالیٰ نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلان بشریت کر لیا ہے۔ دوسری جگہ آپ ہی کی زبان سے سکھایا "هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلُكُمْ" آپ فرمائیجئے کہ میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک انسان ہوں اور اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ نہ میں عالم الغیب ہوں۔ نہ مختار کل ہوں۔ نہ میرے قبضے میں خزانے ہیں۔ نہ تمہاری فرمائش پوری کرنا میرے بس میں ہے۔ میں تو اللہ تعالیٰ کا رسول اور انسان ہوں۔

حضرت نوح علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام بھی یہی کہتے تھے جس میں کہ میں بھی تمہاری طرح انسان اور بشر ہوں۔ جس طرح تم کسی کی امداد ہو اسی طرح میرے بھی۔ پس میں جس طرح تمہاری نسل سے تمہاری اولاد ہے۔ اسی طرح میری بھی ہے۔ تمہاری بھی ضرورت زندگی میں اور میری بھی ہیں۔ باقی انسانوں پر پیش آنے والی واردت بیماری، صحت، معیروہ انبیاء علیہم السلام کو بھی وارد ہوتے ہیں۔ تمام طبعی امور جتنی کموت و حیات بھی سب پروردگار ہی ہوتی ہے۔ البتہ فرمایا کہ نبی کو امت پر فضیلت ہے: "يُؤْتِيهِ لِيَّ" مجھ پر وہی نازل ہوتی ہے۔ اور یہ بہت بڑی عزت و اکرام والی چیز ہے۔ جو آسمان سے حاصل ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ اس کام کے لیے منتخب کرے۔ اس سے زیادہ فضیلت والی اور کوئی چیز نہیں غرضیکہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی انسان ہی ہوتے ہیں مگر انسانیت میں ان کا درجہ بہت بلند ہے۔ انسان کہنے میں ان کی توہین نہیں ہوتی۔ بلکہ انسان تو وہ جی ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پر فضیلت بخشی۔ اسی لیے توفروہ: "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ" ہم نے آدم کے بیٹے یعنی انسان کو عزت بخشی۔

امتی خواہ کتنی بھی نیک کلام صالح اور پاکیزہ ہو۔ وہ معصوم نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ عام انسان تو گنہگار ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف نبی ہمیشہ معصوم ہوتا ہے۔ اس صفت کے بغیر نبی نبی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اس میں معصومیت معفود ہو تو اس کا اتباع ممکن نہیں لہذا کوئی بدترین شخص بھی نبی کی قرین نہیں کر سکتا۔ وہ تو معصوم ہے۔ اگر کوئی شخص نبی کے درجے میں برابر ہی کا ہو تو اسے تو وہ مومن نہیں رہتا۔ مگر ہم سے ہی ہماریوں نے نبی کو انسانیت کے دائرے سے خارج کر کے تَوَكَّلْ عَلَىٰ تَوَكُّلِ اللَّهِ کا خطاب لے دیا۔ بھائی یہ تو عیسائیوں والا عقیدہ ہے۔ وَجْعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا اَللّٰہ کے لیے اُسی کے بندوں میں جزو بنالیا اور شرک ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ تو خالق ہے۔ باقی سب مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو عورت کے بطن سے پیدا کیا ہے۔ یہ اس کی کمال صفت کا طور ہے۔ اس کو خدا کا عزیز بنانا محنت ہے اولیٰ اور گستاخی ہے۔ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی فضیلت عطا ہے۔

تلاوت قرآن پاک

فرمایا ہے: **رَبِّ اٰمَنَ مَسْلُوْنَ** اس میں سے ایک رسول بھیج کیسٹ **عَلَيْهِمْ اَلَيْسَ** جو ان پر تیری آیات تو روت کرے۔ آیت سے مراد ان کے یہ فرمان ہے جو نبی پر نازل ہوتا ہے۔ چنانچہ ابن ابی عمیر علیہ السلام نے عرض کیا کہ مراد کریم ابن عظیم الشان نبی کی بعثت کی دعا کر رہا ہوں اس کا پہلا فرض یہ ہو کہ وہ تیری آیتیں ان کو پڑھ کر سنائے اور انہیں تیرے احکامات آگاہ کرے۔ کیونکہ نبی کیلئے اللہ تعالیٰ کا عام حکم ہے **يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ** یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی حکم آپ پر نازل ہوا آپ اسے آگے اُمت تک پہنچا دیں۔

تلاوت کے دو مخوم ہوتے ہیں۔ اس کا پہلا مقصد احکام کو دوسروں تک پہنچانا یا دوسروں کو تعلیم دینا ہوتا ہے۔ اور اس کا دوسرا مقصد خود اپنی بات کے لیے تلاوت ہے جس طرح ہم قرآن پاک کو حکام الہی ہونے کی وجہ سے قراب کے لیے پڑھتے ہیں۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ جس قدر بار بار تلاوت کرے گا۔ تنہا ہی قراب کا اعتبار ہو گا۔ خود لفظ قرآن کا مطلب یہ ہے کہ وہ کتاب جو بار بار بخیر پڑھی جائے۔

اللہ تعالیٰ کی آیت جن کا ذکر اس آیت میں آیا ہے۔ وہ وحی کے ذریعے حضور علیہ السلام کی ذات والاصفا پر نازل ہوتی تھیں۔ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ گھر سے باہر تشریف لاتے اور کاتبانِ وحی میں سے جو بھی قریب ہوتا اُسے طلب فرماتے اور حکم کرتے کہ اس آیت یا سورت کو فلاں مقام پر رکھ لو تو وہ کچھ لیتے۔ بعض اوقات آپ عام مجلس میں تشریف لاتے اور اعلان فرماتے کہ اچھی! ابھی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا ہے۔ بعض اوقات ایسا ہی ہوتا کہ مجمع عام میں تشریف فرما ہوتے اور آپ پر وحی کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ آپ کا چہرہ تغیر ہو جاتا اور پھر تھوڑی دیر بعد آپ ارشاد فرماتے کہ یہ وحی نازل ہوئی ہے۔ پھر آپ حضرت زیدؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ یا جو بھی کاتب مل جاتا اُسے تحریر کرا دیتے۔

پہلی بات تو یہ تھی کہ وہ غنیمة الشان رسول تیری آیات کی تلاوت کرے گا۔ اب دوسری بات یہ بتائی کہ وَجُعِلَ لَكَ الْكِتَابُ کہ وہ رسول امت کو کتاب کی تعلیم دے گا۔ کتب کی تعلیم کا صرف پڑھ کر سنا دینا اور چیز ہے۔ اور اس کی تعلیم دینا دوسری بات ہے۔ یہاں پر کتاب کی تعلیم کا ذکر ہے۔ اور علم محنت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ اہم بخائی فرماتے ہیں اَلْعِلْمُ بِالْاَتِّعْلَمِ علم خود بخود حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ سیکھنے سے آتا ہے۔ اور جو لوگ خود بخود سیکھتے ہیں۔ اساد کی مدد حاصل نہیں کرتے۔ صرف کتابیں پڑھ کر عالم بنا چکے ہیں۔ وہ علم میں کچھ سبب سے ہیں اور ان میں اکثر گمراہ ہوتے ہیں۔ ان میں کما حقہ علم کی کچھ نہیں آتی۔ علم حاصل کرنے کے لیے بڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ سلف صالحین نے حصول علم میں جس قدر محنت کی ہے اس کا آج تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اہم شافعی فرماتے ہیں کہ میں سولہ سال تک اس حالت میں رہا کہ رات کو ریاضت لگتی تھی تو رات بھر ایک پیالہ پانی بھی نہیں پیتا تھا۔ کہیں مطالعہ میں غفلت نہ آجائے۔ اگر غنڈگی طاری ہو گئی تو مطالعہ اوجھڑا دیا جائے گا۔ چالیس چالیس سال تک لوگوں نے اتنی بڑی بڑی محنت کی ہے۔ تب جبکہ علم حاصل ہوا ہے۔

بہر حال تعلیم ایک اہم چیز ہے۔ اس کے بغیر انسان میں کمال پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ

اساد کی مدد سے عین پتا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں، کہ دنیا کا کوئی آدمی سے ادنیٰ
یا اعلیٰ سے اعلیٰ پیشہ بوجہ تک کوئی اساد کے سامنے زانوئے تلمذ نہ نہیں کرے گا علم و فن حاصل
نہیں کر سکتا۔ تو بابہ روزی، ڈاکٹر ہوا، بکھیرے، بزمین کی صحبت حاصل کرنا ہوگی۔ اس کے بغیر وہ
پانے فن میں کامل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح بظہیم جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے
بھیجی ہے۔ سبک زیادہ دقیق ہے۔ یہ بغیر اساد کے کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ ایسی کوشش کرنے
وہ منزل مقصود تک نہ پہنچ سکیں گے۔ بلکہ گمراہ ہو جائیں گے۔ لہذا وحی کی تعلیم کے لیے بغیر کی
ضرورت ہے۔ اور اس لحاظ سے آپ کی ایک صفت معلم بھی ہے۔

ایک دفعہ ذکر ہے، کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے۔ وہاں یہ
دو گروہ بیٹھے پڑھے۔ کام میں مشغول تھے۔ ایک گروہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں کا تھا۔ جو
ذکر میں مشغول تھا۔ اور دوسرا گروہ تعلیم و تعلم کا کام کر رہا تھا۔ حضور علیہ السلام اس دوسرے گروہ
میں تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: **اَلَمْ تَكُنْ لِمَنْ يَعْلَمُ مِنْكُمْ** یعنی مجھے اللہ تعالیٰ نے معلم
بنانا کر بھیجا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہی دعا کی تھی **وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ** اللہ
ان میں ایسا نبی بھیج جو انہیں کتاب کی تعلیم دے۔

تعلیم کتاب کے سلسلے میں بعض اوقات الجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ صحابہ کرامؓ صاحبان
تھے۔ عربی، ان کی مادری زبان تھی۔ اس کے باوجود بعض امور کے سمجھنے میں دقت پیش آتی تھی۔
اس سورۃ بقرہ میں **خِطَا اسود** اور **خِطَا ابیض** کا ذکر آیا ہے۔ عدی بن حاتم اس کا مطلب نہ سمجھ
سکے۔ حالانکہ خالص عرب اور پھر شاعر بھی تھے۔ زبان پر عبور حاصل ہونے کے باوجود وہ ان
الفاظ کے معنوں تک نہ پہنچ سکے۔ یہ **خِطَا ابیض** اور **خِطَا اسود** کو سفید و سیاہ دسی سمجھتے تھے۔ حالانکہ
اس سے مراد رن اور رات ہے۔ اسی طرح **ظلم** کا معنی سمجھنے میں صحابہ کرامؓ کو غلطی ہوئی اور پریشان
ہو گئے۔ حضور علیہ السلام نے وضاحت فرمائی کہ یہاں **ظلم** سے مراد متحرک ہے۔ **اِنَّ الشَّيْءَ كَ
لَظُلْمٍ عَظِيْمٍ** متحرک بہت بڑا ظلم ہے خود قرآن پاک میں تصریح موجود ہے۔ بغض!

اس قسم کے نجات تعلیم کے ذریعے مل ہوتے ہیں۔ کہیں کسی حکم کو خاص کرنا ہوتا ہے۔ کسی کی عورت بیان کرنی ہوتی ہے۔ جو کہ استاد کے بغیر ممکن نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی حکمت میں یہ بات بیان ہوئی ہے کہ بعض چیزیں بینات کے قبیضے سے ہوتی ہیں۔ انسان ذرا اسی توجہ کرے، تو آسانی سے حاصل کر سکتا ہے۔ اور بعض ایسی ہوتی ہیں۔ جن کو سانی سے سمجھنا ممکن نہیں ہوتا۔ جیسے فرمایا: **هُوَ الَّذِي ارْسَدَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْخَقِّ** وہ ذات خداوندی جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا، یہاں پر ہدایت اور دین حق کو سمجھنے کے لیے استاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ ایسی معمول چیز نہیں ہے جو ادنیٰ توجہ سے معلوم ہو جائے۔ اس لیے فرمایا کہ اللہ! انہیں میں سے رسول بھیج جو انہیں کتاب کی تعلیم دے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری دعا یہ تھی **وَكَفِّرْ عَنْهُمْ اَلْكَتِبَ وَالْخِيَاكِمَةَ** اے رسول معوث فرما جو کتاب کے علاوہ انہیں حکمت کی تعلیم بھی دے۔ حکمت کی تشریح میں مفسر بن کرم کے بہت سے اقوال ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد انوارِ قلوب یا باطنی باتوں کا جانتا ہے۔ بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ حکمت عقل کی دلیل اور دلیل کی بصیرت کا نام ہے۔ حضرت ام اکث فرماتے ہیں **مَعْرِفَةُ الَّذِينَ وَالْفَقْهُ فِيهِ وَالتَّوْبَةُ لَهٗ** یعنی حکمت نام ہے دین کی معرفت، اس کی نگہ اور اس کے اتباع کا۔ عام طور پر حکیم کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے۔ **مِنْ اَتَقَنَ الْعِلْمَ وَالْعَمَلَ حَكِيمٌ** وہ ہے جس نے علم اور عمل میں کمال حاصل کر لیا اور کمال کا معنی ماہر بنی الغن ہے۔ خواہ وہ بے عمل ہو۔ مگر حکیم وہ ہوگا جو علم اور عمل میں مساوی ہوگا۔

بعض فرماتے ہیں کہ شریعت الہیہ میں جتنی صلتیں اور دین کے جتنے احکام ہیں ان کو پہچاننے کا نام حکمت ہے۔ حق اور باطل کے درمیان امتیاز کرنا بھی حکمت کہلاتا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کو بھی حکمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بعض کہتے

ہیں کہ تمام چیزوں کو ان کی حقیقت کے ساتھ جاننے کا نام حکمت ہے۔ حدیث شریف میں آیت ہے
 اَفْهَمُ رَحْمَةِ الْغَفِيِّ حَقًّا لِّى اللّٰہ اہمیں حق کو سمجھنے کی توفیق عطا کرے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم باطل کو حق
 سمجھ لیں۔ بزرگان دین کی دعائیں آتا ہے کہ میں تیریں اس طرت دکھا جس طرت وہ واقعہ
 میں ہیں۔ بسا اوقات آدمی کسی چیز کو سمجھتا ہے مگر حقیقت میں کچھ اور ہوتا ہے۔ امام ابن ربیعؒ
 جو حکمت کے اہم ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو تمہارے لیے نصیحت کا باعث بنے یا نہیں
 بُرائی پر زہر کرے یا کسی قبیح کام سے روکے یا کسی بزرگی کے کام کی طرف دعوت دے وہ سب
 حکمت ہے۔ امام رغبہ جو لغت اور تفسیر کے اہم ہیں فرماتے ہیں الْحِكْمَةُ اَصَابَةُ
 الْحَقِّ بِالْعِلْمِ وَالْعَقْلِ بِحَقِّ كَوْنِهِ اَوْ عِلْمِ اَوْ عَمَلٍ اَوْ عِلْمٍ اَوْ عَمَلٍ اَوْ عِلْمٍ اَوْ عَمَلٍ اَوْ عِلْمٍ اَوْ عَمَلٍ
 ہیں کہ قول اور عمل میں برابری کا نام حکمت ہے۔

امام بیضاوی اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ ایسی چیز جس کے ذریعے انسان کے
 نفس کی تکمیل ہوتی ہو حکمت ہے۔ حدیث شریف میں آیت ہے رَأْسُ الْحِكْمَةِ خِفَافَةُ
 اللّٰہِ مَعِ حِکْمَتِکِ جبر اور یش واللہ تعالیٰ کا خوف ہے جس انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا
 ہو جائے سمجھو کہ اس میں حکمت کی بنیاد قائم ہو گئی ہے۔ حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے مَنْ
 خَلَعَ لِلّٰہِ رَعْبَیْنِ یَوْمًا جَسَدٌ یُّسَلِّمُ دُنْیَاہُ وَآخِرَہُ سَلَامًا سَلَامًا سَلَامًا سَلَامًا سَلَامًا
 کی جبروت سے نجات پانچ اَلْحِکْمَةُ مَنْ قَلْبُهُ عَلٰی لِسَانِهِ حکمت کی برکتیں اس کے دل
 کی طرف سے اس کی زبان پر جاری ہو جائیں گی۔

بعض محققین کہتے ہیں حکمت نام ہے مَفْرِفَةٌ اَفْضَلُ اَشْیَاءِ بِاَفْضَلِ
 الْعُلُومِ افضل چیز کو افضل علم کے ساتھ جاننے کا نام حکمت ہے۔ ظاہر ہے کہ سب سے افضل
 چیز اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات ہیں۔ اور سب سے افضل وہ علم ہے جس سے انسان کو
 حضور قلب حاصل ہو جائے۔ اگر اس کے دل میں ایسی کیفیت پیدا ہو جائے تو وہ خدا تعالیٰ کی

ذات اور اس کی صفات کو پہچان لے گا اور سمجھ جائے گا کہ یہ شخص حکیم ہے۔ ہر عام فہم معنی میں حکمت، الشوری، کعبہ اور پتے کی باتوں کو کہتے ہیں ایسی باتیں احکام ہوتے ہیں۔ ان کی مصیبتیں اور ان کے اثر بھی ہوتے ہیں۔ ان کے غوامض ہوتے ہیں۔ اس میں سنت بھی شامل ہے۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام باتیں سکھائی ہیں اس لیے فرمایا وَيَعْلَمُهُمُ الْكِتَابُ وَالْحِكْمَةُ وہ رسول جو لوگوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

دعا کا جو تمام جزو تھا وَيَسِّرْ لَنَا اور ان کو پاک کر دے۔ یہ لفظ بڑے دور رس معانی تکمیل نفس کا حامل ہے۔ پاکیزگی سے مراد یہ ہے کہ ان سے تمام رذائل دور ہو جائیں۔ اور تمام فضائل ان میں پیدا ہو جائیں۔ رذائل میں غفاق، بد اخلاق، گندگی، معاصی، بد انتمانی، اور دیگر تمام خراب چیزیں آتی ہیں جن میں سب سے پاکیزگی مطلوب و مقصود ہے۔ تزکیہ اسی کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام۔ اسی موقع پر یہ بات سمجھائی کہ کسی قوم میں فوز و فلاح اور سعادت تزکیہ کے بغیر نہیں آسکتی۔ لہذا انہوں نے امت مسلمہ کے لیے تزکیہ کی دعا کی، اور پھر آپ کی دعا کا اثر بھی دیکھئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین مخالفین کی جہالت مثالی تھی۔ ان کی خباثت، جہالت اور ہٹ دھرمی سب کچھ عیاں ہے۔ مگر اس تزکیہ کی بدولت کیسے کیسے جلیل القدر لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے تن میں دامن ہر چیز دین پر قربان کر دی۔ ایک دوسرے مقام پر تزکیہ کو یوں بیان فرمایا خُذْ مِنْهُمْ مَوْلَاهُمْ مَدَقَّةً ان کے دلوں میں سے زکوٰۃ وصول کر لیں تَطْهَرُ لَهُمْ و تَزَكِّيَهُمْ وہ ظاہری اور باطنی مرد و بیلوڑوں سے پاک ہو جائیں گے۔ غرضیکہ تزکیہ سے مراد ظاہری پاکیزگی بھی ہے۔ اند باطن کی پاکیزگی بھی ہے۔ اسی لیے فرمایا۔ لے اللہ! ان میں ایسا رسول بھیج جو تیری آیات پر دو کرنا۔ انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا آخری حصہ تزکیہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اسی لیے بیعت اور تزکیہ اس کو دعائے آخر میں بیان کیا گیا ہے۔ بزرگان دین کی بیعت حصول تزکیہ کا ایک ذریعہ ہے جو کہ حضرت علی سے چلا آ رہا ہے۔ بزرگان دین مرید کو وظیفہ بتاتے ہیں۔ عبادت و ریاضت کا طریقہ سکھاتے ہیں۔ اور سرحدی پرہیز بھی بتاتے ہیں۔ تاکہ مرید باطنیوں سے پاک ہو جائے اور اس میں خوبیاں ابھر کر آج پیری مریدی ایک پیشہ کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ بیعت ایک

رہی چیزیں کر رہ گئی ہے۔ فاسق فاجر، بے نماز، بیزار اور کتے پالنے والے گدی نشین ہیں۔ اور
 جملہ سے بیعت لے لیے ہیں۔ نہ پیر کو احکام الہی کا علم ہے۔ نہ مرید کے پلے کچھ پڑا ہے۔
 بس چند رسوم اور کفر کے پیری مری کی بندھن میں بندھ گئے۔ نہ پیر نے تربیت کی، نہ حلال و
 حرام کی تفریق کھائی، تو تزکیہ کیسے ہو گا۔ مالا لکھ اللہ تعالیٰ کے نبی نے جن لوگوں سے بیعت لی تھی۔
 اُس کا کوئی مقصد تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بنی علیہ السلام کو ارشاد فرمایا، کہ ان لوگوں سے
 ان شرائط پر بیعت لیں کہ کفر و شرک کا ارتکاب نہیں کریں گے۔ مگن و کی باتوں سے پرہیز کریں گے
 جو وہی نہیں کریں گے۔ بدکاری نہیں کریں گے۔ کسی پرستان نہیں بنادیں گے وغیرہ وغیرہ۔
 فرمایا اگر ان شرائط کے مطابق مرد اور عورتیں بیعت کریں، تو ان کی بیعت میں اور جو ان شرائط
 کو پورا نہ کریں ان سے بیعت نہیں۔ مگر آج حالت یہ ہو چکی ہے کہ بیعت بھی جو رہی ہے۔ اور
 کفر و شرک، ابداعات کی بھی فراوانی ہے۔ کوئی پیر مرید سے نہیں پوچھتا کہ کیا کرے۔ جو قبریں پکی
 بن رہی ہیں، گنبد تعمیر ہو رہے ہیں۔ ان پر قوالی ہو رہی ہے۔ گانے گائے جاتے ہیں۔ قبروں پر
 چادریں چڑھتی ہیں، سجدے ہو رہے ہیں۔ بتائیں اب تزکیہ کہاں سے آئے گا۔ بزرگان دین نے
 ان باتوں کا حکم نہیں دیا تھا، انہوں نے تو اپنے لیے جھوٹا اجماع پسند نہ کیا۔ اس دنیا کی پوری
 زندگی مسافر کی طرح گزاری۔ مگر آج ان کی قبروں پر عالیشان گنبد بندے جاتے ہیں۔ لاکھوں
 روپے خرچ کیے جاتے ہیں۔ جن بزرگوں کی تعلیم پر مسمیٰ کہ مرید کے لیے سونا اور ریشم حرام ہے، انہی
 قبروں پر سونے کے دروازے اور ریشم کی چادریں چڑھائی جا رہی ہیں۔ کیا وہ بزرگ ان طرافت
 سے سزا نہیں ہوتے ہوں گے۔ وہ تو ساری عمر ایمان کی دعوت دیتے رہے، کفر و شرک سے
 بیزاری کا اظہار کرتے رہے، مگر ہم ان کے بعد کیا کر رہے ہیں۔ غرضیکہ عمر کا ایک فریضہ یہ
 بھی ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کا تزکیہ کرے۔

حضرت علیہ السلام کے پاس ایک شخص آیا، حضور! میں نے فلاں جگہ پر جائزہ زنج کرنے
 کی سنت دینی ہے کیا اسے پورا کروں، آپ نے پوچھا۔ اُس جگہ کبھی کوئی بت تو نہیں تھا یا
 کسی نے اسے میں وہاں کوئی بزرگ تو نہیں بیٹھا تھا۔ لوگوں نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے کہا
 پر جائزہ زنج کرنے کی اجازت ہے دینی ہے آپ کا مفہد یہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ نہ از جاہلیت

ہیں وہاں کوئی تھان جو جس کی پوجا ہوتی ہو۔ کوئی بزرگ کسی خدمت کے نیچے بیٹھ گیا۔ تو درخت کی پوجا ہونے لگی۔ آپ نے اس قدر احتیاط فرمائی۔

الغرض! حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسمعیل علیہ السلام نے دعا کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی تعریف فرمائی۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اے مولا کریم! تو ہی کمال قدرت کا مالک ہے۔ عزیز کا معنی غالب ہے۔ یعنی ہر چیز پر تیرا ہی غلبہ ہے۔ اور حکیم سے مراد کمال حکمت کا مالک بھی تو ہی ہے۔ تیرے سب امور حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوتے ہیں۔ ہماری دعا کو قبول فرما اور امت مسلمہ قائم کر اور پھر ان میں عایشان رسول بھیج جو تیری آیات پڑھے۔ انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تذکرہ کرے۔

وَمَنْ يَتَّعِبْ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدْ
 صَطَّقَيْنَاهُ فِي الذُّنُوبِ وَأَنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝
 إِذْ قَالَ لَدَرْبَةِ اسْلِمُ قَالَ اسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝
 وَوَضَىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يُبْنِي إِنَّ اللَّهَ
 صَاطِفِي لَكُمْ الدِّينَ فَتَدْتُمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُلْمُونَ ۝
 أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ
 لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي قَالُوا لَنْ نَبْدُ إِلَهًا
 وَاللَّهُ آبَاؤُكُمْ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ اللَّهُ
 وَخُزُّ لَكُمْ مُلْمُونَ ۝ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ
 وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُكْسَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

ترجمہ: اور میں نے اس پر (عبرہ السلام) کی امت سے عہد شکنی کی۔

نے اپنے نفس کو بیوقوف بنایا۔ اور البتہ تحقیق ہم نے ہر ایک (عبرہ السلام) کو اپنے دنیا میں

بے شک آخرت میں البتہ لوگوں میں شمار ہوگا ۝ جب اُس کے رب نے قیامت

ہو جاوے تو اُس نے کہا میں فرمانبردار ہو چکا ہوں رب العالمین کے لیے ۝ اور ابراہیم

(عبرہ السلام) نے اپنے بیٹوں کو اس امت پر قائم رہنے کی وصیت کی۔ اور یعقوب (عبرہ السلام)

نے بھی۔ اور کہلے میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دین کو چن لیا ہے پس

تم نہ مرد و مگر اس حالت میں کہ تم فرمانبرداری کرنے والے ہو ۝ کیا تم حاضر

تھے جب یعقوب (عبرہ السلام) کو موت آئی تھی۔ جیسا انہوں نے اپنے بیٹوں سے

کہا تھا، تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم عبادت کریں گے

تیرے معبود کی اور تیرے آباؤ اجداد، ابراہیم، اسماعیل، اور اسحاق (عبرہ السلام)

سے ایک ایسی روشنی نکلے۔ جس سے شام اور بصری کے محلات روشن ہو گئے۔ یہ یہاں تک کہ انہوں کی گردنیں نظر آرہی ہیں۔ اس حدیث کی ترجمانی مولانا الطاف حسین حالی نے اپنی طویل نظم مرد جزا اسلام میں خوب کی ہے۔

ہوئی پیلوئے آمد سے ہویدا دعائے غلیل و نوید مسیح

جہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا تعلق ہے۔ قرآن پاک نے اس کو بھی واضح کر دیا ہے۔ آپ نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں تمہاری طرف رسول مبعوث ہوا ہوں۔ میں اپنے سے پہلی کتاب توراة کی تصدیق کرنے والا ہوں۔ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِيهِمْ بِقَدْسٍ اسْمُهُ أَحْمَدٌ اور اپنے بعد آنے والے رسول کی بشارت دینے والا ہوں۔ جن کا نام نامی ادراہم گرامی احمد ہوگا۔ غبرائی اور سردانی زبان میں احمد کو فار قلیط کہا گیا ہے جس کا معنی دنیا بھر کا تعریف کیا ہوا۔

شاعری میں مولانا الطاف حسین حالی بانی پی۔ غالب کے شاگرد تھے اور علوم دینیہ میں حضرت مولانا شاہ اسحق صاحب کے شاگرد تھے۔ ۱۸۵۹ء کی جنگ آزادی میں آپ زیرِ علم تھے۔ مگر اس جنگ سے آپ کی زندگی بے اثر ہو گئی۔ آپ کا شمار قومی شاعروں میں ہوتا ہے۔ آپ نے اسلام کے عروج و زوال کی داستان نہایت نثر و انداز میں نظم کی صورت میں پیش کی ہے۔ آج کل لوگ میلادِ نثرانی کہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کی طرح کے نام پر کعزیر اور شرکیہ کلمات کہہ جاتے ہیں۔ ایسی تمام نعمتوں کے مقابلے میں مولانا حالی کا یہ ایک ہی شعر کافی ہے۔ حدیث کے مخزون کو ایک شعر میں کمال طریقے سے سمجھ کر حضور علیہ السلام کی تعریف کی ہے۔

تفسیرِ معالم التنزیل میں شانِ نزول اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ کہ یہودی علماء میں سے حضرت عبداللہ بن سلامؓ کو اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائی۔ آپ کے بھائی کے دو بیٹے بھی صاحبِ علم تھے۔ آپ نے ان سے کہا کہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ کورۃ میں یہ بیان موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میں بنی اسرائیل اور بنی اسمعیل میں ایک نبی مبعوث کروں گا۔

بیت گنان
نزول

جس کا نام احمد ہوگا۔ اور جو شخص اس پر ایمان لائے گا۔ ہدایت پائے گا۔ اور جو اس کا انکار کرے گا وہ ملعون ہوگا۔ چنانچہ ان دو ہیوں میں سے ایک بھائی مسلمان ہو گیا اور دوسرا یودیت پر قائم رہا۔
آیات زیر درس میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ عَصَوْا عَنَّا ذِكْرًا اِسْمًا عَلٰى اَنۡفُسِهِمْ اَنۡفُسُهُمْ اَوۡرَثُوۡا ۭۤ اَنۡفُسَهُمْ ۚ وَهِيَ الْاٰتِیَّةُ ۚ
کہتا اے ابراہیمی سے مگر وہ شخص جس نے اپنے نفس کو یہ قوت بنالیا۔ یعنی ایسا کام وہی کر سکتا ہے
جو پرے درجہ کا یہ قوت ہو۔ اپنی عقل و خرد کو بردے گا نہ لانا ہو۔ وہ عقل مند شخص جس کی اپنی کوئی
دائے ہو۔ وہ قسب ابراہیمی سے اعراض نہیں کر سکتا۔

دین، ملت اور شریعت تین مختلف چیزیں ہیں۔ دین تمام انبیاء علیہم السلام کی مشترک مہرست
ہے۔ قرآن پاک کے دوسرے مقام پر آتا ہے: شَرَعَ لَّكُم مِّنۡ دِّنِہٖ مَّا وَضَّیۡنَا ۚ وَفِیۡہِ
نُوحًا وَّالَّذِیۡ اَوْحٰیۡنَا اِلَیۡكَ وَ مَا وَصَّیۡنَا بِہٖ اِسْرَہٖمَ یعنی ہم نے آپ کی طرف
وہی دین نازل کیا جو نزول علیہ السلام و ابراہیم علیہ السلام کی طرف نازل کیا۔ دین ایک بغیر دین دوسرے ہو سکتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام
سے لیکر حضرت آدم علیہ السلام تک ایک ہی رہا ہے۔ اس میں بغیر توحید سے اس کے بعد فرشتوں کے انوں و مولوں
اور قیامت پر ایمان ہے۔ یہ ایسے بنیادی عقاید ہیں جن میں کسی زمانے میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا
ملت میں سولے سولے اصول اور کلیات ہوتے ہیں مثلاً انبیاء علیہم السلام کی ملت میں بھی بہت
مذاہب و مذاہب تھے اور ملت کبھی کبھی متغیر ہوتی ہے مگر ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ بعض
کلیات ہر ملت میں قائم رہے ہیں۔ مثلاً طہارت، خدا کے سامنے عاجزی، مساحت و عینا مٹی۔
عدل و انصاف، تہذیب نفس وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو تمام مل میں قدر مشترک رہی ہیں چنانچہ
ابراہیم علیہ السلام اور حضور علیہ السلام کی گویا ایک ہی ملت ہے۔ ایسے ملت اسلامیہ کہ میں یا ملت
ابراہیمی، مطلب ایک ہی ہے۔ اور اس آخری دور میں حضور علیہ السلام کا اتباع ہی ملت ہے۔
ابراہیمی کا اتباع ہے جو شخص نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت کا فرد نہیں ہے۔ اُسکی
طرف سے قسب ابراہیمی سے تعلق کا دعویٰ باطل ہے۔ ایسا شخص گمراہ ہوگا۔ چنانچہ اس وقت

یہودی اور نصرانی دونوں ملعون گردہ ہیں۔

برہمنی کی شریعت مختلف ہوتی ہے۔ شریعت میں مسائل کی جزئیات ہوتی ہیں جو کچھ ان زمانہ کی مناسبت سے بدلتی رہتی ہیں۔ اسی لیے فرمایا: لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شَرْعَةً وَمُتَحَاً ہم نے ہر امت کے لیے جدا جدا شریعت بنائی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: عَنْ هَاشِمٍ ابْنِ سَلَمَةَ اَوَّلُ دَعْوَةٍ دِينُنَا وَاحِدٌ ہم ائمہ علیہم السلام کا گردہ علقائی بھائی ہیں۔ مگر ہمارا دین ایک ہی ہے۔ علقائی بھائی وہ ہوتے ہیں جن کا باپ ایک ہو اور مائیں مختلف ہوں۔ حضور علیہ السلام نے اس مثال سے یہ بات سمجھائی کہ دین ایک بنیادی چیز ہے۔ جو کہ غیر تغیر پذیر ہے۔ مگر شرائع یعنی جزئیات مختلف زمانوں میں بدلتی رہتی ہیں۔ جیسے حلال و حرام کے مسائل میں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں دو سگی بنیں بیک وقت ایک مرد کے نکل میں آسکتی تھیں۔ ہماری شریعت میں یہ ناجائز ہے۔ ان کی شریعت میں اونٹ کا گوشت کھانا جائز نہیں تھا۔ مگر ہمارا شریعت میں جائز ہے۔ مقصد یہ کہ شریعت ایک تغیر پذیر چیز ہے۔ وقت کے بٹے بٹے اصول مشترک ہوتے ہیں۔ اور دین بالکل غیر تغیر پذیر ہے۔ یہ ہمیشہ قائم و حساب۔ قَتِ ابْرَاهِيْمَ کے تذکرہ کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیٹیاں پر تعریف بیان فرمائی ہے۔ وَلَقَدْ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں نبوت و رسالت اور امامت و پیشوائی کے لیے منتخب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا میں درجہ کمال تک پہنچایا اور آپ کو عزت اور شرف عطا کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے منتخب شدہ برگزیدہ ان تھے وَاِنَّكَ فِي الْاُخْرٰى لَعَمْرُ الصَّبِيْحِ اور آخرت میں وہ نیکو کاروں میں شمار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا اور آخرت ہر دو مقام میں بزرگی عطا فرمائی۔ لہذا ان کے طریقے سے انحراف کرنے والا ملعون کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

حضرت برہم علیہ السلام
کا مرتبہ و نشان

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نبوت و امامت جیسے منصب جلیلہ پر فائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اَوْ قَالَ لَمْ يَرْسَلْنَاكَ جب ان کے رب نے ان سے کہہ کر فرائز و مہاجرات کو ان کے لئے

حضرت برہم علیہ السلام
کی شرفاویز وادی

لَوْ بَدَّلْنَا نِعْمَتَنَا الَّتِي كُنَّا نَمُنُّ بِهَا عَلَى الْغُلَامِ كَافَرًا بِرَبِّهِ
 بَرًّا. اللہ تعالیٰ کی فرمائندگی کہ امانت کا اولین اصول ہے۔ امانت کا یہ فرض ہے کہ ہر نے
 دے دیے ہوئے کا اتباع کرے۔ فرمائندگی کی ہی ضمانت ہے۔ قسمت پر ایمان ہی بس بھلا پیدا ہوا ہے
 اور نعمت پر ایمان ہی۔ اسی لیے ان دو گروہوں کی مذمت کی گئی ہے۔ حقیقت میں امت پر ایمان
 ہی ملت اسلامیہ ہے۔ جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رہنمائی ہے۔ اور جس پر حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام
 — بھی کار بند ہے۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی ارشاد ہوا اَنْ اَتَّبِعْ هَدًى
 اَبْرَاهِيْمَ حَنِيفًا ۙ لَمْ يَكُنْ مِنَ الْمِلَّةِ الْاُولٰٓئِہِ الْكَافِرَةِ ۚ اَتَّبِعْ اَبْرَاهِيْمَ عَلٰی الْمِلَّةِ الْاُولٰٓئِہِ الْكَافِرَةِ
 کا اتباع ہے۔ جو شخص پہلے نبی کی اطاعت کا دعویدار ہو۔ اور آخری نبی کا انکار کرے۔ وہ امت پر ایمان
 کا یہ دکار کیسے ہو سکتا ہے۔ بنی اسرائیل کو بھی یاد رہا ہے۔ کہ وہ ہٹ و دھرمی چھوڑ کر دین اسلام کو
 قبول کر لیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو اسی ملت اسلامیہ پر کار بند ہے
 کی وصیت کی۔ وَوَضَعْنَا اِبْرٰہِیْمَ سَبِيْلًا ۙ وَنَعْقُوبَ ۙ حضرت ابراہیم علیہ السلام
 کے کہنے بیٹے تھے۔ اس میں مختلف روایات ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ چار بیٹے تھے بعض نے
 سات اور بعض نے چودہ رکھے ہیں۔ آپ کی متعدد بیویاں تھیں۔ اور مین۔ مائیں۔ اسماعیل اور اسحاق
 سب ابراہیم علیہ السلام کے فرزند تھے۔ اسی طرح یعقوب علیہ السلام کے بھی بارہ بیٹے تھے۔ تو ان دونوں
 جلیل القدر انبیا کے اہل گھر نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی یٰ اِبْرٰہِیْمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكَ الدِّیْنَ لَیْسَ
 بِطَوٰی ۙ اَبَیْ شَکَ اللّٰہِ تَعَالٰی سے تمہارے لیے دین اسلام کو منتخب فرمایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین
 ہے۔ اسی پر کار بند رہنا۔ فَلَا تَقْوَمُوْنَ اِلَّا ۚ وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ اور تمہاری موت صرف اسی
 حالت میں آئی چاہیے کہ تم فرمائندگی کرنے والے ہو۔ یعنی دین اسلام پر قائم ہو۔ یہ مقصد یہ تھا کہ
 موت ایک غیر اختیار ہی چیز ہے۔ پتا نہیں کس وقت وارد ہو جائے۔ لہذا تمہارا ہر لمحہ اطاعت
 خداوندی میں دین اسلام پر گزارنا چاہیے۔ یعنی موت دم تک ملت اسلامیہ پر قائم ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت ابراہیم اور
 یعقوب علیہما السلام
 کی وصیت

کا ارشاد کرامی ہے۔ مَن مَاتَ عَلَى سُنِّيِ وَبَعَثَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ جو شخص جس عقیدے پر مرے گا، اُمّی پر قیامت کے دن اٹھایا جائے گا۔ لہذا تمہاری موت دینِ حق پر آنی چاہیے۔ تاکہ روزِ محشر یہی دین لے کر اٹھو۔

یہودیوں کے لٹریچر میں اس وصیت کے ضمن میں حضرت اسحق علیہ السلام کا بھی ذکر ہے۔ کہ انہوں نے بھی اپنی اولاد کو ایسی ہی وصیت کی تھی۔ جب ان کا وقتِ موعود آ پہنچا، تو انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو بلا کر کہا کہ میں تم کو اس خدا کا واسطہ دیتا ہوں، جس کی صفاتِ الٰہیہ عظیم، قدیم اور عظیمہ ہے۔ اور جو آسمانی زمین کے درمیان ہر چیز کا خالق ہے۔ تم اُمّی خدا کا خوف رکھنا اور اُمّی کی عبادت کرنا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی وقتِ آخر اپنے بیٹوں کو پاس بلا کر کہا۔ مجھے خدا شہ ہے۔ کہ تم میں سے کوئی بت پرستی اور شرک کی طرف میلان رکھتا ہے۔ تو بیٹوں نے جواب دیا۔ سن لے اسرائیل! لے ہمارے باپ! ہمارا خدا وہی ہے جو سَوِيذِل ہے۔ اور جس طرح ایک خدا تعالیٰ پر تیرا ایمان ہے۔ اُمّی طرح ایک خدا پر ہمارا بھی ایمان ہے۔ بہر حال یہ حضرت ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام کی وصیت کا ذکر تھا۔ جو اس آیت میں بیان ہوا۔

اگلی آیت میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت کا بطور خاص ذکر فرمایا۔ یہود و نصاریٰ کو یاد دہانی کرائی جا رہی ہے۔ کہ تمہارا یہ دھوٹی باطل ہے۔ کہ تم ابراہیم، اسمعیل، اسحق اور یعقوب علیہم السلام کو ماننے والے ہو۔ انہوں نے یہودیت یا نصرانیت کی تعلیم نہیں دی تھی۔ ان کی تعلیم تو واضح طور پر توحید پر مبنی تھی۔ فرمایا اس واقعہ کو یاد کرو وَاٰخِرُ كِتٰبِيْ شَهَادَةٌ اِنْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ كَمَا تَمَّ اِس وقت موجود تھے۔ جب یعقوب علیہ السلام کے پاس موت آئی۔ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَقْبَلُوْنَ مِنْ بَعْدِيْؕ اَمَّا بَنُوْٓ اٰدَمَ فَاٰمَنُوْا بِرَبِّہٖمْ وَارْتَضُوْا لِمَا رَزَقُوْهُم مِّنْہٗ ؕ اِنَّہُمْ کَانَوْنَ عَلٰی سَبِيْلٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؕ اَمَّا يٰٓاٰسٰفُ وَیٰٓاٰقْرَبُؕ اِنَّہٗمَا کَانَوْا فٰسِقِيْنِ ؕ اَمَّا بَنُوْٓ اٰدَمَ فَاٰمَنُوْا بِرَبِّہٖمْ وَارْتَضُوْا لِمَا رَزَقُوْهُم مِّنْہٗ ؕ اِنَّہُمْ کَانَوْنَ عَلٰی سَبِيْلٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؕ اَمَّا يٰٓاٰسٰفُ وَیٰٓاٰقْرَبُؕ اِنَّہٗمَا کَانَوْا فٰسِقِيْنِ ؕ

نہ رکھتا ہو۔ تو یہ لوں نے ایک آواز جواب دیا فَاَلَا لَكُمْ عِبَادُ اللَّهِ تم تیرے معبود کی عبادت کریں گے وَاللَّهُ آتَاكُمْ اور تمہارے آباؤ اجداد انہیں وَأَسْمَعُ عِبْدًا مَخْلُوقًا ابراہیم، اسماعیل اور اسحق علیہم السلام کے معبود کی عبادت کریں گے وَاللَّهُ تَجِدُ حَوَالَكُمْ ہی معبود ہے۔ ہم صرف اُنہی کی عبادت کریں گے۔ وَنَحْنُ لِلَّهِ مُسْلِمُونَ اور ہم صرف اُنہی کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں۔ یہ سب باتیں حضرت یعقوب علیہ السلام کے دم واپسین کے وقت کی ہیں۔ جو اپنی اولاد کو دین توحید اور ملت ابراہیمی پر کار بند بننے کی تلقین فرما رہے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ان تمام واقعات کے پیش نظر یہود و نصاریٰ کے لیے ملت ابراہیمی سے انحراف کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگر ان میں ذرا بھی انصاف کا مادہ موجود ہو۔ اور وہ تعصب کی عینک اتار کر دیکھیں تو انہیں حضور علیہ السلام پر ایمان لانا ہو گا۔ کیونکہ آپ ہی ملت ابراہیمی کے پیچھے پیروکار اور پیچھے جانیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے اس دعوے کی تردید فرمائی ہے کہ وہ ملت ابراہیمی پر ہیں۔ آگے سورۃ آل عمران میں آئے گا۔ کہ بَنِي إِسْرَءِیْلَ اگر تمہارا دعوے یہ ہے کہ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر ہو۔ تو بنی اسرائیل صلی علیہم وسلم پر ایمان لانا پڑے گا۔ آپ کے بغیر سب اویان باطل ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف تمہاری جھوٹی نسبت کچھ مفید نہ ہوگی۔

ان جلیل القدر پیغمبروں حضرت ابراہیم، اسماعیل، اسحق اور یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد کی توحید پر پختگی کے بعد فرمایا۔ يَذَلُّكَ أَفَلَا تَعْلَمُونَ یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی، وہ دین توحید پر قائم رہی لیکن مَا كُتِبَتْ انہیں کے لیے ہے جو کچھ انہوں نے کیا۔ یعنی ان کے عقیدہ اور اعمال و انفال کا اجر ان کو ملے گا وَكُلُّكُمْ مَعًا اور تمہارے لیے وہ ہو گا جو تم کو ملے گا۔ اگر تم بھی ان کے طریقے پر چلتے ہوئے دین اسلام اور ملت ابراہیمی کا دامن تمام لوگے۔ تو تم کو پسینہ ملے گا۔ اور اگر اپنی ضد اور عناد پر قائم رہے۔ تو ملت ابراہیمی سے خالی خولی نسبت کچھ کام نہ آئے گی اور تمہارے عقیدے اور اعمال کے مطابق ہی تمہیں بدل دیا جائے گا۔ اہم غزالی نے بڑی عمدہ مثال دی ہے کہ جس میں اگر مینا جھوکا یا پیاسا ہو اور باپ کھاپی ہے۔ تو بیٹے کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ اس کی جھوک اور پیاس رفع نہیں ہو گی۔

برامت پخت
انفال کی توحید
سب

جب تک وہ خود نہیں کھائے پئے گا۔ اسی طرح یہود و نصاریٰ کے آباد ابدال کا دین اسلام پر قائم ہونا انہیں کچھ فائدہ نہیں دے گا۔ جب تک یہ خود ہٹ دھرمی چھوڑ کر ملتِ ابراہیمی کو نہ اپنائیں۔ فرمایا وَلَا تَسْأَلُونَنَا عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تمہارے آباد ابدال کا دین کیا تھا۔ وہ کیا کرتے تھے، بلکہ تمہیں خود ان کی صحیح معنوں میں پیروی کرنا ہوگی۔ تمہارے اعمال کی باز پرس تمہیں سے ہوگی۔

وَقَالُوا كَذِبُهُمْ هُوَ أَوْ نَعَمْ أَمِى تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مَلَكٌ بَرَكْتَ اِبْرَاهِيْمَ
 حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (۱۲۵) قُلُوا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا
 اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ اِلَى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَ
 يَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اَوْفَىٰ مُوسٰى وَعِيسٰى وَمَا اَوْفَىٰ الشُّبُوْنِ
 مِنْ زَيْنٍ حَمْدٌ لَا تَفْرِقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَكَ مُسْلِمُوْنَ
 ۝ (۱۲۶) فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَا اٰمَنُتُمْ بِهِ فَقَدْ اٰمَنَّا بِمَا
 وَاَنْ تَقُوْلُوْا فَاِنَّكُمْ اَنْتُمْ فِيْ شِقَاقٍ فَيَسِيْفُكُمْ اللّٰهُ وَهُوَ
 السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ (۱۲۷) صَبَّغَهُ اللّٰهُ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنْ اللّٰهِ صَبْغًا
 وَنَحْنُ لَكَ عِبْدُوْنَ ۝ (۱۲۸)

ترجمہ : اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں یہودی یا نصرانی جو جواز، بابت یا جبر کے لئے
 پیغمبر آپ کو بھیجے ہو کر نہیں، بلکہ ہم وقت پر بھیجی کی پیروی کریں گے جو ایک سطر
 (جھکنے والے) دے دے۔ اور شرک کرنے والوں میں نہیں تھے (۱۲۵) (اے ایمان والو!)
 اور یہ ہم ایمان لائے میں اشد ہے اور اس چیز پر جو جہاد کی طرف اشارہ کی گئی ہے۔ اور یہ
 ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب و عیسیٰ السلام ایمان کی اولاد پر آتا، وہ کسی ہے (اور
 ہم ایمان لائے ہیں اس چیز پر) جو موسیٰ، عیسیٰ و عیسیٰ السلام اور درستی میں کو
 ان کے رب کی طرف سے دی گئی ہے۔ ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان فرق
 نہیں کرتے۔ اور ہم اسی پروردگار کی پیروی کرنے والے ہیں (۱۲۶) پس اگر یہ
 لوگ ایمان لے آئیں جیسا کہ ایمان لائے تو وہ یقیناً بہت زیادہ ایمان لائے اور انہوں نے
 پروردگار کی پس منبت کو نفی نہیں۔ پس منتریب اللہ تعالیٰ کو یہ کہتے ہیں کہ آپ
 کے لیے ان سے۔ اور وہ سب سے بڑا اور جاننے والا ہے (۱۲۷) (ہم نے)

رہیں گے۔ پہلی آیتوں میں گزرجاتا ہے کہ صحیح فہمِ ابراہیمی ہی فہمِ اسلامیہ ہے، و ہذا یہ ثابت
 عَنْ صَلَٰةٍ بُدِّلَہُمْ اِلَّا مَنْ شِئْنَا۔ کہ ہمارے فہم سے ان کی فہم سے انحراف نہ
 کرتی یہ قیوف ہی کر سکتا ہے۔ اور ان کا طریقہ قرآنِ تعالیٰ کی اطاعت کا طریقہ ہے۔ اور اس
 آخری دور میں شریعتِ محمدیہ ہی فہمِ ابراہیمی کی اصل بنائیں ہے۔ لہذا ہم تو اس فہم کا اتباع کریں
 گے جو حضرت ابراہیم خلیفہ علیہ السلام کی فہم ہے۔ اور یہ اب شریعتِ محمدی کی شکل میں پہلے
 پاس موجود ہے۔

فصل فی معرفت

عنیف عربی زبان میں اس اونٹ کو کہتے ہیں جس کے پاؤں نیچے ہوں اور وہ چلتے وقت ایک طرف سے کھلے ہو جاتا ہو اس کو اسفٹ بھی کہتے ہیں۔ لفظ عنیف اُس ماٹے سے ہے اور اُس کا معنی ہے بہر طرف سے کٹ کر ایک طرف نکلنے والا یعنی بکھرا اور اعلیٰ کا عنیف اُس شخص کو کہتے ہیں جو ہر طرف سے کٹ کر عمرت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔ مُحْفَاةٌ لِللّٰہِ عَسِیْرٌ مُّشْرِکِیْن یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعلق بھی میں آیا ہے۔ وَمَا کَانَ مِنَ الْفِتْرِ کَیْنِ آپ شرک کرنے والوں میں نہ تھے بلکہ جس یوریت اور نمائیت کی دعوت تم سے ہے جو وہ تو شرک سے آلودہ ہے۔ تم تو خدایت الہیہیت کے قابل ہو جسے تم قسیر پانی مانتے ہو۔ ہذا تم قدامت شرک و دین قبول نہیں کر سکتے بلکہ تم قدامت ابراہیمی کا اتباع کر رہے گے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عنیف تھے اور شرک سے پاک تھے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور بعض دوسرے مفسرین کو اہم فرماتے ہیں۔ کہ ضعیف و مختص ہو گا۔ جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا قائل ہو۔ حج کرنے والا ہو۔ غلام میں بیت اللہ شریف کی طرف رخ کرے۔ والا ہو۔ خضر کرنے والا ہو۔ اور محرم ربیع الاول حج کو حرام سمجھتے ہو۔ شاہ عبدالغفورؒ نے اپنی تفسیر میں متابرہ کی کہ چالیس خصوصیات بیان کی ہیں۔ جو اسلام میں باقی رہیں۔ یہاں پر بحث کرے دے سے اور ایسا مختص ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو مانے ہو۔ بہ حال حضرت ابراہیم علیہ السلام ضیعت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اس قدر اکر آپ فرمایا کہ تم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کثرت

فرمایا ہمارا ان کتابوں پر بھی ایمان ہے وَمَا أَوْفَىٰ مُؤْمِسِي وَعَيْسِي حُرْمَتِي اور
 عیسیٰ علیہما السلام کو عطا کی گئیں۔ یعنی تورات اور انجیل وَمَا أَوْفَىٰ التَّابِثُونَ مِنْ دِينِهِمْ
 اور اُنس چیز پر بھی ایمان لائے جو دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے رب کی طرف سے ہی
 گمنی بغیر شک یہ ایک قاعدہ حکیمہ آگیا کہ اللہ تعالیٰ نے نفع انسان پر جس وقت اور جگہ پہنچے فرمیں
 کے ذریعے بھیجا ہے۔ سب پر ایمان قائل لازم ہے۔

ابن ابی حاتم کی روایت میں آتا ہے۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا
 ہم ایمان لانے کا حلق ہے۔ تم زبور، تورات اور انجیل پر ایمان رکھو مگر وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ الْقِسْطُ
 عمل کرنے کے لیے تمہارے لیے قرآن پاک کافی ہے۔ یعنی سابقہ کتب پر عمل کر کے کی ضرورت
 نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن پاک نے سابقہ کتب کے احکام کو منسوخ کر دیا ہے۔
 اب قابل عمل احکام صرف قرآن کریم کے ہیں۔

امام شافعی کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کل ایک سو چار کتابیں نازل فرمائی ہیں۔ ان میں چار
 قرآن عظیم کتابیں ہیں۔ یعنی ذیل تورات، انجیل اور قرآن کریم اور ستر چھوٹی کتبیں صحیفے ہیں۔ جو حضرت
 آدم، نوح، ابراہیم علیہم السلام اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے۔ ایسے ہی صحیفہ
 کا ذکر حضرت یونس، حضرت ایوب، حضرت سلیمان علیہم السلام اور دیگر کئی انبیاء کرام کے ساتھ بھی
 آتا ہے۔ موجودہ مجبور کتب قدرے ناقص ہیں۔ اس میں ۲۹ صحائف شامل ہیں۔ ان کتابوں
 اور صحائف میں اگرچہ بہت کچھ تحریف و تفسیر ہو چکی ہے۔ تاہم یہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہیں اور
 ہمارا ان سب پر ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بذریعہ وحی انبیاء کرام پر نازل فرمائے۔

آگے اس بات کا اقرار ہے لَا تَقْرَأُ بَكَيْنٍ أَحَدٌ مِّنْهُمْ مَّا نَزَّلَ عَلَيْنَا مِنْ دُونِ الْكِتَابِ
 رسولوں پر بھی مکمل ایمان ہے۔ جن پر کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے۔ بلکہ ان انبیاء کرام پر بھی ایمان ہے
 جن پر کوئی باقاعدہ کتاب نازل نہیں ہوئی۔ اور ہم ان کے درمیان کوئی فرق دوانہیں رکھتے حقیقت
 یہ ہے کہ ایمان مکمل اُسی صورت میں ہوتا ہے۔ جب تمام انبیاء علیہم السلام پر بلا تفریق ایمان ہو

یعنی نجات یافتہ وہی لوگ ہوں جو میرے عقائد کے طریقے پر ہوں گے۔ بانی سب گمراہ ہوں گے۔ صحابہ میں سے آپ نے خلفائے راشدین المدین کا خاص طور پر ذکر فرمایا۔ بلکہ چونکہ ان کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے تمام خطہ زمین پر دین کو مستحکم بنجھا۔ واقعہ ایک شخص تک کوئی طاقت ایسی نہ تھی جو ٹکمانوں سے ٹکڑے سکے۔ سب مغلوب ہو چکے تھے۔ نہ مانتے دلیل سے بلکہ سبھی طور پر اسلام غالب آچکا تھا۔ یہ تو حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے اہل بیت علیہم السلام کی وجہ سے حالات نے چٹا دکھایا۔ ورنہ پچاس سال تک اسلام ہر طرف سے غلبہ رہا۔

الغرض! یہ دو نقصان کو فرمایا کہ تمہارا دین اور تمہارا ایمان درست نہیں سے باریت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تم بھی دین حق پر اسی طرح ایمان لے آؤ جس طرح اہل ایمان لاتے ہیں۔ اگر ایسا نہیں کرو گے۔ اپنی ضد اور بہت و دھرمی پر اڑے رہو گے تو ہدایت نہیں پانچو گے۔

اہل ایمان کی کھانی

فرمایا اگر یہ مکمل ایمان لانے کی بجائے وَإِنْ تَوَلَّوْا اگر یہ رد و ردائی کریں گے فَأَنفَكُوا هَسْرًا فِي شِقَاقٍ تَوَلَّوْا یعنی خدا اور اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں۔ بڑے تو مصنف مزاج ہیں اور نہ ہی حقیقت کے طلبکار ہیں۔ آپ اپنا کام کرتے نہیں۔ ان کی پروا نہ کریں فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ان کی طرف سے ہر شرف و رکے جواب میں اللہ تعالیٰ آپ کی کفایت کرے گا۔ آپ کو ان کی شرارتوں اور جیل ساز یوں سے محفوظ رکھے گا۔ اور جو لوگ آپ کے متبع ہیں۔ وہ بھی ہموں پر گئے إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ آپ کے دشمن ہی ذلیل و خوار ہوں گے۔ آپ اور آپ کے ساتھی بالآخر کامیاب و کامران ہوں گے۔ چنانچہ اہل کتاب نے دیکھ لیا کہ عورتوں سے ہی خدا میں اسلام لے کرے۔ عرب اور پھر آدمی دنیا تک پھیل گیا۔ وہی اہل کتاب جو آپ کے خلاف طعن و طعن کی سازشیں کرتے تھے۔ انہیں مدینہ طیبہ اور دیگر قلعوں سے نکلنا پڑا۔

لوگوں کی خستہ زبان

صحابہ کرامؓ نے جو معیار قائم کیا تھا وہ بڑے اونچے درجے کا معیار تھا۔ اور اس پر کار بند رہنا بھی آسان نہیں تھا۔ چنانچہ بعد میں آنے والے لوگ اس معیار کو قائم نہ کر سکتے اور خود کو فخر کی بجائے

ملوکیت کا راستہ اختیار کر لیا۔ خلافتِ راشدہ کے طریقے کو پس پشت ڈال دیا اور عیاشی و فحاشی والا طریقہ اختیار کر لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بنی اسرائیل کی طرح یہ بھی ذلیل ہوئے۔ یہ درست ہے کہ بعد میں کچھ اچھے لوگ بھی آئے اور اسلام کو وقتی طور پر تقویت بھی حاصل ہوئی۔ مگر کیفیت مجموعی بگاڑ پیدا ہوتا چلا گیا۔ اور ملوکیت اور ڈکٹیٹر شپ لگتی اور ہر صاحبِ اقتدار اپنی من مانی کرنے لگا۔ چودہویں اھل حق و ہماری قوم کے بڑے مدبر انسان ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب میں بڑے دکھ کے ساتھ ایک جملہ لکھا ہے۔ کہ جب بنی امیہ کا دور آیا تو انہوں نے خلافتِ راشدہ کے نفیس فرش کی جگہ شنش بیت کا ٹاپچا دیا۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ جو میاں حق صی بنے قائم کیا تھا اس میں زوال آ گیا۔ اور امت میں اتفاق و اتحاد کا دامن ہمارا رہ گیا۔ جنگِ اُمیہ میں اگرچہ شکست کا رمن کرنا پڑا مگر صی بکر کا ٹپنے و اُتارنے سے نہ ہی بے شکست رہی۔ نہ ہی پر عمل کر کے زمرتِ اس شکست کو برداشت کی، بلکہ اپنے اتحاد کو اور مضبوط کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر کبھی ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑا۔ بلکہ فتور سے ہی عرصہ میں اسلام عرب سے نکل کر دورِ دور تک پھیل گیا۔

اہم البکر جیسا من فراتے ہیں کہ جس معاملہ میں وحی کے ذریعے رہنمائی نہ کی گئی ہو۔ اُس معاملے میں نبی کے لیے بھی واجب ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرے۔ مگر ملوکیت کے راستے پر چل نکلنے والے صاحبِ اقتدار لوگوں کو اپنی من مانی کرنے کا کام حق پہنچتا ہے۔ ایسے لوگ تو ابیس کے راستے پر چلنے والے ہیں۔ کابلِ مصر اور بغداد وغیرہ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں وہاں کے لوگ نے کس قدر ظلم کیے۔ اسلام کے صحیح طریقے کو تھپڑ مار کر باطل طریقے پر چل نکلے۔ نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر صدیوں سے زوال مچایا ہوا ہے۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو فرمایا کہ اگر کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ اپنی خضر پر اڑے دیں۔ تو آپؐ ٹھہرائیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارا حامی و ناصر ہو گا۔ ان کے مقبلے میں وہ تمہارے لیے کفایت کرے گا۔ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ وہ ہر ایک کی دُعا کو سنتا اور ہر چیز کو جانتا ہے۔ اُس سے کچھ مخفی نہیں۔

سب سے پہلے

فرمایا یہ آپ کو یہودیت اور نصاریت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ آپ انہیں فرمائیے کہ جَعَلَهُ اللَّهُ بِمِ نَے تو اللہ تعالیٰ کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔ تمہاری باطل یہودیت اور نصاریت سے جہاد کیا خلق؟ اور اللہ تعالیٰ کے رنگ سے مراد کوئی دینی رنگ از قلم نہیں نیا یا پھر انہیں بلکہ توحید اور اخلاص کا رنگ ہے۔ یہ وہ رنگ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی جلالت کرنے سے انسان کے چہرے پر نمایاں ہوتا ہے۔ یہ رنگ ان کے اقوال و افعال و اعمال پر کار کی وجہ سے اور چمکتا ہے۔ ہم نے یہ رنگ اختیار کیا ہے۔ یہ یہودیت اور نصاریت والا رنگ نہیں۔ جو کہ کپڑوں اور جسم پر لگا کر عیسائیت میں تختی کا اظہار کرتے ہیں

فرمایا: وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ جَعَلَهُ خدا اور اللہ کے رنگ سے اچھا کون سا رنگ ہو گا۔ جو کہ توحید، عبادت، ریاضت، دیانت اور ایمان کا رنگ ہے۔ یہ قلم ہر بھی کا رنگ ہے۔ جو صرف اہل ایمان کو حاصل ہے۔ جو اس قلم پر صحیح معنوں میں کار بند ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے سزا گزریں۔ جس نے ہمیں اپنے رنگ میں رنگ دیا۔ وَخُذْ كَذَٰلِكَ دُونَ اِسْ يٰلَہ ہم اسی اللہ کی عبادت کرنے والے ہیں۔ ہم کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہیں کرتے۔

الْم
درس نچادہ پندرہ

البقرة -
آیت ۱۳۹-۱۴۱

قُلْ أَخَذْتُ عَهْدَ فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَكِنَّا أَعْمَالُ
وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَغَنَّا لَكُمْ مُخْلِصُونَ ﴿۱۳۹﴾ أَمْ تَقُولُونَ إِنَّا
أَبْرِهِمْ وَلَا سَمْعِيْلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْإِسْبَاطَ كَانُوا
هُؤُذَا أَوْ نَصْرِي قُلْ أَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ وَمَنْ أَظْلَمُ
مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا
تَعْمَلُونَ ﴿۱۴۰﴾ بَلَىٰ أُمَمَةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمُ
مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۴۱﴾

۱۴

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ نہ دیکھتے (اہل کتاب سے) کیا تم ہمارے ساتھ اللہ کے
باسے میں مجبور کرتے ہو۔ حالانکہ وہی باز رہا ہے اور تم ازرب بھی ہے۔ اور ہمارے
پلے ہمارے اعمال میں۔ اور تمہارے لیے تمہارے اعمال۔ اور ہم اُسی کیلئے اخلاص
کرنے والے ہیں ﴿۱۳۹﴾ کیا تم یوں کہتے ہو کہ (حضرت) ابراہیم، اسماعیل، اسحاق اور
یوسف (علیہم السلام) اور ان کی اولاد یسوی یا نصرانی تھے، آپ فرمائیے کیا تم بڑا
جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ۔ اور اس سے بڑا عالم کون ہوگا جو اس کو انہی کو چھپاتا ہے۔
جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پاس سے۔ اور اللہ ان کا مومن سے غافل نہیں ہے۔
جو تم کرتے ہو ﴿۱۴۰﴾ یہ ایک مباحثہ ہے جو گھر پر ہے۔ اس کے لیے وہی کچھ ہے۔
جو اس نے کیا۔ اور تمہارے لیے وہ کچھ ہے۔ جو تم نے کیا۔ اور تم سے ان کا مومن
کے: ہمارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔ جو وہ کرتے تھے ﴿۱۴۱﴾

گفتہ شدہ درس میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ یہود و نصاریٰ مسلمانوں کو اپنے اہل مذہب کی طرف
دعوت دیتے تھے کہ یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تو قومیت چھوڑ کے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ
نے اہل ایمان سے فرمایا کہ تم قومیت ابراہیمی کے پیروکار ہیں اور اسی پر کار بند رہیں گے۔

۱۴

حضرت ابراہیم علیہ السلام صیغت تھے۔ اور شرک کرنے والوں میں نہیں تھے۔ اس کے بعد کتاب اسلام اور ملت ابراہیم کا اہم اصول اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری بیان کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے فرمایا کہ وہ کہہ جائیں کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس کی تائید اور اس کی کتاب کو ماننے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف نازل کی ہے۔ اور ان صحائف کو بھی ماننے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم، اسماعیل، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام پر ان کی اولاد کی طرف نازل فرمائے ہمارے اُن شریعت اور دین پر بھی ایمان ہے۔ جو حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو دیا گیا۔ خلاصہ یہ کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو جو چیز بھی عطا کی گئی۔ ہمارا اُن پر ایمان ہے۔ اور ہم تفریق بین الرسل نہیں رکھتے کہ کسی کو مان لیا اور کسی کو نہ مانا، بلکہ سب کو بحال طور پر اللہ تعالیٰ کے رسول تسلیم کرتے ہیں۔ اور تمام کتب کا وہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ البتہ علیل کے لیے صرف قرآن پاک کو کافی پاتے ہیں۔

حضرت علیہ السلام کے صحابہ کرام بھی اسی اصول پر عمل درآمد کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر گریو و نساء فی بھی اسی طرح ایمان لے آئیں۔ جس طرح صحابہ ایمان لائے ہیں۔ تو وہ بھی ہدایت پا جائیں گے۔ اگر مخالفت کریں تو یہ اُن کی ضد اور ہٹ دھرمی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو قلعی دی کہ اہل کتاب کے شر سے غافل نہ ہوں۔ آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کفایت کرے گا۔ پھر فرمایا کہ یہودیت یا نہایت کا رنگ پچھنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کا رنگ اختیار کرو۔ اور وہ دین قرعہ اور ملت ابراہیمی والا رنگ ہے۔ آخر میں اہل ایمان سے کہلوا کر ہم اُنہی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے ہیں۔ جسکی وحدت کا اقرار کر چکے ہیں۔

اہل کتاب کے ساتھ معجزہ

آیت زبور در میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ساتھ مقاطعہ کی بنیاد رکھی ہے۔ کیونکہ اُن کے ساتھ صاحت کا کوئی امکان باقی نہیں رہا۔ پھر علیہ السلام سے خطب کیا۔ قُلْ اَنتُمْ اہل کتاب سے کہہ دو اِنَّا جَعَلْنَا فِی اللہ کیا تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہم سے متوجہ کرتے ہو کیونکہ نے محاسنت مذکب و الذہب انت اس کا دین یا اس کی عبادت ہے۔ بلکہ جھگڑے کی بنیاد یہ ہے کہ اہل کتاب اس دُغم میں مبتلا تھے کہ اللہ تعالیٰ اُن پر بڑا مہربان ہے اُن کی تمام تر نوازشیں انہیں کے لیے ہیں۔ لہذا آخری نبی بھی بخواتق ہیں سے ہی آنا چاہیے۔ تاکہ ان کے خاندان کی برتری قائم رہے۔ اسی لیے وہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت

قبول ہوتا ہے۔ ریاکاری اور دکھاوے کا عمل ہمیشہ مردود ہوتا ہے۔ اہل کتاب کے عقائد اخلاص سے خالی ہیں۔ وہ ضدی اور عنادی میں۔ لہذا ہماری ان سے مصالحت نہیں ہو سکتی۔ مشرکین کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا: لَا تَجْعَلُ دِينَكَ كَدِينِ الْيَهُودِ یعنی تمنا سے لیے تمہارے دین ہے۔ اور ہمارے لیے ہمارے دین۔ اب صلیح کی گنجائش نہیں۔ یہاں بھی اہل کتاب کو فرمایا کہ تمنا سے اعمال تمنا سے ساتھ ہیں اور ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں گویا یہ ایک چیلنج ہے کہ آئندہ جہاد کرنا پڑے گا۔ اس کے بغیر کوئی چارہ کار باقی نہیں رہ گیا۔

اہل کتاب کا دوسری غما کہ پہلے جتنے بھی انبیاء کریم علیہم السلام تشریف لائے ہیں۔ وہ سب کے سب انہیں کے عقیدہ پر یہودی یا نصرانی تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ ان کے اس غلط فہمی کا جواب دے رہے ہیں۔ أَمْ تَقُولُونَ كَلِمَاتٍ كَلِمَاتٍ بُرْهَانٍ اِبْرَاهِيمَ وَاسْمَعِيلَ وَاسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْاِسْبَاطَ كَاٰلُ اٰهٖمُ اَوْ اٰلُ اٰدَمَ حضرت ابراہیم، اسمعیل، یحییٰ، یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَسَ یعنی آپ ان کے فرما دیں۔ کہ اس دعوے کے متعلق وَ اَنْتُمْ اَعْلَمُ اور اللہ کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے۔ کہ انبیائے سابقین کس طریقے پر تھے۔ فرمایا یہ حضرات یہودی تھے اور نصرانی بلکہ وہ توحید تھے۔ یعنی خالص اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنے والے تھے۔ تمہاری یہ یہودیت یا نصرانیت تو قیراۃ اور انجیل کے بظاہر کا نتیجہ ہے۔ اور انبیائے متعلقین سے صد ہاں بعد کی پیداوار ہے۔ ان کا ان باطل عقائد کے ساتھ کیا تعلق وہ تو خالص ملت اسلام پر کاربند تھے۔ اور اُن کی تبلیغ کرتے رہے خاص طور پر جب الانبیاء حضرت ابوبکر علیہ السلام کے متعلق فرماتے ہیں کہ مَنْ كَانَ اِبْرَاهِيْمَ يَهُودِيًّا وَلَا كَذِبًا۔ وَيَا اٰدَمَ اَوَّلَ الْاَنْبِيَاءِ وَالَّذِي كَانَ حَقًّا مُنْذُ مَا كَانَ مِنَ الْمَشْرِكِ کہیں یعنی آپ تو عیسائی اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے۔ آپ مشرکین میں سے قطعاً نہیں تھے۔ لہذا ان کی نسبت یہودیت یا نصرانیت کی طرف کڑواہٹ ہی قبیح حرکت ہے۔ بخدا اللہ تعالیٰ کے نبی یہودیت اور نصرانیت کا باطل طریقہ کیے اپنا کئے ہیں۔ جو انکارِ نبوت، عقیدہ شیعہ اور کفرِ حق بنی الانبیاء والا طریقہ ہے۔ ایسے باطل عقائد تمہیں مبارک ہوں۔ انبیائے سابقین ان سے ہمراہ تھے۔

آگے اہل کتاب کی ایک در زیادتی کو بیان فرمایا۔ وَكَهٰذَا اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَبُوا شَهَادَةَ
عِنْدَہٗ مِنَ اللّٰهِ اِسْمُ شَخْصٍ سَے بڑھ کر ظالم ہو گا۔ جس کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے
گواہی موجود ہو۔ اور وہ اسے چھپائے۔ یہ گواہی کون کی تھی۔ جسے بنی اسرائیل چھپاتے تھے۔
گواہی حضور علیہ السلام کی بعثت۔ قرآن پاک کی حقانیت اور آخری امت کے بارے میں حق آگے
آئے گا کہ بنی اسرائیل ایسا جان بوجھ کر کر رہے تھے: يَغْبِرُوْنَہٗ كَمَا يَغْبِرُوْنَ اٰیٰتِہٖمْ
یہ لوگ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح چھپاتے تھے۔ جس طرح پہلے نبیوں کو۔
مگر تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے۔ تورات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ
کے متعلق واضح پیشین گوئیاں موجود تھیں۔ مگر یہ لوگ عناد اور حسد کی وجہ سے آپ کو آخری نبی تسلیم
نہیں کرتے تھے۔ گویا تورات نے جو گواہی پیش کی تھی اور جو خدا ان کے پاس موجود تھی۔ اسے
چھپاتے تھے۔ انہیں کے متعلق فرمایا: کہ اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے۔ جو اپنے پاس
موجود شہادت کو چھپا جائے۔

شہادت کا چھپا کر ایسے مجبی گناہ ہے۔ وَعَنْ يَّكْتُمُہَا فَاِنَّہٗ اِثْمٌ قَلْبٌ
شہادت کو چھپانے والے کا دل گنہگار ہے۔ بلکہ صحیح گواہی دینا تو ضروری ہو جاتا ہے نہ تو
بہر جب کہ وہ دین کے متعلق ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاقْبِضُوا الشَّہَادَةَ لِلّٰہِ
اللہ تعالیٰ کے لیے شہادت کو قائم کرو۔ اس کو چھپانے کی کوشش نہ کرو۔ ورنہ ظالموں میں
شمار ہو گے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی طرف سے کتمان شہادت کو سورۃ احزاب میں لہر بیان
فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا اَمْرَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْ اٰیٰتِہٖمْ
پیش گوئیاں اور حال تورات اور انجیل میں ان کے پاس لکھا ہوا موجود ہے۔ مگر یہ حق بات کو
چھپاتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی قبیح حرکات کا علم نہیں بلکہ وہ تو
بہر چیز کو جانتا ہے۔ وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ وہ غافل نہیں ہے تمہاری

تمام کاروائی کو جانتا ہے۔ اور مناسب وقت پر تم سے مواخذہ کرے گا
یہ آیت گذشتہ سے پوسٹر درس میں ہی آئی ہے۔ یہاں اس کو دہرایا۔ بار بار ہے

تِلْكَ أَمَّتُهُ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَتَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَتَبْتُوهُ اَيْ اُمّتِ حق
جو گذر چکی۔ اس کے لیے وہی کچھ ہے۔ جو اس اُمّت نے کیا اور تمہارے۔ لیے وہ ہے جو تم نے
کھایا و کُتِبَ لَكُمْ عَمَّا كَانُوا يَكْفُرُونَ تم سے ان کے بارے میں سوال نہیں کیا جائیگا۔
کہ وہ کیا کرتے تھے۔ بلکہ تم اپنے گمراہ کے ذمہ دار ہو۔ وہ اپنے فحال کے ذمہ دار ہیں۔ مطلب یہ کہ اسے
نہ کتاب اگر یہ تم اپنی نسبت انبیاء علیہم السلام کی طرف کرتے ہو۔ بلکہ تم ان کے خلیفے سے پر قائم
نہیں ہو سکتے۔ لہذا تمہاری یہ معمولی نسبت کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ ان کے عقیدے اور اعمال نیک
درست تھے۔ لیکن وہ تمہارے کسی کام نہیں آ سکتے۔ تمہیں اپنے افعال کی خود جوابدہی کرنا ہوگی۔
قَتَبَ اَبْرَاهِيْمُ كَايِكَ اَبْرَهٰىمِ اَمُوْلٌ وَلَمْ يَسْزِرْ وَازْرَقَ قَوْلًا اُخْرٰى ہے۔ یعنی کوئی
کسی کا جو چیز نہیں اٹھائے گا جھوڑی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مباد کہ کبھی ہے کہ کبھی علیک
وَلَمْ يَجْعَلْ لِنَفْسٍ عِلَّةً بَاب اور بیٹے کے متعلق فرمادے کہ باپ کا گناہ بیٹے کی گردن پر نہیں ہوگا۔ اور
نہ بیٹے کی زیادتی پر باپ کو چڑا جائے گا۔ ہر کوئی اپنے کام کا ذمہ دار ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ
انبیاء علیہم السلام کی طرف محض نسبت کر لینا کچھ فائدہ نہیں دے گا۔ جب تک ان کی پوری پوری اتباع
نہیں کی جائے گی

مفسرین کو ارم فرماتے ہیں۔ کہ آیت تِلْكَ اُمَّتُهُ قَدْ خَلَتْ کا دہرایا جائے خاص مقصد کی بنا پر ہے
صرف اہل کتاب کے لیے تو یہ آیت ایک دفعہ ہی کافی تھی۔ اب جو دوسری دفعہ اس کا ذکر کیا گیا ہے
تو اس سے مراد اہل اسلام کی تنبیہ ہے۔ کہ اہل کتاب کی طرح وہ بی فحالی نسبت پر تکیہ نہ کرنا
چاہئے۔ بلکہ وہ اپنے عقائد اور اعمال کو پاک کریں۔ اللہ تعالیٰ انہیں علیہ السلام کے احکام کی پابندی
کریں۔ تو ان کے لیے بھی وہ نجات کھل سکتی ہے۔ اپنے اعمال کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ آج کل
کے پڑھوں۔ امیر زادوں۔ گدی نشینوں کے لیے بھی لمحہ فکریہ ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو مجاہد کریں۔
آباد اہل لو کی فحالی نسبت کسی کام نہیں آئیگی۔ اب نیک و صالح تھا تو اس کا عمل اس کے ساتھ ہے
بیٹے کو اپنی جوابدہی خود کرنا ہوگی۔ نسبت تو جب مفید ہوگی تب بزرگوں کے خالص حصہ دار ہو۔

اماموں کے ساتھ نسبت کرنا بھی اسی قبیل سے ہے۔ یہی سال شریح طریقت کا ہے۔ پتہ نسبت بلند خانوادوں کی طرف کرتے ہیں۔ مگر ان کی ایک خوبی بھی نہیں پائی جاتی۔ آج چشتیہ اور قادریہ سلسلہ کی طرف نسبت کرنے والے کتنی لغو بات میں لوث ہیں۔ کیا شیخ عبدالقادر جیلانی کا ایسی طریقہ تھا۔ ان کی کتابیں موجود ہیں۔ ان کے مواظبا اور دیگر تصنیفات ہیں۔ ایک ایک سلسلہ سے ایمان اور حقیقت نپک رہی ہے۔ کفر اور شرک بے ہیزی کا اظہار ہو رہا ہے مگر ان کی طرف نسبت کرنے والے کفر و شرک اور بدعت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ان کے عوس منے جاسے ہیں۔ ان کی قبروں پر چڑھائے چڑھائے جاتے ہیں۔ رسومات باطلہ کا دور دورہ ہے۔ جو نسبت ان کی طرف ہے۔ ایسی نسبت کیا فائدہ ملے گی۔

چشتی اپنے آپ کو خواجہ مصیح الدین چشتیؒ سے منسوب کرتے ہیں۔ اس ملک میں خواجہ مصیح الدین چشتیؒ، خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ جیسے شلنخ کے ذریعے اسلام کی آبیاری ہوئی۔ ان کے ذریعے بعض بزرگوں کو ایمان کی دولت نصیب ہوئی۔ کتنے لوگوں کو تعلق باللہ قائم ہوا۔ ایسے بزرگوں کا اس خطہ ارضی پر کتنا احسان ہے۔ مروج انہیں کے پیروکار چشتیہ خاندان کی طرف نسبت کرنے والے راگ، رنگ اور گانے بھانے میں مشغول ہیں۔ قوالی کا نام دے کر کتنی ہی رسوم باطلہ کو اپنایا جا رہا ہے۔ مگر جیسا کہ بیان ہو چکا۔ یہ غالی نسبت کام نہیں کرتی۔ جب تک ان بزرگوں کے نقش قدم پر نہ چلیں گے۔ اسی چیز کو بدعت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اہل ایمان کو سمجھایا گیا ہے۔ کہ وہ بھی پیرو دیوں کے راستے پر نہ چل نکلیں۔ بلکہ اپنے اندر حقیقی ایمان پیدا کریں۔

ہم سے ہاں امام الحرمینؒ کی طرف نسبت کر کے حنفی کھلانے والے لوگوں کی اکثریت سے مٹوان میں سے کہتے ہیں، جو صحیح سنوں میں امام صاحب کے طریقے پر چلے ہیں۔ مگر حنفی کھلانے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ جب تک آپ کا اتباع نہ ہوگا، اسی طرح امام شافعیؒ کی طرف نسبت کرنے والے ہیں۔ وہ بھی اپنے طریقہ پر قائم نہیں ہیں۔ دل میں تعصب بھرا ہوا ہے۔ لاکھ شافعی کھلائیں کچھ فائدہ نہیں۔ اس قسم کی غالی نسبت تو وہی پیرو دیوں والی نسبت ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خبردار کیا ہے۔ کہ ایمان لانے کے باوجود بدعت اور بدعت کا رستہ

انتقاد نہ کریں۔ اور صبح صحتوں میں نسبت ابراہیمی اور شریعت محمدی پر قائم رہیں۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان والوں کا نام لے کر فرمایا: لے لے بنی ہاشم، لے بنی عبد المطلب خبردار! ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن لوگ اعمال لے کر آئیں۔ اور تم محض خاندانی تعلق اور رشتہ داری لے کر آؤ۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں تمہیں نہیں پہچانوں گا۔ آج اپنی فکر کرو۔ اَنْفُذُوا اَنْفُسَكُمْ مِنَ الشَّارِ اِیْنَ جَاؤُنَ کو دوزخ سے بچاؤ۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ ایمان کو درست کرو۔ اعمال صالحہ کی دولت حاصل کرو۔ اس طرح تم کو آخرت میں درجات نصیب ہوں گے

فرمایا یہ امت سے جو گنہگار تھے۔ جو کچھ اس امت نے کیا وہ اس کے لیے ہے اور جو تم نے کیا وہ تمہارے لیے ہے۔ تم سے ان کے اعمال کے تعلق نہیں پوچھا جائے گا۔ کہ وہ کیا کرتے تھے۔ بلکہ تمہاری باز پرس تمہارے اعمال کی وجہ سے ہوگی۔ تم سے سوال ہوگا۔ کہ تم نیک اور توبہ پر کار بند تھے یا نہیں۔ تم شرک، بدعات اور رسومات باطلہ سے بچ سکے یا نہیں۔ تم توحید کی دعوت دیتے تھے یا شرک و افعال کی طرف بلاتے تھے۔ تم نیکو اختیار کرتے تھے یا لڑائی جھگڑے میں مصروف رہتے۔ آج اپنا محاسبہ کرو۔ قیامت کے دن تمہارے کاموں کے تعلق تم سے پوچھا جائیگا۔

نمازِ مسنون

تالیف

حضرت مولانا صوفی محمد الحمید صاحب سواتی

دامت برکاتہم

نماز مسنون غدد کے بعد نماز مسنون کا ایک ایسا مفید اور نادر کتبہ ہے جس سے ہر مسلمان کو صحیح طریقہ پر نماز پڑھانے کے تمام ضروری مسائل پر قوی دلائل اور کتابت یافتہ احادیث سے تفصیل حاصل ہو سکے گی۔
 دینی مسئلہ کے غم، پیمین عظام رحمہ اللہ سے اور ان کے جہنم پر مشتمل احادیث کے مضبوط اقوال سے مزین ہے۔ جس میں طہارت، اذان، اوقات نماز، فرائض، نیت و استیجاب، سجدات و منکرات، گہرائیں ہے۔ ارکان، واجبات و سنن کی پوری نکت اور ضروری مباحث
 صحیحاً ہی مجموعہ دیکھیں، نماز جنازہ اور فرائض وغیرہ کے مجدد اجمہر مباحث اور اس سے
 ساتھ ساتھ دھولت اور خطبات کا ایک بہترین نصاب درج ہے۔
 امام مقلدین کے علاوہ مدار کرام، اساتذہ عظام اور خصوصاً علماء بار علم دین کے لیے ایک نکت
 غیر مترقبہ ہے جس کا انداز بیان اور زبان نہایت سادہ اور عام فہم ہے۔
 عمدہ کاغذ، بہترین کتابت و طباعت، سیدی جلد بندی، قیمت ۱۶۰ روپے

ناشر

مکتبہ دروس القرآن

محله فاروق کینج، گوجرانوالہ

مطبعہ کے ہے

۱۔ ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصیرہ اسلام گوجرانوالہ

۲۔ مکتبہ دروس القرآن فاروق کینج، گوجرانوالہ

علماء کرام، طلباء عظام اور عوام الناس کے لیے مگر انقدر علمی تحفہ

شمائل ترمذی

مع اردو ترجمہ و شرح

افادات

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ

مرتب

الحاج لعل دین ایم اے علوم اسلامیہ

مقدمہ، اضافہ، حاشیہ

مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

یہ کتاب حضور ﷺ کے شمائل و خصائل کے شعبہ میں امام ترمذیؒ کی مشہور زمانہ تصنیف ہے جو کہ مدارس میں درس نظامی کے نصاب میں بھی داخل ہے اس کتاب کے کل چھپن ابواب ہیں جن میں سے ابتدائی پچیس ابواب کی شرح نہایت دلنشین اور اچھوتے انداز میں منظر عام پر آگئی ہے۔ کتاب کی احادیث پر اعراب، سلیس اردو ترجمہ، عمدہ تشریح اور حواشی میں روایت کے اسماء و کنی، القاب، سن موالید و وفیات کے علاوہ بہت سے علمی، تحقیقی مواد پر مشتمل و محتوی ہے۔ عمدہ کتابت، نفیس طباعت اور معیاری جلد بندی کے ساتھ ۵۰۸ صفحات پر مشتمل جلد اول کی قیمت صرف ۱۳۰ روپے ہے باقی ابواب کی شرح انشاء اللہ العزیز جلد دوم میں شائع ہوگی۔

ناشر: مکتبہ دروس القرآن، فاروق حج گوجرانوالہ پاکستان

معالم العرفان - دروس القرآن

الامام

شیخ بریلوی صوفی عبدالحمید سواتی صاحب

ترجمہ

بیال احمد نائی صاحب

مترجم

الحق جلال دین صاحب (پیشہ - مہرہ - دہلی)

ترجمہ

انجمن مجاہدان اشاعت قرآن

صدر انجمن

شیخ محمد یعقوب عاجز

مترجم

بابو غلام حیدر صاحب

ترجمہ

محمد انور ربیع ایڈووکیٹ

ماہنامہ مکتبہ (پشاور)

محمد رفیع صاحب Ph: 221944

مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ